

اُردو ترجمہ

اَلْفَقْہُ الْاِسْلَامِیُّ وَادِلَّتْہُ

دور حاضر کے فقہی مسائل، اَدلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہاء کی آراء
اور اہم فقہی فطریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے

www.KitaboSunnat.com

مؤلف

الاستاذ الدکتور و ہبۃ الزحیلی

رکن جمیع الفقہ الاسلامی

دارالاشاعت

اُفد بازار مولیٰ پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اردو ترجمہ

آلفقہ الاسلامی وادلتہ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہاء کی آراء اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے

جلد چہارم

حصہ ہفتم و ہشتم

باب الاقتصاد فی الاسلام، باب الحدود و الجنايات
باب الجہاد، باب القضاء

مؤلف

الاستاذ الدكتور وهبة الزحيلي ركن مجمع الفقه الاسلامي

ہشتم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مترجمین

ہفتم

مفتی ابراہیم حسین صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت
اردو بازار کراچی

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿..... ملنے کے پتے﴾

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست مضامین..... جلد ہفتم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵	ملکیت خاصہ کا قومیانہ	۳۳	اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
۴۶	ضرر سے روکنے کے دلائل	۳۳	پہلی بحث..... اسلامی معیشت اور اس کے اہم نشانات
۴۸	اقتصادی توازن برقرار رکھنا	۳۴	اول: اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت پر سرسری نظر
۴۸	ششم: اسلام میں اجتماعی عدل و انصاف	۳۴	اشتراکیت
۴۸	امراول: سوشل سکیورٹی کو ممکن بنانا حکومتی ذمہ داری	۳۵	اسلامی نظریہ اور مارکسی (اشتراکی) نظریہ میں بنیادی فرق
۴۹	فریضہ زکوٰۃ	۳۶	دوم: وظیفہ مال، انفرادی ملکیت کا حق اور انفرادی ملکیت پر
۵۰	کفایت فقراء		اسلام میں وارد قیودات
۵۰	نفاق فی سبیل اللہ	۳۷	صفت فردیہ
۵۰	ہفتم: انفرادی اور اجتماعی مصلحتوں کے متعلق اسلام کا موقف	۳۷	صفت حق جماعیہ
۵۱	ہشتم: ہمارے اقتصادی نظام میں دین و اخلاق اور اسلامی	۳۸	دوسروں کو ضرر پہنچانے سے احتراز
۵۱	اصولوں کی پابندی کا اثر	۳۸	مالی ترقی کے لیے غیر مشروع وسائل کے استعمال کا عدم جواز
۵۱	اسلامی عقیدہ	۳۸	سود
۵۱	اخلاقی اقدار	۳۹	غش معاملات میں
۵۱	کائنات و حیات کے متعلق انسان کا مفہوم	۳۹	ذخیرہ اندوزی
۵۲	نہم: اس بحث کا خلاصہ	۳۹	اسراف اور بخل کی ممانعت
۵۲	دوسری بحث..... اسلام میں اشتراکیت کے اہم نشانات	۴۰	مال حصول جاہ کا ذریعہ نہیں
۵۲	تمہید: اصلاح اشتراکیت	۴۰	بعد از وفات مال کی تقسیم میراث کے نظام کے ساتھ مقید ہے
۵۳	اشتراکیت اسلام کے اہم نشانات	۴۰	سوم: معاشی آزادی کا اصول
۵۳	اول: اجتماعی تکافل	۴۱	چہارم: عمل (محنت کاری، کام) کی قیمت، اس کی معاشی
۵۳	مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں (مشارکت وحدانیہ و عملیہ)		زندگی میں اہمیت اور اشیاء کے شمن پر اس کے اثرات
۵۴	ہر انسان کی بنیادی ضروری میں معاشرہ کی کفالت	۴۳	پنجم: افراد کی معاشی سرگرمی میں حکومت کی دخل اندازی
۵۴	محنت کاری کی فضا اور اس کی ترغیب	۴۴	افراد کی محنت کاری پر حکومت کی نگرانی
۵۵	پسماندگان اور محنت کاری سے عاجز لوگوں کی کفالت	۴۴	سرکاری ملکیت کا ثبوت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۸	ب: مرکب شرط والی کارروائی	۵۵	خطرات و حوادث سے نمٹنے کے متعلق باہمی تعاون
۶۸	مضاعف کارروائی	۵۶	دوم: ملکیت خاصہ اور اس کا اجتماعی وظیفہ
۶۸	خاکہ بحث	۵۶	انفرادی ملکیت کا اقرار
۶۹	شیریز	۵۶	قیودات ملکیت
۶۹	انعامی بونڈ	۵۸	سوم: اسلام میں اجتماعی مساوات کا اصول
۶۹	دوسری قسم: معاملات کا بازار حصص	۵۹	سوم: اسلام میں اشتراکی آزادی
۷۰	اول: غیر مملوک چیز کی خرید و فروخت کا حکم (معدوم کی بیع اور بیع غرر)	۶۰	چہارم: اسلامی اشتراکی نظام میں اخلاقی اقدار
۷۱	دوم: مملوک چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع	۶۱	تیسری بحث: اسلام میں نظریہ قیمت
۷۱	شافعیہ، امام محمد و امام زفر رحمہم اللہ علیہم	۶۲	چوتھی بحث: اسلام میں زمین کا کرایہ
۷۲	شیخین کی رائے	۶۲	فریق اول
۷۳	سوم: نر خوں کی تحدید کے بغیر خرید و فروخت	۶۲	عقلی دلیل
۷۳	چہارم: شرط بسیط کے ساتھ ادھار کا رو بار	۶۳	حدیث سے نقلی دلیل
۷۳	پنجم: مرکب شرطی کا رو بار	۶۳	دوسرا فریق
۷۴	ششم: چند در چند کا رو بار	۶۳	بعض تابعین کا مذہب
۷۴	ہفتم: ادھار کے بدل کا حکم	۶۴	مالکیہ کا مشہور مذہب
۷۵	بشم: بیع الدین بالدين (دین کے بدلہ میں دین کی بیع)	۶۴	مزارعت
۷۵	دین کی بیع ادھار پر	۶۴	امام یوسف، امام محمد، حنابلہ، ثوری، لیث، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور جماعت فقہاء کا مذہب
۷۵	نہم: بینکوں کا کمیشن جو خدمات اور ضمان کے مقابلہ میں ہوتا ہے	۶۵	پانچویں بحث: اسلام میں اجرت
۷۶	ادھار معاملات	۶۵	اجارہ کی دو قسمیں
۷۶	ساتویں بحث: سرمایہ کاری کی آمدنی اور منافع	۶۷	چھٹی بحث: اسٹاک ایکسچینج
۷۷	خاکہ بحث	۶۷	کاغذی کرنسی کا بازار
۷۸	عائد سے کیا مراد ہے؟ عائد اور ربح میں فرق	۶۷	دیگر معاملات کا بازار
۷۸	عائد استثمار	۶۸	بازار حصص کی تین مختلف صورتیں
۷۸	ربح	۶۸	ارجنٹ کارروائی
۸۰	عائد کی انواع اور ان کا حکم	۶۸	قابل تاخیر کارروائیاں
۸۱	عائد کو سرمایہ کاری پر لگانے میں شرعاً اس کی تحدید کیا ہو سکتی ہے؟	۶۸	الف: معمولی شرطی کارروائی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۴	سقوط عقوبت	۸۱	وہ حالات جن میں ڈیپازٹر متغیر ہوں کیا ان میں دوری حساب سے سو فیصدی نفع کی تقسیم جائز ہے؟
۹۴	توبہ کا اثر		
۹۴	تخیر	۸۲	اگر آڑھی (مضارب) اپنا حصہ قبضہ کر لے پھر مدت پوری ہونے پر خسارہ ظاہر ہو تو حساب کیسے ہوگا؟ خسارہ کون برداشت کرے گا کمپنی یا سرمایہ کار یا کوئی اور؟
۹۵	مختلف احوال میں تخفیف کی مراعات		
۹۵	جرم کے مکان و زمان کی رعایت	۸۲	اگر بینک سرمایہ کی حفاظت کا فنڈ مقرر کر دے جو سرمایہ کاروں کی نیابت میں ہو تو کیا منافع کے تناسب سے بینک کٹوتی کر سکتی ہے؟ اور کیا اس کٹوتی کی مقدار قطعی مقرر کی جاسکتی ہے؟ اور کیا بینک کے ذمہ اس کی وضاحت واجب ہے؟
۹۵	اسلام میں سیاست تعزیرات اور معاشرے میں اس کے اصلاحی اثرات	۸۳	عقد مضاربہ میں وہ کونسے اخراجات ہیں جنہیں کمپنی پر ڈالنا جائز ہے؟
۹۵	خاکہ بحث		
۹۶	اول: جرائم کے مفہام عامہ اور دینی موانع کے معدوم ہونے کی وجہ سے عصر حاضر میں جرائم کی صورتحال	۸۵	جب عامل مضاربہ میں شخص معنوی ہو تو کیا ملازمین اور ادارہ کے خرچے جملہ اخراجات میں سے اعتبار کیے جائیں گے؟
۹۶	محظور	۸۵	کیا مالیاتی ادارہ یا بینک میں سرمایہ کاروں کا دخل اندازی سے دستبرداری کا اظہار جائز ہے؟
۹۸	دوم: تعزیری سیاست یا تعزیرات اسلامیہ کے اصول		
۹۹	سوم: احکام شرعیہ کی انواع اور ان احکام کا وقائی (حفاظتی) اور علاجی دائرہ کار	۸۶	کیا منافع کا یومیہ حساب جائز ہے؟
۹۹	احکام اصلیہ	۸۶	پانچویں قسم: الفقہ العام
۱۰۱	احکام مؤیدہ	۸۷	تمہید
۱۰۲	اسلام میں دنیوی سزائیں	۸۹	حد کی تعریف
۱۰۲	حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک حدود کی سات اقسام ہیں	۸۹	اصطلاحی تعریف
۱۰۲	جمہور کے نزدیک حدود کے جرائم آٹھ ہیں	۸۹	حدود کے حق اللہ ہونے کا مطلب
۱۰۳	ابن حزمی مالکی کہتے ہیں	۹۰	حدود کی اقسام
۱۰۳	تعزیرات	۹۰	قانون حدود کی حکمت
۱۰۳	علامہ ابن قیم کہتے ہیں	۹۳	حدود و تعزیرات میں فرق
۱۰۳	تعزیری سزائیں یہ ہو سکتی ہیں	۹۳	مقرر و متعین ہونا
۱۰۳	پنجم: تعزیراتی سیاست اسلامیہ کے مبادی (اصول) کی عملی تشکیل و تطبیق	۹۳	وجوب نفاذ
۱۰۴	مجرم کی اصلاح	۹۴	اصل اور قاعدہ عامہ کے ساتھ اتفاق
۱۰۴	سزا مقصود و لذائذ نہیں		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۳	دہم: موانع سزا اور اسباب اباحت اور سزا انسانی طرز کا ہونا	۱۰۴	پیشگی تنبیہ اور وارننگ
۱۲۳	موانع سزا	۱۰۴	بتدرج اصلاحی اقدام
۱۲۳	اسباب اباحت	۱۰۵	سزا میں تسامح برتنے کے دلائل
۱۲۴	یازدہم: اسلام میں سیاست سزا کے بڑے بڑے اثرات	۱۰۶	توبہ
۱۲۴	مجرم کی زبردستی	۱۰۷	شبہ: شبہ کی چند اقسام ہیں
۱۲۴	حدود شرعیہ کی تنفیذ کے درپے نہ ہونا	۱۰۷	خداشات اور خطرے
۱۲۴	جرائم کی روک تھام اور ان میں کمی کرنا	۱۰۷	اسی طرح یہ امور بھی خاتمہ جرائم کا باعث ہیں
۱۲۵	مجرم کی اصلاح اور اسے راہ راست پر لانا	۱۰۷	معافی و درگزر کی توقع
۱۲۵	معاشرہ کا پاک و صاف ہونا اور معاشرہ کا جرم پسندی سے دور رہنا	۱۰۸	سزا کے متنوع ہونے کی حکمت
۱۲۵	خداشات اور یہ کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے	۱۰۸	دنیوی سزا
۱۲۵	دنیوی اور آخری سزا کے خوف کا پرچار	۱۱۰	فی نفسہ سزا کی حکمت
۱۲۵	دائمی امن و امان	۱۱۱	زبردستی
۱۲۵	بقائے عالم	۱۱۱	اصلاح و تہذیب اور راہ راست پر لانا
۱۲۵	جرم کو نہایت چھوٹے پیمانے میں منحصر رکھنا	۱۱۱	جرم کے خلاف جنگ
۱۲۶	جرائم کے خلاف معاشرے کا دفاع	۱۱۱	انقام اور غصہ کی آگ کا بجھانا
۱۲۶	مقاصد شریعت یعنی اصول خمسہ کی حفاظت	۱۱۱	ششم: شریعت میں سزا کے اصول اور تخفیف جرم میں اس کا اثر
۱۲۶	پہلی فصل..... حد سزا	۱۱۳	عدل و انصاف
۱۲۷	سحاق	۱۱۳	احترام انسان
۱۲۸	فی الجملہ	۱۱۳	فردی اور اجتماعی حقوق و مصالح کی رعایت
۱۲۸	مشت زنی	۱۱۴	جرم اور سزا میں مساوات
۱۲۸	خاکہ موضوع	۱۱۴	سزا دلوانے میں اصرار
۱۲۸	پہلی بحث..... حد زنا کا سبب اور زنا کی تعریف	۱۱۵	ظاہر و باطن پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا احساس
۱۲۹	زنا کی تعریف	۱۱۵	ہفتم: شرعی حدود، ان کی حکمت اور عصر حاضر میں نفاذ حدود
۱۲۹	تعریف کی تشریح اور قیودات احترازیہ	۱۱۷	ہشتم: شرعی سزائیں اور اسلام میں انسانی حقوق کا تعین
۱۲۹	الحرام	۱۱۹	نہم: بشر و رعیت جرم سزا یا اصول ”رجم اور سزا نہیں مگر نص ہے“
۱۲۹	المرأة		اور بظاہر ارتکاب جرم پر اس کا اثر
۱۲۹	المشتہاة	۱۲۳	تعزیریاتی سزائیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۹	امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم	۱۳۰	حالتہ الاختیار
۱۳۹	حدزنا کی صفت	۱۳۰	فی دار العدل
۱۳۹	حق اللہ اور حق آدمی میں فرق	۱۳۰	ممن التزم احکام الاسلام
۱۴۰	چوتھی بحث..... قاضی کے پاس زنا کا اثبات	۱۳۰	الحالی عن ہیئۃ الملک
۱۴۱	البینۃ یعنی چار گواہ	۱۳۰	الحالی عن ہیئۃ النکاح
۱۴۲	تکلف	۱۳۰	شبیۃ الملک
۱۴۲	مرد ہونا	۱۳۱	شبیۃ النکاح
۱۴۲	عدالت	۱۳۱	منشأ اختلاف
۱۴۲	آزادی	۱۳۲	شبیۃ الاشتباہ
۱۴۲	اسلام	۱۳۲	شبیۃ الفعل
۱۴۲	اصالت	۱۳۲	شبیۃ المحل
۱۴۲	مشہود بہ میں اتحاد ہو	۱۳۳	شبیۃ الفاعل
۱۴۲	اتحاد مجلس	۱۳۳	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں
۱۴۳	قیام حد تک گواہوں کا اپنی اہلیت پر باقی رہنا	۱۳۳	شبیۃ الفاعل
۱۴۳	شہادت علی الزنا کی بعض شرائط میں علماء کا اختلاف	۱۳۳	شبیۃ الموطوہ
۱۴۳	مشہود بہ کا اتحاد	۱۳۴	حرمت زنا سے جاہل ہونا
۱۴۳	مجلس شہادت کا متحد ہونا	۱۳۴	دوسری بحث..... حدزنا کی شرائط
۱۴۴	تقدم شہادت	۱۳۶	شافعیہ اور حنابلہ
۱۴۴	گواہوں سے زنا کے متعلق قاضی کی جانچ پڑتا	۱۳۷	علامہ شوکانی
۱۴۴	حقیقت زنا	۱۳۷	ظاہریہ
۱۴۴	کیفیت زنا	۱۳۷	زانی و مخصن کی حد
۱۴۴	مکان زنا	۱۳۷	سنت
۱۴۴	زمان زنا	۱۳	اجماع
۱۴۴	عورت	۱۳۷	عقلی دلیل
۱۴۴	اقرار زنا	۱۲۷	رجم کی شرط: احسان
۱۴۵	بلوغ	۱۳۸	خفیہ کہتے ہیں
۱۴۵	نطق	۱۳۸	احسان کے لیے شرط اسلام میں علماء کا اختلاف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۲	چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرنے کا حکم	۱۴۵	اختیار
۱۵۳	مردے کے ساتھ وطی کرنے کی حد	۱۴۵	تعداد اقرار
۱۵۳	دوسری فصل..... حد قذف	۱۴۵	اقرار زنا کی صورت میں تعدد مجالس
۱۵۴	پہلی بحث: حد قذف کی مشروعیت، سبب وجوب اور اس کی مقدار	۱۴۶	اقرار امام یا قاضی کے روبرو ہو
۱۵۴	مشروعیت	۱۴۶	زنا، چوری، شرب خمر اور نشہ کے اقرار میں صحیح ہونا
۱۵۴	سبب وجوب	۱۴۶	اقرار زنا ایسے شخص کی طرف سے ہو جس سے زنا ممکن ہو
۱۵۴	دوسری بحث: قذف کی لغوی اور شرعی تعریف	۱۴۶	زانی اور مزنیہ بذریعہ نطق شبہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں
۱۵۴	قذف لغت میں	۱۴۶	اقرار حجت قاصرہ ہے
۱۵۴	شرعی تعریف	۱۴۶	تقادم اقرار
۱۵۶	شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۱۴۶	مقرر سے زنا کے متعلق قاضی کی پوچھ گچھ
۱۵۷	کیا تعریض قذف موجب حد ہے؟	۱۴۷	اقرار سے رجوع کر لینا
۱۵۷	پہلی صورت کی مثال	۱۴۷	پانچویں بحث..... زانی پر حد قائم کرنے کا بیان
۱۵۷	دوسری صورت کی مثال	۱۴۷	حد قائم کرنے کی شرائط
۱۵۸	قذف لواطت	۱۴۷	اول: اقامت حد کی مختلف شرائط ہیں
۱۵۸	قذف جماعت	۱۴۷	رجم میں گواہوں کی ابتداء کے متعلق علماء کا اختلاف
۱۵۹	تکرار قذف	۱۴۸	شافعیہ اور حنابلہ
۱۵۹	وجوب حد قذف کی شرائط	۱۴۹	رجم
۱۵۹	اول: قاذف کی شرائط	۱۴۹	حالت محدود
۱۵۹	عقل	۱۵۰	ضرب شدید میں ترتیب
۱۵۹	بلوغ	۱۵۰	کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی کیفیت
۱۵۹	تہمت کو چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکتا	۱۵۱	کوڑے مارنے کی جسمانی جگہ
۱۶۰	یہ کہ قاذف احکام شریعت کا پابند ہو	۱۵۱	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۰	اختیار سے قذف ہو	۱۵۱	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۰	مقذوف نے قاذف کو تہمت کی اجازت نہ دی ہو	۱۵۱	حد قائم کرنے کی جگہ
۱۶۰	دوم: مقذوف کی شرائط	۱۵۲	میت رجم کا حکم
۱۶۰	یہ کہ مقذوف محسن ہو	۱۵۲	اختتامی تین مباحث
۱۶۱	مقذوف متعین ہو	۱۵۲	لواطت کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۰	کیا ضمان اور قطعید دونوں کو جمع کیا جائے گا؟	۱۶۱	شافیہ کے نزدیک
۱۷۱	منشائے اختلاف	۱۶۱	سوم: قاذوف مقذوف دونوں کی شرائط
۱۷۱	حالت نکرار سرقہ	۱۶۱	چہارم: مقذوف بہ کی شرط
۱۷۲	اعضاء کاٹنے کی حکمت	۱۶۱	پنجم: مقذوف فیہ یعنی جگہ کی شرط
۱۷۲	چوری اور دیت میں ہاتھ کے اختلاف کی وجہ فرق	۱۶۱	ششم: نفس قذف کی شرط
۱۷۳	ہاتھ کاٹنے کی جگہ	۱۶۲	حد قذف کی کیفیت
۱۷۳	داغنا	۱۶۲	ثمرۂ اختلاف
۱۷۴	صفت حد سرقہ	۱۶۳	اثبات قذف
۱۷۴	دوسری بحث: موجب حد سرقہ کی شرائط	۱۶۳	خصوصیت
۱۷۴	سارق کی شرائط	۱۶۳	خصوصیت یا دعویٰ کا حکم
۱۷۵	مسروق کی شرائط	۱۶۴	خصوصیت کا اختیار
۱۷۵	یہ کہ مال مسروق مال مقوم ہو	۱۶۵	استیفائے حد میں وکالت
۱۷۵	مال مسروق نصاب کو پہنچتا ہے	۱۶۵	اثبات قذف کے لیے گواہوں کی شرائط
۱۷۶	صفات نصاب	۱۶۶	اقرار قذف کی شرائط
۱۷۷	مسروق چیز کی قیمت کے اعتبار کا وقت	۱۶۶	قاذف کو حلف دینا اور اس کا قسم سے انکار
۱۷۷	ظاہر الرولیۃ	۱۶۶	منشائے اختلاف
۱۷۷	دوسری روایت	۱۶۶	اثبات قذف میں قاضی کی صلاحیت اور لیاقت
۱۷۷	نصاب حرز واحد سے ہو	۱۶۷	ثبوت قذف کے بعد قاذوف کے متعلق قاضی کا مؤقف
۱۷۷	چوری میں پوری جماعت کا شریک ہونا	۱۶۸	اثبات قذف کے بعد لعان
۱۷۸	مال مسروق محرز ہو	۱۶۸	وہ امور جن سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے
۱۷۸	حرز	۱۶۸	تیسری فصل..... حد سرقہ (چوری کی حد)
۱۷۸	حرز نفقہ	۱۶۸	پہلی بحث: سرقہ کی تعریف، سرقہ کا حکم اور صفت
۱۷۸	حرز بغیرہ	۱۶۸	حد سرقہ (چوری) کی تعریف
۱۷۹	اُسر قافلے سے گھڑی چرائی جائے	۱۶۹	اختلاس
۱۷۹	اُسر مالک و چور کا پتہ چل جائے	۱۶۹	خان
۱۷۹	چور اُسر سامان باہر بھینک دے	۱۷۰	منعجب
۱۸۰	نقب کا سر چوری کرنا	۱۷۰	سرقہ کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۹	کٹے ہوئے عضو کو جراحی کے ذریعہ دوبارہ جوڑ دینا	۱۸۰	چوری میں شراکت داری
۱۸۹	چوتھی فصل..... حرابہ یا قطع طریق (رہزنی) اور باغیوں کا حکم	۱۸۰	طرار (جیت کترا) اور کفن چور
۱۹۰	قطع طریق (رہزنی)	۱۸۲	مشترک گھر
۱۹۰	پہلی بحث: قطاع طریق کی تعریف اور قطع طریق کا رکن	۱۸۲	بازاروں میں رکھا سامان
۱۹۰	قاطع طریق یا محارب (رہزن)	۱۸۳	درختوں پر لٹکے پھل کی چوری
۱۹۱	قطع طریق کا رکن	۱۸۳	مسروق چیز جس کی اصل مباح نہ ہو
۱۹۱	قطع طریق کی شرائط	۱۸۳	مال مسروق معصوم ہو، چور کو اٹھانے کا حق نہ ہو اور نہ اٹھانے کی
۱۹۱	قاطع کی شرائط		کوئی تاویل ہو اور نہ ہی اس سے لینے کا شبہ ہو
۱۹۱	مقطوع علیہ کی شرائط	۱۸۴	وجہ قیاس
۱۹۲	قاطع اور مقطوع علیہ دونوں کی شرائط	۱۸۴	وجہ استحسان
۱۹۲	رہزن کے معاون کا حکم	۱۸۴	قرآن شریف کی چوری
۱۹۳	مقطوع لہ کی شرائط	۱۸۵	مسروق مال میں چور کی ملک نہ ہو اور ملک کی کوئی تاویل نہ ہو
۱۹۳	مقطوع فیہ کی شرائط		یا شبہ نہ ہو
۱۹۴	تیسری بحث: قطع طریق کا اثبات	۱۸۵	یہ کہ چور کو رز میں داخلے کی اجازت نہ ہو یا اس میں اجازت کا
۱۹۴	چوتھی بحث: راہزنوں کے احکام (سزائیں)		شبہ نہ ہو
۱۹۵	سولی چڑھانے کی کیفیت، اس کا وقت اور مدت	۱۸۶	یہ کہ مسروق مال ہی چوری میں مقصود ہو، مقصود کے تابع نہ ہو
۱۹۶	نفی (جلا وطنی) حنفیہ	۱۸۶	مسروق منہ کی شرائط
۱۹۷	قطع طریق کے حکم کی کیفیت: حد حرابہ	۱۸۶	مسروق فیہ کی شرائط
۱۹۷	پانچویں بحث: وہ امور جن سے رہزنی کا حکم ساقط ہو جاتا ہے،	۱۸۷	تیسری بحث: اثبات سرقت
	عدم وجوب حد پر مرتب ہونے والا حکم اور اس کا سقوط	۱۸۷	گواہوں کی شرائط
۱۹۸	باغی: اول: بغاوت کی تعریف	۱۸۷	مرد ہونا
۱۹۹	دوم: باغیوں کے احکام	۱۸۷	عدالت
۱۹۹	باغیوں سے لڑنا	۱۸۷	اصالت
۱۹۹	باغیوں کے ہاتھوں تلف شدہ جان و مال کا ضمان	۱۸۷	حد قذف اور قصاص میں تقادم نہ ہو
۲۰۰	باغیوں کے جرائم کی سزا	۱۸۷	عدالت میں مقدمہ چلایا جائے
۲۰۰	باغیوں کے قتال اور مشرکین کے قتال میں فرق	۱۸۸	اقرار کی شرائط
۲۰۱	پانچویں فصل..... حد شرب، حد سکر اور شراب کی اقسام	۱۸۸	چوتھی بحث: وہ امور جو وجوب حد کے بعد سقوط حد کا سبب بنیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۳	منشیات کی مشہور اقسام	۲۰۱	پہلی بحث: حد شرب اور حد سکر کی تعریف، سکر کا ضابطہ، حد کی شرائط اور مقدار
۲۱۳	صنعائی رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں فرمایا		خمر
۲۱۶	حشیش، خشخاش والقات، ایون بنانا، کوکین اور ہیروئن کی زراعت	۲۰۱	جمہور فقہاء نے خمر اور دوسرے اشربہ میں کوئی فرق نہیں کیا
۲۱۶	منشیات کا نفع	۲۰۲	ضابطہ سکر
۲۱۷	منشیات استعمال کرنے والے کی سزا	۲۰۲	حد کی شرائط
۲۱۷	حدود سے ملحق: پہلی بات: حدود کا تدخل	۲۰۳	حد کی مقدار
۲۱۸	اس میں قتل ہو	۲۰۳	دوسری بحث: اشربہ کی اقسام
۲۱۸	اس میں قتل نہ ہو	۲۰۴	صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کہتے ہیں
۲۱۹	توبہ کی وجہ سے حد ساقط ہونا	۲۰۴	سکر
۲۲۰	کیا توبہ قصاص اور دیت کو ساقط کرتی ہے؟	۲۰۴	فضیح
۲۲۱	توبہ سے تعزیر کا ساقط ہونا	۲۰۴	نقیح زبیب
۲۲۱	تیسری بات: حدود و واجریں یا جوابر	۲۰۵	طلایا مثلث
۲۲۲	شریعت میں زواج و جوابر کا قاعدہ	۲۰۵	بازق، منصف
۲۲۳	عبادات میں جوابر	۲۰۵	جمہوری
۲۲۳	جوابر مالی	۲۰۵	دوسری بات: حلال مشروبات
۲۲۴	دوسری صورت	۲۰۵	تیسری بحث: شراب کے احکام
۲۲۴	حدود میں پردہ پوشی اور معافی	۲۰۸	چوتھی بحث: شراب کے علاوہ نشہ آور اشیاء کے احکام
۲۲۴	توبہ کا نظام اور سزاؤں میں اس کا اثر	۲۰۹	دوسری قسم (گروہ) مطبوح
۲۲۵	دنیاوی سزا پر توبہ کا اثر	۲۱۰	تیسری قسم: حلال مشروبات
۲۲۵	پہلا مقصد: توبہ کا طریقہ کار اور نظام	۲۱۰	حشیش، ایون اور بھنگ
۲۲۵	پہلی بات: توبہ کا سبب	۲۱۰	کافی اور تمباکو
۲۲۵	دوسری بات: توبہ کی تعریف	۲۱۲	پانچویں بحث: شرب خمر کے اثبات کا حکم
۲۲۶	تیسری بات: توبہ کی شرائط	۲۱۲	بدبو سے شراب کے اثبات میں اختلاف
۲۲۷	چوتھی بات: توبہ کا شرعی حکم	۲۱۳	چھٹی بحث: نشہ آور اشیاء کے نقصانات اور اسلام میں ان کے احکام
۲۲۷	کس چیز سے توبہ کرنا واجب ہے اور اس کی قبولیت کا وقت		منشیات کی احکام اور ان کا شرعی حکم
۲۲۹	قبول توبہ پر وعدہ		
۲۲۹	مشیت الہی اور معاف کرنے میں آزادی		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴۲	مرتد	۲۳۰	پانچویں بات: توبہ اور سزا
۲۴۲	زندیق	۲۳۱	سزا کا ہدف
۲۴۲	جادوگر	۲۳۱	پھر جدید تقلیدی مدارس کے ہاں
۲۴۲	ارتداد صحیح ہونے کی شرطیں	۲۳۱	سزا کی ضرورت
۲۴۲	پہلی شرط	۲۳۲	توبہ کا فلسفہ
۲۴۲	شواہد اور حنا بلہ کے ہاں	۲۳۲	جن گناہوں کی توبہ کی جائے اور ان کی توبہ کی کیفیت
۲۴۳	امام شافعی اور ابو یوسف رحمہما اللہ علیہما کے ہاں	۲۳۲	پہلی تقسیم
۲۴۳	دوسری شرط	۲۳۳	دوسری تقسیم
۲۴۳	مرتد کے احکام	۲۳۴	دوسرا مقصد: سچی توبہ کا اخروی سزا میں اثر
۲۴۳	مرتد کا قتل	۲۳۴	کافر کی توبہ
۲۴۴	مرتد کے مال کا حکم اور اس کے تصرفات کا حکم	۲۳۵	منافق کی توبہ: نفاق اور منافقت
۲۴۵	صاحین اور حنا بلہ کے ہاں	۲۳۵	زندیق کی توبہ
۲۴۶	مرتد کی میراث کا حکم	۲۳۵	بدعتی کی توبہ
۲۴۷	دوسرا باب: تعزیر	۲۳۶	تیسرا مقصد: دنیاوی سزا میں توبہ کا اثر
۲۴۷	تعزیر کی تعریف: موجب، نافذ کرنے والے اور اس کی	۲۳۶	قصاص اور دیت
	کیفیت	۲۳۷	تعزیرات
۲۴۸	قید کب مشروع ہے؟	۲۳۷	پہلی بات: فقہاء کی آراء توبہ سے حدود ساقط ہونے کے متعلق
۲۴۸	سیاست قتل کرنا	۲۳۸	ارتداد بغاوت کی سزا
۲۴۹	تعزیر بالمال	۲۳۸	قذف کی سزا
۲۵۰	مالی جرمانے کا معنی	۲۳۸	پہلی رائے
۲۵۰	ابن تیمیہ کے ہاں مالی جرمانے کی اقسام	۲۳۹	دوسری رائے
۲۵۰	اتلاف	۲۴۰	آخری کلمہ
۲۵۰	تغییر	۲۴۱	چھٹی فصل..... ارتداد کی حد اور مرتدوں کے احکام
۲۵۰	تملیک	۲۴۱	ارتداد اور ردۃ کے معنی
۲۵۱	مالی جرمانہ کی دو قسمیں: منضبط، غیر منضبط	۲۴۲	اسلام کے اجماعی حکم کا انکار کرنا
۲۵۱	وجوب تعزیر کی شرائط	۲۴۲	کفار والے افعال کرنا
۲۵۱	تعزیر کی مقدار	۲۴۲	مرتد، زندیق، تہرائی اور جادوگر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۱	دوسری بات: شوافع اور حنابلہ کا مذہب	۲۵۲	تعزیر کی صفات
۲۶۲	مشغل	۲۵۳	تعزیر کا جرم ثابت کرنے کا طریقہ
۲۶۲	تیسری بات: نالکی مذہب	۲۵۳	دوران تعزیر مر جانے یا دوران حد مر جانے والے کا ضمان
۲۶۲	قتل عمد کے افعال	۲۵۴	حق تا دیب (اصلاح)
۲۶۲	تیز دھار سے قتل	۲۵۴	حاکم کے لیے تعزیر
۲۶۳	مشغل کے ساتھ قتل	۲۵۴	تیسرا باب: جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
۲۶۳	خود قتل کو انجام دینا، براہ راست قتل کرنا	۲۵۵	جنایت کی تعریف
۲۶۴	ایک گروہ کا ایک شخص کو قتل کرنا	۲۵۵	جرائم کی اقسام
۲۶۴	براہ راست اجتماعی طور پر قتل کرنا	۲۵۵	پہلی فصل: نفس انسانی پر جنایت (قتل اور اس کی سزا)
۲۶۵	ایک کو کوئی مقتولوں کے بدلے قتل کرنا	۲۵۵	پہلی بحث: قتل کی تعریف، اس کی حرمت اور اقسام
۲۶۶	قتل یا سبب	۲۵۵	قتل کی بحث
۲۶۶	قتل یا سبب کا اجمالی حکم	۲۵۶	قتل کا حرام ہونا
۲۶۶	قتل پر مجبور کرنا	۲۵۷	مکروہ قتل
۲۶۷	قتل کا حکم	۲۵۷	قتل مباح
۲۶۷	شوافع اور حنابلہ کے ہاں	۲۵۸	قتل کی اقسام: پہلی بات
۲۶۷	زہر دینا	۲۵۸	شبہ عمد
۲۶۸	مسبب اور مباشر کا اشتراک قتل میں	۲۵۸	قتل خطاء
۲۶۸	پہلی بات: مباشر کا ضمان	۲۵۸	فعل میں خطاء
۲۶۹	دوسری بات: سبب بننے والے کا ضمان	۲۵۸	قتل قائم مقام خطاء
۲۶۹	تیسری بات: متسبب اور مباشر دونوں کا ضامن ہونا	۲۵۸	قتل سبب
۲۷۱	جائے ہلاکت میں ڈالنا	۲۵۹	دوسری بات
۲۷۲	غرق کرنا اور جلانا	۲۵۹	قتل شبہ عمد
۲۷۲	گلہ گھوٹنا	۲۵۹	دوسری بحث: قتل عمد اور اس کی سزا
۲۷۳	قید کر کے قتل کرنا اور کھانا پینا روکے رکھنا	۲۶۰	پہلا مقصد: قتل عمد کے ارکان
۲۷۳	تو اس میں آراء یہ ہیں	۲۶۰	پہلا رکن: مقتول آدمی زندہ اور معصوم الدم ہو
۲۷۳	ڈرا کر یا بھگا کر قتل کرنا	۲۶۱	دوسرا رکن: قتل قاتل کے فعل کا نتیجہ ہو
۲۷۴	تیسرا رکن: جرم کرنے والے کا ارادہ	۲۶۱	پہلی بات: حنفیہ کی رائے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۸	معافی کے احکام	۲۷۴	محدود اور غیر محدود قصد
۲۸۹	جب اولیاء زیادہ ہوں یا ایک ولی ہو اس کی معافی کا دوسروں پر اثر	۲۷۴	قتل پر رخصتی ہونا یا قتل کی اجازت دینا
۲۸۹	کیا ولی دم کے معاف کرنے کے بعد حاکم کو حق رہتا ہے؟	۲۷۵	قتل عمد کی سزائیں
۲۸۹	مقتول کا اپنے قاتل کو قتل کرنے سے پہلے معاف کرنا	۲۷۵	اصلی سزا
۲۹۰	صلح	۲۷۵	پہلی سزا اصلی جو متفق علیہ ہے وہ قصاص ہے
۲۹۰	قصاص کی وراثت	۲۷۵	پہلی بات: قصاص کا معنی
۲۹۲	قتل عدم میں متبادل سزا	۲۷۵	دوسری بات: قصاص کی مشروعیت
۲۹۲	پہلی متبادل سزا: دیت	۲۷۶	کیا قصاص قتل کے گناہ کو مٹا دیتی ہے
۲۹۲	پہلی بات: دیت کی تعریف	۲۷۶	تیسری بات: قصاص اور دوسری حدود میں فرق
۲۹۲	دوسری بات: دیت کی مشروعیت	۲۷۷	چوتھی بات: قصاص کی شرائط
۲۹۳	تیسری بات: وجوب دیت کی شرائط	۲۷۷	قاتل سے متعلق شرائط
۲۹۳	تقوم	۲۷۷	مقتول سے متعلق شرائط
۲۹۴	چوتھی بات: دیت کی نوعیت اور مقدار	۲۷۸	باپ بیٹے کو قتل کر دے یا بیٹا باپ کو
۲۹۵	پانچویں بات: دیت مغفل و مخفہ	۲۸۰	ناگہانی قتل
۲۹۶	چھٹی بات: اداء دیت کا وقت	۲۸۰	قتل سے متعلق شرائط
۲۸۶	ساتویں بات: دیت کون ادا کرے گا؟	۲۸۱	ولی مقتول سے متعلق شرائط
۲۹۷	آٹھویں بات: دیت کب کامل واجب ہوتی ہے؟ اور کیا سب	۲۸۱	پانچویں بات: موانع قصاص
۲۸۲	لوگ دیت عمد میں برابر ہیں	۲۸۲	چھٹی بات: وجوب قصاص کی کیفیت
۲۹۷	انوثہ: یعنی عورت کی دیت	۲۸۳	ساتویں بات: قصاص لینے کا حقدار کون؟
۲۹۷	کفر یعنی غیر مسلم کی دیت	۲۸۳	آٹھویں بات: قصاص کی وصولی کی ولایت
۲۹۸	قتل عمد کے متبادل اور دوسری سزائیں	۲۸۵	نویں بات: قصاص لینے کی کیفیت
۲۹۸	تیسری قسم: قتل عمد کی تبعی سزا میراث اور وصیت سے محرومی	۲۸۶	مقتول کے ولی کے واسطے سے قصاص نافذ کرنا
۲۹۸	پہلی بات: میراث سے محروم ہونا	۲۸۶	تکوار کے علاوہ کوئی چیز قصاص کے لیے استعمال کرنا
۲۹۹	دوسری بات: وصیت سے محرومی	۲۸۶	دسویں بات: قصاص ساقط کرنے والی چیزیں
۲۹۹	تیسری بات: شبہ عمد اور اس کی سزا	۲۸۷	قاتل کا مرتبا (یعنی محل قصاص کا ختم ہونا)
۲۹۹	پہلی قسم: اصلی سزا	۲۸۸	معافی کا کرکن
۲۹۹	پہلا مقصد: دیت مغفل	۲۸۸	شرائط معافی: معافی میں دو شرطیں ہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۸	اطراف کے قصاص کا سرایت کر جانا	۲۹۹	پہلی بات: شبہ عمدہ کی دیت کون ادا کرے؟
۳۰۹	اطراف کانٹے میں مالکیہ کے ہاں دوسری اصلی سزا تعزیر ہے	۳۰۰	کیا ابتداء عاقلہ پر دیت ہے یا پہلے قاتل پر
۳۰۹	اطراف میں متبادل سزا دیت ارش	۳۰۰	دوسری بات: شبہ عمدہ کی دیت ادا کرنے کا وقت
۳۰۹	جس میں کامل دیت واجب ہے	۳۰۰	تیسری بات: جس مقدر کو عاقلہ ادا کرے
۳۰۹	پہلی قسم: وہ اعضاء جن کی مثل بدن میں نہیں	۳۰۱	چوتھی بات: کیا حاکم کی خطا بھی عاقلہ برداشت کرے گی
۳۱۰	دوسری قسم: وہ اعضاء جو بدن میں دو ہیں	۳۰۱	پانچویں بات: عاقلہ کون ہے، کیا اس زمانے میں بھی ایسا ہوگا؟
۳۱۱	تیسری قسم: وہ اعضاء جو بدن میں چار ہیں	۳۰۳	متاخرین حنفیہ کے ہاں عصر حاضر میں عاقلہ کا نظام
۳۱۱	چوتھی قسم: وہ اعضاء جو بدن میں دس ہیں	۳۰۳	دوسرا مقصد: دوسری اصلی سزا کفارہ
۳۱۱	دوسرا مقصد: اعضاء کے منافع کا معطل ہونا	۳۰۳	دوسری قسم: قتل شبہ عمدہ کی متبادل سزا
۳۱۲	تیسرا مطلب: شجاع کی سزا	۳۰۳	تیسری قسم: قتل شبہ عمدہ کی تبعی سزا
۳۱۲	دوسری بات: وہ شجاع جن میں عادل کا فیصلہ معتبر ہے	۳۰۴	چوتھی بحث: قتل خطا اور اس کی سزا
۳۱۲	عادل کا فیصلہ	۳۰۵	دوسری فصل: نفس کے علاوہ جنایت
۳۱۳	شجاع کی سزا کی دو قسمیں	۳۰۵	پہلی بحث: عمدہ کی سزا
۳۱۳	شجاع کی اصلی سزا قصاص	۳۰۵	پہلا مقصد: اطراف کانٹے کی سزا
۳۱۴	شجاع کی متبادل سزا ارش	۳۰۵	پہلی اصلی سزا: قصاص
۳۱۴	عمد آزمخوں میں اصلی سزا قصاص	۳۰۵	عام شرائط
۳۱۵	قصاص تندرستی کے بعد	۳۰۶	البوة
۳۱۵	عذر کی وجہ سے قصاص میں تاخیر	۳۰۶	انعدام حکم
۳۱۵	متبادل سزا عمدہ اُجراح میں ارش	۳۰۶	شوافع اور حنابلہ کے ہاں مادیوں النفس اعتداء شبہ عمدہ ہونا
۳۱۶	دوسری بحث: اطراف میں خطا کی سزا	۳۰۶	حنفیہ کے ہاں وہ فعل سبب ہو
۳۱۷	تیسری فصل: نامکمل نفس پر جنایت	۳۰۷	جنایت دار الحرب میں ہو
۳۱۷	پہلی بحث: مردہ بچہ گرانا	۳۰۷	قصاص لینا ناممکن ہو
۳۱۷	کس کے لیے غرہ واجب ہے	۳۰۷	اطراف میں جنایت کی خاص شرطیں
۳۱۸	جنین کی دیت کے واجب ہونے کی شرطیں	۳۰۷	فعل میں برابری نہ ہونا
۳۱۸	غرہ کب واجب ہوتا ہے؟	۳۰۷	مقدار اور منفعت میں برابری نہ ہونا
۳۱۸	دوسری بحث: زندہ جنین گرانا	۳۰۸	صحت و کمال میں برابری نہ ہونا
۳۱۹	غیر مسلمہ کا جنین	۳۰۸	اطراف میں قصاص کا آلہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۱	چوتھا مقصد: محل قسامت	۳۱۹	چوتھی فصل..... حیوان کی جنایت اور ٹیڑھی دیوار کی جنایت
۳۳۲	پانچواں مقصد: قسامت کی شرائط	۳۱۹	پہلی بحث: حیوان کی جنایت
۳۳۳	مدعی علیہ کا انکار	۳۲۰	پہلی بات: جس چیز سے چننا ممکن نہ ہو اس کا ضمان بھی نہیں
۳۳۴	چھٹا مقصد: کیفیت قسامت	۳۲۱	دوسری بات: صرف متسبب کا ضمان
۳۳۵	ساتواں مقصد: کس پر قسامت ہے؟	۳۲۲	تیسری بات: اکیلے مباشر کا ضمان
۳۳۵	مالکیہ قتل عمد اور خطا کے درمیان فرق کرتے ہیں	۳۲۲	چوتھی بات: متسبب اور مباشر دونوں اکٹھے ضامن ہوں گے
۳۳۶	آٹھواں مقصد: قسامت کا اثر	۳۲۳	تصادم
		۳۲۴	دوسری بحث: مال اور ٹیڑھی دیوار کی جنایت
		۳۲۴	پہلا مقصد: دیوار کا اصلی خلل کی وجہ سے گرنا
		۳۲۴	دوسرا مقصد: عارضی سبب کی وجہ سے دیوار گرنا
		۳۲۵	گرنے کے مطالبہ پر گواہی
		۳۲۵	گواہی کے عناصر جو گواہوں کو طلب کرنے والا ہے
		۳۲۵	طلب اور اشاء کا وقفہ
		۳۲۵	گواہ بنانے کے بعد عمارت میں تصرف
		۳۲۶	پہلی بات: اقرار
		۳۲۷	دوسری بات: گواہی
		۳۲۸	قصاص کے جرائم
		۳۲۸	تعزیری بدنی جرائم
		۳۲۸	تعزیری مالی جرائم
		۳۲۸	تیسری بات: قرینے
		۳۲۹	چوتھی بات: قسم سے انکار
		۳۲۹	دوسری بحث: قتل کا اثبات خاص طریقہ سے
		۳۲۹	پہلا مقصد: قسامت کا معنی
		۳۳۰	کیا اس صورت میں قسامت نفی یا اثبات کی دلیل ہے
		۳۳۰	دوسرا مقصد: مشروعیت قسامت اور اس کی قانون سازی کی
			حکمت اور قسامت کے وجوب کا سبب
		۳۳۱	تیسرا مقصد: مشروعیت قسامت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء

فہرست مضامین.....جلد ہشتم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۱	صاحبین رحمہ اللہ کہتے ہیں	۳۳۹	بہائی فصل.....جہاد کا حکم اور قواعد
۳۵۱	قرآن سے	۳۳۹	جہاد کا معنی
۳۵۲	سنت سے	۳۳۹	اصطلاحی تعریف
۳۵۲	عقل سے	۳۳۹	حنفیہ کے نزدیک
۳۵۲	امان کا حکم	۳۳۹	شافعیہ کے نزدیک
۳۵۲	شافعیہ کہتے ہیں	۳۴۰	اسلام میں جہاد کی فضیلت
۳۵۳	اجازت ناموں پر حکومت کی نگرانی	۳۴۱	فریضہ جہاد
۳۵۳	صفت امان	۳۴۱	اگر نفیر عام نہ ہو (اقدامی جہاد)
۳۵۳	وہ امور جن سے امان ٹوٹ جاتا ہے	۳۴۱	شرائط جہاد
۳۵۳	مدت امان	۳۴۲	مکلفین جہاد
۳۵۴	امان کی مصلحت	۳۴۲	قبل از جنگ کیا کیا امور واجب ہیں؟
۳۵۴	امان کی جگہ	۳۴۲	دعوت اسلام کے پہنچانے کے متعلق فقہاء کی آراء
۳۵۵	تیسری بحث..... معاہدہ جنگ بندی کے ذریعہ خاتمہ جنگ	۳۴۶	جنگ ختم ہونے کے بعد
۳۵۵	تعریف: معاہدہ جنگ بندی	۳۴۷	بستیاں اجاڑنا اور تخریب کاری
۳۵۶	معاہدہ جنگ بندی کی شرائط	۳۴۷	وہ امور جو دوران جنگ مجاہدین پر واجب ہیں
۳۵۶	معاہدہ جنگ بندی کا حکم	۳۴۸	دوسری فصل.....قبول اسلام یا معاہدہ کے ذریعہ جنگ کی انتہاء
۳۵۶	جنگ بندی اور امان عام میں فرق	۳۴۹	ضمناً اعلان اسلام
۳۵۷	معاہدہ جنگ بندی کی صفت و کیفیت	۳۵۰	مجباً اسلام کا حکم
۳۵۷	معاہدہ جنگ بندی صحیح ہونے کی شرائط	۳۵۰	کفار کی بابت اسلام میں داخل ہونے پر مرتب ہونے
۳۵۸	وہ امور جن سے معاہدہ جنگ بندی ٹوٹ جاتا ہے	۳۵۱	والے احکام
۳۵۸	جمہور رحمہ اللہ کہتے ہیں	۳۵۱	امان سے لڑائی کا خاتمہ
۳۵۹	معاہدہ جنگ بندی کی مدت	۳۵۱	امان کی تعریف رکن اور انواع
۳۶۰	چوتھی بحث..... عقد ذمہ کے ساتھ جنگ بندی	۳۵۱	امان کی دو انواع.....عام و خاص
۳۶۰	عقد ذمہ کی حکمت	۳۵۱	امان کی شرائط

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۲	حنفیہ کہتے ہیں	۳۶۰	عقد ذمہ کارکن یا اس کا صیغہ
۳۷۳	امام شافعی، امام احمد، طاہریہ اور جمہور محدثین کہتے ہیں	۳۶۰	عقد ذمہ صحیح ہونے کی شرائط
۳۷۳	بقیہ چارھے	۳۶۲	معادہ جزئیہ کا حکم
۳۷۳	غنیمت کے مستحق فوجی (سپاہی) کے اوصاف	۳۶۲	جزئیہ کی دو اقسام
۳۷۴	جمہور	۳۶۲	جزئیہ بر صلع
۳۷۴	تقسیم غنیمت کی جگہ	۳۶۲	جزئیہ عنویہ
۳۷۵	کفار کا مسلمانوں کے اموال پر غلبہ حاصل کر لینا	۳۶۳	معادہ ذمہ کی کیفیت
۳۷۵	دلائل..... جمہور کے دلائل	۳۶۴	جزئیہ کی مقدار کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء، ادائیگی کا وقت
۳۷۵	مالک کو مال واپس کرنا		اور مسقطات جزئیہ
۳۷۶	حربی جو تکمیل فتح سے پہلے اسلام قبول کر لے اس کے	۳۶۴	وقت ادائے جزئیہ
	اموال کا حکم	۳۶۵	ذمیوں کے حقوق اور ان کے واجبات
۳۷۶	شافعیہ، حنابلہ اور طاہریہ کہتے ہیں	۳۶۵	حقوق
۳۷۶	چوتھی فصل..... قیدیوں کا حکم	۳۶۵	واجبات
۳۷۶	سب (عورتوں اور بچوں) کا حکم	۳۶۶	تیسری فصل..... اموال غنیمت کا حکم
۳۷۷	غلام بنانا	۳۶۶	نفل
۳۷۷	احسان	۳۶۶	متفیل
۳۷۷	فدیہ	۳۶۷	سلب
۳۷۷	اسرائی کا حکم	۳۶۷	حنفیہ اور مالکیہ
۳۷۷	حنفیہ کا مذہب	۳۶۷	شافعیہ اور حنابلہ
۳۸۰	پانچواں باب..... قضاء اور اثبات حق کے مختلف طریقے	۳۶۸	نفل کا حکم
۳۸۰	پہلی فصل..... قضاء (عدلیہ) اور اس کے آداب	۳۶۹	فنی
۳۸۰	دوسری فصل	۳۶۹	غنیمت
۳۸۰	تیسری فصل	۳۶۹	پہلا حکم: حق و ملک کا ثبوت
۳۸۰	عدالتی میدان میں اسلام منہج	۳۶۹	اول مرتبہ
۳۸۰	منہج	۳۷۱	دوسرا درجہ
۳۸۱	قضاء	۳۷۱	تیسرا درجہ
۳۸۲	اول: حاکم (قاضی)	۳۷۱	دوسرا حکم: مال غنیمت کی تقسیم کی کیفیت اور جگہ
۳۸۲	دوم: حکم	۳۷۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ
۳۸۳	سوم: محکوم بہ	۳۷۲	اقربا کون ہیں؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۴	صاحبین رحمہ اللہ کہتے ہیں	۳۸۳	چہارم: محکوم علیہ
۳۹۵	قصائے قاضی کی کیفیت	۳۸۳	پنجم: محکوم لہ
۳۹۵	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں	۳۸۳	وسائل اثبات میں بند رہنا
۳۹۵	دوسرا مقصد: فیصلہ کے وقت اثبات حق کے مختلف طریقے	۳۸۳	نصوص شرعیہ اصلہ پر اعتماد
۳۹۶	قاضی کا اپنے علم سے فیصلہ کرنا	۳۸۳	توازن اور عدل و انصاف میں پیوستگی
۳۹۶	مالکیہ اور حنابلہ	۳۸۳	عدل
۳۹۶	حنفیہ کہتے ہیں	۳۸۳	احسان فی العدل
۳۹۷	دوسرے قاضی کے خط سے قاضی کا فیصلہ	۳۸۴	دینی مانع پر شعبہ قضا کا دارومدار
۳۹۷	شہادت علی الشہادت کے ساتھ قاضی کا فیصلہ کرنا	۳۸۴	اسلام میں منصب قضااء زبردست اہمیت کا حامل ہے
۳۹۹	تیسرا مقصد: مقضی لہ کے متعلق قاضی کی ذمہ داریاں	۳۸۵	صیغہ قضااء کے متعلق امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب
۴۰۰	چوتھا مقصد: مقضی علیہ کے متعلق کی ذمہ داریاں	۳۸۵	رضی اللہ عنہ کا مشہور خط
۴۰۰	غائب ہونے کی مدت	۳۸۶	قاضی کے اختیارات
۴۰۰	آداب عامہ	۳۸۷	پہلی فصل..... منصب قضااء اور اس کے آداب
۴۰۰	مشاورت	۳۸۷	پہلی بحث..... قضااء کی تعریف اور مشروعیت
۴۰۲	فریقین کے درمیان اقبال و جلوس میں مساوات برتنا	۳۸۸	قضااء کا لغوی معنی
۴۰۳	ہدیہ قبول کرنا	۳۳۸۸	شرعی تعریف
۴۰۳	قبول دعوت	۳۳۸	کتاب سے
۴۰۴	نماز جنازہ میں شرکت اور بیماری کی عیادت	۳۸۹	مشروعیت کی نوع
۴۰۴	آداب خاصہ (قضااء کی جگہ اور مقام)	۳۸۹	دوسری بحث: قاضی کی شرائط
۴۰۴	قاضی کے معاونین و انصار	۳۹۰	محدود فی القذف
۴۰۵	منازعت فہمی	۳۹۰	مرد ہونا
۴۰۵	صفائے قاضی اور اس کی نفسانی حالت	۳۹۱	شرط اجتہاد کا ہونا
۴۰۵	گواہوں کی صفائی (تزکیہ)	۳۹۲	جہور حنفیہ
۴۰۶	تزکیہ کرنے والوں کی تعداد	۳۹۲	ولایت قاضی کا اثبات
۴۰۶	فریقین کا آپس میں صلح کر لینا	۳۹۲	تیسری بحث: منصب قضااء قبول کرنے کا حکم
۴۰۶	ساتویں بحث..... ولایت قاضی کی انتہاء	۳۹۴	چوتھی بحث: قاضی کے اختیارات
۴۰۶	آٹھویں بحث: مدیون کو جس و بند میں رکھنا کب جائز ہے؟	۳۹۴	پانچویں بحث: قاضی کی ذمہ داریاں
۴۰۷	جس شرعی کی کیفیت	۳۹۴	پہلا مقصد: احکام شرعیہ میں سے قاضی کے فیصلے اور فیصلہ
۴۰۸	شریعت کی آفاق پذیری اور دیار اسلام میں محکمہ قضااء (عدلیہ)		کرنے کی کیفیت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۱	قسم اٹھانے میں قاضی کی نیت کا اعتبار ہوگا	۴۱۲	دوسری فصل..... دعویٰ اور بینات
۴۲۱	دعویٰ میں قسم کا اثر	۴۱۲	خاکہ موضوع
۴۲۲	گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ	۴۱۲	پہلی بحث..... دعویٰ کی تعریف، دعویٰ کا رکن، شرائط اور
۴۲۲	اقرار		دعویٰ کی مشروعیت کی اصل
۴۲۳	پانچویں بحث: دعویٰ کے تعارض کا حکم بمعہ بینتین کے	۴۱۲	دعویٰ کی تعریف
	تعارض کے	۴۱۲	دعویٰ کا لغوی معنی
۴۲۳	پہلی نوع: ملک مطلق میں دو دعویٰ کا تعارض بمعہ تعارض گواہاں	۴۱۳	شرائط حنفیہ کے نزدیک
۴۲۳	اول: دو دعویٰ کا تعارض ہو خارج اور ذی الیہ کے درمیان	۴۱۳	اہلیت، عقل اور تمیز
۴۲۵	دوم: دو خارجیوں کے درمیان دو دعویٰ کا تعارض اور صاحب	۴۱۴	مشروعیت دعویٰ میں اصل
	ید تیسرا شخص ہو اور دعویٰ ملک مطلق کے متعلق ہو	۴۱۴	دوسری بحث..... دعویٰ کی دو انواع اور مدعی و مدعا علیہ کی تعیین
۴۲۶	سوم: ملک مطلق کے متعلق دو دعویٰ میں تعارض ہو جو ذوی	۴۱۴	دعویٰ صحیح
	الیہ (قابضین) کے درمیان واقع ہو	۴۱۴	مدعی اور مدعا علیہ کی تعیین
۴۲۸	ملک بسبب کے دعویٰ میں گواہوں کے تعارض کے ساتھ دو	۴۱۴	تیسری بحث..... دعویٰ کا حکم
	دعویٰ کا تعارض	۴۱۵	چوتھی بحث..... دو دعویٰ کرنے والوں (فریقین) کے دلائل
۴۲۸	پہلی حالت: دعوائے ملک بسبب وراثت		اور اثبات حق کے مختلف طریقے
۴۲۸	اول: خارج اور قابض کے درمیان دعویٰ کا تعارض	۴۱۵	گواہی
۴۲۹	دوم: دعوائے وراثت میں دو خارجیوں کے درمیان تعارض دعویٰ	۴۱۵	قسم
۴۲۹	دوسری صورت: خریداری کے بسبب ملک کا دعویٰ	۴۱۵	قسم سے انکار پر رد قسم کا فیصلہ
۴۲۹	خارج اور صاحب ید کے درمیان تنازعہ ہو	۴۱۷	قسم سے انکار پر فیصلے کا دائرہ
۴۲۸	اور اگر گواہوں سے رقم کا قبضہ ثابت نہ ہو	۴۱۷	نکاح
۴۳۰	اگر گواہوں سے قبضہ ثابت کر دیں	۴۱۸	رجعت
۴۳۰	تیسرے شخص کے پاس موجود چیز کے متعلق دو خارجیوں کے	۴۱۸	ایلاء میں رجوع
	درمیان تنازعہ	۴۱۸	دعوائے نسب
۴۳۰	دونوں خارج شخص واحد سے خرید کرنے کا دعویٰ صاحب ید	۴۱۸	دعوائے رق (غلامی)
	پر کرتے ہوں	۴۱۸	دعوائے استیلاء
۴۳۱	اگر ایک فریق کے گواہ تاریخ ذکر کرتے ہوں اور دوسرے	۴۱۸	ولاء
	کے گواہ ذکر نہ کرتے ہوں	۴۱۸	قسم کی کیفیت اور دعویٰ میں اس کا اثر
۴۳۲	جس کے حق میں فیصلہ ہو اس کے لیے ثبوت خیار	۴۲۰	امر قطعی یا علم کی نفی پر قسم اٹھانا
۴۳۲	تیسری حالت: بسبب نتائج ملک کا دعویٰ	۴۲۱	مخلف علیہ کی صفت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۳	عدالت	۴۳۲	نتائج کیا ہے؟
۴۴۴	عدالت کا معنی	۴۳۴	وہ امور جن کا سبب متکرر ہوتا ہے اور جن کا متکرر نہیں ہوتا
۴۴۴	شافعیہ کے ہاں گواہ کی عدالت کا ضابطہ	۴۳۴	چھٹی بحث: فقط اصل ملک میں دعوؤں کے تعارض کا حکم، حکم
۴۴۴	متاخرین حنفیہ	۴۳۴	ملک اور اس کے مقتضی حقوق
۴۴۵	فاسق تابع کی گواہی	۴۳۴	فقط اصل ملک میں دو دعوؤں کے تعارض کا حکم
۴۴۶	عدم تہمت	۴۳۵	دو آدمی جانور کے متعلق جھگڑ رہے ہوں
۴۴۷	بعض گواہیوں کے ساتھ مخصوص شرائط	۴۳۶	دو آدمی قمیص کے متعلق جھگڑ رہے ہوں
۴۴۸	حد زنا	۴۳۶	دو گھروں کے درمیان لکڑ کا بنا جھونپڑا ہو
۴۴۹	تعدد کے وقت دونوں گواہوں میں اتفاق کا ہونا	۴۳۶	ملک کا حکم اور اس کے مقتضی حقوق
۴۵۰	نفس شہادت میں شرائط	۴۳۶	بالائی منزل اور زیریں منزل
۴۵۰	لفظ شہادت	۴۳۷	اگر زیریں اور بالائی منزلیں منہدم ہو جائیں
۴۵۰	شہادت (گواہی) دعویٰ کے موافق	۴۳۷	تیسری فصل..... اثبات کے مختلف طریقے
۴۵۰	شہادت پر شہادت	۴۳۸	پہلا مقصد: گواہی کی تعریف، رکن اور اس کا حکم
۴۵۰	گواہی پر گواہی کی کیفیت	۴۳۸	شہادت
۴۵۰	فرعی گواہ قاضی کے پاس یوں گواہی دے	۴۳۸	رکن
۴۵۱	گواہی کی جگہ کی شرط	۴۳۸	کتاب
۴۵۱	چوتھا مقصد: گواہی سے رجوع کرنے کا حکم	۴۳۸	سنت
۴۵۲	متفرعات	۴۳۸	حکم شہادت
۴۵۲	پانچواں مقصد: جھوٹے گواہوں کی سزا	۴۳۹	دوسرا مقصد: تحمل شہادت کی شرائط
۴۵۵	چھٹا مقصد..... غیر مسلم گواہوں کی گواہی پر فیصلہ	۴۴۰	وہ امور جن میں سماع کی بنیاد پر گواہی دینا درست ہے
۴۵۵	سنت سے	۴۴۱	وہ امور گواہ جن کا تحمل کرتا ہو
۴۵۷	حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء	۴۴۱	تیسرا مقصد: ادائے شہادت کی شرائط
۴۵۷	دوم: مسلمانوں پر غیر مسلمین کی گواہی	۴۴۲	گواہ کی شرائط
۴۵۸	دوسری بحث: یمین (قسم) کا بیان	۴۴۲	عقل و بلوغت کی اہلیت
۴۵۹	مشروعیت	۴۴۲	حریت (آزاد ہونا)
۴۵۹	مخوف بہ	۴۴۲	جنابہ اور ظاہر یہ کہتے ہیں
۴۶۰	دوسرا مقصد: یمین قضائی کا صیغہ، اس کی صفت و کیفیت	۴۴۲	اسلام
۴۶۰	نیت اور طلاق کی قسم	۴۴۳	بصارت
۴۶۰	صفت یمین یا قطعیت پر حلف اٹھانا	۴۴۳	أطلق (قوت گویائی)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۷۲	شافعیہ اور صاحبین کہتے ہیں	۴۶۱	حنفیہ اور امامیہ کہتے ہیں
۴۷۲	بطور تزکیہ گواہوں کو قسم دینا	۴۶۲	قاضی کے سامنے طلاق کی قسم اٹھانا
۴۷۲	تیسری بحث: اقرار	۴۶۲	تیسرا مقصد: لفظ اور زمان و مکان کے ساتھ قسم کی تغلیظ
۴۷۲	پہلا مقصد: اقرار کی تعریف، حجیت اور حکم	۴۶۳	مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں
۴۷۳	کتاب	۴۶۴	چوتھا مقصد: قسم کی شرائط
۴۷۳	سنت	۴۶۴	شرائط مختلف فیہ
۴۷۳	اجماع	۴۶۵	پانچواں مقصد: یمین کی مختلف انواع
۴۷۳	قیاس	۴۶۵	گواہ کی قسم
۴۷۳	اقرار کی حکمت	۴۶۵	مدعا علیہ کی قسم
۴۷۳	اقرار کا حکم	۴۶۶	مدعی کی قسم
۴۷۳	اقرار حجت قاصرہ ہے	۴۶۶	اول: یمین جالبہ
۴۷۴	دوسرا مقصد: اقرار کے الفاظ	۴۶۶	دوم: یمین تہمت
۴۷۴	اقرار لفظ صریح کے ساتھ	۴۶۶	سوم: یمین استیثاق
۴۷۵	ضمنی یا دلالت اقرار	۴۶۶	یمین استیثاق کے احوال
۴۷۵	کسی دوسرے لفظ کو ملا کر دین کا اقرار	۴۶۷	پہلے رائے: حنفیہ اور حنابلہ کا قول
۴۷۶	اقرار مکتوب	۴۶۸	کتاب سے
۴۷۶	تیسرا مقصد: صحت اقرار کی شرائط	۴۶۸	سنت سے
۴۷۶	عقل و بلوغ	۴۶۸	عقل سے
۴۷۶	اختیار	۴۶۹	قسم بمعہ گواہ و قسم سے انکار پر فیصلہ کا مدار
۴۷۶	عدم تہمت	۴۷۰	چھٹا مقصد: قسم کا حکم
۴۷۷	مقرر متعین ہو	۴۷۰	قسم کا حکم
۴۷۷	چوتھا مقصد: مقربہ کی انواع	۴۷۰	مدعی کی قسم کا حکم
۴۷۷	حقوق اللہ	۴۷۰	مدعا علیہ کی قسم کا حکم
۴۷۷	پہلی نوع	۴۷۰	مالکیہ کہتے ہیں
۴۷۸	امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ کہتے ہیں	۴۷۰	یمین استیثاق کا حکم
۴۷۸	دوسری نوع	۴۷۰	ساتواں مقصد: مختلف الانواع حقوق جن میں قسم اٹھانا
۴۷۸	حقوق العباد	۴۷۸	جائز ہے
۴۷۹	امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں	۴۷۹	مالکیہ کہتے ہیں
۴۷۹	پانچواں مقصد: اموال کا اقرار	۴۷۹	امام ابو حنیفہ کہتے ہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۲	قرینہ کی تعریف	۴۷۹	غصب میں
۴۹۲	اصطلاح میں	۴۸۰	کمیاں و میزان
۴۹۲	قضائی (عدالتی) قرآن	۴۸۰	وزن و عدد
۴۹۳	چھٹا باب اسلام میں نظام حکومت	۴۸۰	درہم (اسم مصغر) کی مراد
۴۹۴	پہلی فصل اسلامی حکومت میں قانون سازی اور شریعت	۴۸۰	درہم و دنانیر کا مقصود
۴۸۰	سازی کا اختیار	۴۸۰	مال عظیم یا مال کبیر کا مفہوم
۴۹۶	تیسری بحث: قانون سازی کا اختیار	۴۸۱	درہم کی نوع سے مقصود
۴۹۷	چوتھی بحث: قانون سازی میں صاحب حق	۴۸۲	وصولی دین کے معاملہ میں مقرر اور مقررہ کے درمیان اختلاف
۴۹۹	دوسری فصل اعلیٰ انتظامی اختیارات (امامت و حکمرانی)	۴۸۳	اقرار میں استثناء کرنا
۴۹۹	پہلی بحث: امامت کی تعریف	۴۸۳	کثیر سے قلیل کا استثناء
۴۹۹	خلافت	۴۸۳	قلیل سے کثیر کا استثناء
۵۰۰	دوسری بحث: اسلام میں حکومت قائم کرنے کا حکم	۴۸۳	کل سے کل کا استثناء
۵۰۰	اول: وجوب امامت کا مذہب	۴۸۳	استثناء سے استثناء
۵۰۱	اس مذہب کے دلائل	۴۸۴	غیر جنس سے استثناء (استثناء منقطع)
۵۰۱	برہان شرعی	۴۸۴	استثناء بمشیت اللہ
۵۰۲	برہان عقلی	۴۸۵	اقرار میں عطف
۵۰۲	برہان منصبی	۴۸۵	اقرار میں استدراک
۵۰۳	دوم: جواز امامت کے قائلین	۴۸۵	صفت میں استدراک ہو
۵۰۴	سوم: شیعہ امامیہ، زیدیہ اور اسماعیلیہ کی رائے	۴۸۵	نفس جنس کی مقدار میں استدراک ہو
۵۰۴	شیعہ کے دلائل	۴۸۵	خلاف جنس کی مقدار میں استدراک ہو
۵۰۵	نقد و تبصرہ	۴۸۶	چھٹا مقصد: حالت صحت اور حالت مرض میں اقرار
۵۰۶	تیسری بحث امام کے اختیار کی کیفیت	۴۸۶	مرض الموت
۵۰۶	تعیین کے مختلف طریقے	۴۸۶	حالت صحت میں اقرار
۵۰۶	نص سے امام کی تعیین	۴۸۶	حالت مرض میں اقرار کی دو قسمیں ہیں
۵۰۶	قرآن و سنت میں وارد دلائل	۴۸۸	کیا صحت کا دین فاضل (بچا) رہے گا؟
۵۰۷	حدیث غدیر خم	۴۸۹	ساتواں مقصد: نسب کا اقرار
۵۰۷	حدیث کا صحیح معنی	۴۹۰	غیر پر نسب کا اقرار کرنا
۵۰۷	حدیث منزلہ	۴۹۱	چوتھی بحث: مختلف قرآن کو دیکھ کر فیصلہ کرنا
۵۰۸	غزوہ خیبر کے موقع پر حدیث راہ	۴۹۱	قرآن کی اہمیت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۲	اول: امن عامہ کا قیام	۵۰۹	عقلی دلائل
۵۲۲	دوم: دفاع	۵۱۰	تاریخی دلائل
۵۲۲	سوم: امم عامہ پر گہری نظر	۵۱۰	ولایت عہد (وی عہد) کے ذریعہ امام کی تعیین
۵۲۲	چہارم: عدل و انصاف کا قیام	۵۱۰	ولایت عہد
۵۲۲	پنجم: مالی انتظام	۵۱۱	جبر و غلبہ کے ذریعہ امامت کا انعقاد
۵۲۲	ششم: ملازمین کی تعیین	۵۱۲	خليفة کی بیعت
۵۲۲	چھٹی بحث: خلافت امام کی انتہاء	۵۱۳	خليفة کی بیعت کا طریقہ
۵۲۲	اول: موت	۵۱۳	ارباب حل و عقد کی تعداد
۵۲۲	دوم: بذات خود امام کی دستبرداری	۵۱۳	فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے
۵۲۳	سوم: معزول ہو جانا	۵۱۴	دوسری جماعت کہتی ہے
۵۲۳	ساتویں بحث: امام کے حقوق	۵۱۴	قوم کی موافقت
۵۲۳	حق اطاعت	۵۱۴	ارباب حل و عقد کی ذمہ داری
۵۲۳	مسلح انقلاب	۵۱۵	خلفائے راشدین کے انتخاب کا طریقہ
۵۲۶	قدیم فقہاء کی مختلف آراء	۵۱۵	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵۲۷	امامت کی سپورٹ اور پشت پناہی	۵۱۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ
۵۲۸	آٹھویں بحث: امام کے اختیارات کی حدود اور اسلام میں	۵۱۶	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
	نظام حکومت کے اصول و قواعد	۵۱۷	حضرت علی کرم اللہ وجہہ
۵۲۹	شوری	۵۱۷	چوتھی بحث: امام کی شرائط
۵۳۰	شوری کا دائرہ کار	۵۱۸	عدالت
۵۳۱	شوری کی ترکیبی ہیئت	۵۱۹	نقص تصرف
۵۳۱	شوری کا حکم	۵۲۰	نسب
۵۳۲	عدل	۵۲۰	خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں
۵۳۳	اقلیتوں کے ساتھ عدل و انصاف اور تدبیر و سیاست	۵۲۱	پانچویں بحث: امام کی ذمہ داریاں / فرائض
۵۳۳	قانون کی نظر میں مساوات	۵۲۱	دینی فرائض
۵۳۳	احترام انسانیت	۵۲۱	اول: حفاظت دین
۵۳۵	آزادی	۵۲۱	دوم: دشمنوں سے جہاد
۵۳۵	اعتقادی و دینی آزادی	۵۲۱	سوم: غنائم اور صدقات کی وصولی
۵۳۵	فکر و قول کی آزادی	۵۲۱	چہارم: شعائر اسلام کا قیام
۵۳۶	قوم کی نگرانی اور حاکم کی جوابدہی	۵۲۲	سیاسی فرائض

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۴۳	صوبائی امارت (حکومت)	۵۳۷	امام کا عوام الناس کے ساتھ علاقہ (تعلق)
۵۴۴	امارت عامہ	۵۳۷	اسلام میں ریاست کا سرچشمہ
۵۴۴	امارت استلفاظ	۵۳۷	اصل خداوندی کا نظریہ
۵۴۵	علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں	۵۳۸	معابدہ عمرانی کا نظریہ
۵۴۵	امارت خاصہ	۵۳۹	دسویں بحث..... حکومت کا نظم و نسق
۵۴۵	امام کی ولایت کی انتہاء	۵۳۹	پہلا مقصد: خلفائے راشدین کے عہد میں حکومت کا نظم
۵۴۵	موت	۵۴۰	دوسرا مقصد: ولایت کی اقسام
۵۴۵	کفر و ارتداد	۵۴۰	اول: قومی معاملات میں ولایات عامہ کے ذمہ داران
۵۴۵	اہلیت زائل ہو جائے	۵۴۰	دوم: مخصوص اعمال میں ولایت عامہ کے حاملین
۵۴۶	امکان تصرف میں نقص کا پیدا ہو جانا	۵۴۰	مخصوص اعمال میں ولایت خاصہ کے حاملین
۵۴۶	عوام انام کو معزول کر دے یا وہ خود معزول ہو جائے	۵۴۰	تیسرا مقصد: ولایت کے انتظامی عہدے
۵۴۶	تیسری فصل..... اسلام میں صیغہ قضاء	۵۴۰	اول: وزارت
۵۴۶	عدلیہ	۵۴۰	وزارت تفویض (وزارت عظمیٰ)
۵۴۶	پہلی بحث: قضاء کی تعریف، تاریخ اور حکم	۵۴۱	ولایت عہد
۵۴۷	قضاء کا شرعاً حکم	۵۴۱	وزارت تنفیذ
۵۴۷	قضاء کی حکمت	۵۴۲	وزیر تنفیذ کی شرائط
۵۴۹	شعبہ قضاء کی اہمیت	۵۴۲	امانت
۵۴۹	اول: قضاء کا دار و مدار عقیدہ اور اخلاق پر	۵۴۲	لجبہ میں سچائی
۵۴۹	دوم: ہر حکومت میں شعبہ قضاء کی ضرورت	۵۴۲	لا لچ و طمع کا نہ ہونا
۵۴۹	سوم: عدلیہ کی آزادی اور دیگر شعبوں سے علیحدگی	۵۴۲	صلح جوئی
۵۴۹	رانج عدالتی نظام	۵۴۲	حاضر دماغی اور یادداشت کا قوی ہونا
۵۴۹	پہلا مقصد..... قاضی کے شرائط	۵۴۲	ذکاوت و فطانت
۵۴۹	اول: بالغ ہونے اور عقلمند ہونے کی اہلیت	۵۴۲	وزیر تنفیذ اہل بدعت میں سے نہ ہو
۵۵۰	دوم: آزادی	۵۴۲	دونوں وزارتوں میں فرق
۵۵۰	سوم: اسلام	۵۴۳	شرائط و اہلیت کے متعلقہ شرائط
۵۵۰	چہارم: حواس	۵۴۳	آزاد ہونا
۵۵۰	پنجم: شرعی احکام کا علم	۵۴۳	احکام شرعیہ کا علم ہونا
۵۵۰	رباعا عدل ہونا	۵۴۳	عسکری اور معاشی امور کی معرفت
۵۵۰	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے	۵۴۳	اختیارات سے متعلقہ فرق

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۰	عام اوقاف	۵۵۰	رہا مرد ہونا
۵۶۰	خصوصی اوقاف	۵۵۱	رہا مجتہد ہونا
۵۶۰	مظالم کی نگرانی اور قاضیوں کی نگرانی میں فرق	۵۵۱	قاضیوں کی ذمہ داریاں
۵۶۱	المبحث الخامس مستبوس کی ولایت اور اختیار	۵۵۲	قاضی کی رائے کو مضبوط بنانے اور اس کے تشفی بخش ہونے کے بیان میں
۵۶۱	اول: احتساب کی حقیقت اور اس کی شرائط	۵۵۲	سوم: تہمت کی روک تھام
۵۶۱	احتساب	۵۵۲	خصوصی آداب
۵۶۲	دوم: محتسب کے اختیارات	۵۵۳	مادی حقوق میں سے
۵۶۳	امر بالمعروف	۵۵۳	تیسرا مقصد
۵۶۳	جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے	۵۵۴	خاص اختیار کا قاضی
۵۶۳	عام حقوق	۵۵۴	چوتھا مقصد: تنظیم القضاء (قضاء کی ترتیب)
۵۶۳	خاص حقوق	۵۵۴	قاضیوں کے تقرر اور معزولی کے طریقے
۵۶۳	نبی عن المنکر	۵۵۵	قاضیوں کا اختصاص
۵۶۳	عبادات	۵۵۵	وقتی خصوصیت
۵۶۳	محظورات (ممنوعات)	۵۵۵	مکانی تخصیص
۵۶۳	منکر معاملات	۵۵۵	قسم کا اختصاص
۵۶۵	محکمہ احتساب، عدالت اور مظالم کی (روک تھام) کی	۵۵۵	موضوع کے لحاظ سے تخصیص
۵۶۵	ولایت میں موازنہ	۵۵۵	انفرادی یا اور اجتماعی عدالت (قضاء) کا اسلوب
۵۶۵	عمومی عدالت اور احتساب کے درمیان موازنہ	۵۵۶	عدالتی نظام یا محکموں کے درجات اور احکام پر اعتراض
۵۶۶	احتساب اور مظالم کی نگرانی کے درمیان موازنہ	۵۵۶	قاضیوں کے فیصلے کی تعریف
۵۶۶	مشابہت کی وجوہات	۵۵۷	المبحث الثالث تحکیم (حکم اور فیصل بنانا)
۵۶۶	اختلاف کی وجوہات	۵۵۷	المبحث الرابع مظالم کی ولایت
۵۶۶	المبحث السادس عدالتی کارروائی کے اصول	۵۵۸	اول: ولایت مظالم کی تعریف اور بنیاد عصر حاضر میں
۵۶۶	دعویٰ	۵۵۸	ماوردی ان الفاظ میں اس کی تعریف کرتے ہیں
۵۶۷	عقل یا تمیز کرنے کی اہلیت	۵۵۸	اس کی بنیاد
۵۶۹	اول: احتساب اور مظالم	۵۵۹	محکمہ مظالم کی ہیئت
۵۶۹	دوم: اللہ تعالیٰ کے حقوق	۵۵۹	(دیوان) دفتر مظالم کے اختیارات
۵۶۹	سوم: شخصی حقوق العباد	۵۶۰	شاہی غصب
۵۶۹	مقبول دعوے کا حکم	۵۶۰	طاقتور لوگوں کی غصب کردہ چیزیں
۵۷۰	دوسرا مرحلہ: حق ثابت کرنے کے طریقے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۶	چنانچہ جرائمناہ سزاؤں کے دائرہ میں	۵۷۰	حق ثابت کرنا
۵۷۶	شہری فیصلوں کے دائرہ کار میں	۵۷۱	مالکیہ کا کہنا ہے
۵۷۷	الفصل الرابع.....الدولة الإسلامية (اسلامی حکومت)	۵۷۱	اول: عقل و بلوغت کی اہلیت
۵۷۷	المبحث التمہیدی - مقدمات.....المطلب الاول	۵۷۱	دوم: آزادی
۵۷۸	الركن الاول.....عوام	۵۷۱	سوم: اسلام
۵۷۸	الركن الثاني.....واقليم (علاقہ)	۵۷۱	چہارم: مینا ہونا
۵۷۹	الركن الثالث.....اقتدار	۵۷۱	پنجم: بولنا
۵۷۹	اول.....اسلامی حکومت کی بنیاد کے طریقے	۵۷۲	ششم: عدالت
۵۷۹	النوع الاول.....کامل اعتراف	۵۷۲	ہفتم: تہمت نہ ہو
۵۷۹	النوع الثاني.....ناقص یا تمہیدی اعتراف	۵۷۲	اقرار
۵۷۹	النوع الثالث.....اسلامی حکومت کی شخصیت (امتیازی حیثیت)	۵۷۲	اول: عقل و بلوغت کی اہلیت
۵۸۰	المطلب الاول.....اسلامی حکومت کے امتیازات	۵۷۲	دوم: رضامندی اور اختیار
۵۸۰	المطلب الثاني.....موجودہ حکومت سے اس کا موازنہ	۵۷۲	سوم: بے ہمتی
۵۸۰	المبحث الثاني.....اسلام کی حکومت کی ڈیوٹی (ذمہ داری)	۵۷۲	چہارم: اقرار کرنے والا معلوم ہو
۵۸۰	پہلی ذمہ داری.....داخل میں اس کی ذمہ داری	۵۷۳	پنجم (قسم)
۵۸۰	دوسری ذمہ داری.....خارج میں اس کی ذمہ داری	۵۷۳	کتابت و تحریر
۵۸۱	المبحث الرابع: حکومت کے تحفظات اور خارج میں اس کے استثنائات	۵۷۳	قرآن
۵۸۱	المطلب اول: جن پہ تحفظات اور استثنائات مشتمل ہیں	۵۷۳	خود قاضی کا ذاتی علم
۵۸۱	المطلب الثاني	۵۷۵	تجربہ اور معائنہ
۵۸۱	المبحث الخامس	۵۷۵	قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف خط
۵۸۱	المطلب الاول	۵۷۵	تیسرا مرحلہ: عدالتی فیصلہ
۵۸۱	النوع الثاني	۵۷۵	فیصلہ
۵۸۲	المطلب الثاني	۵۷۵	اول: فریقین میں صلح
۵۸۲	المطلب الثالث	۵۷۵	دوم: فقہاء سے مشورہ
۵۸۲	المبحث التمہیدی: مقدمات	۵۷۵	اول: قاضی کے سامنے
۵۸۲	المطلب الاول	۵۷۶	دوم: فریقین کے روبرو حکم صادر کرنا
۵۸۳	دارالاسلام اور موجودہ حکومت کے مفہوم کی تاریخی بنیاد، فقرہ	۵۷۶	سوم: احکام کی علت بیان کرنا
		۵۷۶	چہارم: احکام کی تدوین
		۵۷۶	احکام کو نافذ کرنا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	ارتقاء کا اصول	۵۸۳	ثانی..... دارالاسلام اور اسلامی حکومت کے مفہوم میں تمیز
۶۰۳	اسلامی حکومت کی ساخت کے طریقے	۵۸۴	ثالث: دارالاسلام اور اسلامی حکومت کے دونوں مفہوموں
۶۰۴	قدیم عناصر سے حکومت کا ارتقاء		کا مرحلہ وار رجحان
۶۰۴	اعتراف اور اس کی وجوہات جواز کے اصول کی ماہیت	۵۸۵	خلاصہ یہ ہوا
۶۰۵	اعتراف کی قسمیں	۵۸۶	المطلب الثانی..... حکومت اسلامیہ کی اصطلاح کی بنیاد
۶۰۵	کامل کا اعتراف	۵۸۹	کیا اسلام حکومت قائم کرنے پر زور دیتا ہے؟
۶۰۵	حکومت کا اعتراف کرنا	۵۹۰	موجودہ عرف میں حکومت
۶۰۶	حکومت و اقتدار کا اعتراف	۵۹۰	پہلا رکن: عوام
۶۰۶	تمہیدی یا ناقص اعتراف	۵۹۲	حکومت کے جدید مفہوم میں اس رکن کا اپنی نظیر سے اختلاف
۶۰۶	امت کا اعتراف		دوسرا رکن: علاقہ
۶۰۶	بغاوت و انقلاب کا اعتراف	۵۹۳	ثانی..... حکومت کے علاقے میں شامل مقامات
۶۰۶	بغاوت کا مقصد	۵۹۳	جو علاقے کا بنیادی جز ہو
۶۰۷	حالت جنگ کا اعتراف	۵۹۳	زمین
۶۰۷	اسلامی حکومت کی امتیازی حیثیت	۵۹۳	ملکی نہریں
۶۰۹	المبحث الثانی: اسلامی حکومت کے خصائص و امتیازات اور	۵۹۳	ساحلی پانی یا علاقائی سمندر
	موجودہ حکومت سے اس کا موازنہ	۵۹۴	حکومت کے علاقے میں ملکی نہروں کا واقعی جز
۶۰۹	المطلب الاول: اسلامی حکومت کے امتیازات	۵۹۴	بلندی میں فضائی طبقات
۶۱۰	اور دی اور ابولعلی کا قول ہے	۵۹۴	سمندروں کے عالی حصے
۶۱۱	المطلب الثانی: اسلامی حکومت کا موجودہ حکومت سے موازنہ	۵۹۶	کائناتی فضاء
۶۱۱	قسم اول: موجودہ حکومت کے اصول و ادیان سے تعلق کی	۵۹۶	تیسرا رکن: سربراہی و اقتدار
	گنجائش کا بیان	۵۹۷	سربراہی کا اپنے مشابہ سے ممتاز ہونا
۶۱۳	اسلامی حکومت کا اشتراک کی حکومت کے ساتھ موازنہ	۵۹۷	سربراہی اور عملی اقتدار میں تمیز
۶۱۴	المبحث الثالث..... اسلامی حکومت کی ذمہ داری	۵۹۷	اجرت پر دینا
۶۱۴	اسلامی حکومت کی ذمہ داری (ڈیوٹی) کی تعریف کے متعلق	۵۹۷	انتظام
۶۱۵	حاکم کے واجبات یا حکومت کی ذمہ داریوں کی تفصیل	۵۹۷	سربراہی اور ملکیت کے درمیان فرق
۶۱۶	پہلی ذمہ داری: حکومت کی داخلی ذمہ داری	۵۹۷	اسلامی حکومت میں سربراہی کا نظریہ
۶۱۶	معاشرے کے مصالح کو پر امن بنانا	۵۹۹	عقیدہ توحید کا اقرار
۶۱۶	انتظامی حقوق	۶۰۲	المطلب الثانی: اسلامی حکومت کی ساخت
۶۱۷	عدالتی حقوق	۶۰۲	تمہید: صرف ارکان کی یکسانیت کے ذریعے حکومت کے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۴۴	انصاف پسندی کا اصول	۶۱۷	نظام کی حفاظت
۶۴۴	آزادی	۶۱۸	امن کی حفاظت
۶۴۵	لوگوں میں مکمل برابری	۶۱۸	امر بالمعروف
۶۴۶	خلاصہ یہ ہوا	۶۱۸	معروف
۶۴۶	المطلب الثانی: وہ ذمہ داری جو اسلامی حکومت کے	۶۱۹	اور منکر
	امتيازات اور اہداف کی حیثیت پر قائم ہے	۶۲۰	عدل کا قیام اور عدالت کا نظام
۶۴۷	غیر مسلم تخلصین کے ساتھ تعاون	۶۲۱	ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے
۶۴۹	اسلام کی دعوت دینا	۶۲۲	فائدے کی عام چیزوں کا انتظام
۶۵۰	دشمنان اسلام کے شبہات کا ازالہ	۶۲۳	حکومت کی حفاظت کے لیے تیاری اور عوام کو مشق
۶۵۱	المبحث الرابع: حکومت کے تحفظات اور خارج میں اس کے استثنائات		(ٹریننگ) کرانے کی دعوت اور اسلحہ سازی
۶۵۱	حکومت کی امتیازی حیثیت	۶۲۵	اسلامی حکومت کے امتیازات سے وابستگی اور اس کے
۶۵۲	کشتی اور ہوائی جہاز		اہداف کو ثابت کرنا
۶۵۲	ایجنسیاں اور ادارے	۶۲۶	امت کی وحدت، باہمی تعاون اور اس کے افراد میں بھائی
۶۵۲	سیاسی وحدتیں		چارے کو تقویت دینا
۶۵۲	سفارتیں	۶۲۷	پہلا طریقہ
۶۵۲	تحفظات اور استثنائات کی قسمیں	۶۲۷	دوسرا طریقہ
۶۵۳	استثنائات	۶۲۹	زمین کو آباد کرنا
۶۵۳	تجارتی سرگرمی یا خاص ملکیت	۶۳۰	اسلامی آداب کی حفاظت
۶۵۳	حکومت کی رضامندی کی حالت	۶۳۱	اجتماعی عدالت و انصاف پسندی قائم کرنا
۶۵۳	المبحث الخامس: اسلامی حکومت کی حالت کی تبدیلی، اس کا	۶۳۳	اسلامی لحاظ سے افراد کے لیے حیات طیبہ کو ثابت کرنا
	زوال اور اس کے اثرات	۶۳۶	اندرون و بیرون دعوت و تبلیغ پھیلانے کے لیے داعیوں کی
۶۵۳	المطلب الاول: اسلامی حکومت کی حالت کی تبدیلی		تیاری کرنا
۶۵۳	انقلاب	۶۳۸	حکومت داعیوں کو کیسے تیار کرے؟
۶۵۴	خانہ جنگی	۶۳۹	دوسری ذمہ داری: حکومت کی بیرونی ذمہ داری
۶۵۴	بغاوت	۶۳۹	المطلب الاول: حکومتی زندگی کی ضروریات کی حیثیت پر
۶۵۴	حالات کی دائرہ میں تبدیلی		ذمہ داری کا قیام
۶۵۴	انصاف کے ساتھ تبدیلی	۶۴۰	اسلامی حکومت کے علاقوں میں تعاون کو مضبوط کرنا
۶۵۴	حالات کی تبدیلی	۶۴۱	عالمی سلامتی کو مستحکم کرنا
۶۵۶	معدودہ رابعہ	۶۴۳	انسانی عزت و کرامت کی حفاظت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۶۶	فیصلہ کرانے کے حقوق	۶۵۶	تقدیم کے ذریعہ
۶۶۷	منتقل ہونے اور پناہ لینے کا حق	۶۵۶	فتح کے ذریعہ جب اس کے اسباب موجود ہوں (جہاد)
۶۶۷	جنگ کے دوران کی ذمہ داریاں اور حقوق	۶۵۶	المطلب الثانی: اسلامی حکومت کا زوال
۶۶۷	میت کی عزت	۶۵۷	پہلی حالت: مکمل طور پر زوال
۶۶۷	اس وثیقہ کی شرعی حدود اور تفسیر	۶۵۷	دوسری حالت: جزوی خاتمہ
		۶۵۷	علیحدہ حصہ کو ماتحت کرنے کی امکان کی حالت
		۶۵۷	علیحدہ حصہ کو فرمانبردار کرنے سے عاجزی کی حالت
		۶۵۹	المطلب الثالث: حکومتی حالت کی تبدیلی کا اثر یا اس کا پے
			درپے زوال پذیر ہونا
		۶۵۹	(التعاقب) (یکے بعد دیگرے)
		۶۵۹	اول: معاہدات کی نسبت
		۶۶۰	دوم: قرضوں کی مناسبت سے
		۶۶۰	رہی جزوی زوال کی حالت
		۶۶۰	سوم: حکومت کی عام املاک کی نسبت سے
		۶۶۰	چہارم: تناسب کے لحاظ سے
		۶۶۰	پنجم: عدالتی احکام کی مناسبت سے
		۶۶۱	ششم: افراد کی قومیت کے تناسب سے
		۶۶۱	اس فصل کے اہم مراجع
		۶۶۱	الف: تفسیر القرآن الکریم اور حدیث شریف
		۶۶۱	ب: الفقہ الاسلامی
		۶۶۲	ج: جدید تالیفات
		۶۶۳	د: اسلام میں انسان کے حقوق کا راستہ
		۶۶۳	بنیادی حقوق
		۶۶۳	سیاسی حقوق
		۶۶۵	حقوق الاسرة
		۶۶۵	نسبت و قومیت کا حق
		۶۶۵	تعلیم و تربیت کے حقوق
		۶۶۶	کام کے حقوق اور اجتماعی (معاشرتی) ضمانت
		۶۶۶	کمانی کرنے، فائدہ اٹھانے اور ادبی ملکیت کے حقوق

اصطلاحات

اقتصاد..... معیشت اور معیشت کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر انسان کا گزر بسر ہو۔

مصارف..... مصرف کی جمع ہے بمعنی تنک۔

استثمار..... سرمایہ کاری۔

نقد والورقیہ..... کاغذی کرنسی۔

بیع بالتقسیط..... قسطوں پر خرید و فروخت۔

حد..... ایسی سزا جو شریعت کی مقرر کردہ ہو۔

محدود..... سز یافتہ۔

زنا..... مرد کا عورت کی آگے کی شرمگاہ میں جماع کرنا یا وجود یکہ عورت نہ اس کے نکاح میں ہو، نہ ملکیت میں اور نہ نکاح یا ملکیت کا

شبہ ہو۔

زانی..... زنا کا مرتکب۔

مزنی بہا..... وہ عورت جس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا گیا ہو۔

محض..... وہ آزاد عاقل بالغ مرد یا عورت جو نکاح صحیح کی بنیاد پر ہم بستری کر چکا ہو۔

رجم..... سنگسار کرنا، مرتکب زنا پر سنگباری کرنا۔

لواطت..... بد فعلی۔

حد قذف..... وہ حد جو تہمت کی بنا پر مجرم کو لگائی جائے۔

محدود فی القذف..... ایسا شخص جسے حد قذف لگائی گئی ہو۔

قاذف..... تہمت لگانے والا۔

بینہ..... گواہ۔

سرقہ..... چوری۔

سارق..... چور

مسروق..... چوری کیا ہوا مال۔

محرز..... وہ مال جسے دوسرے کی دست برد سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ خواہ گھر میں یا کہیں اور۔

حرز..... مال کو ایسی جگہ رکھنا جہاں عام طور پر اس کی حفاظت کی جاتی ہو۔

حراہ..... ذمہ داری، اسے قطع الطرق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، فزاقی۔

قاطع..... ذمہ داری۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

مقطوع علیہ..... وہ مظلوم شخص جسے ڈاکوؤں نے مارا دھمکا کر مال لوٹ لیں۔

مقطوع لہ..... وہ مال جس کی وجہ سے ڈکیتی کی واردات سرزد ہوئی ہو۔

مقطوع فیہ..... وہ جگہ جہاں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہو۔

شراب..... شراب نوشی۔

شارب..... شراب پینے والا۔

مشروب..... پینے کی چیز عموماً اس کا اطلاق حلال چیز پر ہوتا ہے۔

سکر..... نشہ۔

مسکر..... نشہ آور چیز۔

ردت..... دین اسلام سے پھر جانا۔

مرتد..... دین اسلام سے پھر جانے والا۔

تعزیر..... ایسی سزا جو شریعت کی مقرر کردہ نہ ہو۔

معزز..... تعزیر یافتہ۔

قتل عمد..... جان بوجھ کر کسی کو قتل کرنا۔

قصاص..... قتل کا بدلہ۔

قتل شبہ عمد..... بالارادہ ایسی چیز سے وار کرنا جو ہتھیار نہ ہو لیکن اس سے موت واقع ہو جائے۔

قتل خطا..... غلط فہمی میں کسی شخص پر وار کرنا یا نشانہ چوک جانے سے کسی شخص کی جان چلی جانا۔

قتل قائم مقام خطا..... جس میں حملہ کا کوئی ارادہ نہ ہو لیکن اس کا عمل براہ راست دوسرے کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

قتل بالسبب..... بالواسطہ ہلاکت کا سبب بننا۔

دیت..... وہ مال جو جانی نقصان کے عوض میں واجب ہو۔

حکومت عدل..... جنایات کی وہ صورت جس میں دیت کی کوئی مقدار متعین نہیں بلکہ تجربہ کار اور واقف کار حضرات کی رائے سے نقصان

کا عوض متعین کر دیا جائے۔

اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

موضوع معیشت نہایت تفصیل اور تحقیق طلب ہے۔ چنانچہ نظریہ معیشت و اقتصادیت کا احاطہ مکمل تحقیق کے بعد ہی ہو پائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید معاشی و اقتصادی نظریات کی من و عن تفصیل فقہاء کی تصریحات میں ملنا دشوار ہے۔ اقتصادی حوالہ سے ہمارے پاس مبادی اور اصولی سرچشمے ہیں۔ تاہم آج کل کی عالمی اقتصادی سیادت کو ان اصولوں کی روشنی میں پرکھا جاسکتا ہے۔ یوں اسلام میں متعین اقتصادی پالیسی کو چند مباحث اور مقالات کی صورت میں جانچا جاسکتا ہے۔

پہلی بحث..... اسلامی معیشت اور اس کے اہم نشانات:

تمہید..... ماضی، حال اور مستقبل میں معیشت کو انسانی زندگی میں شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے معیشت کو انسانی زندگی کے جملہ احوال خواہ فکری و نظریاتی ہوں یا دینی ان سب میں بھرپور تاثیر حاصل ہے، اور معیشت عسکری، سیاسی، قانونی اور ملکی الغرض جملہ نواح میں اثر انداز ہے، چنانچہ مظلوم معیشت کو عظمت، قوت و پاور اور سیادت کا نشان سمجھا جاتا ہے جبکہ کمزور معیشت زوال تنزل اور انحطاط کی علامت ہے۔ اسی طرح گروہی اور بین الاقوامی جنگوں اور تنازعات کا دار و مدار بھی معیشت پر ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش سے انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر معاش کی تگ و دو میں لگا رہا ہے، ملکی سیاست پر بھی معیشت کے نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ سامراجیت اور اس کے گھناؤنے اثرات، بین الاقوامی تنظیمیں، این جی اوز، انٹرنیشنل مشترکہ مارکیٹیں وغیرہ معیشت کے سیاسی کوکھ سے پیدا شدہ ہیں۔ جب عالمی سطح پر معیشت کا یہ عالم ہے تو لامحالہ اہم اقتصادی مسائل ہیں اسلام کا واضح نقطہ نظر ہوگا، چونکہ اسلام دائمی اور ہمہ گیر نظام زندگی اور قانون حیات ہے جو روزمرہ بدلتی زندگی کے ہم آہنگ ہے، یہ مسلمات میں سے ہے کہ معیشت کو اسلامی تہذیب جسے دنیا میں عرصہ دراز تک سیادت و قیادت کا مقام حاصل رہا ہے اسایت کا مقام حاصل ہے۔

چنانچہ اسلام کے سایہ عاطفت میں انسانوں کا معاشی معیار اتنا عالی ہو گیا تھا کہ مالدار کو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے چراغ لے کر فقیر ڈھونڈنا پڑتا تھا پر یہ وہ دور تھا جب اسلامی حکومت کا آفتاب اپنے پورے جوہن اور عروج پر تھا۔

اسی لیے میں اسلامی نظام معیشت کے اہم اثرات کو ذکر کروں گا، یہ وہ اثرات ہیں جنہیں کوئی انسان بھی اوپر نہیں سمجھتا چونکہ ان اثرات کو بشری انقلاب کے مختلف مراحل میں اساس کی حیثیت حاصل ہے اور یہ انسانی فطرت کے قدم بقدم ہیں، عدالت، حریت اور رحمت کے ساتھ ساتھ ہیں۔ ان اثرات کا صدور ان ہی سرچشموں سے ہوا ہے اور یہ مستقل اقتصادی نظام بندی سے ماخوذ ہیں۔ قطع نظر تنازعات اور ابواء کے۔ اس اسلامی معاشی نظام کی بنیاد اس جامع معاشی نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ جسے سیاسی معیشت، اور ”معاشی مذہب“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیاسی معیشت سے مراد وہ معاشی نظریہ ہے جو معاشرے کو پیش آمدہ معاشی مشکلات سے نکالتا ہے اور ان مشکلات کو حل کرتا ہے گویا یہ ایک معاشی پالیسی ہے جس میں معیشت کی بہتر سے بہتر راہیں، ہمواری جاتی ہیں اور وسائل کو متعارف کرایا جاتا ہے۔

جبکہ معاشی مذہب سے مراد وہ مرحلہ ہے جو اقتصادی فکر کے مختلف مراحل کا دوسرا مرحلہ ہے چنانچہ محقق اس مرحلہ میں ایسے معین مؤقف کی کھوج لگاتا ہے جو اعلیٰ اقتصادی نظام کے لیے معاون ہوتا ہے پھر اسے قبول عام حاصل ہوتا ہے یا اسے چھوڑ دیا جاتا ہے بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ یہ وہ معاشی راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے معاشرہ اپنی معاشی ترقی برقرار رکھ سکتا ہے اور معاشی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

نظام اسلامی کے ضمن میں کچھ ایسے احکام بھی ہیں جو اقتصادی پالیسی اور تدبیر سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ یہ احکام مستقل راستہ کی شکل میں ہیں جس پر اقتصادی مسائل کی بنیاد ہے اور پر انسانی زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔

اول: اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت پر سرسری نظر:

سرمایہ دارانہ نظام..... اس نظام کا اجمالی تعارف گزر چکا ہے یہ نظام فردی ملکیت کے اصول کا معترف ہے۔ چنانچہ افراد کو اس نظام میں ملکیت خواہ و وسائل پیداوار کی ہو یا عام اشیاء کی کامل طور پر حاصل ہوتی ہے اور افراد سے وراثت میں منتقل ہوتی ہے، اس نظام کے تحت افراد کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے کہ وہ اپنی پیداوار کو جس قدر چاہیں گھٹائیں یا بڑھائیں مال کی قیمت پر جتنا منافع چاہیں حاصل کریں، جس قسم کی چاہیں تیار کریں اور کاروبار کے لئے جو ضابطے چاہیں مقرر کریں۔

اس نظام میں حکومت دخل نہیں دے سکتی گویا یہ نظام افراد کو اقتصادی آزادی فراہم کرتا ہے چنانچہ معاشی آزادی و وسائل پیداوار کی تحدید کے ترک کا مقصد ہی ہے، اس نظام میں بنیادی چیز جس کو پورے معاشی نظام کا اصل الاصول قرار دیا گیا ہے وہ فرد کا ذاتی نفع ہے جس طرح فرد انفرادی ملکیت میں کامل طرح سے آزاد ہے اسی طرح سرمایہ خروج کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہے۔

اس نظام پر نقد وارد کیا گیا ہے کہ اس نظام سے دولت کا توازن مختل ہو جاتا ہے اور معاشرہ دو طبقوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔ ایک طبقہ سرمایہ دار اور اجارہ دار بن جاتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ کمزور مزدوروں اور زمینداروں کا بن جاتا ہے۔ دولت چند گنے چنے افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے، اس نظام میں دولت کی گردش سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کی بنیادوں پر ہوتی ہے، غریب کی غربت اور سرمایہ دار کی دولت میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے، سرمایہ دار طبقہ سرمایہ کے زور سے حکومت کی پوری پالیسی کو اپنی حکمت عملی کے تابع کر لیتا ہے جبکہ یہ عیب اس نظام کا زبردست خطرناک عیب ہے۔ ان تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معیشت کو استقرار نہیں مل پاتا۔ تاہم اس نظام کے دانشوار حکومت کو دخل دینے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ جبکہ حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خود معیشت کے اصول قائم کرے جس سے معاشرہ میں توازن پیدا ہو سکے۔

اشتراکیت..... اشتراکیت انفرادیت کی ضد ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جماعت اور حکومت ہی سب کچھ ہے فرد کچھ نہیں، چنانچہ حکومت ہی تمام وسائل پیداوار صنعت، زراعت، دولت اور خدمات عامہ کی مالک ہے انفرادی ملکیت کو سرے سے وجود ہی حاصل نہیں، حکومت فرد کو جو پیشہ ملازمت اور ذمہ داری سونپ دے وہ اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ اس نظام میں معاشی آزادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ حکومت فرد کو جو کچھ سونپ دے وہ اس کی ملکیت ہے، گویا اشتراکیت مساوات اور یکسانیت کے نظریہ کو فروغ دینا چاہتی ہے، اور وسائل پیداوار دولت علم و عمل میں جو فرق پایا جاتا ہے اسے لغو قرار دینا اس نظام کا مقصد ہے۔ چنانچہ اشتراکیت ہر فرد کو بحسب عمل برابری میں رکھنا چاہتی ہے تاکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت میسر ہو سکے۔

اس نظام معیشت پر بھی نقد وارد کیا گیا ہے یہ نظام فطرت انسانیت کے ہی خلاف ہے چونکہ انسانی فطرت انفرادی ملکیت کی خوگر ہے، جبکہ اس نظام نے انفرادی ملکیت کو سرے سے ہی معدوم کر دیا اس نظام میں رہتے ہوئے انسان کی آمدنی محنت و سستی دونوں صورتوں میں برقرار رہتی ہے، جبکہ شرعی سبقت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ مارکسی نظریہ سامان کی قیمت اس کی پیداوار پر ہونے والے اخراجات کے اعتبار سے عمل پر لاگو کرتا ہے چونکہ عمل کا عنصر تنہا پیداواری عنصر نہیں ہے بلکہ پیداوار کے دوسرے عناصر بھی ہیں جو طبعی ہیں جن کا تعلق اصل سرمایہ سے ہے انہیں عمل کی طرف رو کر نامکمل نہیں۔ اشتراکیت کی منصوبہ زبردست جابرانہ حکومت کے انجیر ہانگمن ہے، پھر حکومت کے افراد کا کرنی خورد برد بھی منہ

کھولے ساتھ کھڑی رہتی ہے۔ انسان اس میں محنت کی بجائے سستی سے کام کرتا ہے، یوں اس نظام میں تقسیم دولت کے ضمن میں ودیقات پیدا ہو جاتے ہیں، اعلیٰ طبقہ جس کے ہاتھ میں قیادت ہوتی ہے نچلا مزدوروں اور زمینداروں کا طبقہ۔

ان ساری خرابیوں کا روس میں اشتراکین کو سامنا کرنا پڑا، بالآخر انہیں پیداواری وسائل، عام اشیاء گھریلو اثاثہ جات، نقوذ کا اعتراف کرنا پڑا اور ان اشیاء کے انتقال سے وراثت کا بھی احترام ہونے لگا۔ اس نے نچلے درجہ پر زمینداروں اور اہل حرفت کے لئے ملکیت خاصہ کے حقوق سوئے اور تجربہ کے طور پر افراد کو مختلف شعبہ جات میں آزادی مثلاً طب، کتابت اور دوسرے فنون میں آزادی دی۔ علی الرغم یہ نظام اپنے عیوب اور سلبی پہلو کے لحاظ سے ناکام رہا اور بالآخر گورباچوف کے زمانہ میں ۱۹۸۹ء میں تباہ ہو کر رہ گیا۔

اسلامی نظریہ اور مارکسی (اشتراکی) نظریہ میں بنیادی فرق.....، اہم فرق مندرجہ ذیل ہیں:

اول..... مارکسی نظریہ محض ملکہانہ نظریہ ہے جس کی بنیاد مادیت پر ہے جبکہ مادیت اور وسائل پیداوار کا اتار چڑھاؤ ایسی چیز ہے جو افراد کے علاقہ کی تحدید کرتی ہے۔ بخلاف اسلامی نظریہ کے سو اس نظریہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ آخرت کے دن پر ایمان رکھنے پر ہے خوف خدا رضائے الہی اور احکام اسلام کی بنیاد پر ہے، یہ نظریہ افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔

دوم..... مارکسی نظریہ کا ہدف انفرادی و ملکیت کو لغو قرار دینا ہے اور اس کی جگہ ملکیت عامہ کو اتارنا ہے جو حکومتی ملکیت کی صورت میں ہے۔ بخلاف اسلامی نظریہ کے گویا کسی نظریہ میں ملکیت عامہ کو اصل اہمیت حاصل ہے اور یہی اہم فرق ہے جبکہ ملکیت خاصہ استثنائے صورت میں ہے، جبکہ اسلامی معیشت میں ملکیت خاصہ اور ملکیت عامہ کو یکسانیت حاصل ہے، اسلامی ملکیت خاصہ کو نہ صرف جائز بلکہ لازم قرار دیتا ہے اور اس پر بہت ساری قیودات عائد کرتا ہے، کھلی چھٹی نہیں دیتا، چنانچہ عرصہ چودہ سو سال سے اسلام میں ہم وسیع پیمانے پر ملکیت عامہ کو پاتے ہیں جس سے قومی ضروریات پوری ہوتی ہیں مثلاً چراگاہیں، املاک موقوفہ، مساجد و مدارس وغیرہ کی املاک، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مفتوحہ اراضی کے بارے میں یہ موقف تھا ان اراضی کو حکومتی تحویل میں دے دیا جائے۔ یہ ملکیت عامہ کی بہترین مثال ہے۔

سوم..... اشتراکیت کا قیام طبقاتی کشمکش اور ڈکٹیٹر شپ پر رکھا گیا ہے جبکہ اسلامی معیشت کا قیام معاشرے کے جمیع افراد کے درمیان تعاون پر ہے۔ روس کے بعض مسلمانوں مثلاً سلطان جالیف اور حنفی مظہر جیسے لوگوں نے اشتراکیت اور اسلام کو بقدر امکان جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے، البتہ ان لوگوں نے روسی حکام کو ان اشتراکی امور پر متنبہ کیا ہے جو اسلام کے معارض ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

اول..... سلطان جالیف نے وضاحت کی ہے کہ مادیت اور اشتراکیت میں کوئی علاقہ نہیں، اور یہ خیال ظاہر کرنا کہ دہریت اور اشتراکیت میں گہرا ربط ہے یہ ضروری نہیں چونکہ بسا اوقات ایک دہری اشتراکی ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ جیسے ایک اشتراکی دہری بھی ہو سکتا ہے اور غیر دہری بھی، دہری کا تصور یہ ہوتا ہے کہ مادہ ہر موجود کا سبب ہے، یوں اس نظریہ میں۔ حقیقی الہ جو کہ اللہ تعالیٰ ہے کو ایک دوسرے الہ یعنی مادہ میں بدل دیا گیا ہے۔ چنانچہ مارکسی نظریہ کے اکثر نام لیواؤں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ ①

دوم..... سلطان جالیف نے وضاحت کی ہے کہ ملکیت خاصہ کو لغو قرار دینا اور ملکیت عامہ کو کامل قرار دینا ذاتی ہدف نہیں۔ اور اشتراکیت کا صرف یہی راستہ نہیں بلکہ اشتراکیت کا اہم مقصد وسائل پیداوار پر قابو پانا ہے، چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اشتراکیوں نے اپنے اس مقصد کا برملا اظہار بھی کیا ہے۔

سوم..... سلطان جالیف نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ انتہاء پسند اشتراکیوں کے غلبہ کے بعد طبقاتی کشمکش کے لئے کوئی جگہ نہ رہی جیسے کسانوں اور مزدوروں پر ارباب اختیار کا کوئی زور نہ رہا اور ڈکٹیٹر شپ کے لیے بھی جگہ نہ رہی، البتہ اس کی جگہ افراد کے باہمی تعاون کے نظریہ

①..... گویا اشتراکیت کا طوفان نہ صرف معیشت کی تباہی کا سبب بنا بلکہ مسلمہ عقیدہ کو بھی بدل کر رکھ دیا۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۶ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات۔

نے لے لی۔ اور مشرقی یورپی ممالک نے بھی اس تبدیلی کو اختیار کر لیا۔ ❶

چہارم..... سلطان جالیف کی یہ بھی رائے ہے اشتر کی انتہائے پسندوں کا غلبہ مشرق میں رہا ہے مغرب میں اس کا دم خم نہیں چلا۔ ❷
دوم: وظیفہ مال، انفرادی ملکیت کا حق اور انفرادی ملکیت پر اسلام میں وارد قیودات..... حقیقت میں مال اللہ تعالیٰ کا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ

تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس سب کی ملکیت اللہ ہی کے لئے ہے۔

جبکہ بھی لوگ اللہ کے بندے ہیں، لہذا سبھی لوگ مال کی تقسیم میں برابر کے شریک ہیں خواہ یہ مال تجارتی سامان کی صورت میں ہو یا غیر تجارتی ہو، جب اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے تو انسان مال کا مجازی مالک منتظم، نائب اور اللہ کا خلیفہ ہے۔
چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَحْلِفِينَ..... سورة الحمد، آیت نمبر ۷

اور جس مال میں اللہ نے تمہیں قائم مقام بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا..... سورة هود ۱۱-۶۱

اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کیا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُمْ

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور تم میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں سے درجات میں بلندی عطا کی تاکہ اس نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں ان میں تمہیں آزمائے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا..... سورة البقرة ۲-۲۹

وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔

مال کے اس تصور (کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے) اور انسان کے خلیفہ یا منتظم ہونے پر یہ عقیدہ مرتب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے ساتھ مال کا مقید کرنا واجب ہے اور تقیید مالک حقیقی کے حسب منشا ہوگی۔ چنانچہ زمین کی اچھی چیزوں کی ملکیت میں سبھی لوگوں کو برابر کا حق حاصل ہے، مال فی نفسہ مقصود نہیں، بلکہ مال تو منافع جات سے نفع اٹھانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جب حکومت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال کی خلیفہ اور نائب ہے تو ملکیت خاصہ کا قیام حکومت کا اہم ترین مقصد ٹھہرا۔ اس پر استبداد قابو پانا مقصد نہیں بلکہ حکومت کا حق ہے کہ وہ املاک خاصہ کی حفاظت کرے اور مصالح عامہ میں انہیں صرف کرے۔ چنانچہ صاحب مال اللہ تعالیٰ کے حضور مال کے متعلق جوابدہ ہوگا۔ اسی طرح حکومت کے سامنے بھی جواب دہ ہے۔

مال احترام اور تعظیم کا معیار نہیں اور نہ ہی مال کو جمع رکھنے میں کوئی عزت افزائی ہے بلکہ ہمارے فقہ میں تو یہ اصول مقرر کیا گیا ہے۔ جس شخص نے مال کی بنا پر کسی مالدار کے تعظیم کی اس نے کفر کیا۔

جب مال کے متعلق اسلام کا یہ اہم نظریہ ہے کہ مال فی ذاتہ مقصود نہیں بلکہ مقصود کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تو اسلام نے اپنے پہلے اقدام ہی

❶..... بالا آخر افغانستان کے مجاہدین نے اشتر ایت کا ستیاناس کر دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے یورپ کے تین معاشی نظام از مفتی محمد رفیع عثمانی

مدظلہ العالی۔ ❷ من مقال الدكتور محمد لشوفي الفنحري في مجله العربي عدد ۱۸۰، ۱۹۸۳ء

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۷ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
سے سرمایہ دارانہ نظام کی ظلمانہ عمارت کے ڈھانچے کو منہدم کر دیا۔

اسلام میں حق ملکیت فطری رحمان ہے اور شخصی حق ہے۔ شریعت مطہرہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اور آسمانی ادیان اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ:

رُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ..... آل عمران ۱۴

لوگوں کے لیے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ..... سورة النساء ۲۹

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِلنَّسَائِلِ وَالْمَحْرُومِ

اور جن کے مال میں ایک متعین حق ہے سوالی اور بے سوالی کا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والی وسلم کا فرمان ہے۔ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تمہارے اوپر حرام ہیں۔ ہر مسلمان کی جان، مال اور
آبرو دوسرے پر حرام ہے۔ کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ ❶

ہاں البتہ شخصی حق بہت سی قيودات کے ساتھ مقید ہے اس کا تذکرہ آیا جا چکا ہے۔ ان میں سے اہم ترین قید یہ ہے کہ دوسرے کا ضرر اور نقصان نہ ہو۔ اسلام میں انفرادی ملکیت کا حق دو صفتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ صفت فردیہ اور صفت جماعیہ۔

صفت فردیہ..... چنانچہ حق فی الواقع کوئی وظیفہ (منصب عہدہ) نہیں بلکہ حق ایک خصوصیت ہے جو صاحب حق کو سونپا جاتا ہے جس کے ضمن میں صاحب حق اپنی ملک کے ثمرات سے نفع اٹھاتا ہے اور ملک میں تصرف کرتا ہے، لیکن یہ ملکیت خاصہ کوئی اصل عام نہیں جو افراد کو عطا کر دی جائے اور حالات و واقعات کے مطابق دولت و اموال کے تنہا مالک بن بیٹھیں، چنانچہ ملکیت عام تو امر استثنائی ہے جس کے اجتماعی احوال مقتضی ہیں جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ مقرر ہے کہ بنا برائیں اسلامی معاشرہ کو سرمایہ دارانہ معاشرہ نہیں سمجھا جاسکتا اگرچہ اسلام میں ملکیت خاصہ کا اعتراف کیا گیا ہے۔

صفت حق جماعیہ..... یعنی مال میں سرکاری حق بھی ہے۔ چنانچہ ملکیت خاصہ کے حق میں ایک قید کا فرما ہوتی ہے کہ ملکیت خاصہ کے سمیٹنے میں دوسرے افراد کو کسی قسم کا ضرر لاحق نہ ہوتا ہو، اور املاک کو اجتماعی مصارف میں بھی لگایا جاسکتا ہے جیسے چراگاہ، وقف، سرکاری، املاک، گویا اسلام میں ملکیت عامہ کا تصور بھی موجود ہے بنا برائیں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام اشتراکی نظام کے مطابق ہے چونکہ اشتراکیت میں اجتماعی اصولوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چراگاہ کو اجتماعی استعمال کے لئے مقرر کیا تھا اور وہ بنی ثعلبہ کی ملک تھی جب بنی ثعلبہ معارض ہونے لگے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ زمین فی سبیل اللہ ہے۔

خلاصہ..... اسلام میں حق ملکیت، دو صفتوں کے درمیان ہم آہنگ ہے صفت فردیہ اور صفت جماعیہ اور ملکیت کی دو قسمیں ہیں۔ ملکیت خاصہ اور ملکیت عامہ چنانچہ انفرادی ملکیت کے حق میں اجتماعی حق بھی ہے، چنانچہ انفرادی حق کو نیکی بھلائی اور مصالح عامہ میں لگایا جاسکتا ہے، جبکہ ملکیت خاصہ فی الواقع وظیفہ اجتماعی نہیں جو معاشرہ کو سونپ دیا جائے اور پھر انفرادی حق ہی ختم ہو جائے چونکہ اگر یہی معنی مراد لیا جائے پھر تو نظریہ حق ہی لغو ہو جائے گا۔

❶..... الحدیث الاول اخرجه البخاری مسلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ والثانی اخرجه مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
والثالث اخرجه الدارقطنی عن انس۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۸ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات۔

اسلام میں فردی ملکیت پر وارد ہونے والی قیود بہت ساری ہیں۔

ان میں سے بعض قیود سلبی ہیں اور بعض ایجابی، ایجابی قیود کو میں عدالت اجتماعیہ کے وسائل کی بحث میں ذکر کروں گا۔ رہی بات قیود سلبیہ کی سو وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دوسروں کو ضرر پہنچانے سے احتراز..... اسلام میں فرد، اموال میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ جماعت کا رکن ہے چنانچہ فرد اپنے حق ملک کو اس طرح استعمال کرنے کا مجاز ہے کہ دوسروں کو اس سے لاضرر نہ پہنچے اور وہ اپنے آپ کو اجارہ دار کے روپ میں ظاہر نہ کرے، چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ لَاضْرَرٌ وَلَا ضَرَارٌ۔ چنانچہ مال کو ضرر کا وسیلہ بنانا کسی طرح روا نہیں، خواہ ضرر خاص (فرد واحد کا) ہو یا عام۔ گویا ملکیت خاصہ کو اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ دوسرے فرد کا کسی قسم کا کوئی حرج نہ ہو۔

۲۔ مالی ترقی کے لیے غیر مشروع وسائل کے استعمال کا عدم جواز..... چنانچہ مشروع طریقوں کے ساتھ اسلام نے مال کی ترقی اور اضافہ کو واجب قرار دیا ہے۔ یہ اضافہ خواہ زرعی اعتبار سے ہو یا صنعتی یا تجارتی اعتبار سے۔ اسلام نے سرے سے ایسے وسائل کو حرام قرار دیا ہے جو انسانی ہمدردی سے میل نہ رکھتے ہوں۔ عموماً یہ وسائل مادیت پرست اور سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک میں پوری آپ و تاب کے ساتھ فعال ہیں۔ جیسے سود، قمار، جوا، دھوکا دہی، فحش ذخیرہ اندوزی اور دھونس و دھاندلی، اجارہ داری، سٹو وغیرہ خطرناک قسم کے وسائل ہیں، چنانچہ اسلام نے یہ قید لاگو کر کے سرمایہ دارانہ نظام جس میں، مالدار طبقہ فقراء اور مزدوروں کا خون چوستا ہے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ جبکہ یہ غیر مشروع وسائل سرمایہ دارانہ نظام کی روح ہیں۔ چنانچہ ان میں سے چند وسائل کی مختصر اہم وضاحت پیش کرتے ہیں۔

سود..... اسلام نے سود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اعلان جنگ کر رکھا ہے، سود کے معاملہ میں اسلام نے کسی قسم کی رعایت نہیں رکھی خواہ سود قرضہ جات میں ہو یا وسائل پیداوار میں یا غلہ جات کی بچہ خرید و فروخت میں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

اور اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَئِنَّكُمْ لَمُرْغُوشٌ أَمْوَالُكُمْ ۖ لَا تَظْلُمُونَ ﴿۲۸﴾ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۹﴾
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم سود سے توبہ کرو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں سود کو بڑی اہمیت حاصل ہے جبکہ اسلام سود کے لین دین پر اعلان جنگ کرتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سود کو سود خوروں کی مصلحت قرار دیا جاتا ہے، اور اسلام میں باہمی ہمدردی خیر خواہی اور تعاون پر زور دیا جاتا ہے تاکہ طاقتور اور مالدار کمزور سے نفع نہ حاصل کر سکے اور اسے کمائی کا ذریعہ نہ بنالے۔ اور تاکہ ایسا طبقہ وجود میں نہ آئے جو اپنی سرمایہ داری کے بل بوتے پر بغیر کسی محنت مزدوری کے عیش و عشرت کرتا پھرے۔

قمار (جوا) قمار اصل میں ایسے مقابلہ کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں فریقین کی جانب سے بازی لگائی جاتی ہو کہ ہارنے والے جیتنے والے کو حسب معاہدہ مقررہ چیز یا مال ادا کرے گا، قمار کی مختلف اقسام ہیں، اسلام نے قمار کو بانواہم حرام کیا ہے۔ چونکہ قمار ایسا خبیث اور موزی مرض ہے جو انسانی طاقت اور بدن کو معطل کر دیتا ہے اور انسان کو سستی اور کاہلی کا عادی بنا دیتا ہے چونکہ جوا بغیر محنت مزدوری اور عمل کے مال کمانے کا

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۹ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
نام ہے، بلکہ جو انسانوں کے درمیان کینہ، بغض اور اختلاف برپا کر دیتا ہے۔ ❶ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قمار کو گندگی اور
شیطان کی عمل قرار دیا ہے۔

غش معاملات میں..... غش دھوکا دہی اور ملاوٹ کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ غش مطلقاً ممنوع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔
جس نے ہمارے ساتھ دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (حدیث گزر چکی ہے) عقلی وجہ یہ ہے کہ غش کی وجہ سے دو معاملہ کاروں کے درمیان
اجتماعی نہیں رہتا، اور کاروباری زندگی اضطراب کا شکار ہو جاتی ہے، چنانچہ غش کا اطلاق دھوکا دہی کی جملہ صورتوں پر ہوتا ہے جیسے خیانت (شمن کی
مقدار میں جھوٹ بول دیا) تنابش (خریداری میں رغبت دلانے کے لئے محض ابھارنا) تغیر (غلط طریقہ سے عقد کی ترغیب دینا) کتمان عیب، غبن
فاحش اسی طرح تعلق رکبان یعنی شہری کا تجارتی قافلوں سے آگے جا کر ملنا اور مال تجارت کو غبن فاحش یعنی کم قیمت کے ساتھ خریدنا۔

ذخیرہ اندوزی..... اسلام نے ہر ایسی چیز کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے جس سے لوگوں کو ضرر پہنچے خصوصاً غذائی اجناس اور روز
مرہ استعمال کی اشیاء ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اشیاء ضرورت کو بازار میں لانے والے کو رزق
عطا ہوتا ہے جبکہ ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔ ❶ عقلی دلیل یہ ہے کہ احتکار سے مارکیٹ کا نظام تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی میں سرمایہ
دارانہ نظام کی کھلی حمایت ہے، ذخیرہ اندوزی کے ممنوع ہونے کا سبب واضح ہے کہ ذخیرہ اندوز اشیاء استعمال کو صرف اس لئے چھپا کر رکھ دیتا
ہے کہ جب رسد کم ہو جائے گی اور طلب بڑھ جائے گی تو اس وقت گراں نرخوں کے ساتھ اشیاء کو فروخت کرے گا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے غلہ ذخیرہ کر لیا تا کہ گرانی کے ساتھ مسلمانوں کو فروخت کرے وہ زبردست غلطی پر ہوتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے
رسول کے ذمہ سے بری ہوتا ہے۔ ❷

اسی طرح اسلام نے کمائی کے غیر مشروع وسائل کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ مثلاً رشوت چوری چکاری باطل طریقے سے دوسرے کا مال
تھینا، حکومت کے بے جا ٹیکسز وغیرہ، یہ سارے وسائل اس لیے حرام کے گئے ہیں تاکہ انسان سستی اور کاہلی سے دور رہے، بایں ہمہ اسلام
دولت کمانے کے جملہ راستوں کی کڑی نگرانی کرتا ہے چونکہ عادی غیر مشروع وسائل زیادہ نفع کی طرف لے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ دنیا خوبصورت اور بڑی دل کش ہے جس شخص نے دنیا میں حلال طریقے سے مال کمایا پھر حق میں اسے صرف کیا اس پر اللہ تعالیٰ اسے
ثواب عطا فرمائیں گے اور اسے جنت میں داخل کریں گے۔ جس شخص نے غیر حلال طریقے سے مال کمایا اور اسے ناحق راستے میں خرچ کیا اللہ
تعالیٰ اسے ذلت و رسوائی کی جگہ میں داخل کریں گے، بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں گھسے ہوتے ہیں
قیامت کے دن ان کے لئے آگ ہی ہوگی۔ ❸

۳۔ اسراف اور بخل کی ممانعت..... اخراجات کے معاملہ میں اسلام نے میانہ روی کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝۱۱ الاسراء ۲۹/۱۱

اور نہ (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ (ایسے فضول خرچ) کہ ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو

جس کے نتیجے میں تمہیں قابل ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔

چنانچہ اسلام میں، بخل اور کنجوسی مقبول نہیں چونکہ کنجوسی مال و دولت کو جمع کرنے کا دوسرا نام ہے جسے اکتناز یعنی خزانہ سے بھی تعبیر کیا جاتا

❶..... چنانچہ اکثر جواری آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور ازل تک نوبت پہنچ جاتی ہے، قمار میں مال بھی ضائع ہوتا ہے۔ ❷ اخر جہ ابن ماجہ عن عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ لکنہ ضعیف۔ ❸ اخر جہ احمد و الحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و هو حدیث حسن و رواہ مسلم و احمد
و ابوداؤد۔ الترمذی بتغییر یسیر۔ ❹ اخر جہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۴۰ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
ہے، چنانچہ اصل تو یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے جبکہ کنجوس کی دولت گردش میں نہیں ہوتی بلکہ ایک جگہ پڑی رہتی ہے۔ گویا مال کو روکے رکھنے
میں، وظیفہ گردش معطل ہو کر رہ جاتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُمْسِكُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾ التوبہ ۳۴/۹

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردنا تک عذاب کی خبر سنا دو۔

اسی طرح اسلام اسراف اور تبذیر (فضول خرچ) کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔ اگرچہ فضول خرچی خیر کے امور میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ فرمان
باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿۳۵﴾ الاسراء ۳۵/۱۷

بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔

چنانچہ فضول خرچی محتاجی ہے جو بالآخر فضول خرچ کو معاشرہ پر بوجھ بنا دیتی ہے، گویا اسراف، و تبذیر معاشرہ کے لیے خطرناک چیز
ہے اس سے لوگوں میں حسد، کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسلام نے انفاق اور ذخیرہ رکھنے میں اعتدال کا درس دیا ہے چنانچہ فرمان
باری تعالیٰ ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۶﴾ الاعراف ۳۶/۷

کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو چونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۴۔ مال حصول جاہ کا ذریعہ نہیں..... اسلام نے مالداروں پر حرام کر دیا ہے کہ وہ مال کو رشوت کے راستے پر صرف نہ کریں، کسی
سیاسی منصب کے حصول کے لیے مال نہ لگائیں۔ حصول جاہ یا کسی ایسے عہدہ کے حصول کے لیے بھی مال صرف نہ کریں جس کے وہ اہل نہ
ہوں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْأَبُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِمَا كُنْتُمْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کا مقصد حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ

کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔ البقرہ ۱۸۸/۲

اس قید سے سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک کی داخلی اور خارجی سیاست پر احتکاری ٹولوں اور عالمی کمپنیوں کے اثر رسوخ کا دروازہ بند
ہو جاتا ہے۔ گویا اسلام کی نظر میں یہ اہم قید ہے۔

۵۔ بعد از وفات مال کی تقسیم میراث کے نظام کے ساتھ مقید ہے..... مرنے کے بعد مال میں کوئی آدمی بھی آزادی سے
تصرف نہیں کر سکتا، جبکہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ مقرر رہے کہ ترکہ میں آزادی سے تصرف کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں ترکہ نظام میراث
کے ساتھ مقید ہے، جو کہ الہی نظام ہے اس کے خلاف مال میں کسی قسم کا تصرف کرنا اسلام میں ممنوع ہے۔ چنانچہ میراث جبری حق ہے۔ حتیٰ کہ
تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا، تقسیم میں بعض ورثہ کو بعض پر فضیلت دینا یا کسی وارث کو محروم کرنا یا دائنین کو ضرر پہنچانا بھی صحیح نہیں۔
چنانچہ میراث یا وصیت میں غیر شرعی تصرف کو قاضی کا عدم قرار دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ گویا میراث ایسا قانون ہے جو دولت کو تقسیم کر دیتا ہے۔

سوم: معاشی آزادی کا اصول..... اسلام ملکیت فردیہ اور ملکیت عامہ کی ہم آہنگی کے اصول کا قائل ہے اور ملکیت فردیہ مختلف
قیودات کے ساتھ مقید ہے چنانچہ اسلامی معیشت کا یہ پہلا رکن ہے جس کا پہلے ذکر گذر چکا ہے۔ چنانچہ معاشی آزادی کی حدود بھی معین ہیں
اور یہ دوسرا رکن ہے، اسلامی معاشی نظام میں معاشی آزادی سرمایہ دارانہ نظام کی طرح مطلقاً آزاد نہیں جو غیر محدود ہو اور اشتراکی نظام کی طرح

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے معاشی آزادی کے اصول کا برملا اعلان کیا ہے، اسلام نے بہت خوبصورت انداز سے معاشی میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اجازت دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ احتکار سے منع کیا ہے۔ فروخت کنندگان اور خریداروں کو سامان کا بھاؤ تاؤ لگانے میں جھوٹ دی ہے حکومت کی اس میں دخل انداز نہیں ہوتی ہاں البتہ صدر اسلام میں ورع، تقویٰ اور دینداری کا دور دورہ تھا اور ان صفات نے نفوس کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ بعد میں مدینہ میں فقہائے سبع نے حکومت کی دخل اندازی کو کنٹرول ریش کے حوالہ سے جائز قرار دیا تاکہ تاجروں کی سید زوری ختم ہو جائے، اور انہیں غبن اور دھوکا سے روکا جاسکے۔ چونکہ شمن کا مناسب ہونا ضروری ہے تاکہ فروخت کنندہ اور خریدار کھنچا تانی سے دور رہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے اسلامی قانون میں معاشی آزادی مقید ہے چنانچہ اسلامی نظام میں سود یا احتکار کے ذریعہ خروج جائز نہیں۔

یہ اصول حکومت کی نگرانی کے ساتھ بھی مقید ہے تاکہ مصالح عامہ کی رعایت رہ سکے اور جماعت کو ضرر سے دور رکھا جاسکے، نگرانی کے اصول اقتصادی ماہرین مقرر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولوں کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔

اولوالامر سے مراد حکام اور علماء ہیں، لہذا ماہرین معیشت کے متعلق جو ضوابط مقرر کریں امت پر ان کی اطاعت واجب ہے تاکہ اسلامی اجتماع توازن برقرار ہے۔

چہارم: عمل (محنت کاری، کام) کی قیمت، اس کی معاشی زندگی میں اہمیت اور اشیاء کے ثمن پر اس کے اثرات

محنت کاری ایک مرتبہ مقام اور عظمت کی چیز ہے، جو شخص بھی محنت مزدوری کی قدر رکھتا ہو اس پر محنت کرنا واجب ہے، چنانچہ اسلام محنت کاری کی زبردست ترغیب دیتا ہے اور کاہلی، سستی اور بیکاری کی بیخ کنی کرتا ہے، چونکہ فقر اور محتاجی نری ذلت اور معاشرتی مرض اور روگ ہے۔ گویا اسلام کو بیکاری اور کاہلی سے سخت نفرت ہے چونکہ فارغ بیٹھے رہنے سے مصلحت عامہ میں خلل پڑتا ہے، چنانچہ امت اسی وقت مضبوط اور قوی تر ہوگی جب امت کے افراد میں قوت ہوگی۔ اگر امہ کے افراد میں ضعف اور کمزوری ہے تو امت بھی کمزور ہوگی۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قریب ہے کہ کفر و محتاجی کفر ہو جائے۔ ❶

اسلام نے محنت کاری کو حصول ملکیت کا وسیلہ قرار دیا ہے، چونکہ بغیر اجرت کے محنت کاری نہیں ہوتی اور اجرت بقدر محنت ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ آدمی کی اچھی اور پاکیزہ کمائی اس کے ہاتھ کی کمائی ہے۔ ❶ ایک اور حدیث ہے۔ کسی شخص نے اس سے اچھا اور پاکیزہ کھانا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھ کی کمائی سے حاصل ہوا ہو، جبکہ اللہ کے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ❷ ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص اپنے ہاتھ کی محنت کی وجہ سے تھکے ہوئے رات کرے تو اللہ کے ہاں اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ❸

ایک اور حدیث میں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صاحب ہنر کو پسند فرماتے ہیں۔ ۵

①..... أخرجه ابونعيم في الحلية عن انس و سكت عنه السيوطي. ② أخرجه البزار وصحح الحاكم عن رفاعة بن رافع. ③ أخرجه البخاري عن المقدم بن معديكرب رضي الله عنه. ④ أخرجه الطبراني في الأوسط عن ابن عباس رضي الله عنه لكنه ضعيف. ⑤ أخرجه الحكيم الترمذي والطبراني والبعض عن ابن عمر و لكنه ضعيف

اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

ایک اور حدیث میں ہے۔ حلال رزق کی تلاش فریضہ (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد فرض ہے۔ ①
ایک اور حدیث ہے کہ بہت سارے ایسے گناہ ہیں جو نماز، روزہ حج اور عمرہ سے نہیں مٹتے، بلکہ تلاش معاش میں پیش آنے والا غم انہیں مٹا دیتا ہے۔ ② ایک اور حدیث ہے کہ تمہارا سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری کمائی سے حاصل ہو اور تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے۔ ③

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر اہل عجم اپنے ہاتھ اعمال لے کر آئیں اور ہم بغیر عمل کے حاضر ہوں تو قیامت کے دن اہل عجم محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کی شفاعت) کے زیادہ حقدار ہوں گے، سو جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے اسے اس کا عمل آگے نہیں لے کر جاسکتا۔ یہ ساری احادیث آیات قرآنیہ کے مضامین سے ماخذ ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ سورة الاحقاف ۱۹/۳۶
اور ہر ایک گروہ کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں اور اس لئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال (کمائیوں) کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَمْثَالَهُمْ سورة هود ۱۱/۸۵
اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۚ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾ سورة الملک ۱۵/۶۷
لیکن تم زمین کے مونڈھوں پر چلو پھرو اور اس کا رزق کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ سورة العنکبوت ۲۹/۱۷
اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کاری کی مدح سرائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی اٹھائے اور پہاڑ کی طرف چل پڑے پھر لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آئے اور (اسے فروخت کر کے) رزق کھائے یہ کام اس کے لئے لوگوں کے آگے دست سوال پھیلانے سے بدرجہا افضل ہے۔ ④

ایک اور حدیث میں فرمایا: تم میں سے کوئی شخص برابر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے درناحالیکہ اس کے چہرے پر برائے نام گوشت نہیں ہوتا۔ ⑤

آپ نے یہ ارشاد بھی فرمایا اور والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ⑥

ایک اور حدیث میں فرمایا اپنی ضروریات عزت نفس کو محفوظ رکھتے ہوئے پوری کرو چونکہ جملہ امور تقدیر کے مطابق طے پاتے ہیں۔ ⑦
ایک اور حدیث میں ہے۔ مالدار کے حق میں صدقہ حلال نہیں اور نہ ہی ایسے شخص کے لئے صدقہ حلال ہے جس کے اعضاء تندرست ہوں اور وہ کمانے کی طاقت رکھتا ہو۔ ⑧ ان احادیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کاری اور لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے کے درمیان موازنہ پیش کیا ہے۔ نیز محنت کاری کو اچھائی کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور سوال کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا ہے بلکہ سوال کی

①..... اخرجه الطبرانی عن ابن مسعود رضى الله عنه ولكنه ضعيف. ② اخرجه ابو نعیم فی الحلیة وابن عساکر عن ابی ہریرة رضى الله عنه. ③ اخرجه احمد و اصحاب السنن عن عائشة. ④ اخرجه احمد باسناد جيد عن ابی ہریرة رضى الله عنه. ⑤ اخرجه البخاری والنسائی عن ابن عمر رضى الله عنه. ⑥ اخرجه احمد والطبرانی عن ابن عمر وهو حديث صحيح. ⑦ اخرجه ابو الشیخ وفي المسند الفردوس للذہبی عن انس ولكنه ضعيف. ⑧ اخرجه ابو داؤد والترمذی عن عمر بن العاص رضى الله عنه.

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۴۳ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
مذمت کی گئی ہے۔

مذکور بالا آیات اور احادیث میں محنت کاری کی تقدیس بیان کی گئی ہے اور معیشت کے میدان میں محنت کاری کو پراثر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ محنت کاروں کا حق ہے کہ وہ محنت کے بقدر اپنی پوری اجرت اور مزدوری کا مطالبہ کریں، چنانچہ محنت کاروں کی صلاحیتوں اور مہارتوں کے ساتھ یہی چیز متفق ہے کہ ان کی صلاحیت کے بقدر انہیں اجرت ملنی چاہئے۔ تاہم کفایت (قناعت) ایک چیز ہے اور مقدرت (صلاحیت) ایک اور چیز ہے چنانچہ یہ دونوں چیزیں فرد کی اہلیت کا معیار ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام سعی و کوشش کے میدان کو وسیع رکھتا ہے، چنانچہ تلاش معاش اور طلب رزق کے لئے کوشش کرنا اسلام میں مشروع ہے لیکن اس کوشش میں برابری اور مساوات شرط نہیں، چونکہ اسلام رزق کے معاملہ میں مساوات کا قائل نہیں، اور نہ ہی برابری معقول ہے بلکہ برابری پر مجبور کرنا تو ظلم عظیم ہے چونکہ لوگوں کی صلاحیتوں اور مہارتوں میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ..... سورة الزخرف ۳۲/۳۳

دنیوی زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں اور ہم نے ہی ان میں سے

ایک دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ..... سورة النحل ۷۱/۷۲

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دی ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر میں محنت کاری سبب ملکیت ہے اور اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ عمل (محنت کاری) ملکیت کا سبب ہے۔ اسلام میں یہ قاعدہ نہیں کہ عمل جماعت کے مالک بننے کا سبب ہے نہ کہ فرد کی ملکیت کا۔ اس قاعدہ کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عمل مادہ کی قیمت کا سبب ہے اور مادہ عامل کی ملکیت کا سبب ہے۔۔۔ بسا اوقات عمل اصل سرمایہ (جو حصول پیداوار کے لیے لگایا گیا ہو) کے ساتھ مشترک ہوتا ہے جیسے شرکت مضاربہ، چنانچہ شرکت مضاربہ میں محنت کار

اپنی محنت کے سبب منافع کا مالک ہوتا ہے جبکہ رب المال اپنے مال کو بدھوتری اور پیداوار میں لگائے رکھتا ہے، چنانچہ مضاربہ میں محنت کار کو اس کی محنت کے بقدر منافع ملتا ہے اور رب المال کو اپنا مال تجارت میں لگانے کی وجہ سے منافع ملتا ہے چونکہ اس کا مال مارکیٹ میں فروخت ہو رہا ہوتا ہے، اگر کہیں اضطرابی حالت میں اصل سرمائے کا نقصان ہو جائے تو رب المال تنہا اس نقصان کو برداشت کرتا ہے عامل خسارے میں شریک نہیں ہوتا۔

علامہ ابن خلدون کو علم اقتصادیات کے مؤسس کے نام سے پہچانا جاتا ہے، ان کے بعد ریکارڈ اور مارکس نے اشتراکی نظریہ پیش کیا۔ اشتراکیوں کا خیال ہے کہ عمل (محنت کاری) قیمت کی اساس ہے یعنی سامان اور اشیاء کی قیمت عمل کی قیمت ہے۔ اسلامی معاشی نظریہ سامان و اشیاء کی قیمت کو بحسب عرض اور طلب (سپلائی ڈیمانڈ) قرار دیتا ہے، چنانچہ عادلانہ قسم کے نرخوں کو ان دو واقعی امور پر استوار کیا جاسکتا ہے اور اشیاء کی قیمت میں مختلف اعتبارات کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اور بازار کا اضافی ریٹ شخص کی طلب کے بقدر ہیں، فقہاء کے نزدیک مثلی نرخوں سے یہی مراد ہے جب تقسیم میں اشتراکیت کا یہ اصول ہے کہ ہر ایک سے حسب طاقت کام لیا جائے اور ہر ایک کے لئے اجرت بحسب عمل ہے، جبکہ اسلام کا اصول ہے کہ ہر ایک کے لئے بحسب عمل ہے یا حسب حاجت ہے۔ چونکہ بسا اوقات انسان محنت کاری سے عاجز ہو جاتا ہے اس صورت میں جماعت اور حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کی ضروریات کو پورا کرے چونکہ اسی میں انسانیت کا احترام ہے۔

پنجم: افراد کی معاشی سرگرمی میں حکومت کی دخل اندازی..... اس اصول کی وضاحت کے لئے درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔

۱۔ افراد کی محنت کاری پر حکومت کی نگرانی..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔ ❶ اس حدیث میں صریح دلیل ہے کہ حکومت داخلی اعتبار سے مسئول و جوابدہ ہے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عام افراد کی معاشی سرگرمی کی نگرانی کرے، حکومت مصالح عامہ کی رعایت کے لئے مصلحت خاصہ میں دخل دے سکتی ہے اور قوانین کا نفاذ کر سکتی ہے، اس مقصد کے لئے حکومت مملکت میں اپنے ہر کارے چھوڑے رکھے جو افراد سے یہ سوال کریں کہ تمہارے پاس یہ سرمایہ کہاں سے آیا ہے کہ کمائی کا مشروع طریقہ واضح ہوتا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے امراء کا محاسبہ لیتے تھے اور گورنروں کی پوچھ پڑتال کرتے رہتے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو جب ان کے مال میں شک گزرا تو پوری طرح ان کا محاسبہ کیا حتیٰ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے مال کے متعلق پوچھ پڑتال کی، حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ افراد کے وسائل پیداوار اور آمدنی کی کڑی نگرانی کرے، اگر افراد آمدنی اور پیداوار میں تعطل کا شکار ہو جائیں حکومت مصلحت عامہ کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے چنانچہ اگر کوئی شخص موات (غیر آباد، بجز زمین) پر اپنے نشانات کھڑے کرے اور اس پر قبضہ کرے پھر عرصہ تین سال تک اس کی طرف مطلق توجہ نہ دے اور نہ ہی اس میں کا شکار کرے تو حکومت زمین اس سے چھین کر کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی مردہ (غیر آباد) زمین کو آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت ہے ❷ غیر آباد زمین میں علامات نصب کر دینے والے کے لئے تین سال کے بعد اس زمین میں کوئی حق نہیں رہتا ❸ چونکہ مال کو آمدنی میں لگانا ضروری ہے تاکہ یوں ہی پڑے رہنے سے مال کی کھپت ختم نہ ہو جائے اور مصالح عامہ کا ضرر نہ ہو۔ اور امت فقر و فاقہ اور محتاجی کی طرف نہ جائے۔

اگر کاروباری لوگ اپنی معیشت کو ترقی دینے کے سلسلہ میں اجارہ داری قائم کرنا چاہیں تو حاکم وقت مناسب کارروائی کرے تاکہ لوگوں کی آمدنی میں تناسب برقرار رہے، ایسی صورت میں حکومت پیداوار کی مناسب کوئی حد بھی مقرر کر سکتی ہے یعنی ایک ادنیٰ حد ہو اور ایک اعلیٰ حد ہو اعلیٰ حد سے تجاوز کرنا ناجائز ہو، اگر دولت چند ملک اجارہ داروں کے ہتھے چڑھ جائے اور بقیہ افراد پیداوار اور آمدنی سے محروم رہیں تو حاکم وقت اموال کی آمدنی کو موزنیت پر رکھنے کے لیے دخل دے اور عمومی ضرر کے دفعیہ کے لیے مناسب کارروائی کرے۔

۲۔ سرکاری ملکیت کا ثبوت..... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ تین اشیاء میں برابر کے شریک ہیں پانی، گھاس، اور آگ اور حدیث میں چار اشیاء کا ذکر ہے اور چوتھی چیز نمک بیان کی گئی ہے۔ ❶ نص میں صرف ان تین یا چار امور کو بیان کیا گیا ہے چونکہ عرب کے ماحول میں اس وقت انہیں اشیاء کو ضروریات زندگی سمجھا جاتا تھا، یہ اشیاء سبھی لوگوں کے لئے مباح ہیں، جبکہ حکومت ہی صرف ایسا ادارہ ہے جو مصالح عامہ کو بہتری کے ڈگر پر رکھ سکتی ہے، لہذا حکومت ماحول اور زمانہ کی رعایت کر کے پیداواری صنعتوں، خام مال مرافق عامہ (سڑکیں، راستے وغیرہ) وغیرہ کو اپنے کنٹرول میں لے سکتی ہے، مثلاً دریا، معدنیات، تیل اگرچہ مملوکہ زمین میں ہو، بجلی، عوامی ادارے اور زندگی کے بنیادی مرافق۔ سرکاری ملکیت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے بعض اراضی جیسے قنقوع اور ربذہ وغیرہ کو نبی سبیل اللہ چراگاہیں قرار دیا تھا تاکہ ان میں عام مسلمانوں کے گھوڑے چرتے رہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چراگاہ تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ ❷ یعنی چراگاہ عام لوگوں میں سے کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں۔

❶..... اخرجه احمد و لشیخان و ابو داؤد و الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ❷ اخرجه احمد و الترمذی و صححه عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ❸ اخرجه ابو یوسف فی کتاب الخراج عن سعید بن المسیب رحمۃ اللہ و لکنہ ضعیف۔ ❹ اخرجه احمد و ابو داؤد و اخرجه ابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و اخرجه الطبرانی عن عمر۔ ❺ اخرجه الخمسة (احمد و اصحاب السنن) و الحاکم عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۴۵ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

۳۔ ملکیت خاصہ کا قومیانہ..... اسلام کا عام اصول انفرادی ملکیت اور معاشی آزادی کا ہے جیسا کہ میں نے وضاحت کری ہے کہ چنانچہ حکومت بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے لئے انفرادی ملکیت کو سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے اصول استحسان اور مصالحِ مرسلہ کے تحت ایسا کرنا جائز ہے نیز عام قاعدہ ہے کہ عام ضرر کے دفعیہ کے لئے ضرر خاص قابل برداشت ہوتا ہے، نیز بھوک کی کفایت کرنا اور ننگے کو کپڑا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے چنانچہ شریعت مطہرہ کا اصول ہے کہ اگر کسی مومن نے بھوک کی حالت میں رات گزار دی تو کسی شخص کا مال قابل نفع نہیں ہوتا۔ لیکن انفرادی ملکیت کو قومیانہ میں یہ شرط ہے کہ اس کی قیمت ادا کی جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبل از وفات فرمایا: وہ بات جو مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا جاتا تو میں لوگوں کے زائد مال تحویل میں لے لیتا جو فقراء میں تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جو اسلام کا خاص امتیاز ہے ورنہ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ اصول مقرر ہے کہ فرد کو مطلق آزادی حاصل ہوگی۔

اسی لیے تو حکومت کو اختیار ہے کہ غیر مشروع ملکیتوں میں دخل دے جیسے غصب، چوری اور زبردستی کی ملکیت، اور حکومت اموال مالکان کو واپس کرے، برابر ہے کہ ملکیت خواہ منقول ہو یا غیر منقول، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے ذمہ وہ چیز واجب رہتی ہے یہاں تک کہ اسے ادا کر دے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”ظالم کا کاشتکاری میں کوئی حق نہیں“ ① ایک اور حدیث میں ہے جس شخص نے مالکان کی اجازت کے بغیر اس کی زمین میں کاشتکاری کی اس کے لیے اناج میں کچھ نہیں ہوگا۔ البتہ وہ اخراجات لینے کا حق رکھتا ہے۔ ②

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعض اعمال جب اپنی عملداری سے اموال لے کر آتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کی چھان بین کرتے تھے، اس میں مصلحت عامہ پیش نظر رہتی تھی، مصلحت یہ تھی کہ ملکیت شہادت سے پاک ہو اور غیر مشروع طریقہ سے ملکیت کو وسیلہ نہ بنایا جائے، اسی طرح حکومت مشروع ملکیت خاصہ میں دخل دینے کا حق رکھتی ہے تاکہ وسائل پیداوار کی تقسیم میں عدل برقرار رہے۔ حکومت خواہ اصل ملکیت میں دخل دے یا مباح سے قابض کو روک دے، قبل از اسلام یا بعد از اسلام کے مباحات کی ملکیت سے اگر عام لوگوں کو ضرر ہو تو عادل حکمران زرعی ملکیت پر قیودات عائد کر سکتا ہے، مثلاً ملکیت کی محدود اور معین پیمائش لاگو کر سکتا ہے، اگر قابض اس سے نفع نہ اٹھاتا ہو تو حاکم واپس لے کر کسی دوسرے کو دے سکتا ہے یا کسی اور مصلحت کے لئے عوض دے کر بھی لے سکتا ہے۔ جیسا کہ عصر حاضر میں بینک اور بڑی بڑی کمپنیاں چنانچہ حکومت ان اداروں کو حکومتی تحویل میں لے سکتی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد تنگ ہو جانے پر وسیع کرنی چاہی اور آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد کے پڑوس میں رہنے والوں کو مجبور کیا کہ وہ توسیع کے لیے اپنے گھروں کو فروخت کریں۔ اور ان لوگوں سے دو ٹوک فرمایا:

تم لوگ کعبہ کے پاس اترے ہو کعبہ تمہارے پاس نہیں اترتا، بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا اور فرمایا: میرے علم اور بربادی نے تمہیں مجھ پر جبری کر دیا ہے جبکہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تمہارے ساتھ یہی لیا تھا تمہیں ان کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مانعین کو ایک مدت تک جس میں رکھنے کا حکم دیا، چنانچہ مصلحت عامہ کے لیے فردی ملکیت کو تحویل میں لیا جاسکتا ہے مثلاً سڑکوں کی توسیع، قبرستان، تعمیر مساجد، قلعہ اور جیل، عوامی ادارے جیسے: ہسپتال، مدارس، مسافر خانے وغیرہ کے لئے ملکیت عامہ کو قومی تحویل میں لیا جاسکتا ہے۔ چونکہ مصلحت عامہ مصلحت خاصہ پر مقدم ہے۔

فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ حاکم وقت کسی مصلحت کے پیش نظر ملکیت کی اباحت سے روک سکتا ہے۔ لہذا تجاوزات کو ممنوع قرار دیا جائے گا اور جب حاکم وقت تجاوزات سے روک دے تو رکنا واجب ہوگا۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

①..... أخرجه ابو داؤد والدارقطنی عن عروة بن زبیر ② أخرجه الخمسة (احمد واصحاب السنن) الزاينسانی عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ

لفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۴۶ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ سورة النساء ۵۹/۴

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحب اختیار لوگوں کی بھی۔

اولا الامر سے مراد اہل انتظام اور اہل اختیار ہیں یعنی امراء حکام اور علماء جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ محض وہم و خیال کی بنیاد پر ضرر اور مصلحت کی تعین کر لی جائے پھر اسے اساس بنا کر ملکیت خاصہ کو تحویل میں لے لیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ ضرر عامہ بالکل نمایاں ہو اور واقعی ضرر ہو اور مصلحت بھی عامہ ہو اور اس کا تحقق ہو۔ فقہاء مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وقوع ضرر کا محض احتمال ہی کافی ہے گویا وقوع ضرر کے احتمال کو بنیاد بنا کر ملکیت خاصہ کو تحویل میں لیا جا سکتا ہے۔ چونکہ عام قاعدہ ہے کہ مضرت و مفسدت کا دفعیہ جلب مصالح سے مقدم ہے۔

اول..... ہر وہ ضرر جو کافہ الناس کو لاحق ہو وہ ممنوع ہے۔

دوم..... صرف قصد ضرر اور عدم قصد ضرر کی طرف نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ضرر مرتب ہونے والے نتائج پر نظر رکھی جائے گی۔

سوم..... اکاد کا فرد کے ضرر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص قصد کسی فرد واحد کو ضرر پہنچانے کے درپے ہو یا اس طور کے اپنے حق کو ناجائز طریقہ سے استعمال کرتا ہو یا اپنے حق کو معمول کے مطابق استعمال نہ کرتا ہو تو اسے اس سے روکا جائے گا۔

تاہم بعض امور کی وجہ سے ملکیت خاصہ کو تحویل میں لینے یا اس پر قیودات لاگو کرنے کا جواز ہے چنانچہ صاحب ملکیت حقوق اللہ کو ادا نہ کرتا ہو یعنی زکوٰۃ و صدقات نہ دیتا ہو، یا ملکیت خاصہ کو مالک نے تسلط، ظلم و ستم، سرکشی اسراف اور فضول خرچی کا ذریعہ بنا رکھا ہو، یا ملکیت خاصہ کے ذریعہ فتنوں کی آگ بھڑکانا چاہتا ہو، یا ملکی امن و امان کو تروبالا کرنا چاہتا ہو، یا ذخیرہ اندوزی کا ذریعہ بنا رکھی ہو، یا ملکیت خاصہ کے ذریعہ اشیاء غریبوں سے کھیل رہا ہو یا اسمگلنگ کا اڈہ بنا رکھا ہو یا ملکیت خاصہ کو اپنے دفاع کا سامان بنا رکھا ہو یا ملکیت خاصہ سے لوگوں کی کسی جماعت کو اذیت پہنچ رہی ہو تو ملکیت خاصہ کو قومی تحویل میں لینا ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اصل سرمائے کا استیصال نہ ہو اور ملکیت کا عوض دے کر سرکاری تحویل میں لیا جائے۔ چنانچہ عرب ممالک میں اقتصادی ماہرین نے وضاحت کی ہے کہ قومی اثاثہ جات مالداروں کے مخصوص ٹولے کے ہاتھ چڑھے ہوئے ہیں جس سے ملکی مصلحت کا کافی نقصان ہو رہا ہے اور ان کا یہ رویہ قرآن کے موقف کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ البقرہ ۵۹/۷

تاکہ مال انہیں لوگوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں سے مالدار ہیں۔

مرافق عامہ جنہیں عوامی خدمات میں لگایا جاتا ہے جیسے مواصلات، بجلی پانی وغیرہ، لوگوں کی تنگی کو ختم کر دیتے ہیں، مثلاً زرعی اراضی کی ملکیت کو تحویل میں لیا جاسکتا ہے تاکہ لوگوں کی تنگی دور ہو، تاہم فردی ملکیت کی فیکٹریاں اور کارخانے، کمپنیاں قومیائی جاسکتی ہیں بشرطیکہ ان میں مصلحت عامہ ہو۔

ضرر سے روکنے کے دلائل..... ایک تو وہ حدیث ہے جو بارہا گزر چکی ہے ”لاضر ولاضرار“ ①

ایک اور حدیث میں کہ کوئی شخص اپنے بڑوسی کو اپنی دیوار پر لٹری رکھنے سے منع نہ کرے۔ تاریخی واقعات بھی اس امر پر واضح دلیل ہیں۔ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے کھجوروں کے کچھ درخت تھے جو ایک انصاری کے باغ میں تھے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ باغ میں جاتے جس سے مالک زمین کو اذیت پہنچتی تھی، چنانچہ انصاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کے مالک (سمرہ) رضی سے فرمایا: یہ درخت فروخت کر دو، انہوں نے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۴ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

فرمایا: درخت کاٹ دو، اس سے بھی انکار کر دیا، آپ نے فرمایا: چلو درخت ہبہ کر دو اس کے بدلہ میں تمہیں جنت میں درخت ملیں گے تاہم سمرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی انکار کر دیا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم دوسروں کو ضرر پہنچانے کے درپے ہو، پھر انصاری سے فرمایا: جاؤں اور اس کے درخت اکھاڑ دو۔ ❶ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و تعدی کی ملکیت کا مطلق احترام نہیں کیا۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص کا نام ضحاک بن خلیفہ تھا اس نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین سے پانی گزانا چاہا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی، ضحاک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اسے پانی گزانی دو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اجازت نہیں دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ایسی چیز سے کیوں روکتے ہو جو اسے نفع پہنچائے۔ جبکہ اس میں تمہارے لیے بھی نفع ہے، شروع اور آخر میں تم سیراب کرو گے اس میں تمہارا نقصان بھی نہیں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم تم اسے پانی گزانی دو اگرچہ وہ تمہارے پیٹ پر سے کیوں نہ گزاریے ❷ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صرف ضرر سے روکنا کافی نہیں بلکہ دوسرے کے لئے ایسی چیز کا انتظام کرنا بھی واجب ہے جس میں اس کا نفع ہو بشرطیکہ اس میں کسی کا ضرر نہ ہو۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب سرزمین ربذہ کو قومی چراگاہ قرار دیا تو فرمایا: مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور بندے اللہ کے ہیں، اللہ کی قسم اگر مجھے اللہ کی راہ میں سواریاں فراہم نہ کرنی ہوتیں تو میں ایک مربع باشت کے بقدر بھی زمین کا چراگاہ کے لئے تحویل میں نہ لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ کے لئے اراضی کو سرکاری تحویل میں لینا جائز ہے۔
فقہاء نے چار صورتوں میں الماک کو سرکاری تحویل میں لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

پہلی صورت..... نفع عامہ کے لئے ملکیت کو قومی تحویل میں لے لیا جائے جیسے سڑکوں، مسجدوں، قبرستان وغیرہ کی توسیع کے لیے، جبکہ ملکیت خاصہ کو تحویل میں لینے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ ہو، اس کی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہے چنانچہ صحابہ نے دو مرتبہ مسجد حرام کی توسیع کی اجازت دی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں۔

دوسری صورت..... یہ کہ صاحب ملک پر اخراجات و نقصانات یا خراج یا معاملہ وغیرہ کی مد سے دین ہو اور ادائیگی نہ کر رہا ہو تو قاضی حکم دے کہ جبراً اس کی ملک فروخت کر دی جائے، لہذا ایسی چیز کو ابتداً فروخت کیا جائے گا جس کی فروختگی میں آسانی ہو چنانچہ جگہ میں دفعہ ۹۹۸ کے ذیل میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

تیسری صورت..... ذخیرہ اندوزی سے باز رکھنے کے لیے ملکیت خاصہ کو تحویل میں لے لیا جائے، مثلاً تاجروں کا ایک ٹولہ اشیاء خوڑو نوش کو ذخیرہ کر لے اور اس سے لوگوں کا ضرر ہو تو حاکم کے لیے جائز ہے کہ ضرر کے دفعیہ کے واسطے کنٹرول ریٹس مقرر کر کے اشیاء فروخت کرنے کا حکم صادر کرے، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے۔ ابن قدامہ نے المغنی میں ذخیرہ اندوزی کی شرائط و تفصیل سے بیان کی ہیں۔ دیکھئے المغنی ۴/۱۹۸

چوتھی صورت..... شریک شفعہ کے ذریعہ زمین وغیرہ کو لینے کا حق رکھتا ہے، چنانچہ مالک قدیم کو مالک جدید کے مقابلہ میں مراعات دی گئی ہیں، ان صورتوں کے علاوہ کسی کی ملکیت اس کی اجازت کے بغیر تحویل میں نہیں لی جائے گی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ..... النساء ۲۹/۴

❶..... أخرجه الجماعة إلا النسائي عن أبي هريرة رضي الله عنه ❷ أخرجه مالك في الموطأ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۴۸ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ ہاں البتہ باہمی رضامندی سے تمہارے درمیان تجارت ہو۔
نیز حدیث گزر چکی ہے کہ: تمہاری جائیں اور اموال تمہارے اوپر حرام ہیں۔

۴۔ اقتصادی توازن برقرار رکھنا..... اسلام شخصی ملکیت سے سرفراز کرتا ہے جو دائمی ہوتی ہے، اس سے یہ استدلال نہ کیا جائے کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام میں معروف طبقاتی نظام کو جائز قرار دیتا ہے اس میں مخصوص طبقہ کو اجارہ حاصل ہوتی ہے، اس کے لیے خواہ قانونی وسائل کو استعمال میں لایا جائے یا نہ لایا جائے۔ جبکہ اسلامی نظام اجارہ داری سے منع کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نقد و ذخیرہ کر کے رکھنے سے بھی منع کرتا ہے۔ بینکوں سے حاصل ہونے والے فائدہ سے منع کرتا ہے، جبکہ وراثت کے ذریعہ ملکیت سے سرفراز کرتا ہے، سرمایہ دارانہ طریقہ آمدنی کو لغو قرار دیتا ہے چونکہ یہ سارے امور طبقات میں مختلف فروق لاتے ہیں۔ بایں ہمہ اسلام میں حاکم وقت کو اصلاحات کے لیے اختیار دیا گیا ہے تاکہ ضرر اور زیادتی سے اجتناب ہو سکے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کی تو مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی، چنانچہ مہاجر انصاری کے مال میں برابری کا حصہ دار تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اموال غنیمت کی تقسیم میں مساوات کرتے، جب اسلامی فتوحات میں وسعت ہو گئی اور صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیادت پر اتفاق کر لیا کہ مفتوحہ اراضی فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کی جائے بلکہ اقتصادی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے مالکان کے قبضہ میں رہے۔ دی۔ برابر ہے کہ اصل مالکان مسلمان ہوں یا غیر مسلمان چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ
كُلٌّ لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ سورة الحشر ۵۹ /

اللہ نے مختلف بستیوں میں رہنے والوں سے اپنے رسول کو غنیمت کے طور پر مال دیا وہ اللہ کا حق ہے اور پیغمبر کا حق ہے، قریبی رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت گردش نہ رہے۔
یعنی فقی کے اموال اور اراضی اجتماعی ملکیت ہیں۔

ششم: اسلام میں اجتماعی عدل و انصاف..... اجتماعی عدل و انصاف اسلامی معیشت کا تیسرا رکن ہے۔ اور یہ بڑی اہمیت کا حامل اصول ہے۔ یہ اصول مسلمانوں میں واقعی اور موثر سمجھا جاتا ہے، چنانچہ اسلامی معاشرہ اخوت باہمی، محبت اور تعاون سے ہم آہنگ ہے، تنگدستی و فراخی میں مدد و تعاون کا درس دیتا ہے، چونکہ انسانی معاشرہ ان حالات سے گزرتا رہتا ہے، تاہم اسلام معاشرے کو مختلف اخلاقی، اجتماعی اور معاشی عیوب سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، اسلام میں بعض امور کی انجام دہی ضروری سمجھی گئی ہے مثلاً تنگدستی کا خاتمہ، جہالت کا خاتمہ، بیماریوں اور بیکاری و بے روزگاری سے نبرد آزما ہونا، اقتصادی پسماندگی کا مثبت حل، دفاعی کمزوری کا حل، سیاسی کنٹرول اور سول مشکلات کا حل۔

اسلام میں اجتماعی عدل و انصاف کے امور کثیر اور مشہور ہیں ہم ان میں سے دو امور کی طرف اشارہ کرنا اہم سمجھتے ہیں۔
(اول)..... سوشل سکیورٹی (معاشرتی تحفظ) کے اصول کو ممکن بنانا حکومتی فریضہ ہے۔
(دوم)..... وہ ایجابی قیود جو ملکیت عامہ میں افراد کے حقوق پر وارد ہوتی ہے۔

امراول: سوشل سکیورٹی کو ممکن بنانا حکومتی ذمہ داری..... یہ اصول اس امر سے مستفاد ہے کہ حکومت رعایا کی جوابدہ ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے ضامن اور تکمیل ہیں۔ اسلام حکومت کو افراد کی معیشت کا ضامن قرار دیتا ہے، چنانچہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ افراد کو مشروع معاشی مواقع اور روزگار فراہم کرے تاکہ افراد کی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، اور رہائش کا سامان ہو سکے اور پھر معاشی ترقی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۴۹ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

میں حصہ لے کر بڑے پیمانے کی ضروریات کو پورا کر سکیں، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے امن وامان کے ساتھ اپنے گھر میں صبح کی اس حال میں کہ اس کا جسم صحیح سلامت ہو اور اس کے پاس اس دن کی خوراک موجود ہو تو گویا ساری کی ساری دنیا اس کے پاس سمٹ آئی۔^① اس حدیث میں اس بات یہ واضح دلیل ہے کہ بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، اور ہائش ہے۔ اس کے علاوہ کی ضروریات وہ زیب و زینت میں شمار ہوتی ہیں۔ اگر کسی شخص نے اس مال میں صبح کی کہ وہ محنت کاری سے عاجز ہو اور بنیادی اخراجات کا محتاج ہو تو اس کی ضروریات پوری کرنا حکومتی فریضہ ہے تاکہ وہ بھی دنیا میں سکھ کا سانس لے سکے اور انسانی احترام سے بہرہ مند ہو سکے۔ الغرض معاشرتی معاشی تحفظ فراہم کرنا حکومتی ذمہ داری ہے۔

امردوم: املاک خاصہ رکھنے والوں پر ایجابی قیودات کا فریضہ..... ملکیت فردیہ کا حق رکھنے والوں پر اسلام نے مختلف قیودات عائد کر رکھی ہیں تاکہ عدل وانصاف اور مصلحت عامہ متفق رہے۔ ان میں سے کچھ سلبی قیودات ہیں ان میں سے اہم اہم میں نے ذکر کر دیا ہے۔ جیسے ذخیرہ اندوزی اور جبری ریٹس کی ممانعت، اور دوسروں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت، ملک مباح کو اس طرح استعمال کرنے کی ممانعت جس سے ضرر عامہ کا اندیشہ ہو۔ ان قیودات میں سے کچھ ایجابی ہیں جن کا ہدف حق ملکیت ہے اور یہ قیودات ایسا اجتماعی وظیفہ لاگو کرتی ہیں جو مطلق تسلط کے نظریہ ذاتی چاہت اور بڑی بڑی ملکیت کے وجودی پہلو کو ختم کر دیتا ہے۔

یہ اجتماعی وظیفہ اسلام میں اجتماعی تکافل (ضمان) کی اساس پر قائم ہے اور دینی، اخلاقی تشریعی اور مضبوط تر بنیاد ہے تاکہ عام لوگوں کا معاشی معیار بلند رہے اور فقر اور محتاجین کی رعایت ملحوظ رہے۔ ان ایجابی قیودات میں سے اہم اہم درج ذیل ہیں۔

۱..... فریضہ زکوٰۃ..... چنانچہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور سول قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ مالدار لوگ اسے بجالانے کے پابند ہیں جس کے تحت مالدار لوگ اپنے مال کا معتد بہ حصہ مستحق فقراء کو دیتے ہیں۔ دراصل حکومت سرمایہ داروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ دار ہے جبکہ حکومت وصول کے لیے جبر کرے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ محض ایک مستحب صدقہ ہے یہ خیال جہالت ہے اسی طرح یہ خیال بھی کہ زکوٰۃ فقراء کو ذلت پر لانے کا راستہ ہے، یہ خیال دجل ہے فریب ہے، بلکہ زکوٰۃ ایسا حق مستقیم ہے جس کی ادائیگی واجب ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۖ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ سورۃ العارح ۷۰/۲۳-۲۵

اور جن کے مال و دولت میں متعین حق ہے سوالی اور بے سوالی کے لئے۔

زکوٰۃ ہر فقیر کی حالت کا وقتی علاج ہے۔ یہ کوئی دائمی روزینہ نہیں۔ ہاں البتہ ان لوگوں کے لئے دائمی جو محنت کاری سے عاجز ہوں۔ جیسا کہ معروف ہے کہ زکوٰۃ تین قسم کے اموال سے حاصل کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مرد و جنہدی مال تجارتی سامان، ان دونوں اقسام کے اموال سے ۲۵ کی شرح سے لی جاتی ہے تیسری قسم کا مال جانور ہیں۔ جیسے اونٹ، گائے، بکریاں جو چرنے والے ہوں ان کی زکوٰۃ گنتی کے حساب سے لی جاتی ہے، تفصیل زکوٰۃ میں گزر چکی ہے، فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ عشر اور نصف عشر کے حساب سے لی جاتی ہے۔ جب ان اموال سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے تو عصر حاضر کے فقہاء کی اس رائے میں کوئی مانع نہیں کہ جدید مختلف انواع و اقسام کے اموال میں زکوٰۃ واجب نہ ہو اور وہ صنعتی آلات، شیزرز، باؤنڈرز، تنخواہ اور محنت و مزدوری کی آمدنی، گھر اجارہ وغیرہ کے ذریعہ آمدنی کی جگہ ہیں۔ البتہ مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ میں ایک قرارداد میں زمینی آمدنی کے وسائل پر زکوٰۃ واجب نہیں کی، لایہ کہ ذخیرہ شدہ نقدی مال پر زکوٰۃ ہوگی۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ عصر حاضر میں پوری توجہ سے فریضہ زکوٰۃ کے قیام کا اہتمام کریں، چنانچہ بعض اسلامی اور

①..... اخرجه البخارى فى الادب والترمذى وابن ماجه عن عبد الله بن محصن رضى الله عنه وهو حديث حسن۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۵۰ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
 عربی ممالک میں جدید قانون میں زکوٰۃ کی وصول کو یقینی بنایا گیا ہے چونکہ زکوٰۃ ایسا زندہ جاوید اصول ہے جو اجتماعی مشکلات کو حل کرنے میں
 مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ کفایت فقراء..... حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مالداروں سے فقراء و محتاجین کی ضروریات پوری کرنے کا مطالبہ کرے،
 چنانچہ حکومت فقراء کے مصالح کی رعایت رکھنے کی جوابدہ ہے چونکہ اسلام ایسے اجتماعی تعلقات مقرر کرتا ہے جو رحمدلی، مہربانی اور ہمدردی کی
 اساس پر استوار ہوتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قریب ہے کہ محتاجی کفر بن جائے ❶ فقراء کے علاج کے لئے آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باہمی محبت، رحمہلی اور مہر و ولہ میں مومنین کی مثال جسد واحد کی سی ہے اگر اس کے کسی عضو میں شکایت ہو
 جائے تو سارے جسم میں خرابی اور بخار کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ ❷ دین حنیف نے زکوٰۃ کے علاوہ دیگر حقوق بھی مال میں مقرر کیے ہیں،
 چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں ❸ بلکہ کفایت فقراء کا اصول کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مین
 مصداق ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے اموال میں اتنی مقدار فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضرورت پوری ہو اور فقراء جب
 بھوکے ہوں مشقت میں نہ پڑیں لایہ کہ مالدار لوگ انہیں سنبھال لیتے ہیں۔ خبردار اللہ تعالیٰ مالداروں سے سخت حساب لے گا اور انہیں
 دردناک عذاب دے گا۔ ❹ اس کے علاوہ اسلام قربت خداوندی کو حاصل کرنے کے لئے صدقات پیش کرنے پر ابھارتا ہے چنانچہ آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ ایسے شخص کو سواری دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس
 شخص کے پاس زائد گوشہ ہو وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس گوشہ نہ ہو۔ ❺

اسی طرح انسان کے جو قریبی رشتہ دار فقراء اور محتاجین ہوں ان کے اخراجات کا انتظام و انصرام کرنا واجب ہے۔ جیسے آباؤ اجداد، ابناء اور
 ان کی فروع۔

س۔ انفاق فی سبیل اللہ..... اسلام نے مسلمانوں پر مال کا معتد بہ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنا واجب کیا ہے، اس سے مراد انفاق کی
 ایسی ضرورت ہے جس کا معاشرہ مطالبہ کرتا ہو اور یہ انفاق مصلحت ضروریہ کی مدد میں آتا ہو۔ جیسے ملکی دفاع، جہادی لشکر کی ضروریات اور اسلحہ کا
 انتظام، خیر بھلائی کے ایسے ادارے جن کا ملکی سطح پر ہونا نہایت ضروری ہو، حاکم وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مناسب و عادلانہ ٹیکس مقرر کرے
 جس کی شرح مالداروں اور غیر مالداروں کے اعتبار سے ہو، چنانچہ فقہائے اسلام جیسے غزالی، شاطبی، قرطبی وغیرہم نے صراحت کی ہے کہ
 مالداروں پر بقدر کفایت ٹیکس عائد کرنا مشروع ہے جس سے ملکی ضروریات پوری ہو سکیں۔ مجمع الجوٹ الاسلامیہ نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ
 ۱۹۶۳ء میں اس قرار داد کو منظور کیا ہے۔

خلاصہ..... اسلام ملکیت میں مالک کے اختیارات کو مقید کرتا ہے، نیز اس کے حق ملکیت میں بھی بہت ساری قیودات عائد کرتا ہے
 تاکہ مصلحت، عدل و انصاف، مساوات بقدر الامکان متحقق ہو۔

ہفتم: انفرادی اور اجتماعی مصلحتوں کے متعلق اسلام کا مؤقف..... سرمایہ دارانہ نظام انفرادی آزادی اور انفرادی مصلحت کو
 تقدیس فراہم کرتا ہے اور اس نظام میں اجتماعی مصلحت انفرادی مصلحت کے حصول ذریعہ ہے جبکہ اشتراکی نظام انفرادی ملکیت کو لغو قرار دیتا ہے
 اور اس کا تمام تر مخطط نظر اجتماعیت ہے اور فرد جماعت کے مصالح کے لئے مسخر ہے ان دونوں نظام ہائے معیشت سے قطع نظر اسلام فرد اور
 جماعت دونوں کی مصلحت کی رعایت رکھتا ہے اور دونوں مصلحتوں میں توازن کا علمبردار ہے جس سے اجتماعی تکافل متحقق ہوتا ہے۔ اسلامی نظام

❶..... اخرجه ابو نعیم فی الحلیۃ عن انس ❷ اخرجه احمد و مسلم عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ❸ اخرجه الترمذی عن
 فاطمہ بنت قیس ❹ اخرجه الطبرانی عن علی رضی اللہ عنہ ❺ اخرجه احمد و مسلم و ابو داؤد عن ابی سعید رضی اللہ عنہ۔

عام حالات میں فرد کو اجتماعی حساب پر سرکشی کرنے کی اجازت نہیں دیتا نہ ہی فرد کو معاشرتی مصلحت کو تہہ بالا کرنے کی اجازت دیتا ہے، چونکہ یہ امر عدل و انصاف کے خلاف ہے، جب دونوں مصلحتیں متعارض ہوں اور ان کے درمیان توفیق و تبیق مشکل ہو جائے تو مصلحت عامہ کو مصلحت خاصہ پر ترجیح دی جائے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ فرد کے حقوق کی رعایت ہی ملحوظ رکھی جائے گی۔

اسی نظریہ توازن کی بنیاد پر جب اسلام مال کی طرف نظر کرتا ہے تو فرد کی مصلحت کا اعتراف کرتا ہے اور اسے حق ملکیت سے نوازتا ہے جیسے اسلام جماعت کے مصلحت اور جماعت کے حق ملکیت کا معترف ہے اس توضیح کے تحت اسلامی نظریہ کے مطابق ملکیت خاصہ ملکیت عامہ کے دوش بدوش ہے، ایسی صورت میں اسلام ایک ہم آہنگ نشان کی تعین کرتا ہے جس کی حدود و شریعت نے متعین کر دی ہیں۔ جب اسلام فردی ملکیت کو اصولی طور پر مباح قرار دیتا ہے تو ساتھ ساتھ حدود اور قیود بھی مقرر کرتا ہے اور ہر ایسے ذریعہ سے روکتا ہے جو ضرر کا باعث بنے، جماعت، فردی، ملکیت کو ختم کرنے کا اختیار بھی رکھتی ہے، یہ سب کچھ اساسی مصالح کی حمایت کے لیے ہے جس کی وجہ سے حقوق شروع ہوئے ہیں تاکہ ظلم و زیادتی کا ذریعہ ہو سکے، اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی قانون میں انفرادی ملکیت کے اعتراف میں کوئی کوتاہی نہیں۔

فردی اور اجتماعی مصلحتوں کے درمیان اقتصادی توازن عدل و انصاف کی اساس پر استوار ہے تاہم اسلام اقتصادی مشکلات کا واضح حل پیش کرتا ہے جبکہ اقتصادی ماہرین اسی نکتہ کو زیادہ اچھالتے ہیں کہ معاشرہ اسلامی نظام معیشت میں کثیر ضروریات سے محدود وسائل کے ساتھ کیسے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔

اسلام نے اس مشکل کا حل یوں پیش کیا ہے کہ قدرت بخیل نہیں اور نہ ہی انسانی ضروریات کو پورا کرنے سے عاجز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے رزق انتظام کرنے کا بیڑہ خود اپنے ذمہ رکھا ہوا ہے۔ مشکل تو خود انسان اپنے لیے پیدا کرتا ہے اور عملی زندگی میں تقسیم دولت میں ظلم کر بیٹھتا ہے اور مال و دولت کو پیداوار اور آمدنی کے وسائل میں نہیں لگاتا جس سے اس کی مشکل بڑھتی رہتی ہے جب انسان تقسیم مال میں ظلم کا خاتمہ کر لیتا ہے اور محنت کوشش سے وسائل کو استعمال میں لاتا ہے اس کی اقتصادی مشکل ختم ہو جاتی ہے۔

ہشتم: ہمارے اقتصادی نظام میں دین و اخلاق اور اسلامی اصولوں کی پابندی کا اثر..... اسلامی معاشی نظام تبھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب اسلام کے تمام نظام مہائے زندگی سیاست، اجتماعیت اور مالیت کے جملہ نظاموں کو عملی جامہ پہنایا جائے چونکہ اسلام مکمل و کامل نظام حیات ہے اس میں تجزی نہیں، اسلام مکمل اور مربوط وحدت ہے اس کے بعض اصولوں کو بعض دوسرے اصولوں اور انظمہ سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی معیشت پہلے ہی مرحلہ میں تدین، عقیدہ، اخلاق اور سلوک پر اعتماد کرتا ہے گویا یہ ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو دنیا اور زندگی کے درمیانی ہم آہنگی چاہتا ہے۔

اسلامی عقیدہ..... جو کہ مسلمان کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے یہ معاشی نظام اور اس پر ایمان و اذعان رکھنے کا زبردست محرک ہے۔

اخلاقی اقدار..... چنانچہ اسلام میں اخلاق اقدار کی اہمیت کم نہیں بلکہ اسلام اخلاقی اقدار پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور فرد کو اخلاقی اقدار اپنانے کی تائید کرتا ہے تاکہ فرد دوسرے لوگوں کے حقوق کا احترام کر سکے اور مصلحت عامہ کی رعایت رکھ سکے چنانچہ نیکی و بھلائی، احسان، رحمہ، بھائی چارہ، قربانی، ایثار، محبت، تعاون و تناصر اور تقویٰ ایسے امور ہیں جو اصل دین ہیں اور معاشی زندگی کی روح ہیں، یہ امور متعین نشانات کو عبور کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور انسان کو ہمہ وقت خیر بھلائی کی راہ پر گامزن رکھتے ہیں اور اسے شر و فساد سے دور رکھتے ہیں، انہی کی بدولت انسان معاشرتی تکافل کا حصہ دار بن پاتا ہے۔ چنانچہ متقی مؤمن وہی ہوتا ہے جو دوسرے کی مصلحت کی رعایت رکھتا ہے جیسے اپنی ذاتی مصلحت کی رعایت رکھتا ہے۔ گویا یہ امور اعلیٰ انسانی معاشرہ کی روح ہیں۔

کائنات و حیات کے متعلق انسان کا مفہوم..... اجتماعی علاقات، کائنات اور حیات کے متعلق انسان کا واضح نقطہ نظر یہ

الفقہ الاسلامی وادلہ..... جلد ہفتم -----

ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی رزق کی تنگی دیتا ہے، وہی رزق کی فراخی عطا کرتا ہے، وہی رزق عطا کرتا ہے اور وہی معترف ہے، اور یہ کہ مال حقیقت میں اللہ کا ہے جبکہ انسان اللہ کی ملکیت میں اس کا نائب اور خلیفہ ہے نیز مال وسیلہ ہے مقصد نہیں، مال اللہ کی دی ہوئی چیز ہے لہذا اسے بھلائی کے امور میں صرف کرنا چاہئے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ”نیکو کا رخص کا حلال و عمدہ مال بہت اچھا ہے۔“ ①

ملکیت خاصہ کا اجتماعی وظیفہ بھی ہے اور ملکیت خاصہ نعمت کبریٰ ہے اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اسے حلال طریقوں سے حاصل کرنا واجب ہے، معقول منافع جو ملکیت کا حاصل اور اسے باقی رکھنے کا باعث ہے، تجارت اور تاجر کی مصلحت کا محافظ ہے، جبکہ دشمن سے جہاد کرنا واجب ہے اور عادل حکمران رعایا کی مصلحت کا امین ہے چنانچہ یہ سارے مفایم معاشی میدان میں گہرا اثر رکھتے ہیں۔

نہم: اس بحث کا خلاصہ..... اسلام متوسط، متوازن اور معتدل نظام حیات شریعت اور قانون ہے یہی اسلام کی شان بھی ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے یہ منفرد نظام ہے۔ قائم بذاتہ ہے، اس کی اپنی خصوصیات اور مزایا ہیں، جو اسلام کو دوسرے نظامہائے زندگی مثلاً نظام سیاست، معیشت، اجتماع، قانون وغیرہ سے ممتاز کرتی ہیں، اسلامی معاشی نظام میں کوئی کمی نہیں اسلام مشکلات اور عصر حاضر کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کی بھرپور طاقت رکھتا ہے۔ اسی لیے اسلامی نظام دوسرے دونوں نظامہائے معیشت اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیوں اور اچھائیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور ان کی برائیوں سے کنارہ کش ہے، اسلام اپنے نام لیواؤں کو جو ان کی پابندی کرتے ہیں دائمی سعادت، ذاتی اطمینان، ذات پر بھروسہ اور آزادی و شرافت اور تمتع سے سرفراز کرتا ہے۔

فلسفہ اسلام انسانی تہذیب کی تعمیر کے لحاظ سے محض پیٹ پالنا نہیں چونکہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے محض آلہ نہیں۔ بلکہ اسلام دکھ درد اور آمال کے جذبات کی قدر کرتا ہے جبکہ لوگ عادتاً اپنی فطری استعدادات کے اعتبار سے مختلف ہیں، عدل و انصاف عقل اس بات کا مقتضی نہیں کہ انسان اپنی محنت کے ثمرات سے محروم رہے۔

اسلام تین خوفزدہ کرنے والے امور سے نبرد آزما ہونے کا اعلان کرتا ہے وہ یہ ہیں: فقر، جہالت اور مرض۔ اور ایسے عوامل جو معاشی پسماندگی کا سبب بنیں۔ اسلام نہ صرف ان کی مذمت کرتا ہے بلکہ سرے سے ہی انہیں نابود کرنے کا اعلان کرتا ہے مثلاً بیکاری، بے روزگاری، کمائی کے غیر مشروع طریقے، اجارہ داری وغیرہ، اس کے بالمقابل اسلام اجتماعی تکافل کو متعارف کراتا ہے۔

دوسری بحث..... اسلام میں اشتراکیت کے اہم نشانات:

تمہید: اصطلاح اشتراکیت..... انیسویں صدی سے تاحال اشتراکیت“ کا کلمہ زبان زد عام ہے، لوگوں میں اس کا جذبہ موجود ہے چونکہ اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم کے خاتمہ کے لئے وجود میں لائی گئی چونکہ انسانوں نے اشتراکیت کی ظاہری انسانی ہمدردی، عدل، رفاہ اور مساوات پائی کیونکہ اشتراکی نظام نے بظاہر اچھائی اور عادلانہ سعادت کے اصول متعارف کرائے اور انسان کو فردی اور اجتماعی طور پر دولت کو سمیٹنے سے روک دیا۔ معاشی، سیاسی اور اجتماعی لحاظ سے اشتراکیت کی انواع مختلف ہیں سیاسی اور مالی آزادی افراد کے لئے ممنوع قرار پائی لیکن فرد کی شخصیت اور ذمہ داری بری طرح مجروح اور متاثر ہوئی، تاہم معاشرہ کے افراد سیاسی اور مالی آزادیوں سے حکومت کے حق میں دستبردار ہو گئے چنانچہ جب بھی دستبرداری کی یہ مقدار شخصیت فرد اور اس کی مسئولیت کے مٹانے سے دور ہوگی انسان کی اصل پوزیشن کے اتنے ہی زیادہ قریب ہوگی۔

لیکن اسلام، عیسائیت اور کسی بھی دین سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ایک گروہ جو مروج اشتراکیت کا دم بھرتے ہیں اور محنت کا طبقہ کو

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۵۳ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

انصاف دلانے کے لیے الحاد، دہریت، اصول دین کا انکار اور عقیدہ آخرت کا انکار کر بیٹھے گوان کا یہ الحاد دینی اور انکار براہین و دلائل کے آگے بے بس ثابت ہوا بلکہ عقل و تجربہ کے میدان میں عقیدہ آخرت، وجود باری تعالیٰ کے ہوتے ہوئے اس محنت کا طبقہ کو انصاف دلانے کی دعوت ہونی چاہئے۔

اشتراکیت کے الحاد کی وجہ سے اس سے نفرت ہونے کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ اکثر اسلامی مصنفین نے اشتراکیت کے متبادل ایک اور کلمہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ یہ ہے، ”اجتماعی عدالت یا اجتماعی تکافل یا اجتماعی (مشرکہ) ضمان“، یعنی فرد حکومت کا نمائندہ ہے۔ ایسی صورت میں افراد کے لئے ضمان کا تحقق ہو سکتا ہے۔

درحقیقت عربی لغت میں ایسی اصطلاح کو قبول کرنے کی ممانعت نہیں جو املاک میں اشتراک کا معنی دیتی ہو چنانچہ فقہ میں مقاصد اور معانی پر نظر رکھی جاتی ہے، تاہم انسانی مقاصد کے حصول کے لئے اس کلمہ سے نفرت نہیں ہو سکتی، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ لوگ تین اشیاء میں شرکاء ہیں: پانی، گھاس، اور آگ چنانچہ آسمانی پیغامات کا اصل مقصد اعلیٰ معاشرے کا قیام ہے جو محنت، ایثار، مساوات، عدل و انصاف کی پابندی اور ظلم کی مختلف صورتوں سے دور رہنے کی اساس پر قائم ہو، تاہم اشتراک اپنے انسانی جوہر اور اعلیٰ مقاصد کے لحاظ سے ابتدائی معاشرت سے وجود میں ہے، اسلام ہمیں حالیہ اشتراکیت کے سمجھنے سے منع نہیں کرتا اور اس کے محاسن کو اپنانے اور عیوب کی اصلاح کرنے سے نہیں روکتا تا کہ اس حقیقت کی طرف رسائی ہو جائے جسے اشتراکیت اسلام کہا جاسکے۔

اشتراکیت اسلام کے اہم نشانات..... ① ابتداء ہی سے انسان کو تین مشکلات پیش آتی رہی ہیں اور انسان ہر دور میں اس کا مناسب حل تلاش کرتا رہا ہے۔

اول..... طبعی بدنی ضروریات جیسے روٹی، کپڑا، مکان اور علاج وغیرہ۔

دوم..... طبعی اور فطری ضروریات جن میں سے اہم ضرورت ملک اور معاشرہ میں رہنے سہنے کی ضرورت ہے۔

سوم..... طرز عمل اور تصرفات میں مطلق آزادی کی محبت۔

اسلام نے ان مشکلات کے حل کے لئے مندرجہ ذیل اصول مقرر کیے ہیں:

اول: اجتماعی تکافل..... ”اجتماعی تکافل“ باہمی تعاون اور ذمہ داری ہے۔ بحث کے شروع میں اس کی بنیادی وضاحت ہو چکی ہے، البتہ بعض اطراف کو میں بیان کروں گا۔

۱۔ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں: (مشارکت و وحدانیہ و عملیہ)..... اسلام میں فرد اسی وقت خوشحال ہو سکتا ہے جب جماعت خوشحال ہو، ہر فرد کی تکمیل دوسرے فرد سے ہو پاتی ہے گویا ہر فرد مربوط دیوار کی ایک اینٹ ہے، اس امر پر بہت ساری احادیث دلالت کرتی ہیں مثلاً: مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے جس کے وجہ سے ان کی جانیں برابر ہیں اور وہ دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ کی مانند ہیں ② مؤمن کے لئے دیوار کی اینٹوں کی مانند ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں ③ مسلمانوں کی مثال باہمی محبت، رحمدلی اور ہمدردی میں جسد واحد کی طرح ہے۔ اگر ایک عضو کو بھی شکایت ہو جائے تو سارا جسم کھوئی اور بخار سے متاثر ہو جاتا ہے ④ شریعت اسی طرح پر مسلمان کے دل میں اجتماعی جوابدہی اور ذمہ داری کے شعور کا بیج بوتی ہے، اور فرد کو عمل شراکت داری کی طرف لے جاتی ہے اسی وجہ سے فرد عقیدہ میں دوسرے افراد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔

① یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک اشتراکیت وہ ہے جو کارل مارکس نے پیش کی جو نظام معیشت کی حیثیت سے روس میں آزما کر گئی، ایک اشتراکیت اسلام کی ہے ان دونوں میں بعد اشرقتین ہے۔ ② اخر جہ البخاری و احد مسلم و ابن ماجہ عن علی ③ اخر جہ الشیخان و الترمذی و النسائی عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ ④ سبق تخریجہ

گویا سبھی افراد اجتماعی خوشحالی کے ضامن ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ..... المائدہ ۲/۵

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

۲۔ ہر انسان کی بنیادی ضروریات میں معاشرہ کی کفالت..... اجتماعی تکافل کے اصول پر یہ امر مرتب ہوتا ہے کہ معاشرے کے ہر رکن کی بنیادی ضروریات و حاجات کی کفالت ضروری ہے، یہ محض صدقہ نہیں، بلکہ یہ امر ایسے حق کے قیام کا مقتضی سے جو قاضی کے روبرو حاصل کیا جاسکتا ہے اور بیت المال اس کی کفالت کرتا ہے، چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں ہر مؤمن کا دنیا و آخرت میں زیادہ حقدار ہوں (کہ اسے حق دلاؤں) جو شخص دین یا عیال چھوڑے وہ میرے پاس آئے میں اس کا مولیٰ (ضامن، کفیل) ہوں ❶ اپنے ضعفاء کی مدد کے لئے مجھے تلاش کرو، انہی ضعفاء اور کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے ❷ ضعفاء ضعیف کی جمع ہے اور یہ عام مفہوم کا حامل لفظ ہے اس میں جسمانی ضعیف، معاشی ضعیف، فقیر و حاجت مند سبھی شامل ہیں۔ چنانچہ ضعفاء کے حقوق کو زکوٰۃ کے طریقہ سے پورا کیا جاسکتا ہے، زکوٰۃ ایسا قانون ہے جو مالدار پر واجب ہے یہ کوئی محض دینی پابندی نہیں، حکومت پر واجب ہے کہ سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام کیا جائے، اگر زکوٰۃ سے فقراء کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو حکومت مالداروں پر مزید ٹیکسز نافذ کرے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ہر حاکم براہ راست ہر فقیر سے پوچھ کرتا ہے چونکہ ہر حکمران رعیت کے ہر فرد کا جوابدہ ہے جیسا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ احساس نمایاں رہا ہے۔ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سبھی مسلمان ضرورت مندوں کے فقر و فاقہ کو ختم کرنے کے ضامن تھے، ایسے ہی موقع پر ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر لوگوں کو تنگی پیش آجائے تو میں ہر گھرانے میں انہی کی مثال قائم کروں گا چونکہ لوگ اپنے پیٹوں پر انصاف کرنے سے ہلاک نہیں ہوں گے۔

۳۔ محنت کاری کی فضا اور اس کی ترغیب..... معاشرے کے ذمہ داری ہے کہ وہ حکومتی نمائندہ کی حیثیت سے ہر صاحب قدرت شخص کو روزگار فراہم کرے اور بے کاری اور بے روزگاری کے اسباب کا خاتمہ کرے تاکہ بے روزگاروں کی ضروریات کا بوجھ بیت المال پر نہ پڑے، محنت کار کو تحفظ، عدل و انصاف اور مناسب آسائش فراہم کی جائے، مالک پر واجب ہے کہ محنت کار جو نہی کام سے فارغ ہو اس کا پورا پورا حق فوراً ادا کرے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو ❷ مالک کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مزدور کو ایسا کام سونپے جو وہ کر سکتا ہو۔ اگر تھک جائے تو مالک اس کی معانت کرے، حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آمدنی اور پیداوار کے مناسب مواقع فراہم کرے بالخصوص زراعت کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی امیر سے فرمایا تھا: تمہاری تمام تر نظر زمین کی آباد کاری پر ہو اور خراج کے سمیٹنے پر نظر نہ ہو چونکہ خراج بھی وصول ہوگا جب زمین آباد کی جائے گی، جو شخص زمین آباد کئے بغیر ہی خراج کا مطالبہ کرے وہ ملک کو ویران کر دیتا ہے عوام کو ہلاک کر دیتا ہے اور پھر اس کا اختیار بہت ہی کم چل پاتا ہے۔ اسلام نے متعدد آیات اور احادیث کے ذریعہ محنت کاری پر اسکیا ہے اور محنت کاری کو افضل کمائی قرار دیا ہے اور آمدنی کا ایک ہذا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ مقولہ مشہور ہے ”ہر شخص کی قیمت اس کے عمدہ ہنر میں پنہاں ہوتی ہے“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں جو میرے دل کو بہاتا ہے، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس کوئی ہنر نہیں تو وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے اس اثر کی روشنی میں ہنر مندی کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص کوئی کام کرے اور اس کام میں مہارت بھی

❶..... اخرجه احمد و ابو داؤد والنسائی عن جابر ❷ اخرجه احمد و ابو داؤد والنسائی والترمذی وصححه عن ابی الدرداء

❸ اخرجه ابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ وهو ضعیف

الفقہ الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۵۵ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
دکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بہت پسند فرماتے ہیں۔ ❶ لہذا محنت و مزدوری کو ترجیح دینا ضروری ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اوپر
والے ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ❷

۴۔ پس ماندگان اور محنت کاری سے عاجز لوگوں کی کفالت..... باپ پر واجب ہے کہ وہ بیٹے کے بالغ ہونے تک اس کی
کفالت کرتا رہے، والد پر واجب ہے کہ وہ قریبی رشتہ داروں کی کفالت کرے، اگر قریبی رشتہ دار اصول فروع (باپ دادا اور اولاد) ہوں تو
ان پر خرچ کرنا واجب ہے، حنفیہ نے تو محارم مثلاً بھائی، چچے، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں پر خرچ کرنے کو بھی واجب قرار دیا ہے، حنبلی
مذہب میں میراث کی ترتیب پر خرچہ واجب قرار دیا ہے، چنانچہ نابالغ بچے یا محنت سے عاجز شخص یا بوڑھے شخص کا کوئی ایسا رشتہ دار نہ ہو جو ان کا
خرچہ برداشت کرے تو ان کی کفایت بیت المال پر واجب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دودھ چھوڑنے کی مدت پوری ہونے پر بچے کا خرچہ جاری فرمادیتے تھے، پھر بعد میں ولادت ہی سے جاری فرمانا
شروع کیا اس کی مقدار سو درہم تک ہوتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام اس لئے اٹھایا تاکہ مائیں مدت رضاعت پوری ہونے سے پہلے
ہی بچوں کا دودھ نہ چھڑائیں۔

پھر خرب، بچہ نو جوان ہوتا تو اس کا وظیفہ دوسو تک بڑھادیتے، آپ رضی اللہ عنہ جب کسی بوڑھے ذمی کو دست سوال پھیلاتے ہوئے دیکھتے
تو بقدر ضرورت اس کا وظیفہ بھی مقرر فرمادیتے تھے، بچے اور بوڑھے فانی کے حکم میں ہر وہ شخص بھی ہے جو محنت کاری سے عاجز ہو خواہ وہ جسمانی
آفت کی وجہ سے عاجز ہو یا کسی اور وجہ سے میں نے ”کفایت فقراء کے اصول کو پہلی بحث میں ذکر کر دیا ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں ❷ ”وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود تو سیری کی حالت میں تمام رات گزارے جبکہ اس
کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا پڑا ہو اور اسے اس کی خبر تک نہ ہو ❸ ”جو گھر انہ بھی اس حال میں صبح کرے کہ ان میں کوئی شخص بھوکا ہو تو اللہ تعالیٰ
ان سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ ❹

جیسا کہ ہمیں ملاحظہ ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کافل کی مختلف صورتیں مقرر کر رکھی تھیں چنانچہ حکومت وقت اجتماعی تحفظ، خاتمہ
بے روزگاری اور شہریوں کو فراہمی روزگار کے لئے جو بھی قوانین وقت کی ضرورت کے موافق مقرر کرے گی وہ مقبول ہوں گے بشرطیکہ اصل
شریعت کے مخالف نہ ہوں امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین آدمی غار میں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ایک وہ شخص جس کا مال و اسباب
سیلاب میں بہہ جائے دوسرا وہ شخص جس کا مال آگ میں جل جائے تیسرا وہ شخص جس کا عیال ہو لیکن اس کے پاس مال نہ ہو۔ چنانچہ حضور کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حادثہ کے پیش آنے کے وقت مسلمانوں سے صدقہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

۵۔ خطرات و حوادث سے نمٹنے کے متعلق باہمی تعاون..... قبل ازیں میں نے وضاحت کر دی ہے کہ جب بیت المال خالی
ہو تو حکومت مالدار لوگوں سے مناسب ٹیکس وصول کرے اور معاشرے کو پیش آمدہ کسی بھی خطرے سے نمٹنے پر اکساتی رہے۔ مثلاً بے
روزگاری، قحط، وبائیں اور جنگ وغیرہ۔ چونکہ ضرر عام کے دفعیہ کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حالت ضرورت میں بھوکا
شخص دوسروں سے چھین کر بھی کھا سکتا ہے تاکہ اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا سکے، کھانے کے مالک کا حق ہے کہ وہ محتاج کو دے دے، ورنہ
گناہگار ہوگا، بھوکا حالت اضطراری میں کھانے کے مالک سے لڑکر بھی کھانا لے سکتا ہے، جیسے پانی کا مالک اگر پیاسے کو پانی نہ دے وہ وہ لڑکر
بھی لے سکتا ہے، اگر بھوکا قتل کر دیا گیا تو قاتل سے قصاص لینا واجب ہے۔

❶..... اخرجه البيهقي عن عائشة رضي الله عنها ضعيف ❷ اخرجه احمد والطبراني عن ابن عمر رضي الله عنه وهو صحيح.
بق تخريجہ ❸ اخرجه الطبراني عن انس رضي الله عنه ❹ اخرجه الحاكم واحمد وفيه شخص مختلف فيه.

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۵۶ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول اور اس سے پہلے اصول کی نیت کی تھی اور فرمایا تھا ”اگر اس بات کا مجھے پہلے پتہ چلتا جس کا پتہ مجھے بعد میں چلا تو میں، مالداروں کے زائد اموال اپنی تحویل میں لے لیتا اور پھر انہی کے فقراء پر لوٹا دیتا“۔ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ ہر شہر کے مالداروں پر فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے فقراء کی ضرورت کو پورا کریں، اگر زکوٰۃ سے فقراء کی ضروریات پوری نہ ہو پائیں تو سلطان مالداروں سے جبراً اتنا مال اپنی تحویل میں لے جس سے فقراء کا انتظام چل سکے اور اشیاء خورد و نوش جن کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کا انتظام کرے، سردی اور گرمی کے موسموں کے مطابق فقراء کے کپڑوں اور رہائشوں کا انتظام کرے۔

یہ بات ہمارے لیے اظہر من الشمس ہے کہ فرد اور جماعت جو کہ حکومت کی نمائندہ ہوتی ہے کہ درمیان آپس میں تعاون و تضامن سے ہم آہنگ ہیں بھی حقیقی خوشحالی اور آسودگی وجود میں آسکتی ہے، سو جس طرح حکومت اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ ہے اسی طرح معاشرے کا ہر فرد دوسرے فرد کے متعلق مسئول اور جوابدہ ہے۔ یہ باہمی تعاون محض اخلاقی تکافل نہیں بلکہ یہ تو قانونی اور الزامی تکافل ہے۔ اگر اس پر جزاء و عقاب دینی طور پر انسان سے کوتاہی ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا، اس طور پر اسلامی نظام میں حکومت، اشتراک حکومت کے مشابہ ہے۔ چنانچہ اس نظام کا ہر فرد ایک اشتراکی رکن ہے جو اشتراکی مسئولیت کو نبھانے کے لیے سرگرم ہوتا ہے، اس کی فعالیت کی ترتیب منطقی ہے چنانچہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ”خرچے کی ابتداء اس شخص سے کرو جس کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے“ یعنی خرچ کرنے میں اپنی ذات سے ابتداء کرو پھر اس کا خرچہ دو جس کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے اور وہ تمہارے گھرانے سے ہے، پھر پڑوسی پھر محتاج تنگ دست پھر عمومی سطح کا تعاون، یہ امر صرف اقتصادی پہلو پر منحصر نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے میدان میں بھی برابری کا حصہ دار ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ وہ سیاسی زندگی مدنی زندگی جیسے آزادی، احترام، عدل و انصاف، شوری وغیرہ کا حصہ دار ہونا بھی ضروری ہے۔

دوم: ملکیت خاصہ اور اس کا اجتماعی وظیفہ:

۱۔ انفرادی ملکیت کا اقرار..... قبل ازیں میں نے وضاحت کی ہے کہ اسلام فردی ملکیت کا حق سونپتا ہے اور اس کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے چونکہ اسلام انسانی فطرت اور حق تملک کے ہم آہنگ ہے فی نفسہ مالدار کی حاصل کوئی ممنوع چیز نہیں بشرطیکہ حصول مال کے وسائل مشروع ہوں۔ مالدار کی کاہم و اعلیٰ وسیلہ محنت کاری ہے اور سب سے زیادہ فضیلت والی محنت کاری غیر آباد زمین کو آباد کرنا ہے اور اس سے پیداوار حاصل کرنا ہے۔

جبکہ اسلام بغیر محنت کاری کے بھی حق ملکیت کو بذریعہ وراثت، وصیت اور ہبہ جائز قرار دیتا ہے چونکہ وارث مورث کے تشخص کا تسلسل بحال رکھتا ہے، وصیت اور ہبہ تبرعات میں ہیں جو تصرف میں انسان کی آزادی و خود مختاری کا اثر ہیں نیز ان امور خیر میں دوسروں کو ترغیب بھی ہے اور ان امور سے وہ ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے زکوٰۃ و صدقات سے پوری نہیں ہو پاتیں۔

۲۔ قیودات ملکیت..... ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ملکیت خاصہ کی تعیین کو کھلی آزادی حاصل نہیں بلکہ ملکیت خاصہ تو بہت ساری قیودات کے ساتھ مقید ہے جو ملکیت کو اجتماعی وظیفہ بنا دیتی ہے، یہ قیودات اسلام کے عام الہی نظام کے ساتھ مربوط ہیں۔ جیسے سودی معاملات، جوا، شراب کی خرید و فروخت وغیرہ کا حرام ہونا، ان میں سے کچھ قیودات خاص ہیں جو انفرادی سرگرمی کو پابند کرتی ہیں اور فرد کو ایک نشان تک محدود رکھتی ہیں۔ جیسے ممنوع آمدنی، ذخیرہ اندوزی، غش کا حرام ہونا اور مال و دولت کو ذخیرہ کرنا جمع رکھنا۔

چنانچہ نفع اندوزی مالک کا روبرو کبھی شامل ہے کہ وہ محنت کار پر ظلم کر کے اس سے کام لے، اسی طرح تاجر کی نفع اندوزی کو بھی شامل ہے جو ضرورت مند کی مجبوری سے فائدہ اٹھالے اور سامان کی قیمت بڑھادے یا تیار شدہ اشیاء کی قیمت سے بے خبر ہو اور تیار کنندہ کو بے وقوف بنا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۵۷ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

لے، اور کم قیمت کے ساتھ سامان خرید لے جسے تلقی رکبان سے تعبیر کیا جاتا ہے یا دیہاتی سے ساز باز کر کے اس کا مال فروخت کرے جیسے بیع الحاضر للبادکھا جاتا ہے یا سرکاری قربتداری اور حسب و نسب کے غلط استعمال سے اثر و نفوذ پیدا کر کے نفع حاصل کرے۔

ذخیرہ اندوزی بھی حرام قرار دی گئی ہے چونکہ ذخیرہ اندوزی گردش دولت کے مانع ہوتی ہے۔ ذخیرہ اندوزی اجارہ داری۔ غلط نفع اندوزی یا باعث ہے اور پیدا کے قتل کا شکار بن جاتی ہے، مال و دولت کو ڈھیر بنا کر رکھ لینا اسلام میں مکروہ ہے اگرچہ درجہ حرام تک نہ پہنچے۔ اس سے کاروبار زندگی ٹھپ ہو جاتا ہے اور شریعت کا مقرر کردہ ہدف عبور ہو سکتا ہے، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی پالیسی ترتیب دے جو اس امر کے مانع ہو چونکہ یہ امر فساد، لالچ اور اجارہ داری کا باعث ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اقتصادی توازن قائم کیا تھا پھر خلفائے راشدین نے بھی یہی طرز عمل اپنایا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور مصر کی اراضی کو اصل مالکان کے قبضہ میں رہنے دیا اور فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کیں، تاکہ دولت فاتحین کے ہاتھوں ہی میں سمٹ کر نہ رہ جائے، اور اس میں آنے والوں کے لئے کچھ نہ بچے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا وار صحابہ نے بھی آپ کی موافقت کی:

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْلًا يَكُونَ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

۔ جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بستیوں میں رہنے والوں سے غنیمت میں عطا کیا ہے وہ اللہ رسول، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے تاکہ تم میں سے ان لوگوں کے پاس دولت سمٹ کر نہ رہ جائے جو مالدار ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زرعی ملکیت کی عدم توسیع پر حریص تھے اور اراضی کو کرائے پر دینے سے منع فرماتے تھے، جیسا کہ اس کی مخصوص بحث میں وضاحت آیا چاہتی ہے، اسلام میں نظام وراثت کا اعتبار کیا گیا ہے یہ گردش دولت کا زبردست عامل ہے تاکہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں دولت مرکوز نہ رہے

میں نے اہم قیود جو فردی ملکیت کو مقید کرتی ہیں ذکر کر دی ہیں۔ یہ قیود ملکیت خاصہ کو اجتماعی وظیفہ بنادیتی ہیں اور ملکیت خاصہ حق مطلق نہیں رہتا چونکہ اموال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ اور لوگ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْلِفِينَ فِيهِ ۖ..... الحدید ۷/۵۷

اس مال میں سے خرچ کرو جس پر اللہ نے تمہیں خلیفہ مقرر کیا ہے۔

یہ قیود شرطیہ ملکیت خاصہ پورا رہتی ہیں، یہ کہ ملکیت سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے، یہ کہ مالک زکوٰۃ و صدقات نکالتا رہے، ملکیت کو نفع عامہ میں استعمال کرتا رہے اور جب مصلحت عامہ کا تقاضہ ہو تو ملکیت خاصہ کو تحویل عامہ میں لایا جاسکتا ہے۔

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ رونما نہیں ہوا کہ مالدار کا مال اس کی رضا کے بغیر لے لیا گیا ہو اور پھر کسی فقیر کو سوئپ دیا گیا ہو، جبکہ مالدار کی رضامندی کے بغیر بھی اس کا مال لینا صحیح ہے اور یہ ملکیت خاصہ کو تو میانہ کے اصول کے منافی نہیں جس کی استثنائی صورتیں وجود میں آتی ہیں، لیکن صدر اسلام میں مسلمانوں کی جو حالت تھی اب وہ تبدیل ہو چکی ہے، مالدار مسلمان خوشدلی اور اپنے اختیار سے، خیر و بھلائی کے امور میں اپنے اموال خرچ کرتے تھے، چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے امور خیر میں اموال کے صرف کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور کسی واجب امر کو بجا لانا بغیر کسی دباؤ کے افضل عمل ہے۔

حضرت عمر بن العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں ان کے کسی امیر نے یہ شکایت کی تھی کہ بیت المال میں ڈھیروں مال جمع ہو گیا

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۵۸ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

ہے اور کوئی فقیر نہیں مل رہا جسے مال دیا جائے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس امیر کو حکم دیا کہ بیت المال میں جمع شدہ اموال سے مقروضین اور مدیونین کے قرضے اور دیون چکائے جائیں، اس زمانہ میں فقراء اموال زکوٰۃ لینے سے گریز کرتے تھے، یہ حالت تو حضرت عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں بھی پیدا ہو گئی تھی کہ ڈھونڈے سے بھی فقیر نہ ملتا تھا حتیٰ کہ مالداروں کو مجبوراً رات کے وقت کسی کو زکوٰۃ کا مال تھمانا پڑتا۔

لیکن آج معاشرے کے حالات تبدیل ہو چکے ہیں، مسلمانوں کے احوال نہایت دگرگوں ہو گئے ہیں، جن لوگوں کے پاس مال ہے بھی تو ہونہ بخل کرنے لگے ہیں اور اپنے واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے ہیں۔ لہذا بعض استثنائی انتظامات کی صورت میں بتقاضہ وقت مفاسد کو صحیح ذکر پر لانے کے لیے مالداروں سے مال لینے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ تاہم اغنیاء پر جبر کیا جاسکتا ہے کہ وہ فقراء کو ان کا حق دیں یا فقراء کی آمدنی کے لیے اغنیاء کے اموال کو قومیانہ بھی جائز ہے، اسی طرح اگر اغنیاء زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو کوئی بھی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”جو شخص زکوٰۃ سے انکار کرے ہم اس کے مال کا مقررہ حصہ چھین کر لیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا دواؤ حکم ہے۔“ ①

علاوہ ازیں بڑی بڑی جاگیریں عموماً غیر مشروع ذرائع اور وسائل سے حاصل کی جاتی ہے یا تو آباد کار کسی سرکاری خدمت کی پاداش میں ہتھیالیتا ہے یا ظالم حکمران ہتھیالیتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جاگیریں اور اموال جو غیر مشروع وسائل سے حاصل کیے ہوں انہیں ضبط کیا جاسکتا ہے، بالخصوص جب فقراء کی ضروریات کی کفایت نہ ہونے پائے جبکہ اغنیاء پر خاص مقدار مقرر کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں چونکہ شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ ”جب کوئی مؤمن بھوک کی حالت میں رات گزارے تو کسی کا مال بھی اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا“۔

۳۔ اسلام میں اجتماعی مساوات کا اصول..... یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ اسلام حقوق و واجبات کے اعتبار سے مسلمان معاشرہ کے درمیان مساوات کا علمبردار ہے، چنانچہ رنگ، نسل، حسب و نسب، مالداری اور فقری کے اعتبار سے لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ مرتبہ اجتماعی اور معاشرتی میں سب برابر ہیں۔ حتیٰ کہ اسلام مادی اور ادبی امتیازات کو ختم کرتا ہے جو مختلف جرائم کا باعث بنتے ہیں، چنانچہ اسلام اجتماعی طبقات کی اجازت نہیں دیتا، اگرچہ مالدار اور محتاج کے درمیان مادی تفاوت موجود رہتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ قَسَمًا لِّبَنِيهِمْ مَّعِيشتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ الزخرف ۳۲/۳۳

ہم نے ہی دنیاوی زندگی میں لوگوں کے درمیان ان کی معیشت کو تقسیم کر دیا ہے اور ہم نے ان میں بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی ہے۔
وَ الَّذِيْنَ يَكْنُزُوْنَ الدَّهَبَ وَ الْفِصَّةَ وَ لَا يُنفِقُوْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ② التوبہ ۳۴/۳۵

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

پہلی آیت میں نظام اسلام میں طبقاتی معاشرہ کو مراد نہیں لیا گیا ہے، چونکہ اسلام طبقاتی امتیازات سے پاک ہے، بلکہ اسلام تو مادی تفاوت کی تعین کرتا ہے، چونکہ مالدار اور فقیر میں سے ہر ایک ابتلاء اور مسئولیت کا محل ہے، اس میں طبقاتی تقسیم نہیں، بلکہ کیا مالدار کیا محتاج ہر ایک اپنی حالت کا جوابدہ اور مسئول ہے، مالدار نفع اندوزی کا جوابدہ ہے اور فقیر صبر و استقامت اور تحمل مشکلات کا جوابدہ ہے۔

مادی تفاوت کا ہونا کوئی عیب کی بات نہیں، چونکہ مادی تفاوت انسانی فطرت کے ہمدوش ہے اور فطرت ملکیت سے سرفراز ہونے اور دولت حاصل کرنے کی خواہش ہے، اسی سے آگے بڑھنے کا عنصر بھی پیدا ہے، علم و عمل اور قدرت جدوجہد کے پیش نظر فطرت مادی تفاوت کی مقتضی ہے، اسی سے ہمیں لوگوں کے درمیان اعمال اور کفایات کی تقسیم کی دلیل ملتی ہے، اس تفصیل کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں پائی جانے

والی محدود تفاوت کے اسباب امور میں منحصر ہیں۔ عمل اور علم عمل (محنت کاری) سے پیداواری دوڑ میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اور اس میں شدت آتی ہے اور علم کے ذریعہ کمائی اور مال داری کے ثمرات کا تحفظ حاصل ہوتا ہے، علم ہی کے ذریعے اقوام آگے بڑھتی ہیں، چنانچہ عالم اپنے علم کے ثمرات سے مستفید ہوتا ہے، معاشرے کو نفع پہنچاتا ہے، اس کا علم کلمہ اللہ کی سر بلندی کے لیے ہوتا ہے وہ خیر خواہی کو ترجیح دیتا ہے اور امور خیر کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، واضح رہے کہ قدرت، ترقی و سرگرم عمل ہونے میں اور علم میں تفاوت طبقاتی معاشرت کو جنم نہیں دیتا بلکہ تفاوت تو اللہ کے حضور جوابدہی ہے اور معاشرہ کے سامنے مسئولیت ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ اس وقت تک قدم نہیں اٹھائے گا جب تک اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے، اس کی عمر کے متعلق کے اس نے اپنی عمر کن اعمال میں فنا کی، جوانی کے متعلق کہ اس نے جوانی کن اعمال میں گزاری، مال کے متعلق کہ اس نے کہاں سے مال کمایا اور کن مصارف میں خرچ کیا، اور جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا۔ ❶

سوم: اسلام میں اشتراکی آزادی..... میزان اسلام میں سبھی لوگ آزاد ہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے کا مطالبہ ہے، انسان کو کسی دوسرے کے دباؤ میں نہیں رکھا گیا۔ لایہ کہ کسی حق کی بنیاد پر، چونکہ خالق کے نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس اصول کے پیش نظر انسان کی آزادی اور مرتبہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، حریت اور انسانی وقار ایسی چیز جو انسان کی ذات سے اٹھان لیتی ہے یہ کوئی ایسا عطیہ نہیں جو معاشرہ انسان کو سونپ دیتا ہے۔ آزادی شخصی حق اور اعزاز ہے اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا اور نہ دینا انسان کا حق ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ ❷ تاہم فرد کی آزادی جماعت کی سیاسی اور اقتصادی آزادی کے تابع ہے۔

البتہ فرد کی آزادی مطلق نہیں بلکہ اشتراکی معیار کے ساتھ مقید ہے جو معاشرہ کے افراد کے تکافل پر قائم ہوتی ہے اس میں حاکم محکوم سب برابر ہیں، چنانچہ جس حکمران کو قوم منتخب کرے وہ نظام شریعت پر چلنے کا پابند ہوگا وراہل دانش سے مشاورت کا بھی پابند ہوگا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ..... آل عمران ۱۵۹

معاملہ حکومت میں مسلمانوں سے مشاورت کرو۔

رعایا سے اطاعت فرمانبرداری کا مطالبہ ہے یعنی نیکی اور اچھائی کے کاموں میں حکمران کی اطاعت اور اس کی مدد کریں چونکہ خالق کی نافرمانی مخلوق کی فرمانبرداری کی کچھ حقیقت نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ..... التوبہ ۱۶۹

مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

یعنی ایک دوسرے کے مددگار ہیں، قوم کو حکمران کے تصرفات میں انظہار رائے کا حق حاصل ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور خطبہ میں اس کا مطالبہ کیا تھا، اسلامی حکومت پر یہ پابندی ہے کہ وہ دوسری حکومتوں پر سرکشی نہ کرے اور ان کی دشمنی مول نہ لے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (البقرہ ۱۹۰)

سرکشی مت کرو چونکہ اللہ تعالیٰ سرکشوں کو پسند نہیں کرتا۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۶۰ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

چہارم: اسلامی اشتراکی نظام میں اخلاقی اقدار..... قبل ازیں میں نے فرد اور جماعت کی تعمیر میں اخلاقی کردار کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یہاں میں اس چیز کی طرف اضافہ کروں گا کہ اشتراکیت کی سب سے اعلیٰ نوع وہ ہے جو نہ تو جنگ و جدل سے متعین کیا جاسکتا ہے اور نہ خون خرابے سے اور نہ ہی طبقاتی جنگ سے، بلکہ یہ نوع عالی شان مومن ذات اور بیدار انسانی ضمیر اور اعلیٰ دینی معیار سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ سیاسی اور اقتصادی اشتراکیت جو ارکان کو مضبوط بناتی ہے جو فردی مصالح سے دستبردار ہو کر اجتماعی مصلحت کے تحقق کے اصول پر قائم ہوتی ہے، یہ تشفی بخش اہم پہلو ایسے اخلاقی ذوق کا محتاج ہے جس کا انسانی علاقہ معاشرہ کے افراد کے درمیان پایا جاتا ہے اور اخلاقی فہم عالی شان عقیدہ کی قوت و دفعہ کی محتاج ہے جسے ادیان نے مقرر کر رکھا ہے اور آخر میں اسلام کے چھاپ اس پر لگی ہے چونکہ دین اخلاق کی سند محافظ اور نگہبان ہے۔

اہم اشتراکی اخلاق مسؤلیت اور جوابدہی کا وہ زبردست احساس ہے جو باہمی ہمدردی تعامل، خیر و بھلائی کی محبت اور ایثار کی بنیاد پر قائم ہے، رہی بات مسؤلیت کے احساس کی سو وہ حکام اور افراد پر منقسم ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے متعلق جوابدہ ہے، چنانچہ امام نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کا جوابدہ ہے ایک آدمی اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کا جوابدہ ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کی جوابدہ ہے۔ ”چنانچہ خلفائے راشدین اور ان کے متبعین کا احساس مسؤلیت درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ بلکہ سبھی مسلمانوں میں مسؤلیت کا احساس اعلیٰ درجے کا تھا، چونکہ ہر شخص امر واجب کی طرف لپکتا تھا، اور امر اسلام کے نفاذ کی پوری کوشش کرتا تھا۔ اسے قانونی چارہ جوئی اور بار بار یاد دہانی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مسؤلیت کی سب سے اعلیٰ نوع لوگوں پر مالی حقوق کی تقسیم ہے جو شہروں کے طول و عرض تک اہمیت کے ساتھ منقسم ہو اور حکمران اس واجب امر کو قائم کر سکے اسی ذمہ داری کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضعفاء و درواز کے علاقے میں بھی چرواہے کو غنیمت میں سے اس کا حصہ ملے گا اس حال میں کہ اس کا چہرہ خون آلود ہوگا۔“ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا: اگر فرات کے کنارے پر کوئی بکری گم ہو جائے تو مجھے اس کا بھی خوف ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا۔ رہی بات معاشرہ کے افراد کے درمیان ہمدردی کی سو یہ اسلام کی اشتراکیت کا وہ نمایاں مارک اور نشان ہے جو سر اسر محبت، ایثار، اخوت و بھائی چارہ، اتحاد اور خیر و بھلائی کے راستوں میں کوشاں رہنے پر قائم ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ..... الحجرات ۱۰/۳۹

سبھی مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ..... الحشر ۵۹/۵

وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں ارچہ وہ تنگ دستی کی حالت میں کیوں نہ ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ ❶ ساری کی ساری مخلوق اللہ کا عیال ہے، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اپنے عیال کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔ ❷ لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسا تمہیں پسند ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ❸ لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہ چیز ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ ❹

❶..... أخرجه الجماعة أحمد واصحاب الكتب الستة عن انس بن مالك رضى الله عنه ❷ أخرجه ابو يعلى والبخاري عن انس بن مالك رضى الله عنه ❸ ثابت شدہ حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ واجب للناس ماتحب لنفسك نكن مؤمنا ❹ أخرجه احمد عن معاذ بن انس رضى الله عنه

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۶۱ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اس مضمون کی بے شمار احادیث ہیں جو خیر و بھلائی، مال خرچ کرنے، محتاج کی مدد کرنے، نیکی میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتی ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس شخص کے پاس زائد گوشہ ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس گوشہ نہ ہو۔ ❶ اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے زائد چیز خرچ کرے تو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے اور اگر اسے روک رکھے گا تو یہ تمہارے لئے شر ہے، میانہ روی اپنانے میں کوئی ملامت نہیں، جس شخص کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے اس سے ابتداء کرو، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ❷

اسلام کی اشتراکیت ان مذکورہ اصولوں پر قائم ہے، اسی کے ذریعہ انسان کی معاشی مشکلات حل ہو سکتی اور فرد اور معاشرہ میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے، اسی کے ذریعہ انسان کی خاص مصلحت اور معاشرتی مصلحت میں توافق ہو سکتا ہے، چنانچہ اشتراکیت کی عملی تطبیق کا دار و مدار اخلاقی اقدار پر ہے اور صرف قوانین اور نظام ہائے معیشت اقتدار و اختیار اور اتھارٹی انسانی خوشحالی میں اشتراکیت کی کامیابی کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے دوام اور استمرار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وہ تڑپ اور اڑن ہے جس کا اعلان میں روسی اتحاد کے زوال سے قبل ۱۹۶۵ء سے کرتا چلا آ رہا ہوں۔

تیسری بحث..... اسلام میں نظریہ قیمت

پہلی بحث میں میں نے اس نظریہ کے متعلق کچھ گفتگو کر دی ہے میں نے بیان کر دیا ہے کہ اسلام محنت کاری پر اسکا تا ہے، اور قرآن معمول کے مطابق خیرات نکالنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَمْوَاسِ جَبِيْعًا..... البقرہ ۲۹۷

وہی تو وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب پیدا کیا۔

چونکہ حقیقت میں محنت کاری پیش رفت کی اساس ہے، اسی کے ذریعہ دنیا و آخرت میں فضیلت کے درجات مقرر ہوتے ہیں، رہی بات دنیا میں محنت کاری کی سو وہ ایسی کوشش اور جدوجہد ہے جو عام خاص جلب منفعت کی طرف لے جاتی ہے یا خاص و عام اذیت کے روکنے میں مدد و معاون ہوتی ہے۔

رہی بات آخرت کی محنت کاری کی سو وہ فکری، عملی اور علمی طور پر دینی فرائض کی ادائیگی ہے اور شر و جرائم سے باز رہنا ہے، اس کے علاوہ پاکیزہ نیت بھی اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

یہاں اہم امر جس کا میں تکرار کر چکا ہوں یہ ہے اگرچہ محنت کاری سامان کی اقتصادی قیمت کی اساس ہے، فرد کی اجتماعی قیمت اور اقتصادی ترقی و بڑھوتری کی اساس ہے تاہم سامان کی قیمت و طلب و رسد کی مرہون ہے اور اس کے ساتھ عادلانہ نرخوں کا التزام بھی ہے جو حکومتی نگرانی میں ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرماتا ہے، اس کے ساتھ مدینہ کے فقہائے سبعہ کے افتاء کو بھی ملایا جائے یہی فتویٰ مالکیہ حنابلہ اور متاخرین زیدیہ کا بھی ہے وہ یہ کہ نرخوں کی تعین (کنٹرول ریش) جائز ہے، خصوصاً جب طمع اور حرص بڑھ جائے اور ساز و سامان کی قیمتوں میں غلو ہونے لگے تو مصلحت مرسلہ کے پیش نظر حکومتی سطح پر نرخوں کی تعین ضروری ہو جاتی ہے تاکہ تجارت اور کاروباری طبقہ عادلانہ نرخوں کی پابند ہو جائے جن میں غبن فاحش نہیں ہوتا، اس بناء پر آج کل کی مصنوعات کے نرخ میں محنت کاری کو اساسی مقام حاصل ہو گا اس میں مصلحت عامہ کی رعایت ہے اور تعین قیمت میں عدل و انصاف بھی ہے۔

چوتھی بحث..... اسلام میں زمین کا کرایہ

کرایہ زمین کے موضوع میں کثیر علماء کے اختلاف کو ذکر کرنے سے قبل میں اسلام کے رجانات، مقاصد عام قانون سازی کی روح اور اشتراکیت اسلام کے مبادی جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کو بیان کروں گا۔
در اصل معمول کی خیرات بڑھانے اور مال و دولت کو باہر نکالنے کی زبردست ترغیب دیتا ہے، جبکہ مال و دولت کو جمع رکھنے اور ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے، جیسا کہ اسلام محنت کار کی بیکاری کو ناپسند کرتا ہے، اسی لئے بعض علماء نے زمین کو کاشتکاری سے فارغ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے چونکہ زمین کو بخر چھوڑے رکھنے میں مال کا ضیاع ہے۔

اسی طرح اسلام رفاه عامہ، فراخی، عمومی نفع، ملکیتوں کی عادلانہ تقسیم و سرکولیشن اور زرعی ملکیتوں کو زیر کاشت لانے پر اسکا تا ہے، مال دولت کو جمع کر رکھنے اور ملکیت اراضی کو زخیرہ کر رکھنے کو ناپسند کرتا ہے چونکہ زمین اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ تعالیٰ تو زیلج تقسم میں عدل و انصاف کو پسند کرتا ہے۔

اسلام انسان کے ذریعہ آمدنی جو محنت کاری کے طریقہ سے ہو تو فضیلت دیتا ہے اگر آمدنی محنت کاری کے بغیر ہو تو اس طریقہ کو اسلام حقارت اور ناپسند کی نظر سے دیکھتا ہے، اسی لئے سود، قمار سٹو، غبن، نفع اندوزی اور احکام کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، چنانچہ بعض علماء نے اس قانونی رجحان سے متاثر ہو کر زمین کے اجارہ کو حرام قرار دیا ہے، اسی رائے کو حجت بنا کر تحدید ملکیت کو قومیا نے کے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔

اسلام کی اشتراکیت کو رواج دینا نہایت مناسب امر ہے چنانچہ اسلام جبر و قہر اور بلا جواز سخت قوانین لوگوں پر تھوئے کو ناپسند کرتا ہے بلکہ اسلام لوگوں کو اختیار، خوشدلی اور رضامندی کا پہلو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ معاشرہ کے افراد کے درمیان کینہ، بغض، عداوت اور حسد جنم نہ لے، اس پہلو کی بنا پر جمہور علماء نے زمین کو کرائے پر دینے کو جائز قرار دیا ہے اور مالک کو مجبور نہیں کیا کہ وہ خود پیداوار کا بندوبست کرے یا دوسرے کو زمین عاریہ دے یا کاشتکار کو مفت میں سوئپ دے، چونکہ اسلام معاشی سطح پر مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ سو مذکور بالا رجحان کی روشنی میں کاشتکاری کے لیے زمین کو کرائے پر دینے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے ایک رائے کے مطابق کرائے پر زمین دینا مطلقاً ممنوع ہے جبکہ دوسری رائے کے مطابق جائز ہے، پھر جواز کے قائلین کے آپس میں جزوی اختلافات ہیں ان کا تذکرہ بھی بہتر ہوگا۔

فریق اول..... جو کہ زمین کرائے پر دینے کو ممنوع سمجھتا ہے اس فریق میں شامل علماء کی تعداد بہت قلیل ہے اور وہ بعض تابعین ہیں۔ جیسے طاؤس، ابوبکر بن عبد الرحمن اور ان کے ساتھ کچھ تھوڑے سے فقہاء اور بھی ہیں، یہی رائے ابن حزم ظاہری نے اختیار کی ہے، ان کا بیان ہے کہ کرائے پر زمین کو دینا مطلقاً ناجائز ہے نہ ہی پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلہ میں اور نہ نفوذ یعنی سونا چاندی کے بدلہ میں اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور چیز کے بدلہ میں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

الف: عقلی دلیل..... زمین کو کرائے پر دینے دلوانے کا معاملہ غرر پر مشتمل ہوتا ہے یعنی اس معاملہ میں کرایہ دار کے نقصان کا احتمال ہے اور یہ کرایہ دار کسان ہے، چونکہ فصل آسمانی آفت کاشتکار بھی بن سکتی ہے، آگ بھی فصل کو لگ سکتی ہے، سیرابی کے لیے پانی منقطع ہو سکتا ہے، یا فصل سیلاب کی زد میں آ سکتی ہے لہذا بغیر نفع کے کسان کو کرایہ لازم ہوگا۔

ب: حدیث سے نقلی دلیل..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بہت ساری احادیث مروی ہیں جنہیں زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے جو امام مالک نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۶۳ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا۔“ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
راضی کے اجارہ سے منع کیا ہے۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے یا اس کا
بھائی کاشت کرے ورنہ چھوڑ دے۔ ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے یا
اپنے بھائی کے لیے دے دے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اپنے پاس روکے رکھے۔ ❸ یعنی اگر خود کاشت نہیں کرتا تو بلا عوض اپنے بھائی کو عاریۃ
کاشت کے لئے دے دے، اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم میں سے کوئی شخص
اپنے مسلمان بھائی کو زمین عطا کر دے یا اس کے لیے متعین پیداوار لینے سے زیادہ بہتر ہے۔ ❹
چنانچہ ان احادیث میں اس بات پر صراحت کی گئی ہے کہ ہر مالک اپنی زمین کو خود کاشت کرنے کا مکلف ہے اگر کل زمین یا بعض زمین کو
کاشت نہیں کر سکتا تو وہ اپنے مسلمان بھائی کو عطا کر دے۔

دوسرا فریق..... یہ جمہور فقہاء ہیں جو کرائے پر زمین دینے کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں اجرت کی نوعیت پر اختلافات ہوئے ہیں تا
کہ شرعی قواعد کی پاسداری رہے جن کی وجہ سے سود اور غرر حرام ہے، ان فقہاء کے اختلاف کو اس بات میں منحصر کیا جاسکتا ہے کہ پیداوار کے کچھ
حصہ پر زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے۔

۱۔ بعض تابعین کا مذہب..... ربیعہ اور سعید بن المسیب کا مذہب ہے کہ زمین کو کرائے پر دینا صرف در اہم اور تانیہ کے ساتھ
جائز ہے ان کی دلیل رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محافلہ اور مزانہ سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:
”صرف تین آدمی کاشتکاری کریں، ایک وہ شخص جس کی اپنی ملکیت زمین ہو، دوسرا وہ شخص جسے کاشتکاری کے لیے زمین بطور عطیہ دے دی گئی ہو
اور تیسرا وہ شخص جو سونے یا چاندی کے ساتھ زمین کرائے پر لے لے۔ ❺ ان تابعین کا کہنا ہے کہ حدیث میں زمین سے پیداوار حاصل کرنے
والوں کو تعمین کر دی گئی ہے اس سے آگے بڑھنا اور تجاوز کرنا جائز نہیں۔

رہی بات دوسری احادیث کی سو وہ مطلق ہیں اور یہ حدیث مقید ہے لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یعنی ان احادیث کا مفہوم اور تفسیر
یہی ہے جو اس حدیث کا مضمون اور مدلول ہے، یا مخابره اور مزارعہ کے متعلق مطلق نبی عقد کی ایسی حالت پر ہے کہ عقد میں جہالت یا غرر ہو یا
نبی کو انتخاب پر محمول کیا جائے گا۔ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ مزارعت کے متعلق وارد ہونے والی نبی جمہور کے نزدیک ایسی حالت
پر محمول ہے جو مفضی الی جہالت و غرر ہو، مطلقاً کرائے کے متعلق نبی نہیں یہاں تک کہ سونا اور چاندی کے ساتھ زمین کرائے پر دینا جائز ہے۔

۲: مالکیہ کا مشہور مذہب..... ہر چیز کے ساتھ زمین کرائے پر دینا جائز ہے خواہ کرایہ نقدی ہو، معدنیات ہو، جانور ہو، سامان
تجارت ہو، اموال کے منافع ہوں، البتہ دو چیزیں کرائے میں نہ ہوں (۱) غلہ خواہ اسی زمین کی پیداوار سے ہو یا کسی دوسری زمین کی پیداوار سے
(۲) وہ چیز جو زمین اگائی ہو خواہ غلہ ہو یا کوئی اور چیز البتہ بانس وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

جس غلہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ زمین کی پیداوار جیسے گندم کو بھی شامل ہے اور غیر پیداوار جیسے دودھ شہد کو بھی شامل ہے اور غیر غلہ جو زمین
سے پیدا ہوا اور اس کو کرائے میں دینا ناجائز ہے جیسے روئی، عصفر اور زعفران۔

❶..... اخرجه احمدو البخاری والنسائی ❷ اخرجه مسلم و احمد عن جابر رضی اللہ عنہ ❸ اخرجه البخاری و مسلم ❹ اخرجه
احمد و البخاری وابن ماجہ و ابو داؤد (نیل الاوطار ۲۷۹/۵) ❺ اخرجه ابو داؤد و النسائی باسناد و صحیح (نیل الاوطار ۲۷۶/۵)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۶۴ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
 طعام و غلہ و مستحق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ سود میں نہ پڑے اور غلہ کے بدلہ میں غلہ نہ فروخت کرنا پڑے اور غیر غلہ کو اس لئے مستحق
 کیا گیا ہے تاکہ غرر سے اجتناب رہے چونکہ ممکن ہے کہ زمین سے کرائے کے بقدر پیداوار نکلے یا کم نکلے یا زیادہ، اور جہالت بھی ہے یعنی
 زمین تو متعین ہے اور پیداوار مجہول ہے۔ لہذا غرر ہو یا جہالت جھگڑے کا باعث ہے۔ بناء برہذ مالکیہ کے نزدیک مساقات اور مزارعت
 جائز ہے۔

مساقات مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان درختوں کا عقد ہے کہ کاشتکار درختوں کی خدمت کرے گا۔
 اور اجرت میں متعین درخت یا پھل لے گا، مساقات کے تابع بنا کر زمین کو بعض پیداوار کے بدلہ میں مزارعت پر لینا بھی جائز ہے۔
 مزارعت..... یہ زمین کی پیداوار پر ہونے والا معاملہ ہے جو پیداوار کے کچھ متعین حصہ کے ساتھ ہوتا ہے، مزارعت مالکیہ کے
 نزدیک جائز ہے بشرطیکہ زمین ممنوع چیز کے کرائے سے خالی ہو مثلاً کل زمین یا زمین کا کچھ حصہ بیج کے مقابلے میں نہ ہو یا غلہ کے مقابلہ میں
 نہ ہو اگرچہ وہ غلہ اس زمین کی پیداوار نہ ہو یا غلہ نہ ہو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مزارعت کو جائز قرار نہیں دیا، شافعیہ کے نزدیک مزارعت متعلقاً جائز نہیں البتہ مساقات کے تابع جائز ہے۔
 مالکیہ کی دلیل رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ان کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ تو خود
 اسے کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کے لیے عطا کر دے اور تہائی یا چوتھائی حصہ کے ساتھ کرائے پر نہ دے اور نہ ہی متعین غلہ کے بدلہ میں
 کرائے پر دے۔ ① گندم کے ساتھ زمین کرائے پر لینا حاکم ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے، یہ
 دلیل اس بات کی ہے کہ غلہ کے ساتھ زمین کو کرائے پر دینا ممنوع ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے ساتھ کرائے پر دینے کی دلیل وہ حدیث ہے
 جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور مخابرہ متعین پیداوار کے ساتھ زمین کو کرائے پر دینا ہے۔

۳..... امام یوسف، امام محمد، حنابلہ، ثوری، لیث، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی رحمہم اللہ اور جماعت فقہاء کا مذہب..... ہر
 چیز کے ساتھ زمین کرائے پر دینا جائز ہے، اگرچہ پیداوار کے متعین حصہ ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ ہر جگہ مسلمانوں نے اسی کو اختیار کیا ہے،
 چونکہ یہ متعین منفعت کا متعین چیز کے ساتھ کرایہ ہے لہذا بقیہ منافع کے اجارہ پر اسے قیاس کر لیا گیا ہے، جیسے گھروں کی رہائش اور دوکانوں کا
 استعمال۔ اس مذہب کی تائید ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ پھلوں اور اناج
 کے متعین حصہ کے ساتھ معاملہ کیا ② یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو خیبر کے درخت اور زمین دے دی کہ وہ زمین میں محنت
 کریں اور پیداوار کا نصف حصہ ان کا ہوگا۔ اسی مضمون کی اور روایات بھی ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی
 ہیں۔ مدینہ میں سبھی مہاجرین تہائی یا چوتھائی پیداوار کاشتکاری کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعد بن مالک، ابن مسعود، عمر بن
 عبدالعزیز، قاسم، عروہ، آل ابی بکر، آل عمر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں مزارعت پر
 زمین دی ہے۔

ان فقہاء نے دوسرے فقہاء کی متدل احادیث کو رد کیا ہے کہ رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے اور اس کے متون میں اضطراب
 ہے، اگر اس حدیث کو صحیح فرض بھی کر لیا جائے تب بھی یہ کراہت پر محمول ہے نہ کہ حرمت پر اس کی دلیل بخاری، مسلم کی ابن عباس رضی اللہ عنہما
 سے مروی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے
 بھائی کو زمین عطا کر دے، یہ اس کے لیے کچھ لینے سے بہتر ہے۔“ یا انہی اس صورت پر محمول ہے کہ جب اجرت کی مقدار مجہول ہو۔ یا کسی خاص

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۶۵ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
جگہ کی پیداوار کے ساتھ اجرت مخصوص کر لی جائے، مثلاً مالک نے زمین کے کسی کو نے کی شرط لگا دی نہر کے کنارے کنارے کی پیداوار کی شرط
لگا دی، چونکہ اس میں غرر اور جہالت ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ احادیث جن میں زمین کرائے پر دینے سے منع کی گئی ہے وہ احادیث
استحباب پر محمول ہیں۔ افضل یہ ہے کہ زمین کسی کو مفت دی جائے، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اجارہ جائز ہے اور عاریہ دینا
اجماع سے واجب نہیں ہے۔

پانچویں بحث..... اسلام میں اجرت:

اجارہ کی دو قسمیں..... ایک اجارہ جو منافع جات پر واقع ہوتا ہے اور معقود علیہ منفعت ہوتی ہے دوسرا اجارہ وہ جو محنت کاری پر واقع
ہو اور اس میں محنت کاری معقود علیہ ہوتا ہے۔

پہلی قسم کی مثال..... جیسے زمینوں، گھروں، دوکانوں، جائیدادوں، سواری کے لیے جانوروں، کپڑوں، زیورات، اور استعمال کے
برتنوں کا اجارہ۔ بشرطیکہ ان جیسی چیزوں سے نفع اٹھانا مباح ہو اور اگر منافع حرام ہو جیسے مردار، خون، نوہ کرنے والی عورتوں کا اجارہ اور مغنیات
کا اجارہ۔ لہذا یہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجارہ مباح نہیں۔

دوسری قسم کی مثال..... یہ وہ اجارہ ہے کہ جو کسی متعین عمل پر منعقد ہوتا ہے جیسے تعمیر مکان، کپڑے سینے، متعین جگہ تک بار برداری،
کپڑا رنگنے اور جو تادرس کرنے کا اجارہ۔

اس جیسے اجارہ کی دیگر صورتیں..... چنانچہ رافع بن رافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کی کمائی
سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ کمائی اس کے ہاتھوں کی ہو تو وہ جائز ہے آپ نے انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا کہ روٹی پکا کر، سوت کاٹ کر اور روٹی
دھو کر جو کمائی ہو وہ جائز ہے۔

اجارہ کی مذکورہ بالا دونوں انواع قرآن، سنت اور اجماع سے مشروع ثابت ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ الطلاق ۶۶/۶۵

اگر عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا خَيْرٌ مِّنْ اسْتَأْجَرْتُمُ الْقَوْمَ ۖ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۖ وَالَّذِينَ لَا يَدْرُونَ ۖ لِيَايَسُوا ۚ ۝۲۸ القصص ۲۶/۲۸

ایمان والو! آپ ان کو اجرت پر کوئی کام دے دیجئے، آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لیے، بہترین شخص وہ ہے جو طاقور بھی ہو، امانتدار بھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔“ ❶ جو شخص کسی شخص کو
اجرت پر کوئی کام دے تو وہ اجرت کو متعین کر دے ❷ پوری امت کا اجماع ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اجارہ معمول بہار ہا ہے اور
لوگوں کو اجارہ کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

لیکن شریعت نے مختلف تحفظات کے ساتھ اجیر کے حق کا احاطہ کر رکھا ہے وہ یہ ہیں رضامندی، عدل و انصاف، مساوات اور عرف،
چنانچہ ضروری ہے کہ اجرت عرف عام کے ہم آہنگ ہو اور اس میں آزادی رضامندی اور خوشدلی پر اعتماد کیا گیا ہو، لہذا محنت کاری پر زبردستی کرنا
جائز نہیں، اور نہ ہی اجیر کے ساتھ ظلم کو محنت کرنا جائز ہے اس کو حق دینے سے منع کرنا اور ادائے حق میں ٹال مٹول کرنا بھی جائز نہیں، یا بغیر عوض
کے اجیر سے منفعت حاصل کرنا بھی جائز نہیں چونکہ جو شخص اجیر سے بغیر اجرت کے کام لیتا ہے گویا وہ اسے غلام بنانے کی کوشش کرتا ہے، جیسے

❶ اخرجه ابن ماجه عن عمر و ابو يعلى عن ابى هريرة و الطبرانی فی الأوسط عن جابر و الحکیم الترمذی عن انس و هو ضعيف۔

❷ اخرجه البيهقي و عبد الرزاق و اسحاق فی مسند و ابوداؤد فی المراسيل و للنسائي فی الزراعة (نيل الاوطار ۵/۲۹۲)

فقہائے اسلام نے کہا ہے کہ اور حدیث نبوی سے استدلال کیا ہے کہ محنت کاری کی کاوش اور اجرت کو ہڑپ کر جانے والا اس شخص کی مانند ہے جو کسی آزاد شخص کو فروخت کر دے اور اس کا روپیہ ہڑپ کر جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”قیامت کے دن تین آدمیوں کے ساتھ خصومت کروں گا اور میں جس کے ساتھ خصومت (جھگڑا) کروں اسے زچ و مغلوب کر دوں گا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر معاہدہ کرے اور پھر خیانت کر دے، دوسرا وہ شخص جو آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی رقم ہڑپ کر جائے تیسرا وہ شخص کہ اجرت پر (مزدور) رکھے اور پھر اسے پوری اجرت نہ دے ❶ ابن تین کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر ظالم کے ساتھ جھگڑا کرے گا، البتہ اللہ تعالیٰ نے ان تین پر تشدید کی صراحت کر دی ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد کر دیا ہے لیکن ایک حدیث میں یہ شرط بھی ہے ”لیکن محنت کار (اجیر) اس وقت پوری اجرت کا مستحق ہوتا ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لے۔“ ❷

شریعت محنت کار اور مزدور کو پورے پورے حقوق دینے کی حریص ہے، خصوصاً وہ اجرت جس کی عقد اجارہ کے منعقد ہوتے وقت شرط لگادی جاتی ہے اور ساتھ کچھ شرائط بھی ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اجرت مال مقنوم ہو، اس کی مقدار مزدور کو معلوم ہو اور اس کی جنس، قدر، صفت متعین ہوں جیسے بیج میں شمن متعین ہوتے ہیں، چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور گزر چکا ہے کہ جو شخص کسی کو مزدور رکھے تو اس کی اجرت مقرر ہونی چاہیے، اجرت کا علم اشارہ، تعین یا صریح بیان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بھی شرط ہے کہ جس منفعت پر اجارہ واقع ہوا ہو اس کی مقدار معلوم اور متعین ہونی چاہئے، یہ تعین یا تو غایت و مقصد کے اعتبار سے ہو جیسے کپڑے سینا اور دروازہ بنانا دوسرے اجرت کے کام، یا یہ تعین تحدید مدت سے ہوگی جب یہاں کوئی معروف غایت اور مقصد نہ ہو جیسے یومیہ یا مہینہ وار یا سالانہ مدت پر رکھا ہوا اجیر، یہ تعین یا زمانے کے اعتبار سے ہوگی بشرطیکہ ماجر علیہ (وہ کام جس کے لیے مزدور رکھا ہے) ایسا کام ہو جس کی منفعت کا حصول متصل اور لگاتار ہو جیسے گھر اور دوکانوں کا کرایہ یا یہ تعین جگہ کے اعتبار سے ہوگی بشرطیکہ مطلوب چلنے سے متعلق ہو جیسے سواریوں کو کرائے پر رکھنا یعنی حمل و نقل کے وسائل جو ایک جگہ اور دوسری جگہ کے درمیان ہوتے ہیں۔

اجرت کی سپردگی کا اتحقاق کام سے ہوتا ہے یا محنت کار کے مطلوب کو سپرد کرنے سے ہوتا ہے، اس کی دلیل حدیث سابق ہے۔ ”لیکن مزدور کو اجرت اس وقت دی جائے گی جب مزدور اپنا کام پورا کر لے“۔ اگر مزدور نے پورا کام نہ کیا تو جتنا کام کیا ہو اس کے بقدر مستاجر پر اجرت لازم ہوتی ہے۔

ربی بات اجرت کی ملکیت میں مزدور کے حق کے ثابت ہونے کی تو اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: محض عقد کے منعقد کرنے سے اجرت میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے یعنی نفس اجارہ سے ثابت ہو جاتی ہے چونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور معاوضہ عقد کے بعد عوضین میں ملکیت کا مقتضی ہوتا ہے جیسے عقد بیع میں بائع شمن کا مالک بن جاتا ہے، بنا برائیں اگر اجارہ ذمہ میں واجب ہو جیسے کپڑے سینے کا اجارہ تو اجرت مجلس عقد میں سپرد کرنا واجب ہے، اور اگر اجارہ کسی معین چیز پر وارد ہو جیسے معین زمین معین سواری کا جانور تو فی الحال اجیر اجرت کا مالک ہو جائے گا اور فی الفور ادائیگی واجب ہوگی ہاں البتہ مدت کی شرط لگادی گئی ہو تو پھر تاخیر سے واجب ہوگی۔

مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں محنت کار یا اجیر محض العقد عقد سے اجرت کا مالک نہیں بن جاتا، بلکہ منفعت حاصل ہو جانے سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے چونکہ منفعت حاصل ہونے پر شے ماجر علیہ (وہ کام جس کے لیے اجرت دی ہو) کا مستاجر مالک بنتا ہے، عاقدین کے درمیان مطلوبہ مساوات کے اصول کو بروئے کار لانے کی وجہ سے اجیر عوض کا مالک بنتا ہے اور یہ تب ہے جب یہ نفس عقد سے پیشگی اجرت کی شرط لگائی

❶..... اخرجه احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۵/۲۹۵)۔ ❷ اخرجه احمد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۵/۲۹۵)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۶۷ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
گئی ہو یا بغیر شرط کے دے دی گئی ہو یا اجرت کی مدت پر عاقدین نے اتفاق کر لیا ہو۔ بنا برائیں اجیر رفتہ رفتہ تھوڑی تھوڑی اجرت کا مستحق ہوتا
رہتا ہے۔ اسی کے بقدر تھوڑا تھوڑا کرایہ دیتا رہے، ہاں البتہ اگر اس کے برخلاف شرط پائی جائے تو پھر کرایہ یوں لازم نہیں ہوگا یا یہاں کوئی ایسی
شرط ہو جو پیشگی اجرت کی مقتضی ہو۔

خلاصہ..... اسلام میں مالک اور مزدور کے درمیان پایا جانے والا تعلق انسانیت، رحمت باہمی تعاون، مساوات، رضا مندی، عرف کی
اساس پر قائم ہے اسی طرح اسلام محنت کار کی اجرت بڑھا کر اس کے اکرام کی ترغیب دیتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تم
میں سب سے زیادہ بہتر شخص وہ ہے جو زیادہ حسن خوبی سے دوسرے کا حق چکا دے“ ❶ اگر اجرت کی مقدار کی تعیین پر صریح اتفاق نہ ہو تو اسلام
عرف عام کو قاضی قرار دیتا ہے، حکومت کو چاہئے کہ وہ مالکان اور مزدور طبقہ کے معاملات میں دخل دے اور ان کی نگرانی کرے تاکہ املاک کی
مصلحت پائمال نہ ہو اور مزدور طبقہ جا رہ دار بھی نہ بن جائے نیز سرمایہ امت کی بدھوتی کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔

چھٹی بحث..... اسٹاک ایکسچینج

تمہید..... یہ بحث عصر حاضر کے اہم معاملات کے حکم اسلام کو شامل ہے جنہیں اسٹاک ایکسچینج یا بازار حصص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بازار
حصص سے مراد کسی متعین جگہ میں زرعی، صنعتی اور کرنسی نوٹوں کی تجارتی سرگرمیاں ہیں جو لوگوں کے درمیان طے پاتی ہیں۔ خواہ سودے کا محل
(سامان) نمونہ وغیرہ کی صورت میں موجود ہو یا غائب ہو یا بوقت عقد سرے سے اس کا وجود ہی نہ ہو لیکن اسے وجود میں لانا ممکن ہو۔ چنانچہ اس
کا معاملہ امر احتمالی ہوگا یا فقہی اصطلاح میں اسے غرر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ بازار حصص حقیقتاً بازار نہیں ہوتا چونکہ بورصہ (بازار حصص) عام فہم بازار سے تین امور کے لحاظ کے مختلف ہوتا ہے۔
۱..... بازاروں اور مارکیٹس میں تمام تر سودے بالفعل موجودہ اشیاء پر مکمل ہوتے ہیں اور طے پاتے ہیں رہی بات بازار حصص کی سبب وہ
سامان کی ہمہ گیر کیفیت کا نام ہے۔

۲..... بازار میں ہر قسم کے سامان کا معاملہ ہوتا ہے، رہی بات بازار حصص کی تو اس کے سامان میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا نہایت
ضروری ہے: وہ سامان ذخیرہ کیا جاسکتا ہو، سامان مثلی ہو اور اس کے لین دین میں تکرار ہو اور طلب و رسد کے اعتبار سے اس کے ثمن میں تغیر
ہوتا رہے۔

۳..... بازاروں اور مارکیٹس میں نرخ متعین اور ثابت شدہ ہوتے ہیں جبکہ بازار زر و زخوں کے معیار پر اثر انداز ہوتا ہے چونکہ بازار
حصص میں بکثرت سودے طے پاتے ہیں، اسی لیے بورصہ (بازار منڈی) کو جنم کہا جاتا ہے۔ بازار زر کی اہم صورت مضاربہ ہے جس میں
خرید و فروخت کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے، بورصہ (بازار حصص) کی تین قسمیں ہیں:
۱..... حاضر سودے کا بازار اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں لین دین کا دار و مدار نمونہ پر ہوتا ہے پھر عقد طے ہوتے وقت کچھ ثمن دے
دیئے جاتے ہیں اور باقی ثمن سامان کی سپردگی کے وقت۔

۲..... کاغذی کرنسی کا بازار..... اس میں مختلف کمپنیوں کے شیئرز فروخت کیے جاتے ہیں یا بونڈز فروخت ہوتے ہیں جن کے نرخ
منڈی کے اپنے متعین کردہ ہوتے ہیں، بسا اوقات یہ دستاویزات موجود ہوتی ہیں اور بسا اوقات بائع ان کا مالک نہیں ہوتا۔

۳..... دیگر معاملات کا بازار..... اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں غیر موجود سامان کا لین دین ہوتا ہے جو قطعی زخوں یا منڈی کے زخوں

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۶۸ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
 کے ساتھ معلق نرخوں سے ہوتا ہے، اس میں سامان مقدوراً تسلیم ہوتا ہے۔
 بازار حصص کی تین مختلف صورتیں:

۱۔ ارجنٹ کارروائی..... اس میں رغبت رکھنے والوں کو اس صورت کی ضرورت کا غذائی نوٹ خریدنے سے پیش آتی ہے، اس کی خرید و فروخت منافع حاصل ہونے پر تمام ہوتی ہے یا بعض انعامی بانڈز پر ملنے والے انعامات پر تمام ہوتی ہے۔
 ۲۔ قابل تاخیر کاروائیاں..... اس کی دو قسمیں ہیں:

الف: معمولی شرط کی کارروائی..... اس صورت میں مضارب کو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ طے شدہ مدت کے اندر اندر بھی عقد کو فسخ کر سکتا ہے اور اس سے قبل بھی اور اگر نرخوں میں بہتری آتی دیکھے تو اس لین دین کو نافذ بھی کر سکتا ہے بایں طور کہ وہ متفق علیہ عوض دے دے۔

ب: مرکب شرط والی کارروائی..... اس صورت میں اختیار بائع ہونے یا خریدار ہونے میں مضارب کو حاصل ہوتا ہے اور جب وہ فسخ عقد میں تصفیہ کے وقت یا اس سے قبل مصلحت دیکھے تو عقد بھی فسخ کر سکتا ہے۔

۳۔ مضاعف کارروائی..... اس صورت میں کمیت کے دو چند ہونے میں مضارب کو حق حاصل ہوتا ہے جس کمیت کو اس نے خرید رکھا ہو یا فروخت کر رکھا ہو۔ اعتبار عقد کے نرخوں کا ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ طے شدہ معاملہ میں کوئی مصلحت دیکھے بایں طور کہ وہ مناسب متفق علیہ عوض دے دے۔

زربادلہ میں مضاربت کا شرعی معنی مختلف ہے چنانچہ بازار زر کی مضاربت یہ ہے کہ معین تصفیہ میں سامان کے نرخوں کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے، یا تو بڑھے ہوئے نرخوں پر مضاربت ہوتی ہے، اس کی صورت یہ کہ مضارب ایک نرخ کے ساتھ سامان خرید لیتا ہے اسے یہ توقع ہوتی ہے کہ نرخ بڑھ بھی سکتے ہیں چنانچہ تاخیر خرید اہو اسامان بڑھے ہوئے نرخوں کے ساتھ فی الحال فروخت کر دیتا ہے اور جو دونوں نرخوں میں فرق ہوتا ہے اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔ یا مضاربت کم نرخوں پر ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نرخوں کے ساتھ سامان فروخت کرتا ہے اور وہ طے شدہ دن میں نرخوں کی ارزانی کا خطرہ مول لیتا ہے اس لئے وہ نقدی ثمن سے فروخت کرتا ہے اور جو منافع مل رہا ہو اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔

دونوں صورتوں میں معاملہ خلاف توقع بھی ہو سکتا ہے اور مضارب کا نقصان اور خسارہ ہو سکتا ہے، یوں بیع ایک احتمال پر مکمل ہوتی ہے نہ ہی یہ سامان فروخت کنندہ کی دسترس میں ہوتا ہے اور نہ ہی ثمن خریدار کی دسترس میں یوں اسی طرح عقد طے ہو جاتا ہے، ثمن اور سامان کی لے دے مکمل نہیں ہوتی جبکہ تصفیہ یعنی طے شدہ دن میں لے دے ہوتی ہے شرعاً یہ سب حرام ہے۔

جبکہ شرعی مضاربت میں عقد کا دار و مدار اس طریقہ کار پر ہوتا ہے کہ ایک عاقد کی طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف سے عمل اور محنت۔

خاکہ بحث..... اس بحث میں دو قسمیں شامل ہیں۔

اول..... کاغذ کرنسی کے بازار حصص کا حکم۔

دوم..... کنٹریکٹ پر ہونے والے دوسرے معاملات کا حکم۔

پہلی قسم..... کاغذی کرنسی کے بازار حصص کا حکم۔

یہاں زر سے مراد شیراز اور بونڈز (اوراق بالیہ) ہیں۔

شیراز..... یہ مشترکہ کمپنیوں میں شرکاء کے حصص ہوتے ہیں۔ چنانچہ کمپنی کا اصل سرمایہ مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، ہر جزو کو حصہ یا شیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، شیر مشترکہ کمپنی کے اصل سرمائے کا حصہ ہوتا ہے، شیر نقد میں حصہ دار کے حق کی نمائندگی کرتا ہے، چونکہ کمپنی کے نفع اور نقصان میں وہ حصہ دار ہوتا ہے، اگر کمپنی کے منافع جات میں اٹھان آئے تو شیر کی قیمت اور ثمن میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ شیرز ہولڈر اپنے حصص کو فروخت کرنا چاہے، اگر کمپنی کے منافع جات میں خسارہ ہو تو حصص کے ثمن میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

شرعاً اور قانوناً حصص کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ شیر کے نرخ متعین اور قطعی ہوں اور اگر حصص کے نرخ بوقت تصفیہ مؤجل (ادھار) ہوں تو جہالت ثمن کی وجہ سے بیع جائز نہیں ہے، چونکہ جمہور علماء کے نزدیک بیع کے صحیح ہونے کے لیے ثمن کا معلوم اور متعین ہونا شرط ہے، امام احمد، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے منقطع نرخوں کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے بیع کو مہر مثل، اجارہ میں اجرت مثل اور بیع میں ثمن مثل پر قیاس کیا ہے۔ البتہ اگر بوقت عقد بالتح شیرز کا مالک نہ ہو تو ان کی خرید و فروخت جائز نہیں، چونکہ شرعاً ایسی چیز کی بیع جائز نہیں جس کا انسان مالک نہ ہو۔

انعامی بونڈز..... بونڈز مالی دستاویزات ہیں اور حکومت یا کسی کمپنی کے ذمہ واجب دین کا ضمان ہوتے ہیں، ان کا منافع مقرر ہوتا ہے جیسے کہ بونڈز جاری کرنے میں کمیشن رکھا جاتا ہے بایں معنی کہ حصہ دار قیمت اس میں (ظاہری قیمت) سے کم پر استحقاق کے وقت واپس کرے گا جبکہ سالانہ فوائد اس کے علاوہ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بونڈز سالانہ منافع پر قرض ہے جس میں نفع و نقصان کی شرط نہیں رکھی ہوتی۔

انعامی بونڈز کے متعلق رائج اور متعین رائے یہی ہے کہ بونڈز کا کاروبار شرعاً حرام ہے، ان کی لین دین کا معاملہ جائز نہیں، چونکہ ہر وہ قرضہ جو نفع کا باعث بنے وہ سود ہوتا ہے بونڈز بھی قرضہ ہے جو نفع کا باعث ہے، یہ تو صریحاً ربوا ہے، کمپنیوں میں اس کا متبادل شیر ہے جس کی خرید و فروخت کی جاتی ہے بایں طور کہ شیرز ہولڈر نفع اور نقصان میں شریک ہوتا ہے، جبکہ بونڈز کا معاملہ اصول شرعی ”لا ضرر ولا ضرار“ کے مخالف ہے اور فقہی قاعدہ ”الغرم بالغنم“ کے بھی مخالف ہے، چونکہ نفع اور نقصان میں حصہ داری برابر برابری ہونی چاہئے، برابری واجب ہے، اور غیر برابری ظلم ہے جبکہ ظلم شرعاً، عقلاً، عرفاً اور قانوناً حرام ہے، نیز بونڈز کا کاروبار سرمایہ دارانہ سودی نظام کا شاخسانہ ہے وہ یہ کہ مال، مال سے پیدا ہو جبکہ اسلام کا نظریہ، یہ ہے کہ مال محنت سے پیدا کیا جائے۔

رہی بات ان لوگوں کی جو عصر حاضر میں بونڈز کے لین دین کو جائز قرار دیتے ہیں جیسے شیخ محمد عبده اور استاذ عبدالوہاب، سوان کی رائے صراحۃً ایسے نصوص کے متصادم ہے جن سے سود کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ان لوگوں نے ایسے مصالح پر اعتقاد کیا جو نص سے متصادم ہیں لہذا ان کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں چونکہ ان کی رائے شرعی ضوابط کے ہم آہنگ نہیں۔

دوسری قسم: معاملات کا بازار حصص..... اس قسم میں انسان کے غیر ملک خرید و فروخت کے حکم پر کلام کیا جائے گا اس کے علاوہ قبل از قبضہ چیز کی خرید و فروخت نرخ کی تعیین کے بغیر عقد کرنا، شرط بیض کے ساتھ ادھار لین دین شرط مرکب کے ساتھ ادھار لین دین، مضاعف کاروبار، سپردگی میں ادھار کا متبادل، بیع الدین بالدين، خدمات کے مقابلہ میں بینکوں کا کمیشن یا ضمان پر بھی گفتگو کی جائے گی۔

اول: غیر مملوک چیز کی خرید و فروخت کا حکم (معدوم کی بیع اور بیع غرر)

جمہور علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ انعقاد عقد کے وقت محل عقد موجود ہو، معدوم چیز کا عقد طے کرنا صحیح نہیں۔ جیسے پیداوار کے ظاہر ہونے سے قبل ہی اس کی بیع کر دی، یہ بھی شرط ہے کہ معقود علیہ کا وجود معرض احتمال میں نہ ہو جیسے ماں کے پیٹ میں حمل کی بیع، تھنوں میں دودھ کی بیع، چونکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ تھن ویسے ہی سوجھے ہوئے ہوں، جیسے سپی میں موتی کی بیع، چنانچہ مستقبل میں جس چیز کا وجود محتمل ہو اس کی بیع صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے مریض کے علاج کا معاملہ طبیب کے ساتھ طے کیا جائے جبکہ مریض مر چکا ہو، چنانچہ مردہ علاج کا محل نہیں ہوتا، اور جیسے جلی ہوئی کھیتی کو کاٹنے کا معاملہ، چنانچہ مذکورہ بالا سب معاملات باطل ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط مطلوب ہے ❶ برابر ہے کہ تصرف خواہ معاملات معاوضہ میں ہو یا معاملات تبرع میں۔ چنانچہ معدوم چیز میں تصرف کرنا باطل ہے، برابر ہے کہ تصرف بیع کا ہو یا ہبہ یا کارہن کا چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملائح کی بیع سے منع فرمایا ہے ❸ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو چنانچہ احمد اور اصحاب سنن نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرضہ اور بیع حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں لگانا حلال نہیں، جس چیز کا ضمان نہ دینے پڑے اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز انسان کی ملک میں نہ ہوں اس کی بیع بھی حلال نہیں۔

چنانچہ فقہانے معدوم چیز کے بیع کے قاعدہ سے بیع سلم، اجارہ اور استعصاء کو مستثنیٰ کیا ہے، باوجود یہ کہ بوقت عقد معقود علیہ معدوم ہوتا ہے استثنائے معاملات جائز ہیں، ان میں لوگوں کی ضرورت کی رعایت رکھی گئی ہے اور یہ معاملات لوگوں کے ہاں معروف بھی ہیں نیز شریعت نے بیع سلم، اجارہ اور مساقات کی اجازت بھی دی ہے۔

مالکیہ نے معاوضات مالہ میں اس شرط پر اکتفاء کیا ہے، تبرعات، ہبہ وقف اور رہن سہن میں اس شرط کو لاگو نہیں کیا۔ ❹ حنابلہ نے یہ شرط عائد نہیں کی بلکہ انہوں نے صرف اس پر اکتفاء کیا ہے کہ ایسی بیع کرنا ممنوع ہے جو غرر پر مشتمل ہو، جیسے ماں کو چھوڑ کر اس کے حمل کی بیع، تھنوں میں بڑے دودھ کی بیع، مگر بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع حنابلہ نے اس کے علاوہ معدوم شے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مستقبل میں اس کا وجود متحقق ہو سکتا ہو، جیسے ڈھانچے یا نقشے کی بنیاد پر گھر کی بیع، چونکہ معدوم کی بیع کے متعلق ممانعت ثابت نہیں، نہ ہی کتاب اللہ میں اور نہ ہی سنت میں اور نہ صحابہ کے آثار میں، البتہ بیع غرر کے متعلق نبی وارد ہوئی ہے، بیع غرر یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع جو مقدور التسلیم نہ ہو۔ برابر ہے کہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو، جیسے بھاگے ہوئے گھوڑے کی بیع، چنانچہ معدوم چیز جو مستقبل میں مجہول الوجود ہو اس کی بیع باطل ہوتی ہے یہ بطلان غرر کی وجہ سے ہے معدوم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شریعت نے تو بعض مواقع میں معدوم کی بیع کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ بدو صلاح کے بعد پھلوں کی بیع کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، ربی بات اوپر بیان کردہ حدیث غیر مملوک چیز کی بیع سے انسان کو منع کیا گیا ہے سو اس میں ممانعت کا سبب غرر ہے، چونکہ سیردگی پر قدرت نہیں ہوتی، اس لیے ممانعت نہیں کہ وہ معدوم ہے۔ ❺ بہر صورت آٹھوں مذاہب اور سبھی فقہاء جن میں ❶ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی شامل ہیں اس پر متفق ہیں کہ انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی بیع جائز نہیں یا تو اس لیے کہ معقود علیہ بوقت عقد معدوم ہے یا اس لیے کہ اس میں غرر ہے، اس کی دلیل مندرجہ ذیل تین احادیث ہیں۔

❶..... المبسوط ۱۲/۱۹۳، البدائع ۵/۱۳۸، فتح القدیر ۵/۱۹۲، مغنی المحتاج ۲/۳۰، المہذب ۱/۲۶۲، ❷ تخریج گزرچلی ہے۔ ❸ مضامین اونٹ کی صلب میں پڑے لطفے کی بیع، ملائح اونٹنیوں کے بطن میں پڑے حمل کی بیع۔ ❹ اشرح الصغیر ۳/۳۰۵، القوانین الفقہیہ ص ۳۶۷ ❺ المغنی ۳/۲۰۰ نظریۃ العقد لابن تیمیہ ص ۲۲۴ ❻ المراجہ السابقة۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۱ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

۱..... حکم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کوئی شخص آجاتا ہے اور ایسی چیز کی بیع کا مجھ سے مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی، پھر وہ چیز میں بازار سے اس کے لیے خرید لیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اسے فروخت مت کرو۔

۲..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث جسے احمد اصحاب سنن اربعہ اور دارمی نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع اور قرضہ حلال نہیں، جس چیز کا ضمان نہ بھرنے پڑے اس کا نفع حلال نہیں اور جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع بھی حلال نہیں۔

۳..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر اور کنکری مار کر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز کی سپردگی سے بائع عاجز ہو اس کی بیع باطل ہے یعنی جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو اس کی بیع باطل ہے، جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع، بد کے ہوئے اونٹ کی بیع، بھاگے ہوئے گھوڑے کی بیع، غاصب کے ہاتھ میں مغضوب مال کی بیع، دشمن کے قبضہ میں زمین یا گھر کی بیع چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری مار کر بیع کرنے سے اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔ ❶

بیع غرر کی عدم صحت پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ جیسے تھنوں میں دودھ کی بیع، بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع سپی میں موتی کی بیع، پیٹ میں پڑے حمل کی بیع، پانی میں تیرتی مچھلی کی بیع، شکار پکڑنے سے قبل اس کی بیع اور دوسرے کا مال خریدنے سے قبل اس کی بیع، چونکہ بائع فی الواقع ایسی چیز کو فروخت کر رہا ہے جو فی الحال اس کی ملکوت نہیں، برابر ہے کہ مچھلی دریا میں ہو یا سمندر میں یا زمین میں، یعنی مچھلی معرض خطر میں ہے اور بغیر شکار کرنے کے اس کا پکڑنا ناممکن ہے، خواہ غرر بیع میں ہو یا شمن میں۔ ❷

دوم: مملوک چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو چیز دوسرے مالک سے قبضہ میں نہ لی ہو اسے آگے فروخت کرنا جائز نہیں، لیکن اس حکم کے عموم اطلاق اور تنقید کی حد بندی میں فقہاء کا اختلاف ہے، چونکہ اس حکم کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ شافعیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبضہ کرنے سے پہلے بیع میں تصرف کرنا مطلقاً ممنوع ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل از قبضہ مقبولات میں تصرف کرنا ممنوع ہے زمین میں نہیں۔ مالکیہ نے غلہ کے علاوہ میں قبل از قبضہ تصرف کرنا جائز قرار دیا ہے، حنابلہ نے غیر عددی، غیر مملکی اور غیر موزونی اشیاء میں قبل از قبضہ تصرف جائز قرار دیا ہے، ان کے قریب قریب زیدیہ اور امامیہ بھی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ غلہ کے علاوہ باقی اشیاء میں قبل از قبضہ تصرف جائز قرار دیا ہے۔

شافعیہ، امام محمد و امام زفر رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں جس چیز کی ملکیت میں استقرار اور استحکام نہ آیا ہو قبضہ سے پہلے مطلقاً اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، خواہ وہ چیز منقول ہو یا غیر منقول، چونکہ جس چیز پر قبضہ نہ کیا ہو اس کی بیع کرنے کی ممانعت میں عموم ہے حدیث یہ ہے بیع اور قرضہ حلال نہیں، جس چیز کا ضمان نہ بھرنے پڑے اس کا منافع حلال نہیں اور جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کی بیع حلال نہیں۔ جس چیز کا ضمان نہ بھرا ہو اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس چیز پر قبضہ نہ کیا ہو، چونکہ سامان تلف ہونے سے پہلے خریدار کے ضمان میں ہیں، چونکہ بسا اوقات سامان ضائع ہو جاتا ہے اور عقد فسخ ہو جاتا ہے، گویا اس میں بلا حاجت غرر ہے لہذا جائز نہیں گویا اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے۔ ❸

❶..... البدائع ۲/۵۹۵، بدایۃ المجتہد، ۲/۱۵۶، المہذب ۱/۲۶۳، المغنی ۳/۲۰۲۔ ❷ المجموع للسنوی ۹/۲۸۰،

قواعد الاحکام للعز بن عبدالسلام ۲/۶۷۷ نیل الماوطار ۵/۱۳۸۔ ❸ مغنی المحتاج ۲/۶۸، المہذب ۱/۲۶۲

سیحین کی رائے..... حنفیہ کے نزدیک شیخین (امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے مفتی بہ اور قابل اعتماد ہے، وہ یہ کہ قبل از قبضہ بیع منقول میں تصرف جائز نہیں، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ نہی منہی عنہ کے فساد کی موجب ہے۔ نیز اس بیع میں غرر بھی ہے چونکہ معقود علیہ کے ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے، چنانچہ خریدار کو پتہ نہیں ہوتا کہ بیع باقی رہے گی یا قبضہ سے پہلے ضائع ہو جائے گی پہلی صورت میں بیع باطل ہوتی ہے اور دوسری صورت میں بیع صحیح ہو جاتی ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہو۔

رہی بات غیر منقولی چیز زمین اور گھر کی سو قبل از قبضہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے، یہ استحساناً جائز ہے اور جواز بیع کے عمومی دلائل بلا تخصیص اس کی دلیل ہیں۔ چنانچہ عموم کتاب کی

خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں اور زمین میں غرر ہوتا نہیں، چونکہ زمین کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا لہذا زمین میں غرر نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے مذہب میں قبل از قبضہ بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے، جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں بازار حصص میں منقولی اشیاء کی خرید و فروخت کی جاتی ہے منقولی اشیاء مثلاً ہوتی ہیں، زمین کی خرید و فروخت نہیں ہوتی چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بازار حصص میں غیر منقولی اشیاء کی قبل از قبضہ خرید و فروخت جائز نہیں۔ اگر یہ بیع ہو گئی تو حنفیہ کے نزدیک فاسد ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک باطل ہوگی۔

مالکیہ..... نے غلہ جات میں قبل از قبضہ بیع کے ممنوع ہونے کو مقصود رکھا ہے جبکہ غلہ، کیل، وزن یا عدد کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہو، اگر بیع غلہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہو یا اندازے کے ساتھ غلہ ہی فروخت کیا جا رہا ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، چونکہ غلہ غالب احوال میں متغیر اور خراب ہو جاتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جسے اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے کا بھی یہی مفہوم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غلہ خریدے وہ قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے فروخت نہ کرے، مالکیہ کے نزدیک قبل از قبضہ بیع کے ممنوع ہونے کی علت یہ ہے کہ اس طرح بیع بسا اوقات ربانسیہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، یہ غلہ کے بدلہ میں غلہ کی بیع کے مشابہ ہے لہذا اسد ذرائع کے لیے ممنوع ہے۔ ❶

حنابلہ..... کہتے ہیں: اگر شے مکملی یا موزونی یا عددی ہو تو قبل از قبضہ اس کی بیع جائز نہیں، چونکہ مکملی موزونی اور عددی چیز کو سہولت کے ساتھ قبضہ میں لیا جاسکتا ہے اور ان اشیاء پر قبضہ کرنا دشوار نہیں ہوتا، حنابلہ نے حدیث سابق کے مفہوم سے بھی استدلال کیا ہے، اس میں نہی کی غلہ کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلہ کے علاوہ بقیہ اشیاء کی بیع قبل از قبضہ جائز ہے۔ کیل وزن اور عدد کی شرط اس لیے ہے کہ مکملی، موزونی اور عددی چیز مشتری کے ضمان میں تبھی منتقل ہوتی ہے جب کیل، وزن اور عدد کے ساتھ اسے ناپ تول اور گن لیا جائے، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس کا ضمان نہ بھرا گیا ہو، چنانچہ حنابلہ کے نزدیک بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے۔ ❷

رہی بات غیر مکملی، غیر موزونی اور غیر عددی اشیاء کی سو حنابلہ کے نزدیک قبل از قبضہ ان کی بیع جائز ہے بنا برائیں مالکیہ کے نزدیک قبل از قبضہ خریدار بیع میں تصرف کر سکتا ہے برابر ہے فروخت کردہ سامان منقولات میں سے ہو یا غیر منقولات میں سے جیسے زمین، درخت وغیرہاں البتہ مکملی، موزونی اور عددی غلہ میں قبل از قبضہ تصرف جائز نہیں، حنابلہ کے نزدیک غیر مکملی، غیر موزونی اور غیر عددی اشیاء جو بازار حصص میں لین دین میں آتی ہوں قبل از قبضہ ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔ گویا ان دو مذہب میں موانع اور رکاوٹیں دور کر کے سپردگی تخلیہ اور خریدار کے قبضہ سے بیع جائز ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۷۳ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

ظاہریہ..... نے بالخصوص گندم کے علاوہ بقیہ اشیاء کی خرید و فروخت قبل از قبضہ جائز قرار دی ہے، ان کا استدلال ظاہر حدیث سے ہے، ظاہریہ کے نزدیک ”طعام کا اطلاق صرف گندم پر ہوتا ہے، اور قبضہ کا معنی یہ ہے کہ بائع خریدار کے ہاتھ کو کھلا چھوڑ دے اور بیع اور خریدار کے درمیان رکاوٹ نہ بنے۔ ①

امامیہ کہتے ہیں..... جس چیز پر قبضہ نہ کیا ہو اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، مکملی اور موزونی اشیاء کی بیع قبل از قبضہ مکروہ ہے، طعام میں کراہت اور زیادہ منوکرہ ہو جاتی ہے۔ ②

زید یہ کہتے اگر بیع غیر مکملی اور غیر موزونی ہو تو قبل از قبضہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ ③

بظاہر شافعیہ کی رائے رائج ہے چونکہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قبل از قبضہ چیز کی بیع سے عموماً منع کیا گیا ہے، اس کی تائید زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان کو آگے فروخت کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ تجار سامان کو سمیٹ کر اپنے پالانوں میں نہ لے آئیں (یعنی قبضہ نہ کر لیں)۔ نیز قبل از قبضہ چیز میں ملکیت ضعیف ہوتی ہے اور اس کے حصول اور عدم حصول کا احتمال ہی ہوتا ہے۔

سوم: نرغوں کی تحدید کے بغیر خرید و فروخت..... آٹھوں مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع منعقد ہونے کے وقت ثمن کا معلوم اور متعین ہونا شرط ہے، ثمن مجہول کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے، علاوہ ازیں ثمن کی جنس، صفت اور مقدار کا متعین کرنا بھی ضروری ہے ④ بنا برائیں فقہاء کے نزدیک منقطع نرغوں یا متعین دن بازار کے نرغوں یا کسی تحدید کی وقت کے نرغوں کے ساتھ خرید و فروخت جائز نہیں۔ البتہ امام احمد کے نزدیک مستقبل میں معین تاریخ میں منقطع نرغوں کے ساتھ ثمن متعین کے بغیر عقد صحیح ہے چونکہ یہ بیع لوگوں میں متعارف ہے اور ہر زمانہ میں تعامل میں رہا ہے، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اس رائے کو رائج قرار دیا ہے، اور اس سے ان کی مراد بیع کے وقت بازاری قیمت ہوتی ہے مستقبل میں کسی نرخ کی مراد نہیں ہوتی۔ ⑤

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سبھی مذاہب بازار حصص میں بیع حالی یعنی موجود سامان کو بازار قیمت کے ساتھ متعین دن میں فروخت کیا، حتیٰ کہ ابن تیمیہ، ابن قیم نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد نے بازاری قیمت کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا ہے، مستقبل کے کسی نرخ کے ساتھ نہیں، جسے مثلاً کسی شخص نے گوشت اس دن کے نرغوں کے ساتھ خریدا پھر مینے کے آخر میں حساب کتاب کر کے ثمن دے دیئے اسی کو بیع اسخر ار کہا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے بعض اساتذہ نے بعض حنا بلہ کی رائے کو اپنایا ہے اور مارکیٹ ریٹ کے ساتھ جو کسی متعین دن کا ہو بیع کو جائز قرار دیا ہے، چونکہ متعقدین اس پر رضامند ہوتے ہیں اور چونکہ اس صورت میں ثمن کی جہالت نزاع تک نہیں پہنچتی، ان اساتذہ نے ابن تیمیہ کے قول سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس کا رواج ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔

چہارم: شرط بسیط کے ساتھ ادھار کا رواج..... جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ خریدار کو مدت کے اندر فسخ عقد کا حق حاصل ہوتا ہے جب وہ اچھے نرخ نہ دیکھے تو فسخ کر سکتا ہے، بشرطیکہ فریق ثانی کو اولاً عوض دیئے ہوں اور واپس نہ لئے ہوں، اس کو شرط بسیط کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کے کاروبار کا حکم ”شرط خیار“ کی روشنی میں فقہ میں معلوم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ظاہریہ کے علاوہ سبھی فقہاء نے خیار شرط کو جائز

①..... المحلی ۲۹۲/۱۔ المختصر النافع فی فقہ الامامیہ ص ۱۴۸۔ ② منہاج الصالحین ۵۱/۲۔ ③ المبسوط ۳۹/۱۳ البدائع ۵۸/۵ فتح القدیر ۵/۱۳ ردالمحتار ۳/۳۰، الشرح الکبیر للردیر ۱۵/۳ القوانين الفقہیہ ۲۵۷ مغنی المحتاج ۱۷/۲، المہذب ۲۶۶/۱، المغنی ۱۸۷/۲۔ ⑤ غایۃ المنتہی ۱۴/۲ نظریہ العقد لابن تیمیہ ۲۲۔

قراردیا ہے۔ ❶

امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کہتے ہیں: متعین جو تین دن سے زائد نہ ہو کے اندر اندر شرط خیار جائز ہے، ان کی دلیل حضرت حبان بن منقر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ ہم نے روایت کی ہے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی میں لین دین میں دھوکہ کھا جاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم لین دین کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکہ نہیں ہوگا اور مجھے تین دن کا خیار حاصل رہے گا۔

امام ابو یوسف، امام محمد، حنابلہ، امامیہ اور زیدیہ نے متعین مدت میں شرط خیار کو جائز قرار دیا ہے خواہ جتنی مدت پر بائع اور مشتری اتفاق کر لیں، مدت قلیل عہد یا کثیر، چونکہ خیار کا دار و مدار شرط پر ہوتا ہے لہذا اس کے تخمینہ کو طے شدہ شرط کی طرف راجع کیا جائے گا۔ مالکیہ نے بقدر حاجت خیار کو جائز قرار دیا ہے اور حاجت مختلف احوال میں مختلف ہوتی ہے چونکہ پھولوں کی خرید و فروخت میں مدت خیار ایک دن ہے، کپڑوں اور چوپائے میں تین دن رہیں، زمین میں تین دن سے زائد اور گھر وغیرہ میں مہینہ کی مدت ہے۔

مالکیہ، حنابلہ اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق شرط بسیط والے ادھار کا روبرو جائز ہوں گے بشرطیکہ حق خیار کے استعمال کی مدت متعین ہو۔ اسی طرح کے کاروبار میں مدت خیار متعین ہوتی ہے اور یہ ایسا درمیانی وقفہ ہوتا ہے جو وقت عقد سے لے کر تصفیہ کے وقت تک ہوتا ہے اور متفق علیہ شرط کے ساتھ مال دے دینا جائز ہے چونکہ مسلمان اپنی شرائط پر کاربند ہوتے ہیں۔ لیکن عوض کے ساتھ خیار شرط کو ساقط کرنا جائز نہیں، چنانچہ ہمارے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے معاوضہ دے کر خیار ساقط کرنے پر صلح کر لی خواہ معاملہ بیع و شراء کا ہو یا اجارہ کا تو یہ صلح صحیح نہیں ہوگی۔ چونکہ خیار استفادہ مال کے لیے مشروع نہیں ہوا بلکہ خیار تو غور و فکر کے لیے مشروع ہوا ہے، لہذا خیار کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔

پنجم: مرکب شرطی کاروبار..... یہ ایسا کاروبار ہوتا ہے اس میں بائع کو خریدار عقد متصل کرے یا عقد فسخ کر دے یا تصفیہ کے وقت نرخوں کے بدلنے بدلنے کے مطابق حسب رائے فروخت کنندہ رہے یا تصفیہ سے قبل مقابلہ میں معاوضہ زیادہ ہو جو بسیط شرطی کاروبار میں دیا ہو جو مالک کو دے۔

بسیط شرطی کاروبار کی طرح یہ بھی جائز ہے چونکہ جمہور علماء نے بقدر حاجت خیار شرط کی مدت میں شرط لگانے کو جائز رکھا ہے۔

ششم: چند در چند کاروبار..... یہ ایسا کاروبار ہوتا ہے کہ اس میں عاقدین بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کو فروخت کی ہوئی یا خرید ہوئی کمیت کے چند در چند کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے عقد کے دن کے نرخوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے، اور عوض کی قیمت زائد کی کمیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، یہ قسم بھی جائز ہے بشرطیکہ چند در چند کمیت متعین ہو، چونکہ شرط اضافی کے ساتھ عقد کی تعدیل جائز نہیں اور اصل ثمن پر عوض کا اعتبار ہوگا اور مسلمان اپنی شرائط کا اعتبار کرتے ہیں۔

ہفتم: ادھار کے بدل کا حکم..... جب ثمن اور بیع کی سپردگی طے شدہ وقت پر عمل میں لائی جائے تو بلا تردد معاملہ اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے، البتہ اگر سپردگی کے معاملہ میں عاقدین کا ادھار پر اتفاق ہو جائے جو عوض کے مقابلہ میں کسی تیسرے شخص کو دیا جائے اور وہ شخص معاملہ کو اپنی طرف منتقل ہونے کو قبول کرتا ہے اور یہ عاقدین کے علاوہ ہوتا ہے تو یہ عوض واضح سود ہے چونکہ اس میں دین حالی کو ادھار ثمن اور کچھ اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہوتا ہے یہ ربا جاہلیت کی طرح ہے کہ یا سرمایہ دوڑو نہ اضافہ کرو، چونکہ معاملہ کا خریدار اصل خریدار کی جگہ پر آ جاتا ہے

❶..... المبسوط ۱۲/۴۰، البدائع ۵/۱۷۴، المدونہ ۳/۲۲۳، المنتقى على الموطأ ۵/۱۰۸، المہذب ۱/۲۵۸، مغنی

المحتاج ۲/۴، المغنی ۳/۵۸۵، غایۃ المنتہی ۲/۳۰، بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۷، المحلی ۹/۲۲۸

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۵ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اور رقم کا فائدہ لیتا ہے جسے عائد اصلی دیتا ہے، اور یہ اصل سود ہے۔ چونکہ عوض دہندہ مجبوراً دیتا ہے تاکہ معاملہ ادھار ہو جائے اور اسے نرخوں کے تبدیل ہونے کی امید ہوتی ہے، اور اسے تبرع کرتے ہوئے نہیں دے رہا ہوتا جیسے گذشتہ تین صورتوں میں، اور جیسے لینے والا دستبرداری کے حق کے مقابلہ میں عوض نہیں لیتا، جیسے گذشتہ تین صورتوں میں۔

ہشتم: بیع الدین بالدين (دین کے بدلہ میں دین کی بیع)..... دین ذمہ میں ثابت شدہ چیز ہوتی ہے جیسے بیع کے ثمن، قرض کا بدل، منفعت کے مقابل کی اجرت، تلف شدہ چیز کا تاوان اور عقد سلم میں مسلم فیہ۔
دین کی بیع یا تو اسی شخص کے لیے ہوگی جس کے ذمہ میں دین ہو یا کسی اور کے لیے، دونوں صورتوں میں دین کی یا تو فی الحال بیع ہوگی یا ادھار ہوگی جسے بیع مؤجل کہا جاتا ہے۔

دین کی بیع ادھار ہو..... جسے بیع الکالی بالکالی کہا جاتا ہے یعنی دین کی بیع دین کے ساتھ شرعاً یہ ممنوع ہے، چونکہ دارقطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے نافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بیع الکالی بالکالی (یعنی دین کی بیع ادھار کے ساتھ) سے منع کیا گیا ہے، باوجود یہ کہ حدیث ضعیف ہے تاہم فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ دین کی بیع دین کے ساتھ ناجائز ہے۔ خواہ بیع مدیون کے لیے ہو یا غیر مدیون کے لئے۔

پہلی صورت..... یعنی مدیون کے لئے دین کی بیع ہو جیسے مثلاً ایک شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میں نے تم سے یہ سامان ایک دینار کے ساتھ خرید لیا اس طور پر کہ ایک ماہ کے بعد عوضین کی سپردگی عمل میں آئے گی یا کوئی شخص ادھار کوئی چیز خریدے جب عوض چکانے کی مدت پوری ہو تو بائع کوئی چیز نہ پائے جس سے دین کی دانگی کر سکے، وہ خریدار سے کہے: مجھے یہ چیز ایک مدت تک کے لیے فروخت کر دو کچھ زائد عوض کے ساتھ تاہم ان کے درمیان قبضہ نہ ہو، یہ حرام سود ہے چونکہ قاعدہ ہے ”مدت میں اضافہ کرو میں مقدار بڑھا دوں گا“ جیسا کہ ساتویں نوع میں گزر چکا ہے۔

دوسری صورت کی مثال..... یعنی دین کے بیع غیر مدیون کے لیے ہو جیسے مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے، میں نے تمہیں اپنا سامان جو اتنے مال کے بدلہ میں فلاں کے پاس ہے تمہیں فروخت کر دیا ہے جو تم مجھے ایک ماہ بعد دو گے، یہ بھی حرام ہے۔
چنانچہ بازار حصص کے اکثر کاروبار بیع الدین بالدين کی صورت میں طے پاتے ہیں اور عوضین کی سپردگی عمل میں نہیں لائی جاتی جیسا کہ یہ ملحوظ بھی کیا جاتا ہے تو یہ جائز نہیں چنانچہ فی الفور سودے کا نفاذ ضروری ہے جو تاخیر اور ادھار کے بغیر ہو۔

اگر دین کی بیع بوزی نقدی فی الحال ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ ظاہر یہ کہ علاوہ جمہور علماء نے دین کی بیع اس شخص کے ساتھ جس پر دین ہو، یا دین کا بہہ جو اسی کو ہو جائز ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے دین کی بیع غیر مدیون کو جائز قرار نہیں دیا، مالکیہ نے اس بیع کو آٹھ شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جو بیع کو غرر اور سود سے دور رکھتی ہیں ① یہاں اس کی تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ چونکہ بیع کی یہ صورت بازار حصص میں موجود نہیں ہوتی چونکہ بازار حصص میں اکثر کاروبار ادھار پر ہوتے ہیں۔

نہم: بینکوں کا کمیشن جو خدمات اور ضمان کے مقابلہ میں ہوتا ہے..... بینک چوکیداری، زمین کی اجرت، اشاک اور حفاظت اور حساب و کتاب کے مقابلہ میں جو رقم یا کمیشن لیتا ہے وہ شرعاً جائز ہے چونکہ یہ کمیشن منفعت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور منافع و اعمال

①..... البدائع ۱۴۸/۵، تکمیلہ عابدین ۳۲۶/۲، الشرح الكبير للدرر ۶۳/۳، بداية المجتهد ۱۴۶/۲، المہذب ۲۶۲/۱، المغنی ۱۲۰/۳، غایۃ المنتہی ۸۰/۲، کشاف القناع ۲۳۷/۴، المحلی ۷/۹، اصول البیوع الممنوعہ للشیخ عبدالسمیع ص ۱۹، الغرر واثره فی العقود للذکور الصدیق محمد الضریر، ص ۳۱۵۔

اور محنت کاری کا اجارہ شرعاً جائز ہے۔

رہی بات اس کمیشن کی جو بینک ودیعت رکھے ہوئے مال پر خدمات سے زائد لیتا ہے یا قرضہ جات پر زائد مال لیتا ہے فعلی طور پر غیر محیط ضمان لیتا ہے وہ غیر مشروع ہے، ہاں البتہ بینک کسٹمر کو شرکت صحیحہ میں داخل کر دے یا شرعی مضاربیت ہو اور بازار حصص میں خرید و فروخت فی الحال ہو، رہی بارادھار پر خرید و فروخت کی سہ میں نے غرر اور غیر ملک میں تصرف کرنے کی وجہ اس کے ناجائز ہونے کو بیان کر دیا ہے۔ ❶

خلاصہ..... بازار حصص میں خرید و فروخت کا حکم درج ذیل ہے۔

۱..... سودا حاضر ہو یعنی شیئر زدے کران کی قیمت وصول کر لی جائے، یہ صورت جائز اور حلال ہے۔

۲..... سودا حاضر ہو لیکن اس کے نرخ تصفیہ کے دن تک مؤخر کر دے گئے ہوں تو جمہور علماء کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں، البتہ بعض معاصر علماء نے امام احمد، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی رائے کو حجت بنا کر منقطع نرخوں کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

۳: ادھار معاملات..... اس طرح کے معاملات بازار حصص میں بعض اوقات طے پاتے ہیں، یہ معاملات ناجائز نہیں چونکہ ان میں انسان ایسی چیز فروخت کرتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی لہذا غرر ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے چونکہ قبل از قبضہ یہ بیع ہے، میں شافیہ کے مذہب کی اس رائے کو رائج سمجھتا ہوں اور یہ دین کے ساتھ دین کی بیع ہے۔

ادھار معاملات کا متبادل بیع سلم ہے جو شرعاً جائز ہے، چنانچہ عقد سلم لفظ بیع کے ساتھ جائز ہے اور بوقت عقد معقود علیہ کا موجود ہونا شرط نہیں، اور یہ بھی شرط نہیں کہ معقود علیہ مسلم الیہ کی ملک میں ہو بلکہ معقود علیہ کا بوقت سپردگی موجود ہونا کافی ہے۔ البتہ عقد سلم میں شرط ہے کہ عقد ربانیہ پر مشتمل نہ ہو۔

ساتویں بحث..... سرمایہ کاری کی آمدنی اور منافع

آمدنی میں ترقی اور مالی اضافہ اسلامی قاعدہ ہے اور معاشی اصول ہے چونکہ آمدنی بڑھانے میں معاشی ترقی ہے اور تجارتی تحریک کی دوڑ میں حصہ داری ہے، اسی سے آسودگی، خوشحالی اور بہتری آتی ہے

اسی لیے اسلام نے تجارت کی ترغیب دی ہے اور کسب معاش پر اکسایا ہے، حصول نفع کے لئے اللہ تعالیٰ تجارت میں برکت عطا کرتا ہے، پیداوار میں ترقی ہوتی ہے، اسلام نے محنت کاری اور عمل کو حصول نفع کی اساس قرار دیا ہے۔ اسلام میں مشروع معاملات ہی کی ترغیب ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا..... البقرة ۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

چنانچہ تجارتی لین دین اور معاملات مشروع کمائی ہے اور یہ حلال ہے، سود اور فائدہ حرام ہے چونکہ نقد دے نقد نہیں پیدا ہوتے، چنانچہ وہ کمائی جو سودی معاملہ سے حاصل ہو وہ حرام ہے، چونکہ سود میں محنت و مشقت نہیں ہوتی جبکہ اسلام ایسے اعمال کو معیشت کی روح قرار دیتا ہے جن میں محنت و مشقت ہو جبکہ سود اور زنا منافع اور فائدہ، ظلم و استبداد ہے اور زنی نفع اندوزی ہے سود ہی ایسا عامل ہے جو افراط زر، ذخیرہ اندوزی، مالدار اور فقراء کے درمیان فرق کا نشان ہے بلکہ اسلام گندی اور خبیث کمائیوں کو حرام قرار دیتا ہے جیسے غصب، رشوت، چوری، چکاری و رملات وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ..... النساء ۲۹

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۷ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ لایہ کہ یا ہی رضا مندی سے تجارت ہو۔

اس کے علاوہ بھی بہت ساری قرآنی آیات ہیں جو تجارت اور دوسرے پیشوں کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ..... سورة الحجۃ ۱۰/۶۲

جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و خیر کو تلاش کرو۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ ثَرْوِهَا ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ سورة الملك ۱۵/۶۷

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو رام کر دیا ہے لہذا تم اس کے مونڈھوں پر چلو پھرو اور اس کا رزق کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

تجارت کی صفائی اور بابرکت ہونے کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يَزْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبْوَئَرَ ۝ سورة فاطر ۲۹/۳۵

وہ ایسی تجارت چاہتے ہیں جس میں خسارہ (اور مندی) نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ کوئی کمائی پاکیزہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی

اور صاف ستھری تجارت۔ ① یعنی تجارت جس میں ملاوٹ نہ ہو، خیانت نہ ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: نو حصے رزق

تجارت میں ہے۔ ②

جدید معاشی نظام میں آمدنی اور سرمایہ کاری کے مشروع طریقہ بھی پائے جاتے ہیں، جو دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان طے پاتے ہیں، جو عموماً شرکت مضاربت کی صورت میں ہوتے ہیں اور بہت سارے کھاتے دار بینک وغیرہ میں بھی شریک ہوتے ہیں، چنانچہ بینک سے کمائی کا طریقہ عصر حاضر میں زیادہ مرغوب سمجھا جاتا ہے اور جمع شدہ منجملہ مال کو آمدنی میں لگانے کا ذریعہ بھی ہے تاکہ مال محفوظ بھی رہے اور پیداوار بھی لائے۔

خاکہ بحث..... عائد (فائدہ بچت آمدنی) سے کیا مراد ہے عائد اور ربح (منافع) میں کیا فرق ہے؟ عائد کی اقسام کون کونسی ہیں اور ان کا حکم کیا ہے؟ سرمایہ کاری میں عائد کی تحدید کا شرعاً کونسا بہتر طریقہ ہے؟

وہ کونسا شرعی طریقہ ہو سکتا ہے جس سے سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی بچت اور آمدنی کی کوئی حد مقرر کی جاسکے؟

وہ حالات جن میں سرمایہ کار متغیر ہو جاتے ہیں کیا وقفہ دوری میں فیصدی تناسب ربح یا عائد کی تقسیم جائز ہے؟

اگر سارے سرمایہ کار سابقہ طریقہ پر اتفاق کر لیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

ایسے حالات جن میں اپنا حصہ قبضہ کر لینے والے گاہک پر رجوع ممکن نہیں پھر مدت کے آخر میں منافع ظاہر نہیں ہوا، بھلا حساب کیسے

ہوگا؟ فرق کس کو برداشت کرنا پڑے گا، کمپنی کو یا سرمایہ کار کو یا کسی اور کو؟

جب بینک نے محافظ اور سرمایہ کار ادارے کی صورت اختیار کر لی ہے جو سرمایہ کاروں کا نائب بن کر حصے تقسیم کرتا ہے کیا بینک کے لیے

جائز ہے کہ وہ اپنے لیے اجرت الگ کرے جو ربح (منافع) سے ایک نسبت کے ساتھ محسوب ہو؟ کیا متعین شرح کے ساتھ قطعی رقم بینک

اجرت میں کاٹ سکتا ہے؟ کیا بینک پر اس کی وضاحت کرنا واجب ہے؟

وہ کوئی ذمہ داریاں ہیں جو عقد مضاربت میں کمپنی کو نبھانی پڑتی ہیں؟

①..... البزار وصححه الحاكم عن رفاعه بن رافع (سبل السلام ۳-۴) ② حيث حسن عن نعيم بن عبد الرحمن الزاوي ويحيى بن

جابر الطائي مرسلًا (الجامع الصغير للسيوطي ۱-۱۳۰)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۸ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اگر مضاربیت میں عامل شرکہ (کمپنی) ہو (جو مستقل شخصیت معنوی رکھتی ہے) تو کیا ملازمین کی تنخواہیں اور ادارہ کے اخراجات جملہ ذمہ داریوں کے ضمن میں متصور ہوں گی؟

کیا سرمایہ کاروں کی ادارہ میں دخل اندازی سے دستبرداری جائز ہے؟
کیا عائد کا یومیہ حساب جائز ہے؟ میں اسی ترتیب سے ان تمام عناصر پر بحث کروں گا۔

عائد سے کیا مراد ہے؟ عائد اور رخ میں فرق:

عائد استثمار..... میکسر اور اخراجات نکالے بغیر جو منافع حاصل ہو وہ عائد ہے۔ یہ سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع ہوتا ہے جسے آمدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رخ..... ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رأس المال سے فاضل آمدنی رخ (منافع) ہے۔ اگر رأس المال سے فاضل آمدنی نہ ہو تو وہ رخ نہیں ہوگا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ❶ جیسا کہ زیلعی کہتے ہیں: رخ رأس المال کے تابع ہوتا ہے، اگر اصل سرمایہ سلامت نہ رہے تو رخ (منافع) بھی سلامت نہیں رہتا۔ ❷

رخ کا اعتبار اجرت کے بعد ہوگا جو آمدنی کے نوع ثانی ہے اور اسلامی معیشت میں مقرر ہے اور جو بھی سرمایہ کاری یا تجارت کے عمل میں جتا ہو وہ رخ کا مستحق ہوتا ہے۔ اور رخ (منافع) تنظیم کا عائد ہوتا ہے یعنی عمل کرنے والا (مضارب، تاجر) جو کہ منصوبے کو قائم کرتا ہے پیداوار اور آمدنی کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے شرکاء، منجز، ملازمین، کارکن اور مزدور بھی شریک ہوں گے، تجارت میں لگایا گیا اصل سرمایہ حصہ داری کے مقابلہ میں اجرت کا متقاضی نہیں ہوتا بلکہ جو آمدنی ہو اس میں حصہ داری کا متقاضی ہے۔ اگر سرمایہ کا مالک دوسرے شخص کو سرمایہ دے کہ وہ اس سے تجارت کرے تو خسارہ اصل سرمایہ دار کو برداشت کرنا پڑے گا اور جو نفع ہوگا وہ طے شدہ شرح کے ساتھ مالک اور عامل کے درمیان تقسیم ہوگا۔

رخ کا حصول یا تو اجرت کی صورت میں ہوگا یا کاروبار میں بالفعل مشغول ہو جانے سے ہوگا اور جو عقد میں طے شدہ اجرت سے ہو، اور جب نقدی مال کی صورت میں یا کسی دوسرے شخص سے جس کی صورت میں منافع ہو یا کسی تنظیم سے تقسیم رخ کی اساس پر ہو تو اس صورت میں اس عمل کو منظم کہا جاتا ہے۔

یوں چند کاریگروں کا کسی ایک کام میں شراکت کر لینا ممکن ہے جیسے کپڑے سینے، دھونے یا کسی اور کام میں شریک ہو جائیں، پھر صافی نفع جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہو آپس میں تقسیم کر لیں۔ جیسے وکلاء انجینئرز اور اطباء وغیرہم تنظیم کی صورت میں شراکت قائم کر سکتے ہیں اور سرمایہ کاری کی خدمات سے حاصل ہونے والے منافع جات کو طے شدہ شرح کے ساتھ آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

عائد اور رخ میں غالب احوال میں مختلف خصائص اور ضوابط کے ساتھ شراکت داری کی جاسکتی ہے، عائد اور رخ کا ضمان نہیں ہوتا، برعکس سودی فائدہ کے چنانچہ سودی فائدہ کا ضمان ہوتا ہے۔

اگر مضارب کل رأس المال یا بعض مضارب ثانی کو دے دیا ہو تو اس صورت میں عائد کا ضمان ہوتا ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے یا اگر مضارب نے مضاربیت کا مال ذاتی مال کے ساتھ مخلوط کر لیا ہو تو بھی عائد کا ضمان ہوگا۔ چونکہ اس صورت میں مضاربیت فاسد ہوتی ہے، اگر مضاربیت فاسد ہو جائے تو رخ (منافع) سارے کا سارا رب المال کا ہوتا ہے اور عامل کو جمہور فقہاء (حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ ❸) کے نزدیک

❶..... المغنی ۵/۵۱ ❷ تبیین الحقائق ۵/۶۷ ❸ المسبوط ۲۲/۲۲، البدائع ۶/۱۰۸، تکملہ فتح القدیر ۷/۵۸، مختصر

الطحاوی ۲۳۰ مغنی المحتاج ۲/۳۱۵، غایۃ المنتہی ۲/۷۹

اجرت مثل ملے گی، بشرط کہ مضارب بت کا فساد سرمایہ کار مودعین کی اجازت سے ختم ہو جاتا ہے درحالیہ کہ وہ اپنے اموال دوسرے لوگوں کے ساتھ مخلوط کر لیں جیسا کہ آج کل معمول ہے۔

مالکیہ کے نزدیک مضاربہ ① کے جمیع احکام میں عامل ربح اور خسارہ کے محدود احوال میں مضارب بت مثل کی طرف رد کرے گا اور اس کے علاوہ دیگر احوال میں عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک مضارب بت مثل اور اجرت مثل میں یہ فرق ہے کہ اجرت رب المال کے ذمہ سے تعلق رکھتی ہے خواہ مال میں منافع ہو یا نہ ہو جبکہ مضارب بت مثل مضارب بت کے طریقہ پر ہے، اگر اس میں منافع ہو تو عامل بھی اس کا مستحق ہوگا ورنہ وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا۔ ②

عائد اور ربح میں شرط ہے کہ دونوں کی مقدار متعین ہو، جو فی الجملہ جزو شائع ہو، اس وقت ربح حسب اتفاق تقسیم ہوگا، اگر مقدار میں جہالت ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا، اگر منافع (ربح) کی شرط لگادی گئی ہو یا عائد قطعی متعین ہو کسی ایک عائد کے لیے مثلاً ہر ماہ سو درہم میں کر دیے تو عقد فاسد ہوگا اگر ربح نہ ہو تو صاحب مال اپنے مال کو معطل کر دیتا ہے اور عامل کی محنت رائیگاں ہو جاتی ہے۔ ③

ربح اور عامل میں فرق منافع کی تقسیم کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور معاملہ مضارب بت خاصہ اور مضارب بت مشترکہ میں مختلف ہوتا ہے، چنانچہ مضارب بت خاصہ کی حالت میں منافع تبھی ہوگا جب جنس نقد میں تحویل ہو جائے۔ اور یہ بھی تبھی ہو سکتا ہے جب کاروبار کا مکمل تصفیہ ہو جائے، اور بالفصل ربح موجود ہو، الغرض راس المال نقدی کی صورت میں آجائے تاکہ رب المال، راس المال کو پہلی حالت میں واپس لینے کے قابل ہو جائے اور منافع کی باقی ماندہ مقدار کو تقسیم کر سکے، چونکہ منافع اس میں راس المال کے بچاؤ کا سامان ہوتا ہے۔ منافع وہی ہے جو راس المال سے فاضل ہو۔

عائد مشترک مجموعی سرمایہ کاری کے سبب ہوتا ہے یا مضارب بت مشترکہ کے سبب، یہ دائمی سرمایہ کاری کے نظریہ پر قائم طریقہ ہے اور موزوں وقفہ کے ساتھ منافع جات کی تقسیم ہوتی رہتی ہے۔

اس قول کی گنجائش نہیں کہ عائد کی معرفت کے لیے ربح متعین ہو اور ساتھ ساتھ مشترکہ مضارب بت بھی جاری رہے، چونکہ منافع تقسیم کے بغیر نہیں ہوتا اور تقسیم تبھی صحیح ہے جب راس المال نقدی کی صورت میں لوٹ آئے تاکہ مالک کا نمائندہ مضارب بت نقد مال پر قبضہ کر سکے۔

دائمی مضارب بت جو غیر محدود مدت تک کے لیے ہو ہمیں سالانہ تقسیم کی طرف مجبور کرتا ہے جیسا کہ حصہ دار کمپنیاں کرتی ہیں، تاکہ انتظام بہتر رہے اور مقررہ اوقات پر سرمایہ کاروں کو عائد ملتا رہے، چنانچہ سال کے اختتام پر متحقق منافع جات کا حساب کیا جائے تاکہ تقسیم ہو سکے سرمایہ کاروں کا مال واحد نوعیت کا ہو یا ان کے مضارب کے درمیان مشترکہ ہو اور مضارب کوئی بھی سودی بینک ہو یا کوئی بھی مالی ادارہ ہو۔ مضارب بت خاصہ میں عائد کا حساب قدرے مختلف ہے۔

خلاصہ..... سرمایہ کاری کا عائد ربح کی خاص نوع ہے، اس کے حساب کا مخصوص طریقہ ہے جو رب المال اور مضارب کے درمیان ہونے والی مضارب بت سے حاصل شدہ منافع کے حساب میں عام طریقہ سے قدرے مختلف ہے۔ اس کا دار و مدار نقدی سرمایہ کاری پر ہے جو مالک اور عامل کے درمیان عقد طے ہونے کی بنیاد پر ہے، اس کا دار و مدار مشترکہ مضارب بت پر ہے جیسے سرمایہ کاری کا مجموعی نظام ہوتا ہے، یہ مضارب بت خاصہ سے قدرے مختلف ہے چونکہ مضارب بت خاصہ میں معاملہ کار اشخاص اگرچہ متعدد ہوں لیکن مالک اور عامل کے درمیان علاقہ دو

①..... الشرح الكبير للدردير ۵۱۹/۳، الخرشي ۲۰۵/۶، -، ابيہ المجتهد ۲۴۰/۳، القوانين الفقهية ۲۸۲۔ ② بداية المجتهد

۲/۲۴۱، المقدمات الممهدة ۱۳/۳۔ ③ البدائع ۸۵/۶ تبیین الحقائق ۵۵/۵، الدر المختار ۵۰۵/۴، الخرشي ۲۰۹/۶،

بداية المجتهد ۲/۲۳۳۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۸۰ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
طرفہ (ثانی) ہوتا ہے، جبکہ مضاربت مشترکہ تین علاقوں کے ساتھ مربوط ہوتی ہے جو دو مالکوں اور عاملین کی نمائندگی کرتی ہے اور عاملین
مضاربت کی جماعت ہوتی ہے، اور ایک فریقین کے درمیان ایک تنظیم ہوتی ہے جو اموال کی درآمدی کا انتظام کرتی ہے اور مضاربت کی رغبت
رکھنے والوں کو مال دیتی ہے۔

عائد کی انواع اور ان کا حکم..... اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری کے عائد کی مختلف انواع ہیں۔ اسلامی بینک تین میدانوں میں
کاروبار قائم کر سکتا ہے۔

۱..... سرمایہ کاری اور مشارکت کے میدان میں، خواہ سرمایہ کاری براہ راست ہو یا بالواسطہ ہو جو زرعی، صنعتی، تجارتی اور ملازمت کے
صورت میں ہو، محدود پیمانے کی تجارتی سرگرمیوں کو بھی یہ صورت شامل ہے، مثلاً منقولہ اموال اور ساز و سامان خریدا جاسکتا ہے، درآمد اور برآمد
سرگرمیوں کو بھی فروغ دیا جاسکتا ہے۔ ساز و سامان اور منقولات کو بھی ذخیرہ رکھا جاسکتا ہے، اس طرح اشاک مارکیٹ اور دوسرے اداروں سے
خلاصی مل سکتی ہے، نیز طویل مدت سرمایہ کاری میں شراکت بھی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ یہ سب مشروع ہیں۔

۲..... بینک کے دیگر سروسز خدمات اور کاروائیاں جو اسلامی طبیعت کے متعارض نہیں وہ ودائع (امانتوں اور ڈپازٹس) کا جمع کرنا ہے،
یہ امانتیں کرنٹ اکاؤنٹس بجٹ کھاتے (سیونگ اکاؤنٹس) اور سرمایہ کاری کھاتے میں جمع کی جاسکتی ہیں۔ ملکی وغیرہ ملکی کرنسی کے چیک جمع کروائے جا
سکتے ہیں، اموال مختلف کالین دین کیا جاسکتا ہے، کریڈٹ کارڈز جاری کیے جاسکتے ہیں، مخصوص ہنڈی سٹم جو کرنسی کے متعلق ہو اور فوائد کا
ضامن نہ ہو چلایا جاسکتا ہے، بینک کے اخراجات وصول کیے جاسکتے ہیں، کرنسی نوٹوں کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے، حفاظت زر پر چار جز
وصول کیے جاسکتے ہیں، مختلف جواہر کی حفاظت کے چار جز وصول کیے جاسکتے ہیں، مختلف مؤسسات اور کمپنیوں کے حصص کا کاروبار جائز طریقہ
سے کیا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ سارے مشروع کاروبار ہیں۔ بشرطیکہ مطلوبہ شرائط اور اسلامی احکام کی رعایت کی جائے۔

۳..... اجتماعی تکفل کا نظام چلایا جاسکتا ہے اس کی صورتیں مختلف ہیں زکوٰۃ دے کر، حادثاتی فنڈز قائم کئے جاسکتے ہیں، اجتماعی قرضہ
جات کا نظام متعارف کروایا جاسکتا ہے، جو کہ قرضہ برائے مریض، قرضہ برائے افراد رسیدہ، بچگان، اہل حرفہ اور طلبہ تاہم اس میدان میں
سرمایہ کاری کا نفع تحقق نہیں ہوتا ہاں البتہ یہ تعاونی انشورنس ہے جو اسلام میں مشروع ہے۔

ملحوظ رہے کہ سرمایہ کاری اور شراکت کی اہم صورتوں میں مضاربت ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور مضاربت اسلام میں بالاجماع
مشروع ہے، اسی طرح بیع مراہمہ جو آمر شرا کے ساتھ ہو بھی جائز ہے، یہ بھی مشروع ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں
ذکر کیا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ❶ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو سامان دکھائے اور کہے یہ سامان خرید لو اس میں
تمہیں اتنا نفع دوں گا، دوسرا شخص وہ سامان خرید لے تو یہ خریداری جائز ہوگی اور جس شخص نے نفع کا عہد یہ دیا ہو اسے خیاری حاصل ہوتا ہے بیع کی
صورت بنائے یا چھوڑ دے..... الخ۔ یہ معاملہ اس قبیل میں سے نہیں کہ انسان ایسی چیز کو فروخت کر رہا ہو جو اس کے پاس نہ ہو چونکہ بینک کسی
چیز کی فروختگی کو پیش نہیں کرتا ہوتا البتہ بینک خریداری کی ذمہ داری لیتا ہے، اور بینک کسی چیز کو اس وقت تک فروخت نہیں کرتا جب تک کہ اس
چیز کا مالک نہ بن جائے پھر آمر خریداری پر وہ مطلوبہ چیز بینک پیش کرتا ہے، تا کہ خریدار دیکھ لے کہ وہ چیز اس کے مطلوبہ اوصاف کے مطابق
ہے، یہ جملہ کارروائی ایسی صورت بھی نہیں کہ غیر مضمون چیز کا منافع ہو۔ چونکہ بینک چیز کو خرید کر اس کا مالک بن جاتا ہے اور چیز ضائع ہونے پر
اس کا تادان بھرتا ہے چنانچہ خریدار کو سپرد کرنے سے قبل خرید کردہ سامان اگر ضائع ہو جائے یا توڑ پھوڑ کا شکار ہو جائے تو اس کا ضمان بینک کے
کھاتے پڑتا ہے۔ حکم دینے والے خریدار کے کھاتے نہیں پڑتا۔ ❷

عائد کو سرمایہ کاری پر لگانے میں شرعاً اس کی تحدید کیا ہو سکتی ہے؟..... اسلامی بینکوں میں سرمایہ کار کے عائد اسی طریقہ پر متفق ہو سکتا ہے جس پر حصہ دار کمپنیاں ہوتی ہیں، اور مضاربیت کی رو سے مالی سال کی متعین مدت میں اس کا حساب ہوتا ہے۔

بنا برہذا ہر مالی سال کے آخر میں اعلان کردہ منافع اسی تناسب پر برقرار رہتا ہے جو شروع سال سے آخر سال تک رہے، جب سرمایہ کار مضاربیت میں پوری رقم واپس کر دے یا سال پورا ہونے سے پہلے اس رقم کا ایک حصہ واپس کر دے بایں طور کہ منافع کا کوئی اعلان نہ ہو تو بلاشبہ واپس کردہ رقم منافع کا حصہ اور جزو تصور نہیں ہوگی۔

فقہاء کے ہاں مقررہ احکام مضاربیت میں اس کی نظیر ملتی ہے، چنانچہ علامہ رملی نے نہایۃ المحتاج میں لکھا ہے کہ مالک اگر مضاربیت کا کچھ منافع واپس کر دے اور واپسی مال یا نقصان کے ظہور سے پہلے ہو تو مضاربیت کا مال بقیہ مال کی طرف راجع ہوگا کیونکہ مالک مضارب کے قبضہ میں مضاربیت کا مال ہی دیتا ہے، گویا مالک نے شروع ہی میں یہ مال عطا کرنے پر اکتفاء کر لیا ہو۔

بینک میں رقمیں اگرچہ مخصوص مدت کے لئے رکھی جاتی ہیں تاہم رقمیں نکالنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، غیر سودی بینکوں میں اس صورت کو مد نظر رکھتے ہوئے مخصوص طریقہ ہوتا ہے جسے یومیہ پیداوار سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عربی میں ”حساب انہز“ کہا جاتا ہے یومیہ پیداوار کے حسابی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ مدت مضاربیت کے اختتام پر جو نفع آئے اس کے بارے میں حساب کیا جائے کہ اوسطاً فی یوم فی روپیہ کتنا نفع حاصل ہوا؟ مثلاً تیس دن میں تین سو روپے پر تیس روپیہ نفع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین سو روپیہ فی یوم ایک روپیہ نفع ہوا، لہذا ایک پر فی یوم نفع 00.0333 ہوا، اب اگر کسی شخص کا ایک روپیہ پندرہ دن مضاربیت کے کھاتے میں رہا تو اس ایک روپے کو 0.00333 پندرہ سے ضرب دیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ایک روپے پر پندرہ دن میں 0.04999 نفع آیا، اب اگر کسی کے دس روپے پندرہ دن رہے تھے تو اس نفع کو دس سے ضرب دے کر اس کا نفع 0.4999 ہو گیا اس طریقہ کو یومیہ پیداوار کا حساب کہا جاتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں حساب کا طریقہ دنوں کی بجائے مہینوں میں ہوتا ہے، چنانچہ جو شخص سالانہ سرمایہ کاری کے لئے ایک ہزار روپے بینک کو دے تو وہ اس شخص کے ایک ہزار کے مساوی النفع نہیں ہوگا جو دوران سال یا نصف سال گزرنے پر بینک کو دے، مؤخر الذکر کسی سرمایہ کاری کی مدت تو صرف چھ ماہ ہوتی، یوں سالانہ سرمایہ کاری کا عائد (نفع) ۹٪ سے کثیر ہوگا اور نصف سال کا نفع ۷٪ تک ہوئے، گویا کہ سالانہ نفع کے نسبت چھ ماہ کا نفع نصف ہوگا۔

ڈاکٹر احمد نجار نے لکھا ہے کہ مدت کی تعیین یا تو یومیہ ہوگی یا ہفتہ وار یا مہینہ وار جو بھی بینک کی منظمہ مقرر کر لے، یہ مدت سرمایہ کاروں کے سامنے اعلان کر دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر نجار نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ دوران سال سرمایہ کاری کی رقم کے احوال کا تغیر جو نفع ہونے یا نقصان ہونے کی صورت میں ہو تو وہ ”حساب نمبر“ یعنی یومیہ پیداوار کے اصول پر محسوب ہوگا۔

وہ حالات جن میں ڈیپازٹر متغیر ہوں کیا ان میں دوری حساب سے سو فیصدی نفع کی تقسیم جائز ہے؟..... مضاربیت خاصہ میں جنرل قسم کا یہ اصول مقرر ہے کہ ہر ثنائی (دو طرفہ) عقد بذاتہ قائم رہتا ہے اور اس عقد میں جب رأس المال (اصل سرمایہ) مالک کو مل جاتا ہے اور حاصل شدہ منافع طے شدہ تصفیہ کے مطابق تقسیم کر لئے جاتے ہیں۔ اور منافع اسی وقت متصور ہوتا ہے اور قابل تقسیم ہوتا ہے جب کل رأس المال نفوذ میں تحویل ہو جائے۔ ①

مشترکہ مضاربیت کے منافع جات فقہاء کے مقرر کردہ اصولوں اور بنیادوں پر قائم رہنا واجب ہے، تاکہ حساب پوری طرح درست رہے اور رأس المال واپس کیا جاسکے اور جو منافع رأس المال سے فاضل ہوا اسے تقسیم کیا جاسکے، بنا برہذا فرضی منافع کی گنجائش مضاربیت

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۸۲ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات جاری رکھنے کے ساتھ باقی نہیں رہتی کیونکہ منافع تو تقسیم سے راسخ ہوتا ہے اور تقسیم اسی وقت عمل میں لائی جاسکتی ہے جب راس المال نقد کی شکل میں آجائیں۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ سو فیصدی تناسب سے منافع کی تقسیم جائز نہیں۔

عوامی بینک ناصر نے منافع کے تخمینہ میں محاسبی طریقہ اپنایا ہے اور اس کی بنیاد شروع طریقہ پر ہے کہ بینک شراکتی منافع کا قرض پیش کرتا ہے، ڈاکٹر سامی حمود نے یوں اس کا پیچھا کیا ہے۔ ”ہم سمجھتے ہیں کہ تطبیق فقہی اصولوں کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی، ہماری نظر میں نہ یہ طریقہ سودی قرضہ کے زمرے میں داخل نہیں۔ اور میں اس کی پوری تائید کرتا ہوں، یہ طریقہ صحیح اور حق ہے، جبکہ فرض طریقہ اسلام میں روا ہیں کیونکہ اسلام میں غرممنوع ہے، چنانچہ اکثر امر واقعی فرض طریقہ کے خلاف ہوتا ہے۔

جب سبھی سرمایہ کار سابقہ طریقہ پر اتفاق کر لیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟..... شریعت میں مقررہ اصول، خود ساختہ قوانین سے مختلف ہے خود ساختہ قوانین میں یہ طے ہے کہ در عقد متعاقبین کا قانون ہوتا ہے جبکہ شریعت مطہرہ میں یہ اصول احکام شریعت کے ساتھ مقید ہے، شریعت میں ظلم، دھوکا دہی، غبن، اجارہ داری، باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانا وغیرہ کا پاس نہیں، چنانچہ رہن پر دو آدمیوں کے اتفاق، بیع میں عاقدین کے اتفاق یا سود پر قرضہ دینے پر اتفاق کر لینے کی کوئی قیمت نہیں جبکہ اس طرح کا اتفاق اصول شریعت کے منافی ہے۔ لہذا یہ باطل ہے اگرچہ طرفین اس پر رضامند ہوں، چونکہ اللہ کی شریعت عدل والی ہے جو ہمیشہ لوگوں کی مصلحتوں پر منتج ہوتی ہے، لوگوں کو غلط تصرفات سے بچاتی ہے، ضرر اور نقصان سے دور رکھتی ہے، اگرچہ لوگوں کے جانب مخالف میں وقتی مصلحت دکھائی دیتی ہو یا تجارتی جال میں کوئی مصلحت پھیلی نظر آتی ہو لیکن حق و سچ کو یہ مصلحت تجاوز کر جائے گی اور لوگ باطل میں پڑ جائیں گے۔

اگر آڑھتی (مضارب) اپنا حصہ قبضہ کر لے پھر مدت پوری ہونے پر خسارہ ظاہر ہو تو حساب کیسے ہوگا؟
خسارہ کون براشت کرے گا کمپنی یا سرمایہ کار یا کوئی اور؟

مضاربہ کمپنیوں میں یہ اصول مقرر ہے کہ خسارہ رب المال پر پڑے گا، عامل کا اتنا نقصان کافی ہے کہ اس کی محنت رائیگاں گئی۔ اس حالت میں ڈیہ پازٹرز خسارہ برداشت کریں گے۔ یہ تب ہے جب عامل اپنا حصہ قبضہ کر لے اور واپس لینا دشوار ہو، یہ مشترکہ مضاربہ کمپنی کی انتظامیہ کی طرف سے خطا ہے یہی ادارہ (انتظامیہ) اس خطا کو برداشت کرے گی، یعنی اداروں نے عامل کو جو خطا مال دیا ہے وہ اس کے ذمے پڑے گی کیونکہ عامل کا حق نہیں تھا، جو بقیہ خسارہ ہوگا وہ بینک ڈیپازٹس کے تناسب سے سرمایہ کاروں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ کیونکہ شرکت عنان میں شرعی قاعدہ ہے کہ ”نفع اس بنیاد پر تقسیم ہوگا جس پر شرکاء اتفاق کر لیں اور نقصان ہمیشہ سرمایہ کے بقدر ہوگا وہ یعنی کمپنی کے شرکاء پر خسارہ ان کے حصوں کے بقدر ہوگا۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر خسارہ نہیں ڈالا جائے گا لایہ کہ کوئی شخص تبرعاً خسارہ برداشت کر لے تاکہ کمپنی کی مشہوری میں رخنہ نہ پڑنے پائے۔“

اگر بینک سرمایہ کی حفاظت کا فنڈ مقرر کر دے جو سرمایہ کاروں کی نیابت میں ہو تو کیا منافع کے تناسب سے بینک کٹوتی کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کٹوتی کی مقدار قطعی مقرر کی جاسکتی ہے؟ اور کیا بینک کے ذمہ اس کی وضاحت واجب ہے؟

سرمایہ کاروں کی نسبت سے بینک مضارب ہوتا ہے، بینک کے ذمہ سارے انتظامات ہوتے ہیں اور بینک ہی سرمایہ کاروں کی نیابت

اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

میں کام کرتا ہے، منافع کا قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ منافع عائدین کے درمیان جز و شائع ہو۔ قطعی نہ ہو، اگر کسی ایک عاقد کے لیے قطعی منافع کی شرط لگادی جائے تو یہ شرط صحیح نہیں ہوگی اور مضاربیت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ مضاربیت منافع میں اشتراک کا تقاضا کرتی ہے، جبکہ یہ شرط اشتراک کے مانع ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ مضارب کو ہو سکتا ہے اتنا ہی منافع ہو جو قطعی مقدار طے ہوئی اس صورت میں منافع ایک ہی عاقد کو ملے گا دوسرے کو منافع نہیں ملے گا گویا شراکت داری ہی تحقق نہ ہوگی، اور مال میں کیا گیا تصرف از روئے مضاربیت نہ ہوگا، ابن منذر کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر مضاربیت میں کسی ایک عاقد کے لئے منافع کی قطعی مقدار کی شرط لگادی جائے تو مضاربیت باطل ہو جائے گی۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایک عاقد کے لئے قطعی مقدار کے طے ہونے کے عدم جواز کی دو علتیں بیان کی ہیں۔ ① (اول)..... اگر مضاربیت میں متعین دراہم کی شرط لگادی جائے تو یہ احتمال قوی ہوتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہی متعین دراہم کے بقدر منافع ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ سرے سے نفع نہ ہی ہو اور یوں صاحب شرط اور رأس المال کا حصہ منافع کی مد میں لے لے گا، بسا اوقات منافع زیادہ ہوتا ہے اور صاحب شرط خسارہ میں چلا جاتا ہے۔

(دوم)..... عامل یعنی مضارب کا منافع میں حصہ باعتبار اجزاء کے متعین ہو چونکہ منافع باعتبار مقدار کے متعین کرنا مستعذر ہے اگر اجزاء مجہول ہوں تو مضاربیت فاسد ہو جائے گی جیسے دوسرے معاملات میں مقدار کا متعین ہونا شرط ہوتا ہے اور جہالت مقدار کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، نیز اگر عامل اپنے لیے متعین دراہم (یاروپے) کی شرط لگادے تو وہ کما حقہ محنت نہیں کرے گا بلکہ سستی کرے گا، بخلاف اس کے کہ اس کا حصہ منافع کا جزو ہو۔

اگر مضارب تقسیم منافع سے پہلے کچھ رقم لے لے یا اس استحقاق کی بنا پر لے لے کہ جب حساب ہوگا لی گئی رقم استحقاقی حصہ میں شمار کر لی جائے گی، منافع کی تقسیم پر اس کا جواز موقوف ہوگا۔ چنانچہ علامہ بغدادی مجمع الضمانات میں لکھتے ہیں: رب المال کے رأس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے منافع کی تقسیم موقوف رہتی ہے سوا اگر سرمایہ کار (رب المال) نے اصل سرمایہ (رأس المال) قبضہ کر لیا تو تقسیم صحیح ہوگی ورنہ تقسیم باطل تصور ہوگی، مال مضاربیت میں سے جو ہلاک (ضائع) ہوگا۔

وہ منافع میں سے محسوب ہوگا نہ کہ رأس المال سے، حتیٰ کہ رب المال اور مضارب نے اگر منافع تقسیم کر لیا جبکہ رب المال نے رأس المال پر قبضہ نہ کیا ہو اور پھر مضارب کے پاس رأس المال ہلاک ہو جائے تو تقسیم منافع باطل ہو جائے گی۔ مذکورہ بالا تفصیل سے دو امور واضح ہوتے ہیں۔

اول..... بینک کے لیے منافع کی نسبت سے اپنے لیے کٹوتی جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ بینک کی اجرت متعین اور قطعی ہو برابر ہے عاملوں کے سامنے اس کی وضاحت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔

دوم..... اجیر شریک کی ثابت شدہ اجرت سے ہٹ کر مضاربیت کے منافع سے مضارب کا لینا جائز نہیں، اس اجرت کے حاملین کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی مضارب کی معقولی اجرت کا اعتبار ہے۔

عقد مضاربیت میں وہ کونسے اخراجات ہیں جنہیں کمپنی پر ڈالنا جائز ہے؟..... مضاربیت خاصہ کی بحث میں ہمارے فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ کون کون سے اخراجات مضارب وصول کر سکتا ہے اور مضارب یہ اخراجات مال مضاربیت سے لے، عصر حاضر میں شرک (کمپنی) مضارب خاص کے معنی میں ہے تاہم اس مسئلہ کے حل کے دو پہلو ہیں۔

ایک پہلو کی رو سے عامل (مضارب) کے لیے مالی مضاربیت سے کوئی جائز نہیں۔
دوسرے پہلو کی رو سے یہ کوئی چند قیود کے ساتھ جائز ہے۔

نمبر ۱ پہلو..... دراصل یہ ظاہر یہ اور شافعیہ کی رائے ہے ① ظاہر یہ کہتے ہیں: عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ مال مضاربیت سے کوئی چیز کھائے اور نہ ہی سفر حضر میں مال مضاربیت سے کوئی چیز (کپڑا وغیرہ) پہن سکتا ہے۔

شافعیہ کے ہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال میں سے ظاہر قول یہ ہے کہ ”مال مضاربیت سے مضارب اپنے اخراجات وصول نہیں کر سکتا، نہ سفر میں نہ ہی حضر میں، الا یہ کہ رب المال اجازت دے دے تو جائز ہے، اور وہ بھی خرچہ منافع سے لے گا اور لی گئی رقم (یا خرچہ) مضاربیت میں نفع سے زائد ہو۔ چونکہ بسا اوقات خرچہ منافع کے بقدر ہو جاتا ہے اگر خرچہ مضارب لے گا تو اس کا مطلب ہوا کہ جملہ منافع تنہا مضارب ہی لے رہا ہے، بسا اوقات اخراجات منافع سے بڑھ جاتے ہیں اس صورت میں مضارب رأس المال سے خرچہ وصول کرے گا، جبکہ یہ امر تو مقتضائے عقد کے منافی ہے۔ اور اگر مضارب کے لئے خرچہ کی شرط لگا دی جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔“

نمبر ۲ پہلو..... یہ دراصل جمہور فقہاء کی رائے ہے ان میں زید یہ اور امامیہ بھی شامل ہیں۔ حنفیہ، امامیہ اور زید یہ مضارب کے لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ صرف سفر میں مال مضاربیت سے اخراجات وصول کر سکتا ہے حالت حضر میں اخراجات نہیں لے سکتا۔ یہ کھانے، پینے، سالن، کپڑا خرچہ نقل و حمل کا کرایہ، مزدور کا خرچہ، حمام کا خرچہ، چراغ لکڑ کا خرچہ، جانور کے چارے کا خرچہ، بستر کا کرایہ، کپڑے دھونے کا خرچہ، وغیرہ جو کہ ضروری سمجھے جاتے ہیں شامل ہوں گے ان کے علاوہ اور اخراجات نہیں۔ ②

مالکیہ نے حالت سفر میں مال مضاربیت سے اخراجات وصول کرنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مال مضاربیت میں یہ اخراجات برداشت کرنے کی سکت ہو۔ اور اگر حالت حضر میں مضارب مضاربیت میں اس قدر مشغول ہو کہ اسے کسی اور طرف کی فرصت ہی نہ ملتی ہو اس صورت میں مضارب خوراک کے اخراجات لے سکتا ہے۔ ③ حنابلہ نے سفر و حضر میں مضارب کے لئے مال مضاربیت سے اخراجات وصول کرنے کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اخراجات کی باقاعدہ شرط لگانا ضروری ہے۔ ④

ان مذاہب کی روشنی میں مشترکہ مضاربیت کے دائرہ کار میں حسب ذیل آراء ہیں:
چنانچہ ڈاکٹر محمد عبداللہ عربی کی رائے ہے کہ بینک عمومی اخراجات اور ملازموں کی تنخواہیں وصول کر سکتا ہے۔ اور کھاتے داروں یعنی سرمایہ کاروں سے یہ اخراجات لے سکتا ہے۔

غلبی سرمایہ کاری کی اسلامی شرک کے نظام میں ہے کہ شرکت مضاربیت کو سرمایہ کاری سے متعلقہ اخراجات برداشت کرنے ہوں گے، یہ اخراجات، انتظامی، شرکائی اور مال مضاربیت کی کچھت پر آنے والے اخراجات ہیں تاہم یہ اخراجات دو امر کی ڈالر (۲ فیصد) سے تجاوز نہ کرنے پائیں، اس سے زائد اخراجات کا بوجھ منافع پر ڈال جائے گا، بشرطیکہ منافع موجود ہو۔ اور حامل دستاویز شرعیہ بورڈ کی نگرانی میں زکوٰۃ کے سلسلہ میں مضارب کا نائب تصور ہوگا۔ ⑤

ڈاکٹر سامی حمود کا موقف ہے کہ مضاربیت مشترکہ کے اخراجات، مضاربیت خاصہ کے اخراجات سے مختلف ہیں۔ چونکہ مضارب خاص کاروباری شرائط کا پابند ہوتا ہے جبکہ مضارب مشترکہ کو ان شرائط کا پابند کرنا دشوار ہے، چند اعتبارات کے پیش نظر مضارب مشترکہ کے لیے اخراجات کی شرط لگانا ناہنسی۔

①..... المحلی ۸/۲۲۸، المہذب ۱/۳۸۷، مغنی المحتاج ۲/۳۱۷، المبسوط ۲۲/۶۳، تکلمہ فتح القدیر ۷/۸۱، المنتزع المختار ۵/۳۳۳، فقہ الامام جعفر الصادق للشیخ محمد جواد مغنیہ ۳/۱۶۲، ② بذایۃ المجتہد ۲/۱۳۸، القوانين الفقہیہ ۲۸۳، الخروشی ۶/۲۱۷، ③ المغنی ۵/۶۴، ④ کشاف القناع ۲/۲۶۵، ⑤ تطویر الاعمال المصر فیہ ۲۹۲

۱.....فقہاء جن اخراجات کو مال مضاربہ پر ڈالتے ہیں وہ ایسے اخراجات ہیں جو حالت سفر میں پیش آتے ہیں اور وہ معمول کے اخراجات نہیں ہوتے۔

۲.....حنفیہ نے جس خرچے کی اجازت دی ہے وہ حوائج سفر میں بند ہے، حنابلہ نے جس خرچے کی اجازت دی ہے وہ کھانا اور کپڑے میں محدود ہے، یہ اخراجات گویا عرف کے مطابق ہیں۔

۳.....بینکاری کی نسبت سے آنے والے اخراجات ملازموں کی تنخواہوں، انتظامی خرچوں وغیرہ کی نوعیت کے ہوتے ہیں جن کا ایک الگ اخراجاتی معیار ہے، یہ اخراجات ایک عام شخص کے اخراجات میں داخل نہیں ہوتے۔ گویا بینکاری کے اخراجات فقہاء کے بیان کردہ اخراجات سے مختلف ہیں۔ چنانچہ خاص مضارب کے اخراجات توقع اور حدود کے اندر اندر ہوتے ہیں جو کھانے پینے، کپڑے اور نقل و حمل کی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ فی الواقع بینک کے جملہ اخراجات اور ملازمین کی تنخواہیں بسا اوقات حاصل شدہ جملہ منافع جات کو ہڑپ کر جاتی ہیں، بالخصوص ابتدائی چند سالوں میں حالت نہایت دگرگوں ہوتی ہے۔

سوا ہی لئے عمل مضاربہ سے متعلقہ اخراجات یعنی اسٹیشنری، مطبوعات وغیرہ کے علاوہ بقیہ اخراجات منافع پر نہیں ڈالے جائیں گے۔ رہی بات ملازمین کی تنخواہوں اور بینک کے انتظامیہ اور دفتری اخراجات کی سو یہ اخراجات بینک کے حصہ میں ہیں جو منافع سے منہا کیے جائیں گے چونکہ بینک مضاربہ مشترک کے معنی میں ہے۔ اور اگر منافع ہو ہی نہ تو جملہ اخراجات کا بار بینک برداشت کرے گا، جیسے سرمایہ کار سال بھر کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔

رہی بات بینک کے عاملین مضاربین کی جو بینک کے متعین کردہ مضارب ہوں تو ان کے اخراجات بحسب اتفاق طے شدہ پالیسی کے مطابق ہوں گے جو حالات کے تغیر کے پیش نظر فیصلہ ہوں گے۔

میں ڈاکٹر سامی حمود کی رائے کی تائید کرتا ہوں اور اس میں ایک چیز کا اور اضافہ کرتا ہوں کہ جب بینک اپنے کسی ملازم کو سامان کی اور آمدنی کے لیے بیرون ملک یا کسی دوسرے شہر میں بھیجے تو سفر کے جملہ اخراجات مال مضاربہ پر پڑیں گے۔

جب عامل مضاربہ میں شخص معنوی ہو تو کیا ملازمین اور ادارہ کے خرچے جملہ اخراجات میں سے اعتبار کیے جائیں گے؟..... مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ کا فتویٰ نہایت دشوار ہے، چنانچہ مال مضاربہ سے ملازمین اور ادارہ کے اخراجات نکالنا جائز نہیں کیونکہ ملازمین تجارتی مراکز میں مقیم ہوتے ہیں، اور یہ لوگ قابل اور اہل ہوتے ہیں۔

سابق میں ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ فقہاء یا دوسرے ہی سے مال مضاربہ سے اخراجات لینے کو ممنوع قرار دیتے ہیں یا صرف سفر میں خرچے لینے کی اجازت دیتے ہیں، ہاں البتہ خود حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی و سرفرہ حضریں مضاربہ خاصہ میں مضارب کے لیے خرچہ لینا روا سمجھتے ہیں۔

ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مالیاتی اداروں اور بینکوں کا طریقہ مضاربہ، مضاربہ خاصہ کے ساتھ متفق نہیں بلکہ جدا ہے، تاہم بینک کے لیے جائز نہیں کہ وہ مال مضاربہ سے تنخواہیں اور دفتری اخراجات کاٹے، ہاں البتہ اسٹیشنری، طباعت، کتابت، توثیقی اخراجات مستثنیٰ ہیں گویا یہ اخراجات مال مضاربہ پر ہوں گے۔

کیا مالیاتی ادارہ یا بینک میں سرمایہ کاروں کا دخل اندازی سے دستبرداری کا اظہار جائز ہے؟..... یہ بات متعین ہے کہ مضاربہ خاصہ اور مضاربہ مشترک کے ساتھ اس لئے کاروبار ہوتا ہے کہ تجارتی ضروریات کے مقتضاء کے پیش نظر بحسب تجربہ موال کو سرمایہ کاری پر لگایا جاسکے اور یہ سارا کام مضارب کا ہوتا ہے تاہم ارباب مال (سرمایہ کار) شرک کے اعمال اور کاروبار میں دخل دینے

کے مجاز نہیں ہوتے اور نہ ہی دخل ان کے بس کا روگ ہوتا ہے گویا سرمایہ کار ذاتی طور پر نگرانی کر سکتے ہیں۔

بنابر ہذا مرتب ہوتا ہے کہ مالیاتی ادارے یا بینک کے اعمال شیون میں سرمایہ کار دخل دینے کا حق نہیں رکھتے، جب انہیں دخل دینے کا حق نہیں تو وہ کسی ایسی چیز کے مالک بھی نہیں ہوئے جس سے وہ دستبردار ہو جائیں رہی بات نگرانی اور دیکھ بھال کے حق کی سو یہ طبعی اور شرعی ہے اس سے باہمی رضامندی کے ساتھ دستبردار ہو جاسکتا ہے چنانچہ جس شخص کے لیے کوئی حق مقرر ہو وہ اس حق سے دستبردار ہو بھی سکتا ہے۔

کسی بھی اور اسے کا اہم عنصر جس کی فقہاء نے شرط لگائی ہے ❶ وہ یہ ہے کہ راس المال (سرمایہ) عامل (مضارب) کو سوئپ دیا جائے چنانچہ اگر سرمائے پر رب المال (سرمایہ کار) کا قبضہ باقی ہو تو مضارب بت صحیح نہیں ہوتی کیونکہ راس المال کی سپردگی شرط ہے اور رب المال کے قبضہ کے ہوتے ہوئے سپردگی ہوتی نہیں اگر مضارب بت میں مالک کے قبضہ یا مالک کی شراکت کی شرط لگادی جائے تو مضارب بت فاسد ہو جاتی ہے۔ رہی بات حنا بلکہ کی سوانہوں نے رب المال کے قبضہ کے باقی رہنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ یہ شرط اس امر کی مقتضی ہے کہ مالک کا روبرو یعنی عمل مضارب بت میں بھی پھر شریک ہو۔ ❷

کیا منافع کا یومیہ حساب جائز ہے؟..... اوپر کی تفصیل سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ غیر سودی مضارب بت کے نظام کا دار و مدار بالفعل موجود منافع پر ہے اور بینکوں میں معروف طریقہ حساب جسے عربی ”حساب النمر“ سے اور اردو میں ”یومیہ پیداوار“ سے تعبیر کیا جاتا ہے سے مشترک نظام مضارب بت میں آسانی لائی جاسکتی ہے۔ یا یومیہ حساب کی بجائے مہینہ وار حساب کی بنیاد پر منافع تقسیم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ غیر سودی سرمایہ کاری پیداواری اور انتاجی سرمایہ کاری ہوتی ہے جس کا دار و مدار موجود منافع پر ہوتا ہے اور یہ منافع نہایت سرعت کے ساتھ متحقق نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ بتدریج ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ❸ بنابر ہذا منافع کا یومیہ حساب جائز نہیں کیونکہ سودی فوائد کے حساب کا دار و مدار زمانہ کے عنصر پر ہوتا ہے بلکہ شریعت میں منافع کے حساب کا دار و مدار بالفعل موجود منافع پر ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر پیداوار میں غلٹ پذیری ہو اور منافع وقفہ جاتی ہو تو اس صورت میں منافع کا یومیہ حساب جائز ہے۔ البتہ یہ سارا قضیہ نظام معیشت کے عرف پر چھوڑا جائے گا کہ مضارب بت کی کیا نوعیت ہے اور تجارتی اصول و ضوابط کیا ہیں چنانچہ جو بھی مضارب ہو گا وہ حالات کے تغیرات سے بخوبی واقف ہوگا۔

عام طور پر بینک مضارب بت کے جملہ حسابات ہر تین ماہ کے بعد کلیئر کرتا ہے، یوں بینک ہر طرح کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا ہے اور اجمالی طور پر منافع یا خسارہ کا جائزہ لیتا ہے، گویا اس مدت کے منتہی ہونے سے قبل منافع یا خسارہ کا تخمینہ روانہ ہوگا۔ تاہم چوتھائی سال یا تین ماہ کی مدت کی تجدید کی کوئی خاص اہمیت نہیں تاہم اس درمیانی وقفہ میں کمی بھی کی جاسکتی ہے اور حسابی مدت کو بڑھا کر چھ ماہ بھی کیا جاسکتا ہے اور کم کر کے ایک ماہ بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی نے لکھا ہے۔ ❹

خلاصہ..... اہمیت اس امر کی ہے کہ منافع کی معرفت اور پہچان حاصل ہو جائے یعنی اتنا منافع حاصل ہو چکا ہے جب منافع معلوم ہو چکا تو اس کی تقسیم جائز ہے خواہ یہ تقسیم یومیہ منافع کی بنیاد پر ہو یا ہفتہ وار منافع کی بنیاد پر ہو یا مہینہ وار منافع کی بنیاد پر ہو۔

پانچویں قسم..... الفقہ العام

یہ قسم چھ ابواب پر مشتمل ہے:

اول شرعی حدود

دوم		تعزیر
سوم		جنایات (جرائم) اور ان کی سزائیں، مثلاً قصاص اور دیت
چہارم		جہاد اور جہاد کے توابع
پنجم		قضاء اور اثبات حق کے طریقے
ششم		اسلام میں نظام حکم

پہلا باب

یہ باب ایک تمہید اور چھ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل		حد زنا
دوسری فصل		حد زنا
تیسری فصل		حد زنا
چوتھی فصل		حد زنا
پانچویں فصل		حد زنا
چھٹی فصل		حد زنا

حد زنا (مرتد ہونے کی سزا)

تمہید..... جب بھی کوئی انسان آفاق فقہ اور مسلمان فقہاء کی کتابوں میں کھوج لگاتا ہے اس کا یقین چند در چند ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلام کو کاروبار زندگی میں کس قدر دخل ہے، اسلامی نظریہ اور فکر کتنی زبردست محفوظ اور سلامت ہے، اسے فقہاء کی عبقریت فقہ کی عظمت و سر بلندی کا یقین ہو جاتا ہے، فقہ اسلام کے احکام قرآن و سنت کے نقلی دلائل پر منحصر نہیں بلکہ یہ احکام وجدان اور عقل انسانی کی گہرائیوں کی نچوڑ ہیں، آج تک عقلی وجدان فقہ اسلام کی تائید کر رہے ہیں اور فقہ عملی تطبیق کے شاہ بشانہ ہے، چنانچہ اجتماعی تعلقات، افراد میں طے ہونے والے روزمرے کے معاملات اور سرکاری سطح کے تعلقات میں بھی اسلامی فقہ رسوخ حاصل کئے ہوئے ہے۔

احکام اسلام کو اختیار کرنے کا ہدف اسلامی معاشرہ کو پاک و صاف، پر امن اور خوشحال ماحول پر لا کر کھڑا کرنا ہے، اس میں اعطائے دنیہ اور دشمن کو سلوٹ کرنے کی ذرہ گنجائش نہیں۔

..... فقہ عام کے مقابلہ میں فقہ خاص ہے، فقہ خاص سے مراد افراد اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قائم علاقہ کو محیط فقہ ہے اور فقہ عام سے مراد جس کے قیام کا اختیار سرکار کو حاصل ہو خواہ ملکی سطح کا فقہ ہو یا بین الاقوامی سطح کا فقہ خاص کی مثال عبادت اور فقہ عام کی مثال حدود اور جہاد وغیرہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

لا قانیت، طوائف الملوکی اور جرائم کا اس میں کوئی ٹھکانہ نہیں، شذوذ اور انحراف کا کوئی اعتبار نہیں، فساد، افراتفری، برائی اور معصیت اسلامی فقہ میں ناسور سمجھے جاتے ہیں یہ سارے امور بقدر الامکان ہیں، اسلام کے ضوابط میں ”ستر معصیت“ اور ”شبہات کی وجہ سے اسقاط حدود“ کا بھی ضابطہ بھی شامل ہے جو فقہ اسلام کی خصوصیت ہے۔

ایک اور حقیقت بھی اسلام کے ساتھ ہمارا ناتا مضبوط کرتی ہے کہ فی زمانہ لوگوں نے در آمد کئے ہوئے قوانین، نظامہائے افکار، ثقافت، تہذیب اور مادیت کے رنگ میں رنگے ہوئے معارف اور نظریات کا اچھی طرح تجربہ کر لیا ہے اور درآمد کی ہوئی پونجی ناکارہ ہو گئی،

فردی اور اجتماعی احوال روبہ زوال ہو گئے اور درآمد کئے ہوئے افکار و نظریات اور تہذیب کی عارضی آرائشی کھل کر عیاں ہوئی تو اس کی طرف قدم بڑھانے والوں نے پلٹ کر اسلام کے سرسبز و شاداب باغ کو دیکھنا شروع کر دیا، چونکہ انہیں احساس ہو چلا کہ ہم نے تو گری پڑی حقیر چیز کو اٹھالیا ہے اور قیمتی نفع بخش جواہر کو چھوڑ دیا ہے، اور جب اس درآمدہ فرسودہ پونجی نے ضماؤ و افکار کو تباہی کے دھانے پر پہنچا دیا، یقین کی جگہ شک اور تردد نے لے لی، خودی اور اعتماد خودی جاتا رہا، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور فضائل کی گہما گہمی ڈاواں ڈول ہو گئی نتیجتاً ہم نے نہایت کمزور شہراتی خیراتی اور دوسروں کے رحم و کرم پر جینے والے بن گئے، ہمارا تشخص اور پہچان جاتی رہی، ہمارا ذاتی استقلال معدوم ہو گیا۔ نہ اسلام رہا، نہ عربیت مشرق و غرب میں ہماری شوکت جاتی رہی اس وقت انہی لوگوں نے جنہوں نے فرسودہ نظام اور تہذیب کا استقبال کیا تھا، اس سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔

اب شعوری اور غیر شعوری طور پر معاشرہ نے اپنی بقا اور نجات اسلام میں سمجھی، لیکن معاشرہ میدان عبادت میں ایک کونے پر ہے اور نظام مہائے زندگی میں دوسرے کونے پر ہے، گویا اس وقت معاشرہ دودھاری سوچ اور تقاض، حیرت و ملال میں ڈوبا ہوا ہے اور ایک نئے اضطراب کا آغاز ہو گیا ہے جس کی یکسانیت اسلام سے دوری کی بنسبت قلیل ہے۔

تاہم یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اس دودھاری سوچ اور اضطراب سے نجات پانے کا راستہ صرف اور صرف ایک ہے وہ یہ ہے کہ معا ملات، جنایات (جرائم) اور حدود وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی کامل تطبیق، خود ساختہ قوانین کی تبدیلی، دنیاۓ عرب اور دنیاۓ اسلام کا بالفعل قوانین شریعت کی بالادستی کا عملی اقدام تاکہ معاشرہ رزائل اور انحراف سے پاک ہو، خودی کا اثبات ہو، نظام مہائے زندگی سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور عسکری جملہ نظام مہائے معاملات اور امور کا اسلامی آپریشن، اس کے بعد ذلت و رسوائی کو نکیل پڑے گی عدوان سرکشی ختم ہوگی، دھونس، دھاندلی اور خیانت رخصت ہوگی، نفس اور خودی کا اعتماد بحال ہوگا تب جا کر کہیں مسلمان قرآن و سنت کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے جبکہ فقہ شریعت کا افادہ ان دو مصادر سے خارج نہیں۔

ہر مسلمان نے اس حقیقت کو محسوس کر لیا ہے کہ عزت و سر بلندی، ننگی جارحیت کی تردید، اراضی کی بازیابی، چھینے ہوئے حقوق کی واپسی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا واحد راستہ جہاد مقدس ہے اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے بغیر سب ناممکن ہے۔ جبکہ دشمن نے اپنی تمام تر قوت کو یکجا کر لیا ہے اور ہم انہی کے مادی طریقہ کو شعار بنا کر ان سے لڑ رہے ہیں۔

احکام معاملات کی معرفت، فقہ میں جہاد کی تنظیم حدود جنایات پر تفصیلی کلام، انصاف پر مبنی اسلامی قضا (عدلیہ) اور حکم اسلامی کے ضوابط یہ سب اس عظیم الشان بار آور درخت کی شاخیں ہیں اور ہمارے فقہ کی عظیم دولت اور سرمایہ ہیں۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض جہلاء فقہ کے عظیم ذخیرہ کو ”فرسودہ اور انتہا ڈھیر“ کہتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کی مغرب زدگی، ناقص شعور اور بعض پر عدم اعتماد کا نتیجہ ہے، یہ لوگ خود ساختہ قوانین سے متاثر ہیں، بالفاظ دیگر یہ لوگ مغرب کے خود کاشتہ پودے میں یہ اسلام کی نامور ہستیوں کے فلسفہ، افکار و نظریات سے نا بلند ہیں حالانکہ وہ ہستیاں عظماء کی ترقی کا نشان علماء کا مطمع نظر فلاسفہ اور مفکرین کا مرجع ہیں۔

اے ہماری نسل: اسلام ہی تمہارا مرجع اور اصل سرمایہ ہے، اسلام کے سرچشموں سے سیراب ہونے کے لئے آگے بڑھو، تم اسلام کے فیض کو عصر حاضر کے عین مطابق پاؤ گے، اللہ تعالیٰ احکام پر چلنے کی آسانیاں عطا کرے گا، یقین صادق سے نواز دے گا، عقل کی دولت سے بہرہ مند کرے گا، بیدار حس عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ حقیقت کو نکھار کر تمہارے سامنے لائے گا باطل کو بھگا دے گا، تب تمہیں معلوم ہوگا کہ اسلام زمینی حقائق کو کن مقصد کی نظر سے دیکھتا ہے، عملی حقیقت جس کی نمائندگی اسلامی فقہ، اسلامی فکر اور دعوت اسلام سے ہوتی ہے کا نمونہ تمہارے سامنے ہوگا الغرض اصل مقصد اس زمین کو دعوت اسلام کے لیے تیار کرنا ہے تاکہ کھوکھلی اور اعداء کی تدابیر کا لدم ہو جائیں۔

اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اسلامی فقہ کے جملہ مذاہب میں اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام میں عصری تطبیق موجود ہے، گویا اسلامی فقہ تعمیری عامل ہے اس میں یکجہتی اور وحدت ہے تفریق و تمیز یقیناً نہیں جیسا کہ بعض سطحی سوچ کے حاملین کا خیال ہے۔

رہی بات فقہاء کے اختلاف کی سو وہ فرع اور اجتہادی جزئیات میں ہے، اصول اور مقاصد میں اختلاف نہیں، لیکن اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ فقہ کو سہل اسلوب اور دلیل صحیح کے ساتھ پیش کیا جائے اور اس کے ضمن میں فقہی آراء کا موازنہ بھی ہو، ترجیح المراجع بھی ہو اور زمانہ کے مناسب و موزوں کا اختیار کرنا ہو۔

یہی وہ مقصد ہے جس کے پیش نظر میں نے اس کتاب کو تیار کرنے میں کوشش و سعی کی۔ (واللہ اعلم بہا) تاکہ ہر فقہی رائے کی تحقیق ہو جائے اور قدیم کتابوں سے ہر مسئلہ کا حکم نمایاں ہو جائے اور اس امر کی یادداشت میں افادہ و استفادہ کا مقصد متحقق ہو جائے۔

حد کی تعریف..... حد کا لغوی معنی منع کرنا، روکنا ہے۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار کو بھی ”حداد“ کہا جاتی ہے چونکہ وہ بھی لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے۔ شریعت میں مقررہ سزاؤں کو حدود کا نام اس لئے دیا گیا ہے چونکہ حدود بھی ارتکاب جرائم اور اسباب حد کے مانع ہوتی ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا..... البقرہ ۱۸۷/۲

یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی حدود اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں، جائز نہیں کہ انسان ان احکام سے آگے تجاوز کرے، حدود کی وجہ تسمیہ یہ بھی یہی ہے کہ حدود آگے بھلا ننگ کر بڑھ جانے کے مانع ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا..... البقرہ ۲۲۹/۲

یہ اللہ کی حدود ہیں انہیں تجاوز مت کرو۔

اصطلاحی تعریف..... حنفیہ کے نزدیک حد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

عقوبة مقدرة واجبة حقاً لله تعالى

حدود مقررہ سزا ہے جو اللہ کے حق کے طور پر دی جاتی ہے۔

چنانچہ اس تعریف کی رو سے تعزیر کو حد نہیں کہا جائے گا چونکہ تعزیر مقرر نہیں ہوتی اسی طرح قصاص اگرچہ مقرر ہے، لیکن بندے کا حق ہونے کی وجہ سے حد نہیں۔ قصاص معاف بھی کہا جاسکتا ہے، چنانچہ سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے چونکہ ان حدود کے اسباب یعنی جو گناہ ہیں حدود ان کے ارتکاب کے مانع ہوتی ہیں۔

حدود کے حق اللہ ہونے کا مطلب..... یہ ہے کہ حدود عزت و آبرو و نسب، اموال، عقل و جان کو تعرض (چھیڑ چھاڑ) سے محفوظ رکھتی ہیں ❶ البتہ بعض حدود جیسے زنا، حد شرب، خالص اللہ کا حق ہیں، یعنی معاشرہ کا حق ہیں، جبکہ بعض حدود جسے حد قذف میں اللہ کا بھی ہے اور بندہ نے کا بھی حق ہے یعنی حد قذف میں حق شخصی اور حق عام دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ❷

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک حد کی تعریف یوں ہے:

عقوبة مقدرة شرعاً سواء كانت حقاً لله أم للعبد

❶..... المسبوط للسرخی ۳۶۹/۹، فتح القدیر ۱۱۲/۴، البدائع ۳۳/۷ تبیین الحقائق للزیلعی ۶۳/۳ حاشیہ ابن عابدین

۵۴/۳ مغنی المحتاج ۱۵۵/۴ ❷ الجرم والعقوبة لاساتذنا الشیخ محمد ابو زھرہ ص ۶۴

یعنی حد شرعاً مقررہ سزا ہے خواہ اللہ کا حق ہو یا بندے کا حق ہو۔

حدود کی اقسام..... حد زنا، حد قذف، حد سرقہ (چوری)، حد صراہ (رہزنی)، حد شرب خمر۔ حنفیہ کہتے ہیں: حدود کی پانچ اقسام ہیں: وہ یہ ہیں: حد سرقہ، حد زنا، حد شرب حد سکر، (نشہ چڑھ جانے کی حد) اور حد قذف ❶ رہی بات قطع طریق (رہزنی) کی سو وہ معنی اعم کے اعتبار سے سرقہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک مذکورہ بالا پانچ اقسام کے ساتھ دو قسمیں اور بھی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) حد قصاص اور (۲) حد ردت۔

یوں ان فقہاء کے نزدیک حدود کی سات اقسام ہیں۔ چنانچہ جب حدود میں یہ اعتبار کر لیا جاتا ہے کہ حدود یا تو اللہ کا حق ہیں یا بندے کا حق ہیں اس لیے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان حدود کو بھلا لگ جائے۔

مذکورہ بالا تعریفات اور تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدود کی دو اصطلاحیں ہیں ایک حنفیہ کے مشہور مذہب کی نمائندگی کرتی ہے، اس کے مطابق حدود کی پانچ اقسام ہیں، ان کے ہاں حد صراہ، حد سرقہ میں داخل ہے اور حنفیہ نے حد شرب خمر اور حد سکر میں فرق کیا ہے۔

دوسری اصطلاح جمہور کی ہے، اس اصطلاح میں ہر مقررہ سزا حد ہے خواہ اللہ کا حق ہو یا بندے کا حق ہو، اس اصطلاح کے مطابق حدود کی سات اقسام ہیں جن میں قصاص اور حد ردت بھی شامل ہیں۔ میں آگے چل کر ان سب کی تفصیلات بیان کروں گا، یوں کل ملا کر حدود کے جرائم کی آٹھ قسمیں ہیں وہ یہ ہیں: زنا، قذف، شرب، مسکر، سرقہ (چوری)، رہزنی، بغاوت، ارتداد، قتل عمد جو موجب قصاص ہو، اس تقسیم کی اساس یہ نظریہ ہے کہ سزائیں شرعاً مقرر ہیں۔

ابن جزئی مالکی کہتے ہیں ❷ سزا کے موجب جرائم تیرہ (۱۳) ہیں:

۱..... قتل	۲..... زخمی کر دینا	۳..... زنا	۴..... قذف
۵..... شرب خمر	۶..... بغاوت	۷..... صراہ	۸..... ردت
۹..... رب تعالیٰ کی گستاخی	۱۰..... انبیاء اور فرشتوں کو سب و شتم کرنا	۱۱..... جادوگری	
۱۲..... اور نماز و روزہ کا چھوڑنا	۱۳..... زندقہ		

ملاحظہ..... ہو کہ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں جرم کو جنایت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ماوردی کہتے ہیں ❸ جرائم کا ارتکاب شرعاً ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ نے حدود اور تعزیرات کے ذریعہ ارتکاب جرائم سے روکا ہے، یہ بھی ملاحظہ رہے کہ زندقہ اور اس کے بعد کے مذکور بالا جرائم کی سزا قتل ہے، جیسے ارتداد کی سزا قتل ہے، چنانچہ میں نے جنایات کی بحث الگ سے مستقلاً ذکر کی ہے، چونکہ ہمارے فقہاء کے ہاں جنایات کے متعلق کلام اس امر پر منحصر نہیں ہوتا جو موجب قصاص ہے اور جمہور کے نزدیک وہ حد ہے بلکہ دیات کی بحث جانور پر ظلم اور دیوار وغیرہ کے گرنے کے نتیجہ سے پیدا شدہ ضرر کے معاوضہ کو بھی شامل ہے۔

قانون حدود کی حکمت..... ان حدود یا سزاؤں کی حکمت لوگوں کو ڈانٹنا ہے تاکہ جرائم کا ارتکاب نہ کر سکیں، نیز معاشرے کی حفاظت اور گناہوں سے پاک رہنا، ابن تیمیہ کہتے ہیں: لوگوں کے درمیان واقع جنایات جرائم پر سزاؤں کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، چنانچہ قتل، آبروریزی، مال لوٹنا، قذف اور چوری وغیرہ جرائم پر اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر کر دی ہیں تاکہ لوگ ارتکاب جرم سے ڈر جائیں اور انہیں عبرت ہو جائے، سزائیں نہایت موزوں طریقہ سے مقرر کی ہیں، گویا ظالم (جانی) کو اس کے ظلم کے عین مطابق سزا دی، حد سے تجاوز نہیں کیا۔ چنانچہ جھوٹ کی ارتکاب پر زبان کاٹنے کی سزا لگائیں کی، زنا کے ارتکاب میں خنسی کر دینے کی سزا مقرر نہیں کی، چوری کی صورت

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۹۱ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
میں جان کے خاتمہ کی سزا مقرر نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اپنی حکمت اور رحمت سے ان جرائم میں وہی سزائیں مقرر کیں جو رب العزت کے
اسماء اور صفات کی موجب تھیں، رب تعالیٰ کے لطف و احسان عدل و انصاف کے عین مطابق تھیں تاکہ جرائم کا خاتمہ ہو ظلم و تعدی کی راہیں
مسدود ہو جائیں اور انسان صرف اللہ کی عطا پر قناعت کر لے اور دوسرے کے حقوق چھیننے کے درپے نہ ہو۔ ❶
حدود کا نفاذ چار امور کے نتیجے میں ہے:

۱..... عقیدہ شریعت اور منہاج کے طور پر اسلام پر ایمان۔

۲..... سیاسی، معاشی اور اجتماعی احکام کا شریعت کے مطابق ہونا۔

۳..... حدود کے فائدہ کا عقلی اور تجرباتی ادراک۔

۴..... مصلحت عامہ کو مصلحت فرد پر ترجیح دینا۔

کیا قطعید میں عذاب اور سنگدلی کا پہلو ہے؟ قطعید کی سزا بطور زجر ہے جو مجرم کے حال کے عین مناسب ہے، یہ لوگوں کے لیے سراسر
رحمت ہے، چنانچہ لیبیا کے قانون مجریہ ۱۹۷۲ء میں سرقہ اور صراہ کی حد کے متعلق ہے۔ ”بعض ریب و شک کے ماروں کو یہ شوق چرایا ہے کہ
وہ قطعید کی سزا کو اصول قانون کے ناموافق قرار دیتے ہیں اور اس سزا کو ظلم اور زیادتی سے تعبیر کرتے ہیں“ ان لوگوں نے اپنی نظریں سزا کی شدت
پر مرکوز کر لی ہیں حالانکہ جرم کی فظاعت و قباحیت اور معاشرے پر اس سے پڑنے والے اثرات کو بھول گئے ہیں، گویا یہ لوگ گناہ کا رچور کے
ظالم ہاتھ پر روتے ہیں اور چوری کے گھناؤنے جرم پر غور نہیں کرتے، حالانکہ سرقہ میں اور کتنے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے، کہتے ہی جرائم ہیں جو
اشخاص پر پڑ جاتے ہیں اور سرقہ کی وجہ سے بے گناہ لوگوں پر کتنی بڑی بڑی آفات ٹوٹ پڑتی ہیں، کتنے اموال غصب کر لئے جاتے ہیں کتنے
بڑے بڑے سرمائے چھین لیے جاتے ہیں، اور کتنے ہی لوگ اپنے اموال اور رزق سے محروم ہو جاتے ہیں، یہ سارے خطرات ان معترضین
کے دلوں پر نہیں کھٹکتے، گویا اقامت حدود کا ہدف معاشرے کو سلامتی امن اور ٹھہراؤ فراہم کرنا ہے اور ان امور کا خاتمہ کرنا ہے جو امت کے مصالح
کبریٰ کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہوں۔

اس شرف ذمہ قلیلہ سے سوال کیا جائے کہ دو امور میں سے کونسا امر معاشرہ کے لیے سہولت کا باعث ہے؟ ایک یہ کہ سال بھر میں ایک یا دو
ہاتھوں کا کاٹ دینا اور چوری کی وارداتوں کا خاتمہ کر دینا پھر اس کے بعد ہاتھ کاٹنے کی نوبت ہی نہ آئے اور لوگ چوری سے بے خوف اپنے
اموال سے بے اندیش و مطمئن ہو جائیں یا دوسرا امر یہ کہ چور کو قید بند میں ڈال دیا جائے۔“ آئیے روز اس سے مشقت طلب کام لیے
جائیں چنانچہ اکثر ممالک میں ہر سال لاکھوں چوروں کو پکڑا جیلوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ مگر سرقہ ہے کہ ختم نہیں ہوتا بلکہ آئے دن اس میں
اضافہ ہو رہا ہے چوری کی وارداتیں نئے نئے روپ میں سامنے آتی ہیں اور یہ جرم نہایت سنگین حالت اختیار کرتا جا رہا ہے آئے روز ہم بینکوں
میں چوری اور ڈیٹیتی کی خبریں سنتے ہیں، دن دھاڑے کئی کئی ریلیں لوٹ لی جاتی ہیں خزانے خالی کر دئے جاتے ہیں، مال کی آڑ میں اصحاب
اموال کو بھی دھریا جاتا ہے، چوری ہے کہ کوئی تدبیر، کوئی حکمت عملی اس کی روک تھام کے لیے کارگر ثابت ہی نہیں ہوتی۔ جبکہ دوسری طرف
سال بھر میں ایک یا دو مرتبہ ہاتھ کاٹنا ہے پھر امن ہی امن۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خطرناک قسم کے جرائم کی روک تھام سخت سزاؤں سے ہی وجود میں لائی جاسکتی ہے، چنانچہ عربی میں سزا کو
عقوبت کہا جاتا ہے اور عقوبت عقاب سے مشتق ہے، وہ عقاب عقاب نہیں جو نرمی اور کمزوری سے موسوم ہو، کامیاب عقاب وہی ہوتا ہے جس کا
جادو جرم کے سرچڑھ کر بولے، وہ عقاب نہیں ہوتا جس پر جرم غالب ہو جائے، تصور کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیجئے کہ خود ساختہ قوانین کے ماہرین
نے بڑے بڑے جرائم کے بدلہ میں سزائی موت اور پھانسی کو سخت گیر قرار نہیں دیا، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سزائے موت قطعید سے

بدرجہا اشد ہے، تاہم جرائم کی روک تھام میں مناسب اور فعال سزاء کا اعتبار کیا جائے گا۔

بے غبار حقیقت یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے میں معاشرتی سہولت اور آسانی ہے، کیونکہ اگر ہاتھ نہ کاٹا جائے تو چوری معاشرے میں بند رتنچ پنپتی رہتی ہے اور چوری صرف مال پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اس کی پاداش میں بے شمار جرائم جنم لیتے ہیں۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جب بھی حدود کا نفاذ عمل میں لایا گیا معاشرہ امن کا گہوار بن گیا، اموال، عزت و آبرو، اور نظام پر امن ہو گیا، یہاں تک کہ مجرم خود آگے بڑھ کر اقرار جرم کرتا اور نفاذ حد کا مطالبہ کرتا اور اپنے آپ کو گناہ اور جرم کی نجاست سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ ایک وقت وہ بھی تھا جب پورا جزیرہ عرب سرقہ اور ہزنی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، حتیٰ کہ حجاج کرام، عورتوں، بچوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا، بہت کم لوگ ہوتے تھے جو چوری سے محفوظ اپنے گھر سلامت لوٹتے، چنانچہ جب سے سعودی حکومت نے حد سرقہ اور حد صرابہ کا نفاذ کیا چوری کا خاتمہ ہو گیا راپزنوں کا نام و نشان نہیں رہا، حتیٰ کہ سعودی علاقہ امن کے اعتبار سے ضرب الثمل بن گیا جب سے حدود کا نفاذ ہوا ہے چوری یا ہزنی کی پاداش میں کئے ہوئے ہاتھوں کی تعداد نہایت قلیل ہے جبکہ ڈاکو تو ایک ہی واردات میں بیسوں افراد کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔ چنانچہ سعودی عرب میں گزشتہ چوبیس سالوں کے دوران چوری کی حد میں صرف سولہ (۱۶) ہاتھ کاٹے گئے ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ حد سرقہ اور حد صرابہ میں قطع ید کو سینگ دلی اور ظلم کا نام دیا جاتا ہے فی الواقع یہ حد عامہ الناس کے لیے صریح رحمت ہے، اسی حد کی وجہ سے مذکورہ حدود کے اسباب جرائم سے خلاصی مل سکتی ہے، ہاتھ پاؤں کٹوانے کی سزا پانے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور یہ سزا اس سے کہیں معمولی نسبت رکھتی ہے کہ جرم کو کھل چھوٹ دی جائے اور بے گناہ لوگ اس کی بھینٹ چڑھے رہیں۔

بلکہ یہ سزا خود ان لوگوں کے لیے رحمت ہے جن کے دلوں میں جرائم کے وسوسے پیدا ہوتے ہوں چنانچہ وہ اقدام جرم سے باز رہتے ہیں اور حد کا خوف ان کے اور جرائم کے ارتکاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ گویا حد و فرد کے لیے بھی رحمت میں اور معاشرہ کے لیے بھی، بھلائیہ رحمت کیوں نہ ہوں چونکہ شریعت اسلام سرِ اُپا رحمت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ..... انعام ۵۳

تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت لازم کر دی ہے۔

رب تعالیٰ رحمن ہے، رحیم ہے۔ ہم ہر وقت اس کی رحمت کا تذکرہ کرتے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رحم کرنے والوں پر رب تعالیٰ رحم کرتا ہے ❶ بلکہ ہمیں تو جانوروں پر بھی شفقت کے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سرِ اُپائے رحمت شریعت کے احکام کو سنگدلی سے تعبیر کرنا ناممکن ہے، چونکہ شریعت کا مطلق نظر مصلحت عامہ ہے بحرین کی مصلحت نہیں۔

بائیں ہمہ اسلام کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ حد جاری نہ ہو، الا یہ کہ جہاں جرم حق الیقین کی صورت کو پہنچ جائے تب حد قائم کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ نیز اثبات حد کے وسائل میں بھی سختی برتی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اگر معمولی سا شبہ بھی آڑے آئے تو حد مل جاتی ہے بلکہ بعض حدود جیسے کوڑوں کی حد بہت سارے مجرموں کے نزدیک مدتوں جیلوں کے اندر پڑے رہنے سے کہیں زیادہ محبوب سمجھی جاتی ہے، رہی بات جرم کی سووہ اعلیٰ وسیلہ کے طور پر قتل ہے جو جرکی خاطر مشروع ہے اور معاشرتی آبروریزی کا جو مرتکب ہو اس سے انتقام لینے کی نما سندہ حد ہے۔

ایک امر جس کا انتخاب ضروری ہے وہ یہ کہ اسلام میں حدود کو ٹھہرا قانون میں لانے سے قبل اور قوانین بھی لاگو کئے گئے ہیں جو جرم سے بچاتے ہیں، چنانچہ اسلام میں ستر پردہ اور حجاب کا حکم ہے مردوزن کے اختلاط اور عورت کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۹۳ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
نے بعد از بلوغ فی الفور شادی کر لینے پر زور دیا ہے، فتنہ و فساد کے باعث وسائل سے منع کیا ہے، انسان کو محنت کاری اور دینی اعمال میں مصروف
رہنے کا حکم دیا ہے، ایک دوسرے کی مدد، تعاون اور محنت کاری کی ترغیب دی گئی ہے اور بیکاری، بے روزگاری، سستی اور دوسروں کے سہارے پر
زندہ رہنے کی سوچ کی اسلام نے مذمت کی ہے۔

حدود و تعزیرات میں فرق..... قرآنی مالکی نے حدود و تعزیرات میں دس فرق بیان کئے ہیں: ①

۱۔ مقرر و متعین ہونا..... حدود و قصاص کی سزائیں شریعت میں مقرر ہیں قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جرم اور مجرم کے احوال کے
پیش نظر اپنی طرف سے سزا مقرر کر لے رہی بات تعزیراتی سزائوں کی سوان کی تعیین و تقریر قاضی کو سپرد ہے چنانچہ جرم، مجرم اور سزائے اثرات کو
مد نظر رکھ کر قاضی کو سزا مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

لیکن ملحوظ رہے کہ تعزیر کی تعیین کا اختیار بھی چند ضوابط کے ساتھ مقید ہے، چنانچہ قاضی مشروع سزائوں میں سے کوئی سزا تجویز کرے،
حالات و معاصی کو مد نظر رکھے، قاضی صاحب عدالت اور صاحب ورع ہو، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قاضی کا مجتہد ہونا ضروری ہے
اس سے معلوم ہوا کہ تعزیرات کا اختیار محض بے ضبط اختیار نہیں، تاہم حکومت تعزیری سزائوں کو قانونی شکل میں مقرر بھی کر سکتی ہیں۔ اور اصل
تعزیر کی تعیین کا اختیار امام کو حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ امام مجتہد ہو اور عہدہ قضا کی اس میں صلاحیت موجود ہو۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کم از کم تعزیر کی تحدید نہیں البتہ زیادہ سے زیادہ وہ تعزیر کی تحدید میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں زیادہ
سے زیادہ تعزیر بھی غیر محدود ہے، ان کی دلیل اجماع صحابہ ہے کہ معن بن زائدہ نے ایک جھوٹا خط عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا تھا، اور
جعلی مہر خط پر لگا دی تھی، چنانچہ اس جرم پر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑے مارے، کچھ لوگوں نے سفارش کی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں
نے مجھے یاد دہانی کرا دی حالانکہ میں بھول گیا تھا، چنانچہ آپ سو کوڑے اور لگائے اس کے بعد سو کوڑے اور لگائے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ
سزائیں جرائم کے مساوی ہونی چاہیے۔ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ: لوگوں نے جیسے جرائم کا ارتکاب شروع کر دیا
ہے ان کھ مطابق فیصلے بھی صادر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: شریعت میں جو کم از کم حد مقرر ہے تعزیر اس سے آگے نہ بڑھنے پائے، اور کم از کم حد چالیس کوڑے
ہیں، جو شرب خمر یا قذف کی صورت میں غلام کو لگائی جاتی ہے بلکہ ایک کوڑا کم لگایا جائے۔

ایام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال ہیں: زیادہ صحیح قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول جیسا ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔ ان
کی دلیل تحسین کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگاؤ۔ دوسرے فقہاء کی
طرف سے یہ جو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث تا دبی مصلحت پر محمول ہے جو لاء (والی کی جمع) کے علاوہ سے صادر ہو جاتی ہے جیسے آقا
اپنے غلام کو مار دیتا ہے، خاوند بیوی کو تادیب کرتا ہے، باپ بیٹے کو مارتا ہے، یا اس حدیث سے مراد غیر مکلفین کو کوڑے مارنا ہے یعنی بچوں
مجانین اور چوپایوں کو۔

حنابلہ کہتے ہیں..... آزاد آدمی ② کی تعزیر آزاد کی ادنیٰ حد سے تجاوز نہ ہونے پائے، الا یہ تعزیر کا سبب اگر وہی ہو تو آزاد آدمی و تعزیر
کے سو کوڑے مارے جاسکتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ پورے سو کوڑے نہ مارے جائیں بلکہ ایک کوڑا کم کیا جائے۔

۲۔ وجوب نفاذ..... حدود اور قصاص کا نفاذ حکام پر واجب ہے، ہاں البتہ اگر مدعی قصاص معاف کر دے تو پھر نفاذ نہیں ہوگا، اس کے
علاوہ حدود و قصاص میں معافی، ابراء، سفارش اور اسقاط کی گنجائش نہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۹۴ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

رہی بات تعزیر کی سواں کے نفاذ میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنفیہ، امام مالک اور امام محمد (جمہور فقہاء) کہتے ہیں: اگر تعزیر اللہ کا حق ہو تو پھر اس کا نفاذ واجب ہے جیسے حدود کا نفاذ واجب ہے، ہاں البتہ اگر زبانی کلامی ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت سے ہی مصلحت پوری ہو جائے اور امام کا یہی ظن غالب ہو تو تعزیر کا نفاذ نہ کرے۔ اگر تعزیر بندے کا حق ہو تو صاحب حق کو اختیار ہے کہ تعزیر معاف بھی کر سکتا ہے، البتہ تعزیر مرافعہ (عدالت میں مقدمہ لے جانے) پر موقوف ہے، اگر صاحب حق تعزیر کا مطالبہ کر رہا ہو تو حاکم وقت معاف نہیں کر سکتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہی: تعزیر کا نفاذ امام پر واجب نہیں ہے، اگر چاہے تو نافذ کرے چاہے چھوڑ دے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں کھیتی سراب کرنے کے قضیہ پر تعزیر نہیں لگائی، انصاری نے کہا تھا: چونکہ یہ آپ کا چھوٹا بھائی ہے ❶ نیز تعزیر مقرر نہیں ہوتی لہذا واجب نہیں جیسے باپ، استاذ اور خاوند کا مارنا واجب نہیں۔

حدود اور تعزیرات میں میں بنیادی اختلاف اس امر پر ہے کہ حدود خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اور قصاص افراد کا حق ہے لہذا قصاص معاف بھی کیا جاسکتا ہے، جبکہ تعزیرات اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہیں اور افراد کا حق بھی ہیں۔

۳۔ اصل اور قاعدہ عامہ کے ساتھ اتفاق..... تعزیر اصل اور قاعدہ عامہ کے موافق ہوتی ہے یعنی جس نوعیت کا جرم ہو اسی کے مطابق تعزیر بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ تعزیرات میں کی بیشی ہو سکتی ہے۔ جبکہ حدود مقرر ہیں خواہ سب حد یعنی جرم معمولی ہو یا بہت بڑا ہو حد میں فرق نہیں پڑتا چنانچہ کوئی ایک دینار چوری کرے یا ایک ہزار دینار چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح کوئی شخص خمر کا منکاپی جائے یا ایک قطرہ پیئے اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے، قصاص میں بھی برابری رکھی گئی ہے چنانچہ قصاص میں عالم فاضل، پرہیزگار، بہادر کو بھی قتل کیا جاتا ہے اور حقیر کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔

۴۔ جرم کا معصیت اور عدم معصیت کے ساتھ متصف ہونا..... تعزیر تا دہی سزا ہوتی ہے جو مفاسد کے خاتمہ کے لیے لگائی جاتی ہے، بسا اوقات تعزیر کسی معصیت اور جرم کے بغیر لگائی جاسکتی ہے جیسے بچوں، جانوروں، مجانین کو اصلاح کی نیت سے مار دینا۔ رہی بات حدود کی سوشریت میں حدود نہیں پائی جاتیں مگر معصیت میں۔

۵۔ سقوط عقوبت..... بسا اوقات تعزیر ساقط بھی ہو جاتی ہے اگرچہ ہم اس کے وجوب کے قائل کیوں نہ ہوں، مثلاً جانی (جس سے جنایت سرزد ہو مجرم) بچہ ہو یا کوئی مخالف ہو اور اس سے معمولی جرم سرزد ہو تو سزا ساقط ہو جاتی ہے، رہی بات حد کی سو وجوب کے بعد کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔

۶۔ توبہ کا اثر..... تعزیر توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے جبکہ حد حنابلہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک (صحیح قول کے مطابق) توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، ہاں البتہ، رہزنی کی حد توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْبَلَ سُوَا عَلَيْهِمْ ۖ..... المائدہ ۳۴

ہاں البتہ وہ رہزن جو تمہارے ان پر قدرت پالینے سے قبل توبہ کر لیں۔

۷۔ تخیر..... تعزیرات میں تخیر کو مطلقاً دخل ہے (چنانچہ ولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ مجرم کو معاف کر دے یا سزا دے، پھر سزا کوڑے سے دے یا کسی اور طرح) جبکہ حدود میں تخیر کو دخل نہیں، ہاں البتہ حد صراہ میں تخیر ہے۔

❶..... نیل الاوطار ۳۰۷ اعلام الموقعین ۹۹/۲، جامع الاصول ۵۶۵/۹، والحديث رواه البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن عبد الله بن الزبير رضى الله عنه

۸۔ مختلف احوال میں تخفیف کی مراعات..... تعزیر مجرم اور جرم کی نوعیت دیکھ کر لگائی جاتی ہے یعنی حالات مختلف ہونے سے تعزیر مختلف ہو جاتی ہے جبکہ حدود میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، نیز حالات کے پیش نظر تعزیرات میں تخفیف ہو جاتی ہے جبکہ حدود میں تخفیف نہیں ہوتی۔

۹۔ جرم کے مکان و زمان کی رعایت..... زمانہ اور جگہ کے مختلف ہونے سے تعزیرات بھی مختلف ہو جاتی ہیں، چنانچہ بہت ساری تعزیرات بعض ممالک میں تعزیرات ہی سمجھی جاتی ہیں اور وہی دوسرے ممالک میں تعزیرات نہیں سمجھی جاتیں۔

۱۰۔ اللہ کا حق اور بندے کا حق..... تعزیر کی دو قسمیں ہیں:

۱..... جس میں اللہ کا حق ہو۔

۲..... جس میں بندے کا حق ہو۔ جس میں اللہ کا حق ہو جیسے صحابہ کی گستاخی قرآن کی بے حرمتی اور دوسرے دینی حرمت کی ہتک۔ بندے کا حق ہو جیسے کسی بندے کو گالی دینا اسے مارنا وغیرہ۔

جبکہ حدود آئمہ مذاہب کے نزدیک اللہ کا حق ہیں، البتہ حد قذف میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود تعزیرات میں مختلف فروق ہیں، ان میں سے ایک فرق یہ بھی ہے کہ حد لگانے کی وجہ سے کوئی مرجائے یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے تو وہ ہدر (بغیر ضمان کے تلف) ہے۔ اگر تعزیر میں تلف ہو تو اس کا ضمان واجب ہوگا، ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ عورت کو طلب کیا، وہ عورت ڈر گئی اور اس کا حمل مردہ حالت میں ساقط ہو گیا، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشاورت کی، حضرت علی نے ”تا تمام بچے کی دیت لازم کی۔“ ایک قول کے مطابق والی کی عاقلہ پر دیت ہوگی، دوسروں قول کے مطابق بیت المال پر ہوگی۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً ضمان نہیں ہوگا، چنانچہ امام نے کسی کو حد لگائی یا اس پر تعزیر لگائی اور سزا میں مجرم مر گیا تو اس کا خون ضائع (ہدر) ہے۔ چونکہ حدود تعزیر کے نفاذ پر حاکم مامور ہے اور مامور کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ ❶

اسلام میں سیاست تعزیرات اور معاشرے میں اس کے اصلاحی اثرات:

تمہید..... نظام شریعت میں قانون حدود و تعزیرات منکرات، فواحش کی روک تھام سب اس لیے ہے تاکہ جرائم سے پاک اسلامی معاشرہ وجود میں آئے اور جرائم کا تناسب کم سے کم رہے، چنانچہ یہ امر یقینی ہے کہ امت اسلامیہ کو اس نظام نے مکمل سلامتی فراہم کی ہے، دوسری اقوام اور دوسرے ممالک جن میں ہر ثانیہ جرائم سرزد ہوتے ہیں ان کی نسبت اسلامی معاشرہ میں جرائم کم واقع ہوتے ہیں، چونکہ اسلامی معاشرہ اسلام کے اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے، قرآن و سنت کی تعلیم اور سلف صالحین کی سیرت سے آراستہ ہوتا ہے، ہاں البتہ فردی، شاذ جہالت پر مبنی اور برائی واقعات منتشی ہیں، یہ واقعات بھی ایسی صورت میں رونما ہوتے ہیں جب صحیح اسلامی تکنوین، ترتیب، دینی ثقافت کا اہتمام نہ ہو، اگرچہ موضوع تفصیل طلب ہے تاہم ایضاً حقیقت کے لیے اس نظریہ کے چند بنیادی نکات پر طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔

خاکہ بحث:

اول..... جرم کے مفاہم عامہ، عصر حاضر میں جرم کی صورتحال جو دینی مانع کے نہ ہونے کے سبب ہے۔

- دوم..... تعزیریاتی سیاست کے اصول یا اسلامی قانون سزا۔
- سوم..... احکام شرعیہ کی اقسام اور احکام شرعیہ کا علاقہ اور وقائی دائرہ کار۔
- چہارم..... اسلام میں سزاؤں کی اقسام اور جرائم کی روک تھام میں ان کے اثرات۔
- پنجم..... اسلامی تعزیریاتی مبادی کی تطبیق: وسائل، سزاؤں کے اہداف اور جرائم کے خاتمہ میں ان کے اثرات۔
- ششم..... شریعت میں مبادی تعزیرات اور تخفیف جرائم میں ان کے اثرات۔
- ہفتم..... حدود شرعیہ، ان کی حکمت اور جرائم کی روک تھام میں نفاذ حدود کا اثر۔
- ہشتم..... سزائیں اور اسلام میں انسان کے حقوق۔
- نہم..... جرم اور سزا کی شرعی حیثیت۔
- دہم..... سزائے موانع، موانع مسئولیت، اسباب اباحت اور انسانی سزا۔
- یازہم..... اسلام میں سیاست تعزیرات کے بڑے بڑے اصلاحی آثار۔

اول: جرائم کے مفہیم عامہ اور دینی موانع کے معدوم ہونے کی وجہ سے عصر حاضر میں جرائم کی صورتحال:

جرم معاشرتی ناسور ہے، قدیم زمانہ سے جرائم چل رہے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ رو بہ ترقی ہیں جرائم کے اثرات عرف میں نہایت سنگین ہوتے جا رہے ہیں، ہر ملک روک تھام کے لیے قانون مرتب کرتا ہے اور جرائم پر سزائیں لاگو کرتا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ جرم قوانین تعزیرات کے اوامر و نواہی پر کھلا خروج ہوتا ہے ❶ ہر زمانہ میں جرم کا مفہوم نئی تبدیلی کے ساتھ رونما ہوتا رہا ہے، چنانچہ فقہ اسلامی کی اصطلاح میں جرم، جنایت کے معنی میں ہے، یعنی فقہی اصطلاح میں جرم کو ”جنایت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، قاضی ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جرائم شرعی محظورات (منوعات) ہوتے ہیں، جن کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود اور تعزیرات کو شروع کیا ہے۔ ❷

محظور..... یا تو منہی عنہ کے ارتکاب کو کہا جاتا ہے یا مامور بہ کے ترک کو کہا جاتا ہے۔

جرم، بالمعنی خاص جنایت ہے اور جنایت بالمعنی عام..... ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو شرعاً حرام ہو خواہ فعل کا وقوع جان پر ہو یا مال پر ہو یا کسی اور چیز پر ہو چنانچہ جرم کا یہی معنی اکثر ماہرین قانون کے ہاں لیا جاتا ہے، چنانچہ ماہرین قانون جرم کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسا فعل جس سے قانون روکتا ہو اس فعل پر سزا مقرر ہو۔

افراد کی غیر تنہا ہی حاجات کی وجہ سے معاشرہ میں جرم کا ارتکاب ہوتا ہے اور جرم پر سزا کا لاگو ہونا فطری تقاضا ہے، چنانچہ ہر انسانی جماعت میں سزا مقرر رہے اگرچہ سزائیں مختلف صورتیں ہیں۔ اور مجرم سے انتقام لینے کے اہداف مختلف ہوں، یا عدلیہ کے حکم کا نفاذ مطلوب ہو یا تہمت زدہ کی اصلاح اور تہذیب مقصود ہو۔ ❸

فی الجملہ سزائیں عبرت دلانا اور لوگوں میں ارتکاب جرم کا خوف پیدا کرنا ہے، اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی اصلاح، تہذیب اجتماعی سوچ میں عدالت سے راضی رہنے کا شعور، بالآخر سزائیں اور تعزیرات معاشرہ کو جرائم کے خطرات سے محفوظ رکھنے کا وسیلہ بن گیا، چنانچہ سزائیں جدید معنی کے اعتبار سے معاشرہ کا دفاع تین لحظات پر مبنی ہوتا ہے وہ:

(۱)..... قانونی لحظہ: یعنی قانون جاری کر کے سزا کا خوف دلانا۔

❶..... الجريمة التمیمة للدكتور درويش عبد الحميد ١٣، ١٥، ١٦ الاحكام السلطانية ٢١١، الجرام والعقاب في مصر للدكتور

حسن المرصفاوى ٢٣١۔ ❷..... الجريمة التمیمة للدكتور درويش عبد الحميد المرجع السابق ٢١

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۹۷ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

(۲)..... قضائی لحاظ: اس کا حاصل یہ ہے کہ عدالت کی طرف سے سزا کا حکم جاری کرنا تاکہ معاشرہ کو جرائم پر جرأت نہ ہو۔

(۳)..... تنفیذی لحاظ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مجرم کو سزا کی تکلیف پہنچا کر اس کی اصلاح کرنا تاکہ دوسری بار اسے جرم کے جرأت

نہ ہو۔

جرائم کی مختلف انواع ہیں۔ چنانچہ یہاں جن جرائم سے ہم بحث کر رہے ہیں ان میں سے کچھ جرائم املاک پر واقع ہوتے ہیں جیسے چوری، کچھ جرائم نفوس (جان) اور افراد پر واقع ہوتے ہیں جیسے مار پٹائی، قتل، ہتک عزت، کچھ جرائم نظام عامہ کے لیے چیلنج ہوتے ہیں جیسے امن عامہ کے جرائم، تخریب کاری، جاسوسی، رہزنی وغیرہ۔ کچھ جرائم کا وقوع دین اور اہل دین پر ہوتا ہے جیسے عبادت گاہوں پر دھاوا بول دینا نمازیوں پر حملہ کر دینا اور کچھ جرائم کا وقوع خاندانوں پر ہوتا ہے، جیسے بچوں کا اغواء، زنا، جنایت، زوجیت، کچھ جرائم کا ہدف اخلاقیات ہوتی ہیں جیسے قبیح افعال جو حیا کے لیے چیلنج ہوں۔ ❶

جس طرح جرائم کی مختلف انواع ہیں اسی طرح عصر حاضر میں مجرمین کے بھی مختلف روپ ہیں، چنانچہ ایسے ایسے انوکھے طریقوں سے جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے کہ یہ طریقے کسی کے دل میں کھٹکتے تک نہیں جیسے عورتوں کا اغواء۔

چنانچہ شارع عام پر چلتی ہوئی عورت کو ہاتھوں ہاتھ اڑا لیا جاتا ہے، اسی طرح خرید و فروخت کی غرض سے بچوں اور عورتوں کا اغواء، چنانچہ حال ہی میں بنگلہ دیش میں پولیس اہلکاروں نے ساٹھ (۶۰) کے لگ بھگ مرد عورتوں کو چھڑایا جو خرید و فروخت کے ذریعہ بیگار میں لگائے گئے تھے۔ اور بعض کو اعضاء کی پیوند کاری کی غرض سے فروخت کیا گیا تھا، چنانچہ بنگلہ دیشی حکومت نے یکم جولائی ۱۹۸۸ء میں پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا، اس کی رو سے عورتوں کی خرید و فروخت میں ملوث افراد کو سزائے موت دینے کا حکم لاگو کیا گیا۔ ❷ کمسن بچوں کی تجارت تو نہایت زور پکڑ چکی ہے، چنانچہ ایک ہی سال میں کئی ملین بچوں کو اغواء کر کے فروخت کر دیا جاتا ہے ❸ مختلف صیہونی علاقوں میں آج کل دو ہزار (۲۰۰۰) کے لگ بھگ برازیلی مغوی بچے موجود ہیں، اسرائیل میں تو ۱۶ ادارے موجود ہیں جو باقاعدہ سے اغواء اطفال کی تعلیم دیتے ہیں، فرانس میں دو سالوں ۸۸-۱۹۸۷ء کے دوران بیسویں نو جوان لڑکیوں کے اغواء کیس ہوئے اغواء کاروں نے صرف ہوس پرستی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اغواء کے بعد لڑکیوں کو قتل بھی کر دیا گیا، اب مختلف اداروں نے اس گھناؤنے جرم پر سزائے موت کے قانون کی بحالی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔ ❹

منشیات میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے چنانچہ اٹلی میں منشیات کی عادت سے مرنے والوں کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سے تجاوز کر چکی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں عالمی ادارہ صحت عامہ نے ایک اندازے کے مطابق ۳۲ ملین عادی منشیات زدہ افراد کا انکشاف کیا، مصر کے مفتی اعظم نے تو اعلانیہ منشیات کا کاروبار کرنے والوں کو سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ مصر میں منشیات کے دھندے کی روک تھام ہو سکے اور اس سخت سزائے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ ❺

برطانیہ میں بھی جرائم میں زبردست اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، اسی طرح امریکی معاشرہ میں قتل چوری، غضب، اغواء اور کھلی جارحیت کے جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، یہاں تک کہ کئی عشروں سے اقتصاد کی آسودگی کی وجہ سے نیویارک، اٹلانٹا اور واشنگٹن میں کھلے عام منشیات کا دھندا جاری ہے اور منشیات نے یورپ، ایشیاء اور افریقہ کو اپنی پلیٹ میں لے رکھا ہے، جس کی وجہ سے ایڈز اور جنسی بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے یہاں تک کہ پورے عالم میں لاکھوں مرد اور عورتیں ان مہلک امراض میں مبتلا ہیں، برطانیہ میں چوری، ڈکیتی اور چکاری کی وارڈز میں

❶..... الجريمة التنمية للدكتور درويش عبد الحميد المرجع السابق ۲۱-۲۲۔ ❷ جريدة البيان في الامارات بتاريخ ۲ جولائی

۱۹۸۸ء۔ ❸ جنرلہ الاتحاد في الامارات بتاريخ ۲۳ جون ۱۹۸۸ء۔ ❹ جريدة الاتحاد بتاريخ ۳۰ مارچ ۱۹۸۸ء۔ ❺ جريدة

الفجر في الامارات بتاريخ ۳۰ اپریل ۱۹۸۸ء

سال ۱۹۸۷ء میں ۱۲ فیصد اضافہ ہوا اور اس طرح کے پینتالیس ہزار (۵۴۰۰۰) کیس منظر عام پر آئے جرائم میں حیرتناک اضافے کی وجہ سے آسودگی اور دینی روک ٹوک کا معدوم ہونا ہے، چنانچہ جدید عصری سول قانون رب تعالیٰ کی ہدایت، دینداری اور تعلیمی دینیہ سے عاری ہے۔

میں نے چند جرائم کا ذکر کیا ہے جو نمونہ کے لیے کافی ہیں جیسے میں نے ناکارہ مادی فلسفہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، چنانچہ یہ تمام جرائم جدید مادی تہذیب کی کارستانیوں ہیں، اس کے برعکس اخلاق، دین انسانی اقدار، عدل و انصاف اور مساوات سے مسلسل غفلت برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ۱۹۸۶ء میں ایک اندازے کے مطابق یو۔ ایس اے میں لاکھوں قیدی جیلوں میں پڑے موت کی انتظار میں ہیں، رہی بات سزائے موت کی سوامریکہ میں اس کا بھی کوئی عادلانہ معیار نہیں بلکہ سزائے موت کا قانون بھی تعسف اور ازم پرستی کی بھینٹ چڑھا ہوا ہے، جیلوں میں موت کے انتظار میں بیٹھے ہوؤں میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل ہیں، ان میں سے اکثر ذہنی مریض ہو چکے ہیں جبکہ یہ لوگ ۱۸ سال یا ۱۸ سال سے کم عمر میں قید کئے گئے اور اب ان کے سامنے صرف موت ہے، ان میں سے آدھے تو سیاہ فام ہیں جو عدالتی فیصلوں کی بادشاہ میں جیلوں میں ٹھونس دیے گئے، گویا سزائے موت کا قانون بھی نسلی امتیاز پر قائم ہے۔ ❶

علوم و فنون میں ترقی جرائم کی روک تھام کا سبب نہیں، چونکہ عصری علوم و فنون مادیت کا چرہ ہیں اور جذبہ انسانیت سے کوسوں دور ہیں، جبکہ انسانی علوم تو وہ ہوتے ہیں جو جذبات و احساسات کو مہذب بنادیں، طبائع کی اصلاح کریں، جرائم میں کمی لائیں لیکن عصری علوم کا حیاہ صرہ اور جدید مادی تہذیب میں کوئی اثر نہیں جبکہ علوم و معرفت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جرائم میں تقلیل کا باعث ہو اور جب جہالت بڑھ جاتی ہے جرائم میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

دوم: تعزیری سیاست یا تعزیرات اسلامیہ کے اصول..... خود ساختہ قوانین کے ماہرین کی نظر میں جرائم کی روک تھام کے اہداف کا حاصل تین نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ عموم..... اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں بھی جرم سرزد ہو قانون لاگو ہوتا ہے۔
- ۲۔ کامل ہونا..... یہ کہ قانون، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی اہداف کے ساتھ متفق ہو۔
- ۳۔ عملی ہو..... یہ کہ حکمت عملی کا قیاس عملی طور پر ہو، چنانچہ دیکھا جائے گا کہ مثلاً سزائیں سلب حریت میں کتنی مؤثر ہیں جو کہ قید و بند کی سزا ہو اور اس کے ساتھ مشقت طلب مصروفیت بھی ہوتا کہ مجرم اجتماعی زندگی کے قابل ہو جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں تعزیراتی نظام میں ان خصوصیات کی رعایت رکھی گئی ہے، رہی بات عموم کی سوشریعت اسلام نے ہر ایسے امر کو حرام قرار دیا ہے جو مصلحت فرد یا مصلحت عامہ کے لیے باعث ضرر ہو، چنانچہ تحریم، خطر، ممانعت، جرم، سزائے جملہ نظام ہا، نے بھی تعزیرات کا احاطہ کر رکھا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد اخروی اور دنیوی سزائیں لاگو ہوتی ہیں، رہی بات کامل ہونے کی سو نظام ہائے جرم سزاجوا اسلام میں مقرر ہیں ان سے متوقع جملہ سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی اہداف متحقق ہوتے ہیں جیسے باغیوں، راہزنوں، زنا، قذف اموال اسحاق پر جا جیت، سرقت، اغواء، غصب، چکاری، وغیرہ ذالک۔

رہی بات سزائے عملی ہدف کی سوظاہر ہے کہ جب شریعت کے ضوابط کا التزام ہوگا تو احکام کا نفاذ لامحالہ ضروری ہوگا، اس کے ساتھ آداب، نگرانی، اصلاح نفس و عظم و نصیحت اور جیلوں میں دعوت و ارشاد کا انتظام ہوتا ہے چنانچہ جن مجرمین کو جیلوں میں قید کیا جاتا ہے ان میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اصلاح نہ ہو پائے ورنہ اکثریت راہ راست پر آ جاتی ہے اور وہ قوم کے افراد بن جاتے ہیں۔

۹۹ جلد ہفتم اسلامی وادلتہ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

بایں ہمہ جرائم سے روک تھام کا ایک اور نظام موجود ہے جو سزا اور تعزیر سے پیشگی فعال ہوتا ہے، اس نظام کی رو سے جرائم کی نوبت ہی نہیں آتی یہ نظام، نظام حسبہ یعنی امر بالعرف اور نہی عن المنکر کا محکمہ اور نظام ہے، چنانچہ کاروبار زندگی کے جمیع مبادین بالخصوص بازاروں میں یہ محکمہ فعال رہتا ہے جو وعظ نصیحت کے اسلوب میں لوگوں کو اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنے کی ہدایت کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ یہ محکمہ دعوت اور ارشاد تعلیم دین، وعظ نصیحت، آیات قرآن اور احادیث نبویہ کے ذریعہ ترغیب وترہیب، اصلاح و تعلیم کے ذریعے جرائم کی روک تھام کرتا ہے اگر کسی کی طبیعت ہی میں انحراف ہو تو پھر اس کے لیے سزا اور تعزیر ہے۔

سوم: احکام شرعیہ کی انواع اور ان احکام کا وقائی (حفاظتی) اور علا جی دائرہ کار ملاحظہ ہو کہ احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱..... احکام اصلیہ ۲..... احکام مؤیدہ یا زجر یہ

احکام اصلیہ اساسیہ جو ایجاب ❶ منع کے دائرہ میں اصلی نظام شریعت کو جو دیتے ہیں، ان احکام کی وجہ سے انسان قصداً ممنوعات سے بچتا ہے، جبکہ ممنوعات کے ارتکاب سے دین، جان، مال، عقل و آبرو، کے اعتبار سے واضح ضرر مرتب ہوتا ہے، گویا حرام کو حرام اس لیے قرار دیا گیا تاکہ انسان دوسروں کو ضرر اور اذیت پہنچانے سے محفوظ رہے، چنانچہ اکثر محرمات پر دنیوی سزائیں نہیں بلکہ اخروی سزا ہے جیسے شرک، والدین کی نافرمانی، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جنگ سے بھاگ جانا کبیرہ گناہ ہیں دنیا میں ان موبقات (کبیرہ گناہوں) پر کوئی سزا نہیں، ہاں البتہ اگر حاکم وقت ان گناہوں کے سبب اجتماعی نظام میں خلل دیکھے تو مناسب سزا دے سکتا ہے، اسی طرح بسا اوقات انسان عبادت میں کوتاہی کر بیٹھا ہے مثلاً بغیر وضو کے نماز پڑھ دی، روزے میں چغلی یا غیبت کر دی، حج میں فحش کلام کر دیا، زکوٰۃ میں حقیر مال دیا، ان گناہوں پر کوئی سزا نہیں البتہ آخرت میں ان پر سزا ملے گی۔

معاملات میں بھی انسانا سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں مثلاً غش، اجارہ داری، سٹہ، ظلم، ذخیرہ اندوزی، غصب، دھوکہ دہی، دوسرے خریداری پر خریداری وغیرہ ذالک، چنانچہ ان جرائم پر دنیا میں کوئی سزا نہیں، اسی طرح ملکی معاملات میں بھی جرائم ہو جاتے ہیں جیسے مثلاً حاکم غیر شرعی طور پر معاہدہ توڑ دے، اسے سزا نہیں ملے گی، میراث اور حقوق عامہ میں جرائم کر دیے جاتے ہیں مثلاً کوئی ایک وارث جبراً ترکہ سے کوئی چیز قبضہ میں کر لیتا ہے، مجاہد مال غنیمت سے کوئی چیز اٹھا لیتا ہے، تاہم دنیا میں اسے سزا نہیں ملتی ❷ شخصی احوال میں بھی جرائم ہو جاتے ہیں مثلاً خاوند بیوی کو معلق کر کے چھوڑ دیتا ہے وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی، اسی طرح پیغام نکاح پر پیغام بھیج دیا جاتا ہے، اخلاقی دائرے میں بے شمار گناہوں کا ارتکاب کر دیا جاتا ہے مثلاً انسان غیبت اور چغلی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

بسا اوقات کسی بے گناہ انسان پر ظلم کر دیا جاتا ہے، ان جرائم پر دنیا میں سزا نہیں۔

دنیوی سزا نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جرائم مباح اور حلال ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ان جرائم کی سزا نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی جھیل سکتا ہے، ان جرائم پر اخروی سزا ہے جو نہایت شدید، انتہا درجے کی خطرناک اور دائمی ہے۔ گویا حرام کو حرام اس لیے قرار دیا گیا تاکہ مفاسد، شرور و منازعات، مضار و مفاسد سے احتیاج کیا جائے، اس امر پر اگر غور و فکر کر لی جائے تو انسان راہ راست کی پابندی کر سکتا ہے، شریعت کے ممنوعہ اور حرام کردہ امور سے دوری اختیار کر سکتا ہے، یہی شریعت مطہرہ اور آسمانی دین کی خصوصیات ہیں جو کسی خود ساختہ قانون میں موجود نہیں۔

اسی پر بس نہیں بلکہ شریعت نے مشتبہات میں پڑنے سے بھی منع کیا ہے چونکہ امر مشبہ امر حرام کا واسطہ اور وسیلہ بن سکتا ہے اس لیے مشتبہ

❶..... ایجاب: یعنی کسی جرم کے ارتکاب کے لیے تک دو۔ منع یعنی جرم سے باز رہنا۔ ❷ یعنی قانونی طور پر وہ سزا کا مستحق نہیں ہوتا مگر دنیا سے سزا لے سکتی ہے۔

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۱۰۰ ----- اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

سے بچنے میں زیادہ بہتری اور زیادہ سلامتی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”حلال بھی واضح ہے، حرام بھی واضح ہے۔“ ان دونوں چیزوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں، بہت سارے لوگوں کو ان کا علم نہیں ہوتا، سو جو شخص مشتبہ امور سے بچ رہا اس نے اپنا دین، اپنی عزت و آبرو محفوظ کر لی، اور جو شخص مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ صریح حرام میں پڑ گیا، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک چرواہا سرحد کے آس پاس بکریاں چرواتا ہے۔ کیا بعید کوئی بکری سرحد پار بھی جاسکتی ہے، ہوشیار ہو ہر بادشاہ کی سرحد ہوتی ہے، خبردار اللہ تعالیٰ کی سرحد اس کے حرام کردہ امور ہیں۔ ①

جناہ احکام مانعہ، حفاظتی اور وقائی احکام ہیں، جرائم اور ارتکاب جرائم سے روکتے ہیں وقائی یا حفاظتی احکام میں سب سے اہم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام ہے اور قرآنی آیات و احادیث نبویہ کے ذریعہ ہر مسلمان سے اچھائی کرنے اور برائی سے روکنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جماعت اور عیدین کے مواقع پر وعظ و نصیحت کی جاتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے، اچھائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے

یہی جماعت حقیقت میں فلاح پانے والی ہے۔ آل عمران ۱۰۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو زبان سے روکے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو دل میں اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ② ترمذی کی ایک حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ انہی اوامر اور نواہی کی اساس پر نظام حجب قائم ہے جو افراد اور معاشرہ کو جرائم میں پڑنے سے روکتا ہے، حجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام اور یہ دینی فریضہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حجب اگرچہ ہر مسلمان پر واجب عام ہے، ہاں البتہ جب باقاعدہ نظام اور شعبہ بن جائے تو محتسب پر فرض عین ہو جاتا ہے، محتسب کی ذمہ داریوں میں قضاء، مظالم کا خاتمہ اور محکمہ پولیس شامل ہے، محتسب ظاہری، منازعات پر نظر رکھے جو اثباتی اولہ کے محتاج ہوتے ہیں جسے غش تدلیس، ناپ تول میں کمی، محتسب ان ذمہ داریوں کے اعتبار سے قاضی کے حکم میں ہے، محتسب ایسے لوگوں کی تادیبی کارروائی عمل میں لائے جو اعلانیہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہو یا آداب اسلامیہ کی رعایت نہ رکھتے ہوں، گویا محتسب جرائم پر نظر رکھے، قانون، آداب، سڑکوں اور بازاروں میں بحالی امن کو یقینی بنائے، ان امور کے پیش نظر شعبہ احتساب محکمہ پولیس یا دفتر عدالت کی مانند ہے۔ ③

شعبہ احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نبھاتا ہے، چنانچہ جہاں بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر حقوق کی پامالی ہو رہی ہو احتساب ان کی بحالی کو یقینی بناتا ہے، مثلاً دینی واجبات ترک کیے جا رہے ہوں یا شعائر اسلامیہ کا قیام نہ ہو تو احتساب واجبات کی بجا آوری اور شعائر کے قیام کو یقینی بناتا ہے، مصالح عامہ مساجد اور سڑکوں پر احتساب کی نظر ہوتی ہے،

ادائیگی حقوق میں کوتاہی کا خاتمہ، بچوں کی کفالت، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں کا مطالبہ شعبہ احتساب کے فرائض میں شامل ہے، احتساب عوام کو تہمت و ریب کے مواقع سے روکتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمہیں جس امر میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اسے بجالاؤ۔ ④ مثلاً مساجد اور پبلک سنٹرز میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی روک تھام، منشیات اور لہو لعب کے دھندوں کا خاتمہ شعبہ احتساب کے فرائض میں سے ہیں، شعبہ احتساب غلط معاملات مثلاً سود، بیوع، فاسدہ، غش، تدلیس، اور ناپ تول میں کمی

①..... رواہ البخاری و مسلم عن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ۔ ② اخرجه الامام احمد و مسلم واصحاب السنن الاربعة عن ابی

سعید الخدری رضی اللہ عنہ

لفظہ اسلامی وادلتہ.....جلد ہفتم ۱۰۱ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات
کی روک تھام یقینی بناتا ہے۔

احکام مؤیدہ..... یا تو مدنی (سول احکام) ہوں گے یا تعزیریاتی ہوں گے، پھر مویدات مدنیہ کی چار قسمیں ہیں: بطلان، فساد، توقف
(عدم نفاذ)، عدم لزوم، چنانچہ ہر وہ عقد (معاملہ) جس کے ارکان اور شرائط پوری نہ ہو وہ یا تو باطل ہوتا ہے یا فاسد ہوتا ہے یا موقوف ہوتا ہے یا
ملازم ہوتا ہے۔ تعزیریاتی مویدات، سزائیں ہیں جن میں جرائم کی روک تھام کے لیے نافذ کیا جاتا ہے۔ اور یہ حدود اور تعزیرات ہیں۔ چنانچہ
ویدات، احکام شرعیہ اصلہ کی معاون ہیں، گویا احکام شرعیہ کا دائرہ کار یا تو حفاظتی اقدام ہے یا علاجی اقدام ہے، یہ دونوں اصلاح، ارتکاب
جرائم اور انحراف کا سبب ہیں۔ جیسے کہ اس کی تفصیلی آ یا چاہتی ہے۔

چہارم: اسلام میں سزاؤں کی اقسام اور جرائم کی روک تھام میں ان کے اثرات..... اسلام کے نقطہ نظر میں سزایا تو اخروی
ہوگی یا دنیوی، آخری سزا کا اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے چاہے مجرم کو سزا دے یا اس پر رحم فرما کر اسے بخش دے وہ غفور اور رحیم ہے۔ اور شدید
عقاب (سخت سزا دینے والا) بھی ہے۔ سچا مومن عذاب آخرت سے ڈرتا ہے چونکہ دوزخ کا عذاب دنیوی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے۔
اخروی سزا کا دار و مدار قانون حق و عدل پر ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ، أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ
کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے، کیا ہم انہیں زمین میں فساد پھیلانے والوں کے برابر کر دیں گے؟
یا ہم پر ہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟ ص ۳۸/۲۸

دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۚ مَالَكُمْ بِئْسَ تَحَكُّمُونَ ﴿۳۵﴾ اقلیم ۶۸/۳۵

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کرتے ہو؟

چنانچہ نہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے نہ کسی فلسفہ اور عقل کا کہ نافرمان اور فرمانبردار میں برابری کر دی جائے، منحرف اور راستباز کو مساوی
مقوق دیئے جائیں۔ اسی لیے تو قیامت کو ”یوم الدین“ جزا کا دن کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہ بن صامت رضی
اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی
کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، زنا نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، اللہ کے حرام کردہ نفس (جان) کو ناحق قتل نہیں کرو گے ہاں البتہ کس حق کے
ساتھ۔ سو جو شخص ان شرائط پر پورا اترے اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور جس شخص نے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب
کیا اور اسے سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ ہوگی، اور جس نے گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کے معاملہ کا اختیار اللہ کو
حاصل ہے، اگر چاہے تو اسے معاف کر دے چاہے اسے عذاب دے۔

بہت ساری قرآنی آیات مبداء عدل و انصاف پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے گا
جنہوں نے اطاعت و امتثال کو اپنا وظیفہ بنائے رکھا وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے گا جنہوں نے اطاعت خداوندی
کی مخالفت کی، انہیں بھی انصاف ملے جو خیر و ہدایت اور اصلاح کے پیغام تھے اور انہیں بھی ملے گا، جو شر و فساد، ضلالت، و گمراہی کے داعی
تھے، آیات عدل و انصاف کا ایک اور مقصد بھی ہے کہ جرائم پیشہ افراد کی ترہیب کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۵۷﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ

..... مقدمہ ابن خلدون ۵۷۶۔ ۵۷۷ رواہ الترمذی والنسائی عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۰۲ اسلام میں دنیوی سزائیں

وَجُودًا وَتَسْوُدًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اَسْوَدَتْ وَجُوهُهُمْ ۖ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَبْيَضَتْ وَجُوهُهُمْ ۖ فَاِنَّ رَحْمَةً لِّلّٰهِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلٰیكَ بِالْحَقِّ ۚ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ آل عمران ۱۰۳ تا ۱۰۸

اور تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جس کے افراد لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں، ایسی ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آئے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے، ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی۔ اس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا؟ تو پھر اب مزہ چھکواس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کرتے تھے، دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں، اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

اسلام میں دنیوی سزائیں

دنیوی سزائوں کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ حدود..... وہ سزائیں جو شارع کی طرف سے مقرر ہوں اور ان کی تعین نصوص صریحہ سے ثابت ہو۔ ① یہ سزائیں نہایت محدود ہیں، حنفیہ کی رائے کے مطابق کل ملا کر پانچ ہیں۔ حد زنا، حد قذف، حد سرقہ، (قطع ید اور حد صرابہ) حد شرب خمر اور حد مسکر۔ یہ سزائیں اللہ کا حق ہیں یعنی ان سزائوں میں مصلحت عامہ کی رعایت رکھی گئی ہے، حنفیہ نے قصاص کو حدود میں شمار نہیں کیا چونکہ قصاص میں بندے کا حق غالب ہوتا ہے۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک حدود کی سات اقسام ہیں..... حد زنا، حد قذف، حد سرقہ، حد صرابہ، حد مسکرات، (اس میں خمر اور دوسرے مسکر مشروبات بھی شامل ہیں) حد قصاص اور حد رد۔ کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے، ان سے تجاوز کرنا کسی کے لیے جائز نہیں، خواہ حدود کا مقصد حقوق اللہ کی رعایت ہو (یعنی مصلحت عامہ) یا باندوں کے حقوق کی رعایت ہو، قصاص بھی حدود میں سے ہے، ان سزائوں کو حدود کا نام دیا گیا ہے چونکہ حدود جرائم اور گناہوں میں پڑنے کے مانع ہوتی ہیں۔

درحقیقت کبھی حدود کا مقصد اجتماعی حق کی رعایت ہے، کیوں کہ جس جرم سے لوگوں کو ضرر اور اذیت پہنچے تا دہی کا روائی سے اس جرم کی روک تھام یقینی بنائی جاتی ہے تاکہ امن وامان، احترام زندگی عزت و آبرو کی حفاظت، نفقہ و اموال کی حفاظت یقینی ہو، حدود میں حق شرع کی بھی رعایت ہے چونکہ حدود یا تو قرآن حکیم میں منصوص ہیں جیسے حد زنا، حد قذف، حد سرقہ، حد صرابہ، اور قصاص یا سنت نبویہ میں منصوص ہیں جیسے حد مسکرات اور رجم۔ ان حدود کی صراحت کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اقدار کو چیلنج نہ کیا جاسکے، انسانی جان، انسانی فکر، آبرو، مال، دین اور عقیدہ محفوظ رہے۔

ایسا بھی نہیں کہ محض شک و شبہ کی بناء پر حدود کا اجراء کر دیا جائے بلکہ حدود بہت سارے ضوابط و شرائط پر موقوف ہیں اس لیے حدود کا وقوع نادر ہے، مشاہدہ کے لیے ان ممالک کو دیکھ لیا جائے جن میں حدود کا نفاذ ہے جیسے سعودی عرب، چنانچہ پورے سعودی عرب میں سال بھر میں دو تین ہی واقعات پیش آتے ہیں جن میں حدود کا اجراء ہوتا ہے۔

جمہور کے نزدیک حدود کے جرائم آٹھ ہیں..... زنا، قذف (تہمت) شرب مسکر، چوری، زہرنی، بغاوت، ردت اور قتل عمد جو موجب قصاص ہو، چونکہ ان جرائم کی سزائیں شریعت میں مقرر ہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد: ثانیہ ۱۰۳ اسلام میں دنیوی سزائیں

ابن جزئی مالکی کہتے ہیں..... موجب سزا جرائم تیرہ (۱۳) ہیں: قتل اور زنی کرنا، زنا، قذف شرب خمر، سرقہ، بغاوت، رہزنی، روت، زندقہ، رب تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا، انبیاء اور فرشتوں کی شان میں گستاخی کرنا، جادو کا عمل، نماز اور روزہ چھوڑنا۔ ❶

ابن جزئی نے تعزیری سزائیں جو قرآن و سنت میں منصوص نہیں بھی حدود کے ساتھ ملاتی ہیں، بلکہ فقہاء کے اجماع کا اکثریتی رائے کی بناء پر مضمومہ جرائم کی سزا ایک ہی ہے یعنی قتل، قصاص میں بھی قتل ہے، زندقہ، گستاخی، جادو، صوم و صلاۃ کے ترک میں بھی قتل ہے۔

۲۔ تعزیرات..... وہ سزائیں جو شرعاً مقرر نہیں ہیں اور ان کی تحدود و تعیین کا اختیار قاضی یا حاکم وقت کو سونپ دیا گیا ہے کہ وہ زمان و مکان کا اور اشخاص کے حالات اور جرائم کی نوعیت کو سامنے رکھ کر اپنی صوابدید کے مطابق تعزیراتی سزا دے۔

خود ساختہ قوانین میں اکثر سزائیں تعزیراتی ہیں، چونکہ خود ساختہ قوانین میں اصلاح و امن اور مجرم کی زجر و توبیخ کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ہر ایسا جرم جس پر حد اور کفارہ مقرر نہ ہو اس میں تعزیر ہے خواہ حقوق اللہ پر جارحیت کی گئی ہے جیسے بلا عذر رمضان کا روزہ ضائع کرنا، جمہور کی رائے میں نماز چھوڑنا، ”سود خوری“، نجاست اور اذیت دہ اشیاء کو عوامی راستوں میں پھیلانا، یا حقوق العباد پر جارحیت ہو جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا، مس کرنا، شرعی نصاب سے کم چوری کرنا، غیر حزر سے چوری کرنا، امانت میں خیانت کرنا، رشوت لینا، گالی گلوچ اور الفاظ قذف کے علاوہ دوسرے الفاظ میں تہمت لگانا اور دُفروں کو اذیت پہنچانا۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں..... معانی (جرائم) کی تین انواع ہیں:

۱..... وہ جرائم جس میں حد ہے کفارہ نہیں جیسے سرقہ، شرب خمر، زنا، قذف، ان جرائم میں حد کافی ہے ان میں تعزیر نہیں۔

۲..... وہ جرائم جن میں کفارہ ہے حد نہیں جیسے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رمضان میں دن کے وقت وطی کر لینا، حالت احرام میں وطی کر لینا۔

۳..... وہ جرائم جن میں نہ حد ہے اور نہ ہی کفارہ جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لے لینا، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا، ہشلوار کے بغیر حمام میں داخل ہونا، حرار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانا وغیرہ ذالک، اس نوع کے جرائم میں تعزیر ہے۔ بقول جمہور امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ تعزیر چھوڑ دے، شافعیہ کہتے ہیں: تعزیر امام کی صوابدید پر موقوف ہے چاہے قائم کرے یا نہ کرے جیسا کہ تعزیر کی مقدار امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔ ❷

تعزیری سزائیں یہ ہو سکتی ہیں..... زجر و توبیخ، قید و بند مار پٹائی، مالی تاوان، حالات اور جرائم کے پیش نظر سیاست قتل بھی ہے، مثلاً ملکی امن و امان، جاسوسی، لواطت، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے پر قتل بھی بطور تعزیر روا ہے۔

ان سزاؤں کا نفاذ جرائم کی روک تھام کے لیے ہے، اگر ان کے مقابلہ میں حیلہ گیری، سفارش، اور رشوت ہو تو جرائم میں قلت کی بجائے کثرت ہوگی۔

خلاصہ یہ رہا کہ شرائط و ضوابط کے ساتھ حدود شرعیہ اور تعزیرات کا نفاذ معاشرتی سلامتی اور امن و عامہ کے تحقق کے لیے ہے، طبعاً جب حدود کا نفاذ ہوگا لامحالہ جرائم میں خود بخود کمی واقع ہو جاتی ہے۔

پنجم: تعزیراتی سیاست اسلامیہ کے بادی (اصول) کی عملی تشکیل و تطبیق..... اسلامی تعزیراتی کے اصولوں کا عملی نفاذ ہمیں سزا کے اہداف و وسائل اور اغراض و مقاصد سے آگاہ کرتا ہے، یہ اغراض و مقاصد درج ذیل تصور کے موافق جرائم کے سد باب میں مؤثر ہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۰۴ اسلام میں دنیوی سزائیں

مجرم کی اصلاح..... شریعت اور خود ساختہ قوانین میں سزا کا ایک ہدف اور مقصد مجرم کی اصلاح اور اسے راہ راست پر لانا ہے، اس اصول کا معنی یہ ہوا کہ مجرم کو سزا کی تکلیف اور درد و الم پہنچانا فی ذاتہ مقصود نہیں بلکہ سزا تو مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور وہ مقصد مجرم کی اصلاح ہے، لہذا مجرم کو تکلیف پہنچانا اور اسے ذلیل کرنا مقصد نہیں اسی طرح جیل میں مجرم سے مشقت طلب کام لینا بھی ہدف نہیں، یہ سب اس لیے ہیں تاکہ گناہ گار راہ راست پر آجائے۔ ❶

سزا مقصود لذاتہ نہیں..... اسلام کی فکر و نظر میں سزا لذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی سزا فرد و جماعت کی اصلاح و تہذیب کا کوئی بہترین وسیلہ ہے، سزا سے معاشرتی زندگی میں بنیادی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، سزا تو ہدف تک پہنچنے کا آخری وسیلہ ہے جب تمام وسائل غیر مؤثر ہو جائیں تب سزا کا سہارا لیا جاتا ہے، جیسا کہ ماضی میں عرب کے عرف میں علاج کے لیے آخری دوا کی (داغنے) کو تجویز کیا جاتا تھا۔

پیشگی تنبیہ اور وارننگ..... جب ہم سزا کے اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہوں تو اس سے پہلے تشفی بخش وضاحت کا ہونا ضروری ہے، جس طرح جبر و اکراہ کی صورت میں ایمان صحیح نہیں ہوتا اسی طرح سزا کا فوری اقدام بھی نہ صرف غیر صحیح ہے بلکہ بے سود بھی ہے، بسا اوقات تو دعوت و ارشاد، اچھی بات، وعظ نصیحت زیادہ نفع بخش ثابت ہوتے ہیں اور سزا تک نوبت ہی نہیں پہنچتی، الغرض پیشگی تنبیہ کے بغیر سزا نہ صرف بے سود ہے، بلکہ نہایت فتنہ انگیز اقدام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تکلیف شرعی سے قبل جزا اور سزا کا تصور ہی نہیں ہوتا، چنانچہ جب عقل و بلوغ کے ساتھ اہلیت پیدا ہو جائے تب مکلف پر اوامر و نواہی اور احکام شرعیہ کا اجراء ہوتا ہے، چنانچہ عقلاء ملامت و سزا کو پیشگی تنبیہ و ہدایت کے بغیر معیوب سمجھتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف تشفی بخش وسائل، عقلی اور حسی براہین، ہم تک پہنچائے ہیں، ایمان صحیح اور توحید کی رہنمائی کا انتظام کیا ہے، شرک و کفر کے تمیز دہانچوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا و آخرت کی ابدی سعادت کا راستہ دکھا دیا ہے، خیر بھلائی، نیکی اور احسان کے مختلف طریقے سمجھائے، مواعظ مضامین عبرت، گذشتہ تباہ شدہ اقوام کے قصص اور ضرب الامثال کے ذریعے تنبیہ کیا، کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی، عقل و فکر کو پیدا کیا، ضمیر و وجدان کو کھنچوڑا، فردی استقلال کو باوقار قرار دیا، آباؤ اجداد کی اندھی تقلید اور غلط موروثی رسوم و افکار کے خلاف اعلان جنگ کیا تاکہ فاسد اور بیکار عقائد میں تغیر آئے، اخلاق کی اصلاح ہو، خوشحال زندگی کے لیے درست اور صالح نظام زندگی وجود میں آئیں اور جاہلی اور شرکانہ روایات سے خلاصی ملے۔ الغرض جب تمام تر وسائل بروئے کار لانے کے بعد بھی کوئی اپنی اصلاح نہ کر سکے تو اسے راہ راست پر لانے کے لیے حتمی وسیلہ سزا ہی رہتا ہے۔

بتدریج اصلاحی اقدام..... اجتماعی اور فردی اصلاح کے حوالے سے قرآن حکیم میں تدریجی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، ایسا نہیں کہ یک لخت انسانوں کو اصلاح اور تبدیلی کے جملہ احکام پر مجبور کر دیا گیا ہو، بلکہ آہستہ آہستہ اور وقتاً فوقتاً احکام شریعت سے انسانوں کو مانوس کیا گیا، چنانچہ جب زعماء، راہنماؤں اور قوم کے بڑوں میں کفر و عناد مستحکم ہو گیا اور وہ قبول حق سے پہلو تہی کرنے لگے، اہل قرآن اور اہل ایمان پر ان کی جارحیت بڑھتی گئی، کمزور طبقے کو اذیت و عذاب کی بھٹی میں تھج دیا یوں تیرہ سال (۱۳) کے طویل عرصہ میں ضعیفانہ تحت مشق بنے رہے اور اتنے عرصہ تک ان کے ابتلاء و آزمائش میں استمرار رہا، یہی تیرہ سال مکہ میں ضعفاء کے لیے صبر آزمائش کا زمانہ رہا۔ تو اس کے بعد جزو توبہ، قوت تہدید، وعید انداز اور جلدی عذاب میں گرفتار ہونے کے متعلق آیات نازل ہوئیں، ان معاندین پر رب تعالیٰ کی حجت تمام ہوئی، عامہ الناس سمجھ گئے کہ اب کچھ اور ہی ہونے والا ہے، وہ یہ کہ کوتاہ اندیش لوگ اور وحی قرآن سے پہلو تہی کرنے والے تادیبی کارروائی اور سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پیشگی وضاحت کے وجوب پر دلائل..... بغیر کسی وضاحت کے سزا کی قباحت کے متعلق قرآن حکیم میں اعلان شہر تمام ہوا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوشخبری سنانے اور (دوزخ سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ (النساء ۱۶۵/۳)

اس کے بعد قرآن نے ہر طرح کے عذر، مہلت اور تاخیر کے خاتمے کا اعلان کیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّكَ اَهْلَكْتَهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَمْرُ سُلَيْمَانَ اِلَيْنَا مَرْسُولًا فَكُنْهُنَّ اِلَيْكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَذِلَّ وَتُخْزَىٰ ۝

اور اگر ہم انہیں اس قرآن سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم ذلیل اور سوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرے؟..... ط ۲۰/۱۳۲

اللہ تعالیٰ نے اخروی عذاب سے پہلے تمام حجت کی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلْتَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝۱۰۱ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۝۱۰۲

فَلَمَّا بَيَّنَّا مَا نُنْزِلُ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۝۱۰۳ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝۱۰۴ الملک ۸۶-۹

جب بھی اس میں کافروں کا کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو (دوزخ) کے محافظان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی بھی خبردار

کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بیشک ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ

اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بڑی بھاری گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

قرآن کریم نے پیغمبروں کی بعثت سے پہلے سزا و عذاب کے احتمال کی نفی کی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵۱ الاسراء ۱۵۱

ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول کو مبعوث نہ کریں۔

رسول: خدائی ہدایت آسمانی مواظظ اور احکام شریعت کے ساتھ بھیجا ہوا پیغمبر ہوتا ہے یہی تعریف حق ہے اسی کی طرف فوراً ذہن منتقل ہوتا

ہے۔ یہی جمہور مسلمانوں کا قول ہے۔ جبکہ معتزلہ کے نزدیک رسول: عقل ہے، چونکہ خدائی وسائل ہدایت میں کوئی وسیلہ عقل کے برابر نہیں،

کیونکہ ہدایت کی مختلف انواع ہیں، اللہ کی ہدایت، توفیق، عون و معاونت، سمع، بصر، دل اور عقل و فکر کی ہدایت، یہ ساری انواع حساب، عقاب

تکلیف، تنفیذ نظام اور خدائی قانون پر مقدم ہیں۔

سزا میں تسامح برتنے کے دلائل..... شریعت میں تنفیذ سزا میں جلد بازی کرنے پر زور نہیں دیا گیا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ

قرآن میں انبیاء و رسل کے اصل مقاصد کو اولاً بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد سزا اور قوت کا ذکر آیا ہے۔ یہ اس لیے کہ شریعت میں سزا کے

متعلق تسامح اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی رہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَمْرُسْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۝۱۵۲ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ

بٰۤاِسْ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِّلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَن يُّنْصِرُ ۝۱۵۳ وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ ۝۱۵۴ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۱۵۵ المد ۵۷-۲۵

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور ترازو بھی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور

اہم نے لوہا اتارا جس میں جنگی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فائدے بھی، یہ اس لیے کہ تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہے جو اس کو دیکھے بغیر اس کے دین کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے، یقین کر لو اللہ بڑی قوت کا اور بڑے اقتدار کا مالک ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انزال کتب کے بعد قیام عدل کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کے بعد لوہے کا ذکر ہے، اس ترتیب سے ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کتاب قوت قانونیہ کی نمائندہ ہے، عدل قوت عدلیہ (قضائیہ) کا نمائندہ ہے اور لوہا آخری حربہ ہے جو قوت تنفیذیہ کا نمائندہ اور شرعی احکام کا مؤید ہے۔ خواہ داخلی مجرموں کو سزا دینا ہو یا ملک سے باہر غیر مسلموں کو جہاد کے ذریعہ سزا دینا ہو کیونکہ جنگ کی تیاری جنگ کے مانع ہوتی ہے اور یہی عرف عام ہے۔

شیخ النفسیر ابن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے مفصل بیان اور دلائل کے ساتھ پیغمبروں کو بھیجا ہے یہ پہلا نکتہ ہے۔ اور ہم نے ان پیغمبروں کے ساتھ احکام و شرائع سے لبریز کتاب نازل کی یہ دوسرا نکتہ ہے۔ عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے میزان نازل کیا۔ یہ تیسرا نکتہ ہے۔ اور ہم نے لوہا نازل کیا یہ چوتھا نکتہ ہے، آخر میں لوہے کا ذکر ہے چونکہ لوہے میں جنگی قوت ہے اور لوگوں کے دوسرے منافع بھی، چنانچہ دشمن سے نبرد آزما ہوتے وقت لوہے سے نفع حاصل کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی لوہے میں مختلف منافع ہیں۔

توبہ..... جس طرح اللہ تعالیٰ کے انذار (ڈرسانے) تہدید اور سزا سے قبل اس کی ہدایت متوجہ ہوتی ہے اسی طرح گناہ اور جرم کے ارتکاب کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غصہ اور غصہ پر سبقت لے جاتی ہے، اسلام اس بات کا حریص نہیں کہ خطا کاروں پر فوراً سزا نازل کر دی جائے، بلکہ سزا سے قبل اصلاح حال کے لیے مجرم اور گناہ گار کو فرصت اور مہلت دی جاتی ہے تاکہ مجرم خوشدلی سے جرم سے تائب ہو جائے، یہاں تک کہ فقہاء حنابلہ کی رائے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ توبہ سے کبھی سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ خواہ حدود ہوں یا غیر حدود، اس میں وقت کے گزرنے کی شرط بھی نہیں، چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہوا ہو۔“ ❶ دوسری حدیث ہے۔ ”توبہ ماقبل کے گناہ ہوں کو ختم کر دیتی ہے۔“ ❷ نیز اسقاط حد میں توبہ کی ترغیب ہے، البتہ اس سے حد قذف مستثنیٰ ہے چونکہ حد قذف حق شخصی ہوتا ہے۔ اس میں بھی علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ اگر راہزن گرفتار سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے حدود (یعنی قتل خلاف سمت کے ہاتھ پاؤں کا کاٹنا، جلاوطنی اور سولی پر لٹکانا) ساقط ہو جائیں گی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْرَأُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝ المائدہ ۳۴

البتہ وہ (راہزن) لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے ان کو قباہوں میں لانے سے پہلے توبہ کر لیں، جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر زنا کا اقرار کیا تھا ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصہ ہوئے تین مرتبہ ان سے اعراض کیا، ان کے اقرار پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا بلکہ اقرار زنا سے رجوع کرنے کی تلقین کی اور یوں فرمایا۔ شاید تم نے عورت کو مس کر لیا ہو، شاید تم نے اس کا بوسہ لے لیا ہو، اور جب ماعز رضی اللہ عنہ رجم کے دوران بھاگ پڑے اور صحابہ بھی ان کے پیچھے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے۔ ❸

❶..... اخبرہ ابن ماجہ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ❷ هذا الحديث مذکور فی مغنی المحتاج للخطیب ۱۸۴/۳، والمغنی وابن قدامہ ۲۰۱/۹، وتویدہ احادیث فی معناہ فی مجمع الزوائد ۳۱/۱۔ ❸ رواہ ابوداؤد عن یزید بن نعیم بن ہزال عن ابیہ ورواہ احمد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

الغرض اسلامی شریعت میں ایسا نہیں کہ ادھر خطا کار سے خطا سرزد ہوئی اور ادھر اس پر حد جاری کر دی گئی، بلکہ حد جاری کرنے سے پہلے مجرم کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

شبہ: شبہ کی چند اقسام ہیں..... شبہ فی الفعل، شبہ فی الجمل اور شبہ فی الفاعل، چنانچہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ شبہات کی وجہ سے حدود نال دو اور جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے قتل کو دور رکھو۔ ① ایک اور حدیث ہے۔ ”جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود نالتے رہو، اگر تم مسلمانوں کے لیے کوئی راہ پاؤ تو راستہ کھلا چھوڑ دو، چونکہ امام سے معافی میں خطا ہو جانا سزا میں خطا ہو جانے سے بہتر ہے۔ ② ابن منذر کہتے ہیں: ہم نے جن علماء سے اکتساب علم کیا ہے ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی نو مسلم نے زنا کر لیا یا شراب پی لی اسے حرمت کا علم نہیں تھا یا کوئی شخص علماء سے دور کسی دیہات میں پلا بڑھا اس سے مذکورہ جرائم سرزد ہو گئے یا دائن نے اپنے دین کے بقدر مدیون کا مال چوری کر لیا اگرچہ موصل ہو یا مہمان نے میزبان کی چوری کر لی، یا میاں بیوی میں سے کسی ایک نے دوسرے کی چوری کر لی، یا کسی شخص نے اپنے محارم (اقرباء) میں سے کسی کی چوری کر لی یا تہمت زدہ نے عورت کے ساتھ تعلق زوجیت کا دعویٰ کر دیا تو ان ساری صورتوں میں حد قائم نہیں کی جائے گی چونکہ شبہ مجرم کے لیے عذر بنا گیا ہے۔ چنانچہ شریعت میں ایسا نہیں کہ محض دعویٰ پر حد قائم کر دی بلکہ معمولی سا شبہ بھی اگر پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔

خداشات اور خطرے..... اس عنوان کے ذیل میں مختلف نفسیاتی اور دینی بواعث (باعث کی جمع) ہیں جو نفس کو خطا اور جرم سے دور رکھتے ہیں، بواعث عرفاً اور قضاء مقبول ہیں، سب سے اہم باعث ندامت کا شعور پیدا ہو جانا آخرت میں عذاب الہی سے خوف زدہ رہنا، ظاہر و باطن میں حیثیت الہی اللہ اور عوام الناس سے شرم و حیا، حکومتی اور قانونی گرفت کا خوف، جیلوں میں قید و بند کا خوف، تشہیر، بدنامی اور عدلیہ کے سامنے جوابدہی کا خوف خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ جرائم کے نفسیاتی محکموں کا خوف، کسب معاش کے مواقع کا متاثر ہونا، مجرم کے اعتبار کا ساقط ہو جانا لوگوں میں جرم کا چچا ایسے امور ہیں جو اقدام جرم جرات نہیں کرنے دیتے، یہ سب امور ارتکاب جرم کے موانع ہیں۔

اسی طرح یہ امور بھی خاتمہ جرائم کا باعث ہیں..... دینی مانع کو فروغ دینا، دینی حرارت اور جذبہ کو اجاگر کرنا، اخلاقی تربیت جو دل میں جذبہ اسلام پیدا کرے، چنانچہ یہ سارے عوامل اقدام جرم کے موانع ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں جرائم کا تناسب بہت کم ہے اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک میں جرائم کا تناسب کہیں زیادہ ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

معافی و درگزر کی توقع..... تہمت جرم کے وقت مقدمہ کے متعلق شریعت میں معافی کی توقع بھی ہوتی ہے، مثلاً اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے حکم ہی صادر نہ ہو یا اثبات دعویٰ کے لیے دلائل کافی نہ ہو یا حاکم وقت کی طرف سے معافی کا اعلان ہو جائے یا ملکی سربراہ کی طرف سے معافی کا اعلان ہو جائے، یا مدعی خود اپنا شخصی حق ہی ساقط کر دے یا بحکم قاضی تخفیف موقوف کر دی جائے یا حکم سزا کے نفاذ میں اپیل کر دی جائے، یا تعزیرات کے معاملہ میں قاضی معافی کا اعلان کر دے اور یہ تعزیرات دائرہ حدود میں نہ ہو ہوں یا دو حدیں ادنیٰ و اعلیٰ میں اختیار سو نپا گیا ہو، اس کا دائرہ وسیع ہے جو اکثر جرائم کو شامل ہے اور اسلامی ممالک اور عربی ممالک میں رائج سزائیں تقریباً سبھی، تعزیرات میں داخل ہیں، چنانچہ حق شخصی کا مالک معاف و درگزر کر سکتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٤١﴾ آل عمران ۳۴

یہ (نیکو کار) وہ لوگ ہیں جو غصہ پر قابو پالیتے ہیں اور لوگوں کو معاف و درگزر کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

①..... اخرجه ابن عدی عن ابن عباس و اخرجه مسدد فی مسنده مو قوفاً علی ابن مسعود و هو حسن۔ ② اخرجه الترمذی و الحاكم و البیہقی عن عائشة و غیرها و فیہ ضعیف۔

وَ اَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۝۲۳..... البقرہ ۲/۲۳

اور یہ کہ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

سزا کے متنوع ہونے کی حکمت..... خدائی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسلام میں سزا دو قسم کی ہو۔ اخروی سزا اور دنیوی سزا۔
اول..... سزا کی یہ قسم نہایت سخت، غضبناک، دائمی اور زیادہ خطرناک ہے اور دنیوی زندگی کے بعد اس کا آغاز ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اس سزا سے پیشتر انسان کو کوتاہیوں کے تذکرہ کی بھرپور فرصت ملی ہوتی ہے، اس دنیوی عرصہ کے دوران اسے خراب نفس کی اصلاح کرنی ہوتی ہے، خطاؤں کی درستی کرنی ہوتی ہے، ہر ایسے امر سے دوری اختیار کرنی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے غصہ اور غضب کا مورد ہو، یقیناً اسلام میں سب سے زیادہ خطرناک جرائم شرک، کفر اور فراق ہے، ان جرائم کی سزا دنیا میں ہو ہی نہیں سکتی چونکہ ان جرائم کے مطابق سزا دنیا میں کوئی سزا نہیں، ان جرائم کی سزا اخروی ہے، البتہ دنیا میں ان جرائم کی پاداش میں سزا نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آخرت تک مؤخر کیا ہے، چنانچہ سنت اللہ یہی ہے:

وَمَنْ لَّكَ الْعُفُوْهُمُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُّوْاْخِذُھُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَلَ لَھُمْ الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَھُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا

مِنْ دُوْنِہٖ مَّوْعِدًا ۝۵۹ وَتِلْكَ النُّقَرٰی اَھْلَکَھُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لَھِمْکَیْمٌ مَّوْعِدًا ۝۵۸/۱۸ الکہف

اور تمہارا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے، اگر ان کے کیے ہوئے پر انہیں پکڑتا تو جلدی ان پر عذاب مسلط کر دیتا، بلکہ ان کے لیے

ایک وقت مقرر ہے، اس سے ورے کہیں رکنے کی جگہ نہیں پائیں گے اور جب ان سب بستیوں والوں نے جب ظلم کیا

تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کا ہم نے وقت مقرر کیا ہوا تھا۔

یہ آیت اس امر پر کھلی دلیل ہے کہ رحمت سے اوپر کوئی عدل نہیں ہے اس کے برعکس کہ عدل سے اوپر کوئی رحمت نہیں۔ عدل اور رحمت آپس میں دو قرین ہیں، لیکن رحمت قوت سے اوپر ہے اور قوت پر فوقیت رکھتی ہے اور اللہ کی رحمت نے ہر چیز کو اپنی وسعت میں لے رکھا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

میری رحمت نے ہر چیز کو اپنی وسعت میں لے رکھا ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عَلْمًا..... غافر ۴۰

اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم نے ہر چیز کو اپنی وسعت میں لے رکھا ہے۔

چنانچہ شرک کے ساتھ اگر ظلم وعدوان، اشاعت و تبلیغ اور لوگوں میں چرچہ نہ ہو تو اس پر بھی دنیا میں سزا نہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت اور ڈرسانے کے طور پر شرک سے انسانیت کو سخت ڈرایا ہے، اور شرک کو جرائم کی اصل بنیاد، کفر کی جڑ، کفر کی کوہان اور ذرۂ طغیانی قرار دیا ہے، قرآن حکیم نے تو شرک کے آلات یعنی بتوں اور شیطان کو طاعوت کا نام دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَعْفِیْ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَعْفُوْ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اُفْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝۳۸ النساء

درحقیقت اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے، (چونکہ) جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

لَا تُکْرِہُا فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ

فَقَدْ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَہَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ..... البقرہ ۲/۲۰۶

اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

دین میں کوئی جبر نہیں رشد و ہدایت گمراہی سے کھل کر واضح ہو چکی، سو جس نے طاغوت سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط گرفت پر ہاتھ ڈال لیا جو ٹوٹنے والا نہیں، اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ البقرہ ۲/۲۰۷

جو لوگ کفر کرتے ہیں شیطان ان کا رفیق ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ النساء ۴/۷۶

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔

طاغوت سے مراد ہر ایسی چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔

نفاق بھی شرک کی طرح جرم عظیم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ منافقین کے ٹوٹے کو سخت ترین عذاب سے ڈرایا ہے چنانچہ فرمان ہوا:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَاتِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ النساء ۴/۱۳۵

منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور تم ہر گز ان کے لیے مددگار کوئی نہیں پاؤ گے۔

اسی طرح بہت سارے بڑے بڑے اجاتی جرائم کی سزا بھی آخرت تک موخر ہے مثلاً حسد، کینہ، چغلی، لوگوں میں فساد پھیلانا، غیبت، والدین کی نافرمانی جھوٹی گواہی جس کا پول دنیا میں نہ کھل سکے وغیرہ ذالک ایسے جرائم رذائل ہیں جس پر دنیا میں سزا نہیں ملتی۔

دنیوی سزا..... دنیوی سزا سے مراد، انتقام لینا، تکالیف دینا، اذیت پہنچانا نہیں، بلکہ دنیوی سزا کا ہدف اور مقصد جزو توبہ، عبرت اور اصلاح ہے، باوجود یہ کہ منافقین کا جرم نہایت سنگین ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیوی سزا مقرر نہیں کی بلکہ ان کے لیے اخروی سزا مقرر کی ہے۔ ابوبکر حصاص رازی نے منافقین کی سزا کے متعلق آیت کے ذیل میں کیا زبردست بات تحریر کی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَاتِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ النساء ۴/۱۳۵

یقین جانو منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سزا اور آخرت میں جس برتاؤ کے وہ مستحق ہیں کے متعلق خبر دی، ظاہری شرک کے پرچار یوں کے احکام سے منافقین کے احکام کو مختلف کر رہا ہے، منافقین سے قتل کا حکم مرفوع ہے، چونکہ منافقین ایمان کا اظہار کرتے ہیں، وراثت وغیرہ میں انہیں مسلمانوں کے مترادف قرار دیا ہے، چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا کی سزائیں ارتکاب جرم کی مقدار پر مقرر نہیں، بلکہ یہ سزائیں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق مصالح کو جو دینے کے لیے مقرر ہیں، اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے احکام کا اجراء کیا ہے، چنانچہ محض زانی کے لیے جرم کی سزا ہے، تو بہ سے جرم ساقط نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے بعد ماعز رضی اللہ عنہ اور عامر بن عبدی اللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا ارشاد فرمایا: اس نے ایسی زبردست توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً ٹیکس وصول کرنے والا بھی توبہ کرتا تو اس کی بھی مغفرت ہو جاتی جبکہ کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے، اگر کوئی شخص کفر کے بعد توبہ کر لے اس کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَنَبَّهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ الانفال ۸/۳۸

ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے کفر کیا ہے اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کی سزا (۸۰) کوڑے مقرر کئے ہیں، تاہم جو شخص کفر کی تہمت لگائے اس کی سزا کے طور پر حد مقرر نہیں کی جبکہ کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے، شرابی کی حد مقرر کی ہے جبکہ خون پینے والے اور مردار کھانے والے کی حد مقرر نہیں کی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دنیوی سزائیں اور ارتکاب جرم کی مقادیر پر مقرر نہیں (کہ بڑا جرم ہے اور اس پر حد مقرر ہے) نیز جب عقلاً یہ بات جائز ہے کہ

زنا، سرقة اور قذف میں حد مقرر نہیں کی اور ان کا معاملہ آخرت کے سپرد ہوتا ہے بھی جائز ہے کہ سزاؤں میں اونچ نیچ ہو چنانچہ بعض سزائیں زیادہ سخت ہوں، اسی لیے حنفیہ کہتے ہیں قیاس کے ذریعہ حدود کا اثبات جائز نہیں بلکہ حدود تو قیفی ہیں، یعنی حدود نص سے ثابت ہوتی ہیں اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں۔ ❶

یہ تفصیل ماہرین قانون کے اس قول کے عین مطابق ہے۔ جرم اور سزا کا ثبوت صرف نص سے ہوتا ہے۔

گناہ سے پاک ہونے کا شعور اور جذبہ..... اسلام کو یہ زبردست امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں جرائم اور گناہوں سے پاک ہونے کا جذبہ ودیعت کیا ہے، چنانچہ اس جذبہ سے سرشار انسان اعتراف جرم میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا، جیسا کہ غامدیہ، عسیف کی بیوی اور اعزاز اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اقرار جرم کیا، اور سب کو جرم کیا گیا۔ ❷ یہ شعور انسان کے دل میں ارتکاب جرم کا خوف پیدا کرتا ہے، اس سے یہ شعور بھی قوت پکڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے بعد آخرت میں سزا کا ٹکرا نہیں کرے گا۔

جیسا کہ غیر حنفیہ اکثر علماء کی رائے ہے کہ حدود کا اگر قیام ہو جائے تو اس سے آخرت کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ ان علماء کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”جس شخص سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو، جس پر حد مقرر ہو اسے دنیا میں سزا مل گئی تو اللہ تعالیٰ اس امر سے وراء الوارء ہے کہ اپنے بندے کو آخرت میں دوسری بار سزا دے، جس شخص سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جس پر حد مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جرم پر پردہ کر دیا اور اسے معاف کر دیا تو یہ امر اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ معاف کئے ہوئے جرم کو پھر سے تازہ کر دے۔ ❸

فی نفسہ سزا کی حکمت..... گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت میں حدود اور تعزیرات کی حکمت کے واضح اہداف ہیں۔ مثلاً مجرم کو راہ راست پر لانا، اس کا اصلاح مال، دوبارہ ارتکاب جرم کی جرأت کا خاتمہ، لوگوں کو عبرت دلانا، معاشرے کو جرائم اور فساد سے محفوظ رکھنا، آلودہ نفوس کی تطہیر، گناہ اور معاصی کے آثار سے انحراف کا سد باب چونکہ معاصی دل کی تھرائی میں رکاوٹ طہارت نفس اور تعمیر ضمیر میں مغل ثابت ہوتے ہیں، الغرض حدود اور تعزیرات رنگ برنگ کی اذیت و تکلیف کے سد باب کے لیے مشروع ہوئی ہیں۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے مختلف جرائم اور جنایات پر حد و مشروع کی ہیں چنانچہ جان و جسم پر زیادتی اور ظلم ہو یا عزت و آبرو پر، مال ہو یا قتل و زخم، قذف ہو یا سرقة، ان تمام جرائم کے سد باب کو مستحکم کرنے اور لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود کو مقرر کیا ہے، حدود کو عملی وجود دینے ہی سے مصلحت عامہ متحقق ہو سکتی ہے، باوجود یہ کہ مجرم مقررہ سزا سے کہیں زیادہ اور سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ جھوٹ کی صورت میں زبان کاٹنے کا حکم نہیں دیا یا اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، زنا کے جرم میں خسی کرنے کی سزا لگائیں کی، چوری میں سزائے موت کو مشروع نہیں کیا، بلکہ وہی سزا مقرر کی ہے جو اس کی رحمت و حکمت کے عین موافق ہو سکتی تھی، تاکہ اس کے لطف و احسان کا اظہار ہو، ظلم و زیادتی کا احساس ختم ہو اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر قناعت کر لے اور دوسرے کا حق چھیننے کی طمع ختم ہو جائے۔ ❹

ما قبل کی تفصیل کی روشنی میں درج ذیل اہداف کو زیر عنوان بیان کیا جاسکتا ہے۔

❶..... احکام القرآن للجصاص ۱/۲۶-۲۷۔ ثبت ذالک بالاحادیث الصحیحة عند البخاری و مسلم و احمد و المؤطا و الدارقطنی۔ ❷ اخرجه احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم عن علی بن ابی طالب ❸ السیاسة الشرعیة لابن تیمیة ۹۸ و کذا فی اعلام الموقعین ۲/۹۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۱۱ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
۱۔ زجر و توبیخ..... شرعی سزا اس لیے مشروع ہے تاکہ تہمت زدہ کی ڈانٹ ڈپٹ ہو جائے اور مجرم کو دوبارہ ارتکاب جرم کی جرأت نہ ہو، معاشرہ فتنہ و فساد سے محفوظ رہے اور بقدر الامکان ارتکاب جرم سے خلاصی رہے۔

۲۔ اصلاح و تہذیب اور راہ راست پر لانا..... سزا کا ایک ہدف اصلاح نفس، تہذیب حواس اور مجرم کو راہ راست پر لانا ہے۔ مجرم سے انتقام لینا اور اسے اذیت میں مبتلا کرنا سزا کا ہدف نہیں اور نہ ہی مجرم سے تشفی کا ہو جانا ہدف ہے ماوردی کہتے ہیں: حدود و اجز ہیں اللہ تعالیٰ نے ارتکاب جرائم کی روک تھام کے لیے حدود کو مقرر کیا ہے۔ ❶ تعزیرات کے متعلق لکھتے ہیں: تعزیرات (اور حدود بھی) تادیب، اصلاح و درستی اور زجر و توبیخ کے لیے مشروع ہیں، تعزیرات جرم کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہیں۔

۳۔ جرم کے خلاف جنگ..... جرم فی الواقع جان، مال اور معاشرہ کے لیے ناسور ہے، یہ دباؤ اور اچھوتا مرض ہے، بھڑکی ہوئی آگ ہے جسے اسی کے سوراخ تک محدود اور محصور رکھنا از بس ضروری ہے تاکہ آگ پھیل نہ سکے اور لوگوں کو ارتکاب کی جرأت نہ ہو۔ اسی لیے جرم پر سزا کا ہونا امر لازم ہے، تاکہ جرائم کا بالکلہ استیصال ہو جائے علامہ ماوردی کہتے ہیں: جرائم مخطورات (ممنوعات) شرعیہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے حدود و تعزیر کے ذریعہ جرائم کی روک تھام کا سامان کیا ہے، تہمت کی صورت میں دینی سیاست صفائی پیش کرنے کی مقتضی ہے اور اگر حدود پائے ثبوت کو پہنچ جائیں تو پھر ان کا قیام واجب ہے۔ ❷

۴۔ انتقام اور غصہ کی آگ کا بجھانا..... جرم کی پاداش میں بھڑک اٹھنے والی انتقامی آگ جاہلی طرز عمل ہے، طبیعت تو انتقام کی خو گرہ فی الواقع جرم پھیلانے کی قبیح عادت ہے، چنانچہ شریعت اسلامیہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معاشرہ اس مذموم عادت سے دور رہے اور کینہ حسد اور غیظ و غضب کی شعلہ زن آگ بجھی رہے۔

یہ بھی ایک حکمت ہے کہ سزا جرم کی جنس میں سے ہو جیسے قصاص یا جرم سے زیادہ سخت ہوتا کہ مصلحت عامہ متحقق ہو، مال، جان، عزت آبرو، اور عقل کی حفاظت ہو سکے، چنانچہ سزائے موت کو لغو قرار دینے کا مطالبہ معاشرتی مصلحت کے دائرہ کار میں نہیں آتا۔

ششم: شریعت میں سزا کے اصول اور تحفیف جرم میں اس کا اثر..... شریعت اسلامیہ فکر و اندیشہ کے بہت سارے اسے اصولوں پر مشتمل ہے کہ جنگی بدولت یا عرب، عالم اسلام اور باہر کی دنیا میں احکام شریعت کے سخت گیر ہونے پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ ان اعتراضات کی رو سے حدود و عذاب، انسانیت کے منافی احکام، جدید تہذیب سے متصادم اور حقوق انسانیت کے خلاف قرار دیا جاتا ہے اور حدود احکام کو شخصی آزادی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

یہ اصول جن میں سے شریعت میں سزا کی چند اقسام پائی جاتی ہیں یہ قاضی کی صوابدید سمجھ بوجھ، عقل و دانش اور اس کے اصول قضاء کے ساتھ متلازم ہیں جبکہ اصول قضاء، رحمت عدالت (عدل و انصاف) انسانی شرافت کی حمایت، مصالح عامہ اور خاصہ کی رعایت سزا اور جرم میں یکسانیت، پردہ پوشی کی اہمیت کے پیش نظر قیام سزا کے لیے عدم حرص، اکثر احوال میں شبہات کی وجہ سے حد کو نال دینا، سرعام کھلم کھلا ارتکاب جرم اور معصیت پر سزا دینا اور انسانی اقدار کو حقیر سمجھنے معاشرتی، مشاعر کو چیلنج کرنا اور مالکی نظام اور آداب عامہ کو چیلنج کرنے پر سزا دینا ہے۔ رہی بات مبداء حمت کی، سواصل شرع میں سزائوں کے ساتھ ساتھ اس کی رعایت کی گئی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحمت کرنے والا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ..... الانعام ۶/۵۴

تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر دی ہے۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

میری رحمت نے ہر چیز کو اپنی وسعتوں میں لے لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خاص رحمت ہی قرار دیا ہے چنانچہ فرمان ہے:

وَمَا أَمْرُ سَلُّكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ① الانبیاء ۲۱/۱۰

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

قضاء وعدالت اور سزا میں جس رحمت کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے مراد اور مقصد معاشرہ پر رحمت عامہ کرنا ہے، چنانچہ مصلحت عامہ کو دیکھا جائے گا، گویا مصلحت خاصہ سے قطع نظر مصلحت عامہ ملحوظ ہوگی، رہی بات یہ کہ جس مجرم کا جرم ثابت ہو جائے اس پر شفقت مہربانی کرنے اور اس کے حق میں چشم پوشی برتنے کی کہ اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے سو اس امر کی طرف قطعاً نہیں دیکھا جائے گا، اور ثبوت جرم کے بعد مجرم کے لیے معافی نہیں ہوگی۔

چنانچہ زانیوں پر حد جاری کرنے کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ..... النور ۲۴/۲

اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں نرمی اور شفقت تمہارے آڑے نہ آجائے۔

چنانچہ جب جرم ثابت ہو جائے، مقدمہ عدالت میں پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ رہی بات عمومی تعاون کی جو مشترکہ خیر و بھلائی کو وجود دینے کے لیے ہو اور مصلحت عام کے تحت باہمی تنازعہ تعاون کے طور پر ہو اور بیرونی دشمن سے، امت کا دفاع کرنا ہو تو اسلامی معاشرہ باہمی تعاون کی عملی تصویر ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ مُرْحَمُونَ بَيْنَهُمْ..... الفتح ۳۸/۲۹

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں کفارہ پر زیادہ سختی کرنے والے ہیں۔ اور آپس میں مہربان ہیں۔

بلکہ ہر مسلمان کی شان اور خصوصیت ہی رحمت اور مہربانی ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جو لوگ رحمت کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ بہت رحمت کرتا ہے، تم اہل زمین پر رحمت کرو آسمانوں والا تم پر رحمت فرمائے گا“ ① ایک اور حدیث میں ہے۔ ”جو شخص لوگوں پر رحمت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت نہیں کرتا۔“ ② ایک اور حدیث میں ہے۔ ”صرف بد بخت کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے۔“ ③ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اقامت حد عین عبادت ہے جس طرح جہاد فی سبیل اللہ عین عبادت ہے، لہذا اس بات کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ حدود کا قائم کرنا اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ رحمت کرنا ہے، اس لیے والی (کو تو ال) کو حدود قائم کرنے کا معاملہ میں سخت گیر ہونا چاہیے اللہ کے دین کے معاملہ میں نرمی برتنے والا نہ ہو کہ وہ حدود کو پس پشت ڈال دے، بلکہ قیام حدود کا مقصد مخلوق پر رحمت کرنا ہو، چونکہ قیام حدود سے لوگ منکرات سے رک جائیں گے، قیام حدود کا مقصد حاکم وقت کا اپنا غصہ نکالنا اور مخلوق پر اپنی برتری کا اظہار کرنا نہ ہو، بلکہ ایسے ہی ہو جیسے باپ اپنے بیٹے کو تادیب مارتا ہے، اگر ماں کے اشارے پر باپ بچے کے ساتھ نرمی کرنے لگ جائے تو بیٹا برباد ہو جائے گا، بلکہ باپ اس پر رحمت کرتے ہوئے اس کی تادیب کرتا ہے، اس کے اصلاح حال کے لیے اس کو ڈانٹتا ہے باوجود یہ کہ باپ بیٹے سے محبت بھی کرتا ہوتا ہے اور وہ چاہتا بھی یہ ہے کہ بیٹے کو تادیب کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ④

①..... اخر جہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و الحاکم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ② اخر جہ و الشیخان و الترمذی عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ③ اخر جہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن حبان و الحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ④ السیاسة الشرعية لابن تیمیہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۱۳ اسلام میں دنیوی سزائیں

عدل و انصاف..... سزاؤں کا میزان عدل و انصاف کا تقاضی ہے صاحب اقتدار و اختیار پر واجب ہے کہ وہ عدل و انصاف کا احترام کرے، تاکہ عدل و انصاف کے میزان میں لچک نہ آنے پائے، اگر اس میں لچک ہوگی تو فساد پر و لوگ بلاچوں چراں زمین میں فساد پھیلانیں گے، نیز اسلام کا یہ اصول مسلم ہے کہ ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے اگر برا عمل کرے تو اس کا بدلہ بھی برا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ أَمَرْنَا مُرْسِلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ
وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ..... الحدید ۲۵/۵۷

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا ہے، ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور ترازو بھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں جنگی قوت ہے، اور اس میں لوگوں کے لیے بہت سارے منافع بھی ہیں۔
لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قیام رحمت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ عدل سے اوپر کوئی رحمت نہیں اور رحمت سے اوپر کوئی عدل نہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبْتُمْ لَغَجَلُ الْعَذَابِ بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا
تمہارا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اگر لوگوں کے کئے ہوئے پر ان کی گرفت کرے تو انہیں جلدی عذاب میں گرفتار کر دے بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے وہ اس کے ورے ہرگز سرکنے کی راہ نہیں پائیں گے۔ الکہف ۵۸/۱۸

احترام انسان..... یہ اسلام میں سزا کا اصل الاصول ہے شریعت مطہرہ کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسان کے احترام اور شرافت کے منافی ہو، شریعت تو حاکم وقت کو ایسے اقدام کی اجازت ہی نہیں دیتی جس سے عزت، شرف اور مروءت مجروح ہوتی ہو، چنانچہ سزائیں اس بات کا لحاظ بالخصوص رکھا جاتا ہے کہ نازک اعضاء پر ضرب نہ لگائی جائے جس سے موت واقع ہونے کا قوی امکان ہو جیسے چہرہ، سر، سینہ، پیٹ شرمگاہ اور جنسی اعضاء۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ”اس امت میں لٹا کر اور ننگا کر کے سزا دینا، طوق پہنانا اور بیڑیاں ڈالنا و انہیں۔ ①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کوڑے مارتے رہے تاہم کسی بھی منقول نہیں کہ اس نے سزا یافتہ مجرم کو لٹا کر سزا دی ہو یا اسے ننگا کیا ہو یا اس کے کپڑے اتارے ہوں بلکہ سزا یافتہ پر دوران سزا ایک یا دو کپڑے ہوتے تھے۔ ②
اسلام نے تو احترام انسانیت کا زبردست لحاظ رکھا ہے تبھی اسلام نے مقتولین کا مثلہ حرام قرار دیا چونکہ مثلہ کرنے سے انسانیت کا احترام مجروح ہوتا ہے، اگرچہ قاتلین سخت گیر دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ..... الاسراء ۷۰/۱

درحقیقت ہم نے بنی آدم کو عزت اور تکریم سے سرفراز کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لازم کر دیا ہے ③ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے اور غارت گری سے منع فرمایا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی وصیت میں فرمایا: مثلہ مت کرو۔

فردی اور اجتماعی حقوق و مصالح کی رعایت..... یہ امر اسلام کا زبردست میزان ہے، چنانچہ اجتماعی نظام کی حفاظت بنیادی اور

①..... رواہ الطبرانی و مجمع الزوائد ۶/۲۵۳ ② المہذب ۲۷۰/۲ مغنی المحتاج ۴/۱۹۰، المغنی ۸/۳۱۳ ③ اخرجه

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۱۴ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اساسی ضرورت ہے افراد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجتماعی نظام کو ساقط کر دیں یا اس سے پہلو تہی کریں یا اسے مہمل سمجھ لیں، جس طرح جماعت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شخصی حقوق کو غصب کرنا شروع کر دے جیسے شخصی ملکیت اور شخصی آزادی۔

چنانچہ بڑے بڑے جرائم جیسے زنا، سرقت، قذف، شرب و خمر وغیرہ پر مقررہ حدود مصلحت عامہ اور اجتماعی حقوق یا حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ کی اصل بنیاد ہیں: چونکہ حدود کا مقصد قیام دین ہے۔ اور دین کا قیام اجتماعی نظام کی بنیاد ہے، چونکہ اسلام کی نظر میں مصالح اصول خمسہ ہیں جو ہر معاشرہ کے وجود کے لیے کلی طور پر ضروری ہیں۔ اور یہی مقاصد شریعت ہیں۔ وہ یہ ہیں: دین یا عقیدہ کا تحفظ، نفس یا حق حیات کا تحفظ، تحفظ عقل، تحفظ نسل یا تحفظ عزت و آبرو اور مال و املاک کا تحفظ، چنانچہ انسانی زندگی اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب اصول خمسہ کا قیام ممکن ہو۔

جرم اور سزا میں مساوات..... یہ نکتہ اسلامی سزاؤں کی اساس ہے چنانچہ سزا شریعت میں مقررہ حدود سے تجاوز نہیں ہونی چاہیے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جو شخص غیر حد میں حد تک پہنچ گیا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوگا۔ ❶ اسلام میں تو یہ اصول مقرر ہے کہ جس شخص سے جرم سرزد نہ ہو اس پر تہمت اور سزا نہیں اور تہمت زدہ میں اصل برأت ہے یہاں تک کہ اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے نیز جرم اور سزا میں برابری بنیادی شرط ہے، تاکہ لوگ عدلیہ سے مطمئن رہیں اور جرائم پیشہ افراد پر عدلیہ کا رعب اور خوف طاری رہے تاکہ لوگوں کو جرم پر جرأت نہ ہو سکے، اس ضمن میں انتقام، دلی تلافی اور تنقید کا عنصر بھی معدوم ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ..... البقرة ۱۷۹/۲

اے اہل دانش: برابری میں تمہاری زندگی ہے۔

سزا دلوانے میں اصرار..... شریعت نے خطا کار کی پردہ پوشی کا حکم دیا ہے ہاں البتہ اگر کوئی علانیہ اور کھلم کھلا ارتکاب جرم کرتا ہے تو پھر اسے کثرت عدالت میں لانا ضروری ہوتا ہے، تاہم انسان کو اصلاح نفس کا موقع دیا جائے۔ حدیث صحیحہ میں ہے۔ ”جس شخص نے دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی پردہ پوشی کریں گے۔ ❷ ایک اور حدیث میں ہے۔ ”جس شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا عیب چھپایا اللہ تعالیٰ روز آخرت اس کا عیب چھپائیں گے، جس شخص نے اپنے کسی بھائی کا عیب افشا کیا اللہ تعالیٰ اس کا عیب کھول دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے گھر میں بیٹھے بیٹھے رسوا اور ذلیل کریں گے۔ ❸

عدالت تک مقدمہ پہنچنے سے پہلے پہلے حدود کے معاملہ میں سفارش کرنا جائز ہے تاکہ مجرم کا پردہ چاق نہ ہو اور برائی پھیلے نہیں چونکہ برائی کا چرچہ بھی بذات خود ایک برائی ہے۔ البتہ مقدمہ عدلیہ کے پاس چلا جائے تو پھر سفارش کرنا حرام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جس شخص نے حدود اللہ کے مقابلہ میں سفارش کھڑی کر دی حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں رکاوٹ کا باعث بن رہا ہوتا ہے۔ ❹ نیز مخزومیہ کے چوری کے معاملہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دی تھی۔ ❺

سزا کا حکم اسی وقت جاری کیا جاتا ہے جب فقہ اور شریعت میں مقررہ شبہات کی نفی ہو جائے چونکہ شبہات سے حدود (سزا) ساقط ہو جاتی ہے، حدیث ہے۔ ”شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔“

❶..... رواہ الطبرانی وفيہ راویان غیر معروفین ورواہ محمد بن الحسن مرسلأ (نصب الراية ۵۳۳/۳) ❷..... اخرجه مسلم في صحيحه عن ابی هريره اخرجه الترمذی الى الحاكم ❸..... اخرجه ابن ماجه عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ❹..... اخرجه احمد وابوداؤد والحاکم وصححه عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ❺..... اخرجه الحديث احمد ومسلم والنسائی عن عائشة رضی اللہ عنہا

لفقہ الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۱۱۵ اسلام میں نظام معیشت کے اثرات

اگر جرم از قتل ہو تو صاحب حق کو معافی کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ الشوری ۴۲/۴۰

برائی کا بدلہ برائی ہے جو ای کے ہم مثل (برابر) ہو۔ سو جس شخص نے جرم معاف کر دیا اور صلح کر لی تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَجِبِهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدِّ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ البقرۃ ۱۷۸/۱۷۷

سو جس شخص کو اس کے بھائی کی طرف سے معافی مل گئی تو پھر دستور کے مطابق اس کا پیچھا کرنا ہے اور حسن و خوبی کے ساتھ (دیت کی) ادائیگی کرنا ہے۔ اسلام میں معافی کا عام رواج ہے جس سے صلح، ہمدردی اور قوموں کے آپس کے میل جول و تقویت ملتی ہے، سزا سے جان چھڑانے کا یہ تیر باہدف اصول ہے، تاہم معافی یا بھی رضا مندی اختیار اور خوشدلی سے ہو، جبر و اکراہ سے نہ ہو۔

البتہ ایک صورت میں سزا جاری کرنا ضروری اور لازمی ہے وہ حالت کھلم کھلا ارتکاب معصیت، برائی کا سرعام ارتکاب اور چرچا، امام کے سامنے بار بار اقرار جرم، اسلام سے برگشتہ ہونے کا اعلان اور اجتماعی نظام پر خروج، اسلامی عقائد میں شکوک و شبہات کو ہوا دینا، وغیرہ ذالک چنانچہ حدیث میں ہے۔ ”اے لوگو! جس شخص نے ان گندے جرائم میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا، پھر اس پر پردہ کر دیا تو وہ اللہ کے پردہ میں رہتا ہے اور جس شخص نے پردہ چاک کیا اور جرم کی تشہیر کی ہم اس پر حد قائم کر دیں گے“ اللہ تعالیٰ نے اعلانیہ جرائم پیشہ افراد، لوگوں پر جھوٹ بولنے والوں کو ہمتیں لگانے والوں کو اور افتراء باندھنے والوں کو مؤمنین کا دشمن قرار دیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ① النور ۲۴/۱۹

جو لوگ اہل ایمان میں برائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ظاہر و باطن پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا احساس..... جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ دینی مانع اور ضمیر کی بیداری ارتکاب جرم کا اہم مانع ہے، یہ اساسی عنصر تہمت زدہ پر حکم صادر کرنے میں قاضی کا اہم معاون اور مساعد ہے چونکہ سزا کا خوف اور سختی مجرم کے دل میں پائی جاتی ہے جس سے وہ اصلاح نفس کر سکتا ہے، چنانچہ جو شخص بذات خود اپنی اصلاح نہیں کر سکتا حکومت اور معاشرہ پر اس کی اصلاح نہایت مشکل ہوتی ہے۔ چونکہ سزا کا اصل مقصد اور غایت انسان کی اصلاح ہے تو بہتر یہ ہے کہ اصلاح حال کے لیے دینی مانع کو سامنے رکھ کر جرائم سے کنارہ کشی ہو چونکہ جرم سے دور رہنا اور دور رکھنا جرم کو عدالت میں لے کر جانے سے بہتر ہے، اصول ہے۔ ”مفسد کی روک تھام جلب مصالح پر مقدم ہے۔“

درحقیقت خوف خدا اور قوت ضمیر ایسا جوہری عنصر ہے جس کی بدولت مؤمن تطہیر نفس کے لیے موت کو بھی گلے لگا لیتا ہے اور اس کا یہ انتہائی قدم اس لیے بھی ہوتا ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے، اس زبردست اصول کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

خلاصہ..... یہ اصول اور شرعی قواعد جرائم کی روک تھام اور تخفیف میں معاون مددگار ہیں۔

ہفتم: شرعی حدود، ان کی حکمت اور عصر حاضر میں نفاذ حدود..... اس میں شک نہیں کہ شرعی حد سخت گیر ہے لیکن بسا اوقات سخت گیر کارروائی زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ اور اصلاح مال کے لیے سود مند بھی ثابت ہو جاتی ہے، بلکہ سخت حد تو تعزیریاتی سزائیں مثلاً قید و بند اور مار پٹائی سے زیادہ مؤثر اور فعال ہے، چنانچہ سعودی عرب میں نفاذ حدود سے جرائم کی روک تھام میں حیرت انگیز مدد ملی ہے بلکہ سعودی عرب میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں چونکہ امن و امان بحال ہو چکا ہے، چوری کی وارداتیں ختم ہو گئی ہیں، رہزنی اور قطع طریق کے واقعات ختم ہو گئے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۱۶ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

ہیں، چوتھائی صدی سے دیکھا جائے تو سرقہ کی وجہ سے سولہ (۱۶) ہاتھوں سے زیادہ ہاتھ نہیں کٹے، ۱۹۸۳ء میں سوڈان میں جب حدود کا نفاذ ہوا جرائم میں حیرت انگیز کمی واقع ہوئی، اس کے برعکس جہاں بھی اسلامی ممالک میں حدود کا نفاذ نہیں وہاں جرائم کا تناسب آسمان کو چھو رہا ہے۔

گویا حد کی سزا جزو تو بنچ اور اصلاح حال کا موثر آلہ ہے، مجرم کو مہذب بنانے اور اسے راہ راست پر لانے کا بہترین وسیلہ ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ نفاذ شریعت اور نفاذ حدود کے متعلق غلط تصورات، اوہام باطلہ اور حد سے گزرے ہوئے مبالغات اور نظریات قائم کر لئے جاتے ہیں، یہ کوئی خوش کن اقدام نہیں، بسا اوقات حکومتی اختیار ضد اور ہٹ دھرمی کی مشکل میں متغیر ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اسلام عقیدہ اور ضابطہ صیات کو غلط تصور میں پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اسی کی دھائی میں سوڈان میں اس قسم کے غلط تصورات دیکھنے اور سننے میں آئے سوڈان میں ۱۹۸۳ء میں حدود کا نفاذ عمل میں لایا گیا ۱۹۸۵ء میں حدود کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آرائیاں کی گئیں۔ اسی طرح پاکستان میں صدر ضیاء الحق نے نفاذ حدود کو ممکن بنایا پھر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں جب موصوف صدر فضائی حادثہ میں جاں بحق ہوئے تو ان کے بعد حدود کے متعلق مختلف پھبتیاں کسی گئیں، جبکہ اسلامی شریعت مکمل ضابطہ حیات ہے، شریعت نظام کلی ہے اس میں تجزی نہیں ہو سکتی شریعت نے سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی زندگی کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

جبکہ اصلاح احوال کے متعلق اسلام کا طریقہ اور اسلوب یہ ہے کہ اولاً ذہن سازی کی جائے گی لوگوں کو شریعت کے لیے تیار کیا جائے اس کے لیے برہان بیان سے مدد کی جائے، اچھی باتوں اور وعظ و نصیحت سے دعوت دی جائے، نظام اسلام کی طرف رہنمائی کی جائے اور جو لوگ مغربی نظام اور قوانین کے خوگر ہوں ان سے مباحثہ کیا جائے انہیں احکام شریعت کا اصل فلسفہ سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

حکمت و دانش کے ساتھ اسلام کی تعلیمات متوسط طبقہ کے لوگوں میں پھیلانے سے معاشرے کی تبدیلی ممکن ہے اور اس طرح سے استعمادی روایات اور رسول و رواج کا خاتمہ ممکن ہے اور محض مغربی تصورات کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ یوں انسانیت اسلام کے عدل و انصاف اور رحمت سے روشناس ہو سکتی ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی نظام کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے، گویا اس میدان میں محض تصوراتی عمل کا رگر نہیں بلکہ منظم عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، بقدر الامکان عملی طور پر معاشی آسودگی، عدل و انصاف سے معاشی تقسیم، غربت و بے روزگاری کے مسئلہ کا حل اور ناخواندگی کا خاتمہ جاہلی رسوم و رواج کا تغیر، اصلاح و تربیت کا اہتمام، ذرائع ابلاغ کی اصلاح میڈیا میں پائے جانے والے تناقضات اور مشکلات کا دفعیہ، فکری اضطراب اور پیچیدگیوں کا استیصال عوام الناس کے شبہات اور اشکالات کا خاتمہ وغیرہ ذالک ایسے امور ہیں جو شریعت کے مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں، اور جب ان سب عوامل کی اصلاح ہوگی انسانیت مادی نظریات کی جگہ بندی سے آزاد ہوگی تو معاشرہ خود بخود عملی طور پر نفاذ اسلام کے لیے تیار ہو جائے گا اور پھر دنیا میں اسلامی احکام کی سیادت قائم ہو سکتی ہے، الغرض جب ذہنی طور پر معاشرہ تیار ہوگا اور میدان بھی ہموار ہوگا تو نظام اسلام اور احکام شریعت کا نفاذ بہل تر ہو جائے گا۔

گویا جملہ اعتراضات و مفرضات اور مبالغات صرف حدود کے قوانین کو دیکھ کر قائم کر لئے جاتے ہیں، حدود کے علاوہ اسلام و شریعت کے بقیہ احکام کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے جبکہ اسلام جہالت، بے روزگاری، داخلی افراتفری، وغیرہ ذالک کا بھی مثبت حل پیش کرتا ہے۔ بسا اوقات تو لوگوں کو اسلام سے متفر کرنے کے لیے صرف حدود اسلام کو پیش کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام ناقابل عمل مذہب ہے، گویا اسلام کے احکام میں تجزی کر دی جاتی ہے بعض احکام کو سخت گیری کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بعض دوسرے احکام سے نظریں چرائی جاتی ہیں چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَفْتُمُونَنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَنفَرُونَنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنكُم مِّنْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَنَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾ البقرة ۸۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۱۷ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو، سو تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا اسے دنیوی زندگی میں ذلت اور رسوائی
اٹھانی پڑے گی اور قیامت کے دن انہیں شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا، تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

ہشتم: شرعی سزائیں اور اسلام میں انسانی حقوق کا تعین..... مغرب میں بعض علمی اور اجتماعی حلقوں کو آپ یہ بانٹ بھی
لگائے دیکھتے ہو کہ شرعی حدود انسانی حقوق آزادی اور انسانی احترام کے منافی ہیں، بعض نام نہاد انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اس قسم کا بکچڑ
اچھالتی ہیں اور یہ تنظیمیں عصر حاضر کی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کرتی ہیں کہ تعزیریاتی قوانین سے سزائے موت کے قانون کو ختم اور لغو قرار دیا
جائے۔ بعض مغربی حکومتوں نے اس رجحان کا مثبت جواب دیا ہے چنانچہ فرانس، اٹلی، جرمنی اور بعض امریکی ممالک نے سزائے موت کے
قانون کو کالعدم قرار دے دیا ہے جبکہ بعض دوسرے ممالک نے ابھی اس قانون کا عدم قرار نہیں دیا۔

چنانچہ عرب ممالک میں خود ساختہ قوانین کے بعض ماہرین کی طرف سے بھی مغرب زدہ افکار سنی گئی ہیں اور یہ نام نہاد ماہرین قوانین بھی
حدود شرعیہ اور شرعی سزائوں کے متعلق لب کشائی کرتے ہیں، حالانکہ یہ جرات کفر پر منتج ہوتی ہے، حتیٰ کہ اخبارات، ریڈیو نشریات میڈیا کے دیگر
ذرائع کی وساطت سے، لندن کی عربی براؤڈ کاسٹنگ سروس اور خود غرض اشاعتوں کے ذریعہ احکام شریعت پر اعتراضات کیے جاتے ہیں۔
مغربی ممالک میں ”حرکت الاصولیین اسلامیین“ کی طرف سے اس قسم کا چرچہ بکثرت سننے میں آتا ہے اور اس تنظیم کے شرکاء
شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ یہ لوگ بنیاد پرست، انتہا پسند، شدت پسند اور متعصب ہیں، فی الواقع
یہی قائلین متعصب ہیں، اسلام اور اہل اسلام کی ضد ہیں، حقیقت اسلام سے ناواقف سطحی نظر کے مالک جاہل خود غرض اور مغرب کے خود کاشٹہ
پودے ہیں۔

اسی طرح حبشہ کے دار الحکومت ادیس بابا میں بروز منگل ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ میں سوڈانی ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ محمد عثمان اور جنوبی
سوڈان میں فعال تنظیم حرکتہ اتھر و تحقیق السلام“ کے سربراہ عقید جون قرنیق کے درمیان شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی روک تھام پر ہونے والے
اتفاق کا اعلان کیا گیا۔

چنانچہ اس طرح کے جتنے رجحانات منظر عام پر آئے ہیں ان سب میں قدر مشترک ایک چیز ہے اور وہ اسلام کی ضد تعصب ہے جو
اسلامی رجحان سے عاری ہے، چونکہ اس قسم کے نظریات رکھنے والے لوگ احکام شریعت سے سرسرا جابل اور نابلدہ ہوتے ہیں احکام کی حقیقت کی
شناسائی برائے نام بھی ان میں نہیں ہوتی، یہ احکام شرعیہ کو صرف ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں جس سے صرف چند احکام ہی دکھائی دے رہے
ہوتے ہیں اور بقیہ احکام سے نظریں چرا لیتے ہیں۔ جو شخص مکمل قانون اسلامی کو مربوط نظروں سے نہیں دیکھتا تو اس کے ذہنی رجحان میں نقد و
تبصرہ ہی ابھرتا ہے اور وہ اسلام کو بھی مغرب زدہ ماحول سے دیکھتا ہے، اس وقت وہ فوراً شریعت مطہرہ پر یہ تہمت جڑ دینا ہے کہ اب شریعت
متمدن معاشرہ میں نہیں پنپ سکتی اس میں موجودہ معاشرہ کی صلاحیت ہی نہیں رہی نیز وہ شرعی سزائوں کو وحشت، عذاب اور سخت گیری کے
ساتھ متصف کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ محض اس کی کوتاہی تصور ہی اور بدزعمی ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ شرعی حدود انسانی حقوق کے منافی ہیں، مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے محض باطل ہے۔

اول..... اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس کے احکام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتے، اس نے حدود کو مشروع کیا ہے، وہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے
اسے خوب علم ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کونسا حکم زیادہ نفع بخش ہے اور کونسا حکم ان کے اصلاح حال کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

دوم..... مجرم جو موجب حد جرم کا ارتکاب کرتا ہے حقیقت میں وہ انسانی حدود کو پھیلاؤںگ جاتا ہے، وہ شد و ذلت اختیار کرتا ہے اور زندگی کے
درست اور سیدھے معیار سے روگردانی کرتا ہے، معاشرے کے مقدسات پر حملہ کرتا ہے اگرچہ مغربی حلقوں میں ان مقدسات کے خدو خال کر

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۱۸ اسلام میں دنیوی سزائیں
بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہمارے ہاں عزت آور کو جو تقدیس اور مقام و مرتبہ حاصل ہے یہ مفہوم مغربی اخلاق میں بالکل مفقود ہے، چنانچہ جب کوئی سرکش معاشرتی مقدسات اور حرمت پر حملہ آور ہو تو اس کی زجر و توبخ شرعاً مقررہ سزا ہی سے ممکن ہو پاتی ہے۔

سوم..... شرعی حدود کے مختلف اہداف ہیں جن کا حصول صرف حدود ہی سے ممکن ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ شرعی حدود کے متبادل خود ساختہ قوانین ان اہداف کو حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں، سرعام جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے، جرائم پیشہ افراد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور نئے نئے ہتھکنڈے اپنا کر جرائم کا وقوع ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ انسانی عقل دہنگ رہ جاتی ہے۔

چہارم..... قرآن کریم نے واضح طور پر انسانی حقوق کی تعیین کی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ..... الاسراء ۷۰/۱

حقیقت میں ہم نے بنی نوع انسان کو عزت و تکریم سے سرفراز کیا ہے۔

مسلمان فقہاء نے نہایت سختی سے انسانی حقوق کی رعایت رکھی ہے، ایسا نہیں کہ محض شک و شبہ پر حدود جاری کر دی جائیں بلکہ فقہاء نے اجرائے حدود کے لیے مختلف شرائط و ضوابط مقرر کیے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں طوق ڈالنا، بیٹریاں ڈالنا، بنگا کرنا، مثلاً کرنا روئیں، جیل میں پڑے قیدی کی خوراک، لباس اور موزوں ٹھکانے کا انتظام حکومت کے ذمہ واجب ہوتا ہے اسلام میں وحشیانہ تکلیف اور اذیت سے منع کرتا ہے اور انسانیت کو احترام و عزت دیتا ہے۔ ❶

پنجم..... انسانی حقوق کی علمبردار تنظیموں کی نظر صرف شرعی سزاؤں پر ہوتی ہے کہ فلاں جرم پر فلاں سزا مقرر ہے اس طرف یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اثبات حدود و مختلف شرائط و ضوابط پر موقوف ہے، گویا یہ لوگ یک چشمی اضطرابی کیفیت سے یہ بات لگا دیتے ہیں کہ شرعی حدود انسانی حقوق کے منافی ہیں۔ فی الواقع شرعی حدود کے متعلق یہ رائے کرنے میں ان تنظیموں سے صریح خطا ہوئی جبکہ شخصی مصلحت کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مصلحت عامہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، گویا ان لوگوں کی نظر میں مصلحت عامہ کا بھلے خون ہوتا رہے، امن و امان نہ بالا ہوتا رہے، دنیا انتشار اور افراتفری کا شکار بنی رہے، حیات مقدس، آزادی اور اموال و املاک داؤ پر لگے رہیں پرواہ نہیں، جبکہ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ سنگین جرائم کو سنگین سزاؤں ہی سے لگام دینا ممکن ہے۔

خلاصہ..... شرعی سزائیں جرائم کی روک تھام میں مؤثر ہیں۔ اور انہی سے جرائم کی روک تھام ممکن ہے، امن عامہ کا قیام حدود ہی سے ممکن ہے، جبکہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک جیسے امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں جرائم کا تناسب کہیں زیادہ ہے، شخصی حقوق اور املاک کو جارحیت کا نشانہ بنایا جاتا ہے، بس جرائم پیشہ افراد ہیں کہ رکے نہیں پاتے، ایسا ممکن بھی نہیں چونکہ اہم الحاکمین کے عادلانہ نظام شریعت ہی سے جرائم کی روک تھام ممکن ہوتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

❶..... انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار تنظیموں کے لیے غور کا مقام ہے کہ یہ سطور لکھتے وقت ہمارے سامنے دو عجیب مثالیں موجود ہیں موزانہ کر کے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۱ میں افغانستان میں ریڈیو نامی صحافی طالبان نے گرفتار کی، وہ طالبان کے حسن سلوک سے اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی درندوں نے جس وحشت اور بربریت کا نشانہ بنایا اس سے انسانیت کا نپ اٹھتی ہے، بتائیے انسانیت کا احترام کس طرف ہے شریعت میں یا خود ساختہ قوانین میں؟

حقیقت میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی کھلی کتاب آئی ہے۔

يَهْدِي بِهٖ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ بِرِضْوَانِهٖ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
وَيَهْدِيْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶۱/۱۵﴾

جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنزَلْنٰهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ الانعام ۱۵۵

اور یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے، لہذا اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہدایت آسمانی رسالت پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

نہم: مشروعیّت جرم سزایا اصول ”رجم اور سزا نہیں مگر نص سے“ اور بظاہر ارتکاب جرم پر اس کا اثر:

ملکی تعزیراتی قوانین منصوص جرم کے متعلق قائم کیا گیا سابق تصور قانونی حیثیت سے زبردست مانع سمجھا جاتا ہے کہ اس سے جرائم کی روک تھام ممکن ہے۔

اسی لئے جمہوریت کے جملہ نظامہا جرائم اور سزائوں کی قانونی حیثیت کا احترام کرتے ہیں اور یہ اس معنی میں ہے کہ شارع یا صاحب اختیار کے ہاتھ میں مکمل اقتدار ہے، چنانچہ فرانسی انقلاب نے اس مبداء کا اعلان کیا اور یہ اعلان ۱۷۸۹ء میں انسانی حقوق کے حوالے سے دفعہ نمبر ۸ میں کیا گیا، یہ اعلان فلاسفہ کی صحیح و پکار کے جواب میں ہوا، ۱۸۱۰ء میں نبلون نے تعزیراتی قانون کے آرٹیکل چار میں اس کی صراحت کی پھر یہ شق دوسرے قوانین کی طرف بھی منتقل ہو گئی، قانونی عرف میں مختصر عبارت میں اسے یوں تعبیر کیا جاتا ہے۔ ”بغیر نص کے جرم اور سزا نہیں،“ اس قانون کی حکمت افراد کے حقوق کی کفالت ہے اور تصرفات و افعال میں ان کی آزادی کو ممکن بنانا ہے، اگر جرم کی سرزدگی کا معاملہ قاضی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو افراد حیرت میں پڑ جائیں گے۔

اس اصول سے تعزیراتی قانون جو مد کا شکار ہو جاتا ہے پھر فقہ اور قضاء محتاج تخفیف ہو جاتا ہے پر نفاذ سزا کے موقوف کرنے میں قاضی کے اختیار وسیع ہو جاتا ہے لیکن اصل مبداء میں خلل نہیں آتا اور وہ ہے جرائم پر قاضی کا محروم ہو جانا۔

اس طرح ہم خود ساختہ قوانین کے بعض ماہرین کو شریعت مطہرہ پر تہمت لگاتے پارہے ہیں اصل میں یہ جہالت غلط معلومات، ظلم اور تعصب کا چرہ ہے، تہمت کا منشاء تنظیمیں پہلو کی طرف راجع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عصر حاضر کے ماہرین قوانین کے ہاں جرائم اور سزائوں کی خاص قانون سازی کا معدوم ہونا ہے، حلا نکہ معاملہ نہایت سہل و آسان تر ہے اور شرعاً اس قانون سازی کے مانع کوئی چیز نہیں، فقہاء شریعت پر آسان ہے کہ چند ماہ میں اس قانون کو چھان بین کر سکتے ہیں، جب حاکمانہ کنٹرول اور اختیار ظاہر ہوتا ہے تو قانون پر عمل بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ اس طرح کی قانونی مویشاگ فیاں لیبیا، سوڈان اور امارت میں پائی گئی ہیں لیکن یہ مراد نہیں کہ عدم تقنین سزا دینے میں قاضی کو کھلی چھوٹ دے رہی ہے، بلکہ تعزیرات میں معاملہ حاکم وقت کو سپرد ہوتا ہے، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا نظام وضع کرے اور اسے تعزیراتی قوانین کا اجراء کرے جو زمان و مکاں کے مناسب ہو۔

ماہرین قانون کو یہ امر سمجھ لینا چاہیے کہ تعزیراتی سزائوں کا اختیار قاضی کو جو سونپا گیا ہے یہ ایک دستوری اصول ہے اور یہ اصول احکام شریعت کے ساتھ متقید ہے جیسا کہ ہر حکومت کو اختیار ہے کہ وہ داخلی قوانین وضع کر سکتی ہے، ان ماہرین کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام نے ہر

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
مسلمان مرد اور عورت پر لازمی کیا ہے کہ وہ احکام شریعت، فرائض، حلال، حرام، معاصی، سزا و جزاء کا علم حاصل کریں عملی کوتاہی کا عذر مقبول نہیں
کہ افراد کو ممنوع چیز کا علم نہیں۔

پھر کتب شریعت، قرآن حکیم، سنت نبوی، فقہاء کی تصنیفات میں حلال و حرام معاصی، مخالفت صغائر و کبائر کی سیر حاصل وضاحت موجود
ہے، ان کتب میں جرائم پر مقررہ دنیوی و اخروی سزاؤں کا مفصل بیان موجود ہے۔

شریعت میں قاضی کو جرم ثابت کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا کہ اس میں قاضی کو کھلی چھوٹ مل گئی ہو بلکہ یہ اختیار احکام شریعت کے ساتھ
مقید ہے، علاوہ ازیں کسی مسلمان کو قانون کا کھلا اختیار نہیں وضع قانون کا اختیار تو اللہ کو حاصل ہے قاضی کے پاس تو صرف تنفیذ کا اختیار ہوتا ہے
کہ وہ جرم اور مجرم زمان و مکان کے احوال کو سامنے رکھ کر سزا تجویز کرے، لیکن یہ امر بھی تب ہے جب جرم دائرہ حدود و قصاص سے خارج ہو
کیونکہ حدود و قصاص کے احکام تو صریح ہیں، بلکہ قاضی کو تعزیرات کی تجویز کا اختیار ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ شریعت شخصی خواہشات، نزعات اور فردی رجحانات کی حوصلہ شکنی کرتی ہے جیسا کہ قرآنی آیات میں اس کی دلیل
موجود ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ الاسراء ۳۶/۱

اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ۝ انجم ۵۳/۲۲

درحقیقت یہ لوگ وہم و گمان اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۚ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ
تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ انجم ۵۳/۲۸-۲۹

حالانکہ انہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہیں وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہم و گمان حق کے معاملہ میں بالکل کارآمد نہیں۔
لہذا اے پیغمبر تم ایسے آدمی کی فکر نہ کرو جس نے حق سے منہ موڑ لیا اور دنیوی زندگی کے سوا وہ کچھ اور چاہتا ہی نہیں۔

وَلَوْ أَتَبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝ المؤمن ۲۳/۷۱

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور ان میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے بلکہ ہم ان کے پاس خود

ان کے لیے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں اور یہ وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

اسی لیے شریعت کا نظام مکمل اور پوری زندگی کو حاوی ہے، قبل ازیں فقہاء مسلمین نے اس قاعدہ ”بغیر نص کے جرم اور سزا نہیں“ کی
طرف سبقت کی ہے، اس قاعدہ کی وضاحت درج ذیل دو اصولوں سے ہو جاتی ہے۔

۱..... وروافض سے قبل عقلاء کے افعال کا کوئی حکم نہیں۔

۲..... اشیاء افعال اور اقوال میں اصل اباحت ہے۔

ان دو قاعدوں کی اصل درج ذیل آیات ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

ہم کبھی کسی کو اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر اس کے پاس نہ بھیج دیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا القصص ۵۹/۲۸

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۱ اسلام میں دنیوی سزائیں

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ وہ بستیوں یا ونی ہلاک کر ڈالے جب تک اس نے ان بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو جو ان کو ہمارے آیتیں پڑھ کر سنائے۔

مُسْلِمًا مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ النساء ۴/۱۶۵

یہ رسول جنت کی خوشخبری اور دوزخ کا ڈرسانے والے تھے تا کہ پیغمبروں کے بعد اللہ پر لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے۔ ان نصوص میں واضح دلیل ہے کہ جرم نہیں ہوتا مگر بیان کے بعد، اور سزائیں ہوتی مگر ڈرسانے کے بعد اور وارننگ کے بعد۔ اسی اصول پر یہ امر بھی مرتب ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو قتل و فساد، سود، زنا، ڈکیتی، چوری وغیرہ جرائم سرزد ہوئے ان پر کوئی سزا نہیں۔ یہ جمہور مسلمانوں کا مذہب ہے۔

اجمالی طور پر یوں کہنا ممکن ہے کہ شریعت اور خود ساختہ تعزیریاتی قانون میں یہ امر، مشترک ہے کہ جب کسی چیز کے مانع کوئی نص، نہ ہو تو وہ مباح ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ جو امر قانوناً منصوص علیہ ہو صریح ہو وہ خود ساختہ قانون کے دائرے میں محصور ہوتا ہے اور جو امر شرعاً منصوص علیہ ہو وہ مجموعہ قانونیہ محدود و محدودہ بین المذہب غیر قانون ہے چنانچہ تحریم اور سزائیں یا تو نص قرآن سے ماخوذ ہے یا سنت نبویہ سے ماخوذ ہے یا اجماع امت سے ماخوذ ہے، یا نصوص کی روشنی میں مجتہدین کے اجتہاد سے ماخوذ ہے۔ کسی فعل کے مانع نص یا تو صریح ہوتی ہے جیسے حدود کے متعلقہ نصوص صریح ہیں۔ اور کبھی نص دلالت و ضمناً ہوتی ہے جو فقہ علمائے اسلام کے اجتہاد سے واضح ہوتی ہے اور حقیقت میں علماء پیش آمدہ مسئلہ کا حکم خداوندی ظاہر کرتے ہیں، اصل حکم ممانعت کا ہو یا سزا کا ہو وہ حکم الہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جبکہ صحت اجتہاد کے لیے شرعی استناد کا ہونا ضروری ہے۔

وہ امر جس سے ماہرین قانون خوفزدہ ہیں وہ یہ کہ ”جرم اور سزائیں مگر نص سے“ خوف یہ ہے کہ جس جرم میں نص موجود نہیں قاضی قیاس سے سہارا لے کر اثبات جرم کرے گا، جبکہ اس امر محدود کی بحث سے حنفیہ کے علماء اصول اور ان کے بعد دوسرے موافقیین فارغ ہو چکے ہیں کہ حدود اور مقدرات شرعیہ میں قیاس لڑنا جائز نہیں خواہ مجتہد فقہ قیاس چلائے یا قاضی، چنانچہ یہ اصول مقرر ہے کہ حدود، کفارات رخص اور تقدیرات میں قیاس نہیں چلتا چونکہ قیاس ظن کا فائدہ دیتا ہے اور ظن میں خطا کا احتمال ہوتا ہے گویا مذکورہ احکام میں ظن چلانے میں شبہ ہے چنانچہ ظن طریقہ سے سزا اور رجم ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ حدود و شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔

مالکیہ، شافعیہ جو حدود میں قیاس کے قائل ہیں یہ بھی کسی حادثہ کی حرمت پر کسی حکم جدید کو وجود دینے کے قائل نہیں کہ قیاس کی مدد سے کسی حادثے کا حکم نکال لیا جائے، بلکہ یہ نص مذکورہ جو کسی حادثہ کے متعلق وارد ہوئی ہو کسی مشابہ حادثہ پر منطبق کرتے ہیں جو کہ واقعہ منصوص علیہ کے مساوی ہو، گویا شافعیہ اور مالکیہ کا عمل بھی اس طرز کا ہے کہ وہ وقائع پر نص کی تطبیق کرتے ہیں، چونکہ کبھی وقائع منصوص علیہ نہیں ہوتے حتیٰ کہ موجودہ نافذ قوانین میں بھی کبھی وقائع منصوص علیہ نہیں ہوتے، چنانچہ جرم اور سزائیں کے اثبات کے اعتبار سے قیاس منفی فقہاء کے اتفاق سے شرعاً معمول بہ ہے، چونکہ قانون سازی مجتہد کے دائرہ اختیار میں نہیں۔

جرائم اور سزائیں اسلام میں مقرر ہیں اور یہ وہ جرائم ہیں جن سے قرآن کریم یا سنت نبوی نے منع کیا ہے یا فقہاء نے ان کو بیان کیا ہے، اسلامی سزائیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ ہیں جو باعث گناہ اور باعث اخروی سزائیں۔ ان میں سے کچھ ایسی ہیں جن میں دنیوی اور اخروی دونوں اوصاف جمع ہیں اور یہ عقوبات دنیویہ ہیں، دنیوی سزائیں حرام فعل یا ترک واجب پر ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، مقررہ و مقدرہ سزائیں اور غیر مقررہ سزائیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مقررہ سزائیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے فقہاء کے نزدیک پانچ ہیں یا سات ہیں، قرآن و سنت میں ان کی مکمل وضاحت موجود ہے، پھر صحابہ اور ان کے بعد فقہاء کا ان پر اجماع ہے، شریعت میں ان سزائیں کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ امن عامہ یقینی بن جائے لوگوں کے جان و

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۲۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں، مال، عزت و آبرو محفوظ ہو جائیں رزائل سے لوگ دور رہیں، مفاسد کا خاتمہ ہو، شرف و فساد کا استیصال ہو، منازعات امراض، اور اخلاقی جرائم کا خاتمہ ہو، اور نظام زندگی کچی سے پاک رہے۔

چنانچہ شریعت میں جو سزائیں مقرر ہیں قاضی مقرر حد سے تجاوز نہیں کر سکتا، اور نہ ہی قصاص کے علاوہ شریعت نے بقیہ سزائوں میں معافی کی گنجائش رکھی ہے، اور نہ ہی سفارش کو روکا رکھا ہے، اسی طرح سزائوں پر صلح کرنا دستبرداری کا اعلان، اسقاط اور ابراء بھی جائز نہیں۔ معاوضہ لینا بھی جائز نہیں۔ قاضی ان سزائوں میں اپنی طرف سے دخل بھی نہیں دے سکتا، یہ سب اس لیے ہے تاکہ حقوق عامہ محفوظ رہیں، مقاصد شریعت جنہیں اصول خمسہ کہا جاتا ہے محفوظ رہیں اور وہ یہ ہیں دین، جان، عزت، نسب، اور عقل و مال۔

رہی باقی غیر مقررہ سزائوں کی سوہ تعزیرات ہیں، تعزیرات بھی ہر مسلمان کے لیے مشہور معروف ہیں اور ہر مسلمان پر شریعت کے احکام کا علم حاصل کرنا واجب ہے، تعزیر: کسی گناہ یا جرم پر مشروع سزا کو کہا جاتا ہے، تعزیر میں تحدید نہیں اور نہ ہی کفارہ ہے۔ خواہ جرم حقوق اللہ میں ہو یا حقوق جماعت میں، جیسے رمضان میں دن کے وقت کھانا کھالینا، ملکی امن کو تہہ وبالا کرنا، جاسوسی، نماز چھوڑنا، راستوں میں نجاست پھیلانا، جماع کے علاوہ اجنبی عورت کے ساتھ مباشرت کر لینا، بوس و کنار، بد نظری، غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا، نصاب سے کم سرقہ، غیر حرز سے چوری، لفظ زنا کے علاوہ قذف، سب و شتم مار، چٹائی، بری بات کہنا جیسے فاسق، اے خبیث، اے چور، اے فاجر، اے زندیق، اے سودخور، اے شرابی اے گدھے، اے نچر، اے نیل امانت میں خیانت کرنا، یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، معاملات میں غش، ناپ تول میں کمی، جھوٹی گواہی جس کا پول کھل جائے، رشوت، شریعت کا حکم بدل دینا، رعیت پر جارحیت، جاہلیت کی دعا کرنا اور جاہلی عصیت وغیرہ ذالک۔ ❶

تعزیر کو عام تعریف میں یوں ضبط کرنا ممکن ہے۔ ”ہر ایسا فعل جس میں جان، مال، عزت، عقل، یا دین پر جارحیت کی گئی ہو اور اس فعل و جرم پر حد مقرر نہ ہو۔“ یہ تعریف ہر طرح کے جرائم کو شامل ہے جن میں کسی دینی واجب یا دنیوی واجب کا ترک ہو یا حرام و ممنوع فعل کا ارتکاب ہو، فقہائے حنفیہ نے تعزیراتی جرائم کا مختصر ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے: ہر مرتکب منکر و معصیت پر تعزیر ہوگی بشرطیکہ اس معصیت پر حد مقرر نہ ہو یا فعل سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچے یا غیر مسلم کو ناحق اذیت پہنچے خواہ قول ہو یا فعل ہو یا آنکھ اور ہاتھ سے اشارہ ہو۔ ❷ بالفاظ دیگر۔ ”ہر وہ شخص جو کسی منکر کا ارتکاب کرے یا ناحق قول یا فعل یا اشارے سے کسی کو اذیت پہنچائے خواہ مظلوم مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی سزا تعزیر ہے۔“ ❸

اگرچہ اس ضابطہ میں عموم و اجمال ہے لیکن عصری قوانین کے مطلوب کے خلاف ہے کہ ہر جرم اور سزا پر صراحت ہو، ہاں البتہ اس ضابطے کو فقہی قاعدہ کے مقام پر رکھا جاسکتا ہے جو غیر حدی جرائم پر منطبق ہو۔ چونکہ قاضی کا مرجع اثبات جرم میں شریعت ہے عقل اور شخص خواہش نہیں، قاضی کا دائرہ اختیار شریعت اور قرآن و سنت کے امور و نواہی میں مقید ہے اور وہ فقہاء کی تفسیحات سے رہنمائی لے سکتا ہے، چنانچہ شریعت نے جس چیز کو قبیح قرار دیا ہو وہ قبیح اور ممنوع ہے، شریعت نے جس چیز کو اچھا قرار دیا ہو وہ حسن اور مطلوب ہے یا مباح ہے، جیسا کہ معتزلہ علاوہ اصولیین نے کہا ہے۔ جبکہ حکم شرع ہمیشہ مصلحت عامہ کے ساتھ مقید ہوتا ہے یا مضرت عامہ کے دفاع کے ساتھ مقید ہوتا ہے، اگر کسی حکم میں مصلحت عامہ نہ ہو یا یا ضرر عام نہ ہو تو اس میں شخصی مصلحت کی رعایت کی جائے گی، ابن تیمیہ نے تعزیراتی جرائم کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(اول)..... ایسے فعل کے ارتکاب پر سزا جس سے اللہ نے منع کیا ہو جیسے غش، تزویر، دھوکہ دہی، جھوٹی گواہی، امانت میں خیانت اور تدلیس۔

(دوم)..... ترک واجب یا ادائیگی حق سے انکار کرنے پر سزا، یہ سزا اس لیے ہوگی تاکہ مکلف کو ادائے واجب یا ادائے حق پر اکسایا جاسکے جیسے تارک زکوٰۃ کی سزا، چنانچہ سزا ترک زکوٰۃ پر نہیں بلکہ ترک ادائے زکوٰۃ پر اکسانے کی غرض سے ہوگی، اگر تارک نے زکوٰۃ ادا کر دی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۳ اسلام میں دنیوی سزائیں
تو اس پر سزا نہیں ہوتی، یہی حال مرتد کو قید رکھنے کا ہے اگر اس نے توبہ کر لی تو اس پر سزا نہیں ہوگی، اسی طرح ٹال مٹول کرنے والے مدیون نے
دین ادا کر دیا تو اس پر بھی سزا نہیں ہوگی۔ ❶

تعزیراتی سزائیں..... اس کی مختلف صورتیں ہیں: کلام سے زجر تو بیخ، قید و بند، جلا وطنی، مار پٹائی، حنفیہ کے نزدیک تعزیراتی سزا کے
طور پر مجرم کو سیاستاً قتل بھی کیا جاسکتا ہے، بعض مالکیہ اور بعض شافعیہ کی رائے بھی یہی ہے۔ مثلاً کسی شرپسند کی وجہ سے ملکی امن و امان تہہ وبالا
ہوتا ہو یا اسلام میں نظام عام کو ٹھیس پہنچتی ہو تو مجرم کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص جماعت مسلمین میں افتراق ڈالے یا کتاب و سنت کے علا
وہ کسی اور کتاب کی دعوت دے یا جاسوسی کرے یا اکراہ سے کسی عورت کی عصمت دری کرے۔ ❷

ما قبل کی تفصیل سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ تعزیراتی سزائوں میں لچک ہے جس کی وجہ سے تعزیرات کا اجراء اور زیادہ
آسان ہو جاتا ہے، قاضی کو اختیار مل جاتا ہے کہ وہ سزا کی مناسب قسم لاگو کرے یا معاف کر دے یا اپنی صوابدید کے مطابق مجرمین میں فرق
کرے، اصلاً قاضی کو اثبات جرم سزا کا اختیار حاصل نہیں بلکہ وہ اپنے فیصلہ میں شرعی قواعد و ضوابط کا پابند ہوگا، ہاں البتہ فقہاء کی تصنیفات
سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ سارے امور مجرم کی اصلاح میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور مجرم پر سزا کی ہیبت اور خوف ہر وقت چھایا رہتا ہے
یہی وہ اعلیٰ نظریہ ہے جس کا عموماً ماہرین قانون گن گاتے ہیں جبکہ یہ نظریہ شریعت اسلامیہ میں تعزیراتی سزائوں کی صورت میں واضح ہے۔

دہم: موانع سزا اور اسباب اباحت اور سزا انسانی طرز کا ہونا..... بسا اوقات کچھ انسانی اسباب کی وجہ سے سزا کی تنفیذ ممتنع
ہو جاتی ہے اور یہ اسباب جرم کے ممنوع اور وقوع جرم کے تکرار سے محفوظ رہنے تک منجھوتے ہیں ان کی دوائی ہے۔

❶ موانع سزا..... یہ شخصی اسباب ہیں، ان کی وجہ سے گناہ کا ارادہ معدوم ہوتا ہے یا تو مجرم میں اہلیت فاعل نہیں ہوتی جیسے صغریٰ کا
عذر یا عدم تمیز اور جنون یا طبعی ارادہ معدوم ہوتا ہے اور یہ عذر اکراہ ہے۔

❷ اسباب اباحت..... یہ خود ساختہ اسباب ہیں جو ایسے احوال کی طرف راجع ہوتے ہیں جو فاعل سے خارج ہوتے ہوتے ہیں
اور علت جرم کے پھر پور ہونے کے مانع ہوتے ہیں یہ اسباب فاعل پر عدم تنفیذ حد پر منتج ہوتے ہیں جبکہ فاعل اصل جرم کا ارتکاب کرتا ہے، مثلاً
فاعل شرعی حق دفاع استعمال کرتا ہے، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ افعال دفاع مباح ہوتے ہیں۔ چنانچہ سول اور تعزیراتی قانون کے اعتبار سے
مدافع پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، ہاں البتہ اگر فاعل حد مشروع سے تجاوز کر جائے تو پھر اس کا فعل جرم شمار ہوگا سول اور تعزیراتی طور پر اس سے
باز پرس ہوگی، دفاع جرم کی روک تھام کے عوامل میں سے ایک اہم عامل ہے، مثلاً مظلوم کی رضا مندی شبہ کی وجہ سے قصاص کو ساقط کر دیتی
ہے، مگر یہ کی سزا ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح اضطرابی حالت بھی سزا کو ساقط کر دیتی ہے، چنانچہ حنفیہ اور ظاہریہ کی رائے کے مطابق مستکرہ قتل
(جس شخص کو قتل پر مجبور کیا گیا ہو) اس پر قصاص نہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک جس عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو اس پر سزا نہیں۔ چنانچہ فرمان
باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْرِمُوهُمَا فَاِتْلِيَنِيْكُمْ عَلَى الْبُعَاۗءِ اِنْ اٰرَادُوْا تَحْصٰنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَمَنْ يُّكْرِهْنِيْ فَانَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِيْنَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳

اور اپنی باندیوں کو دنیا کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا
تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

❶..... الجريمة والعقوبة في الفقه الاسلامي الماساذ المرحوم محمد ابو زهره ۱/۱۲۲۔ الفروق للفرقي ۳/۷۹، الاعتصام

لشأطبي ۲/۱۲۰، احكام القرآن للجصاص ۲/۲۱۲ المغني ۹/۳۲۸

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۴ اسلام میں دنیوی سزائیں

جو شخص اضطرابی حالت میں جرم کا ارتکاب کر بیٹھے (مثلاً شدید بھوک کی حالت میں چوری کر لی) اس پر بھی سزا نہیں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط والے سال چور کی سزا یعنی ہاتھ کاٹنے کے حکم کو موقوف کر دیا تھا، اور فرمایا تھا: میں قحط والے سال میں ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ ❶ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو شدت پیاس سے جان بلب ہو گئی تھی، کسی چرواہے کے پاس سے اس کا گزر ہوا عورت نے پانی مانگا، چرواہے نے اس شرط پر پانی دینے کی حامی بھر لی کہ وہ اسے اپنے نفس پر اختیار دے دے، چنانچہ عورت نے شرط قبول کر لی اور زنا پر راضی ہو گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس عورت کو جرم کرنے کے متعلق مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے میں یہ عورت اضطرابی حالت میں تھی اس لیے اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ الانعام ۶/۱۳۵

ہاں جو شخص انتہائی مجبور ہو جائے جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہو اور نہ ہی ضرورت کی حد سے آگے بڑھے اس پر گناہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو چھوڑ دیا: اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حاکم وقت فوراً تعزیر معاف بھی کر سکتا ہے۔

یاد رہے: اسلام میں سیاست سزا کے بڑے بڑے اثرات..... یہ موضوع (Topic) خاتمہ بحث کے قائم مقام ہے، چنانچہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سزائیں کچھ اہداف کے پیش نظر نافذ کی جاتی ہیں مثلاً مجرم کو راہ است پر لانا، جرائم کی روک تھام اور جرائم میں کمی کرنا وغیرہ، چنانچہ اسلام میں تعزیری نظام کے یہ اہم آثار اور اہداف ہیں۔

۱۔ مجرم کی زجر و توبیخ..... بلکہ عامہ الناس کی زجر و توبیخ، مجرم کی اصلاح اور تہذیب اور مجرم کو پھر سے معاشرے کا سلجھا ہوا، راستباز اور صالح فرد بنانا سزا کا اہم ہدف ہے، چنانچہ حدود و شرعیہ میں زجر و توبیخ کا کافی سامان موجود ہے جس سے مجرم جرم سے رک سکتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ حدود شرعیہ کی تنفیذ سے سعودی عرب میں امن عامہ اور اطمینان کو زبردست تقویت ملی ہے اور پورے عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی، بایں ہمہ اخروی سزا اور نار جہنم کے عذاب کا خوف ارتکاب جرم کا قوی مانع ہے۔

مجرمین کے اصلاح حال کے لیے توبہ کا دروازہ ہمہ وقت چوہٹ کھلا ہے چنانچہ وعظ و نصیحت، دعوت، ارشاد، جمعہ اور عیدین کے خطبات بھی اصلاح نفس اور جرائم کی روک تھام کے لیے موثر ذرائع ہیں۔

۲۔ حدود شرعیہ کی تنفیذ کے درپے نہ ہونا..... جس مجرم سے سرعام اور اعلانیہ معصیت اور جرم کا ارتکاب نہ ہو اس کا پردہ رکھنا اور مختلف شبہات کی وجہ سے حدود نال دینا ایسے دواصول ہیں جن سے سزا نادر الوقوع ہو سکتی ہے اور یہ اصول بھی ہے کہ تنفیذ حدود کے درپے نہیں ہو جانا چاہیے۔

۳۔ جرائم کی روک تھام اور ان میں کمی کرنا..... کسی بھی معاشرہ میں جرائم کا بالکل استیصال ناممکن ہے ہاں البتہ جرائم میں کمی کرنا ممکن ہے، چنانچہ اگر نظام صحیح ہو جس میں سزا کا ہدف اور امن و اطمینان حاصل ہو سکتا ہو تو جرائم میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

۴۔ مجرم کی اصلاح اور اسے راہ راست پر لانا..... حقیقت میں ہر انسان جو ابھی، مسئولیت اور سزا کی گرانباری کا شعور رکھتا ہے اور جرم کو اپنی شخصیت، شہرت کے لیے ضرر کا باعث سمجھتا ہے، تاہم اگر ایک مرتبہ مجرم کو سزا مل جائے تو غالب امکان ہوتا ہے کہ اس سے دوبارہ جرم سرزد نہیں ہوگا اب وہ اپنی اصلاح کر لے گا اور اپنے آپ کو راہ راست پر لے آئے گا۔

۵۔ معاشرہ کا پاک و صاف ہونا اور معاشرہ کا جرم پسندی سے دور رہنا..... اسلام میں مقرر سیاست تعزیر کا یہ اساسی ہدف

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۵ اسلام میں دنیوی سزائیں۔

ہے چونکہ فرد کا امن جماعت کے امن پر موقوف ہے اور پر امن زندگی ہر انسان کا مقصد اور غایت ہے، چنانچہ مناسب سزا کی تنفیذ سے معاشرے کی مصلحت محفوظ رہ سکتی ہے اور بار بار گزر چکا ہے کہ مصلحت عامہ فردی مصلحت پر مقدم ہوتی ہے۔

۶۔ خدشات اور یہ کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے..... اسلام میں سزائوں کی تنفیذ کھلا ہوا یقینی امر ہے تاکہ لوگ جرائم سے باز آجائیں، اپنا محاسبہ کریں اور مشکل حساب اور سخت سزا سے خوفزدہ رہنا بھی اہم عامل ہے، چونکہ ہر انسان اپنے عمل کا مرہون ہے جبکہ جرائم سے پرہیز کرنا علاج اور سزا سے بہتر ہے، ایسے ذرائع جو فساد پر منتج ہوتے ہوں ان کا سد باب امر واجب ہے اور مفساد کا خاتمہ جلب مصالح پر مقدم ہوتا ہے۔

۷۔ دنیوی اور اخروی سزائے خوف کا پرچار..... اس عامل کو فعال بنانے سے بہت سارے مصالح عامہ متحقق ہو سکتے ہیں، اہم مصلحت معاشرے کا امن، ترقی، مصلحت میں مال خرچ کرنا، جرائم کے خاتمہ کے لیے کم خرچ ہے۔ جبکہ بہت سارے خسارے ہیں جو املاک کو لاحق ہو جاتے ہیں جیسے سرقت، ذبحی، اچکاری وغیرہ کچھ خسارے روح و جسم کو لاحق ہوتے ہیں جیسے قتل اور اعضاء کا ناکارہ کر دینا، اسی طرح لوگوں کی ایک بڑی تعداد جیلوں میں فضول بیٹھی رہتی ہے اگرچہ عصر حاضر میں قیدیوں کو طرح طرح کے فنون اور ہنر سکھائے جاتے ہیں تاکہ رہائی کے بعد اپنے ہاتھوں سے کام کر کے معیشت سنوار سکیں جبکہ جرائم کی روک تھام کے لیے حکومت کو بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں، جیسے محکمہ پولیس، محکمہ قضاء، جیلوں کے اخراجات وغیرہ۔

۸۔ دائمی امن و امان..... کھلے عام ارتکاب جرائم سے افراتفری، بے چینی اور جارحیت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، ظاہر ہے لاقانونی جند بات کی روک تھام کے لیے سخت سزا کی ضرورت ہوتی ہے۔

۹۔ بقائے عالم..... حقیقت میں تنفیذ سزائیں جیسے قصاص یا سزائے موت میں نوع انسانی کی زندگی اور بقا ہے، چونکہ جب قاتل کو یہ احساس ہوگا کہ مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ کسی دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہے گا گویا اس نے اپنی جان بھی، بچالی اور دوسرے کی جان بھی بچالی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾ البقرة ۱۷۹

اے عقل و دانش والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سزائے موت کو لغو قرار دینے کا مطالبہ سنگین غلطی ہے جو مصلحت عامہ اور نہ ہی خاصہ کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے۔

۱۰۔ جرم کو نہایت چھوٹے پیمانے میں منحصر رکھنا..... یہ نکتہ شریعت کا اہم مقصد اور اسلام میں سزا کا اہم اصول ہے، چنانچہ تہیب (ڈرسانے) کے ذریعہ معاشرہ میں برائی پھیلنے سے روکی جاسکتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ..... النور ۲۳، ۱۹

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں برائی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

چنانچہ یہ بات مسلم ہے کہ جب برائی عام ہو رہی ہو تو لوگوں کو اس کے ارتکاب پر جرأت نہ ہو جاتی ہے، اسی طرح عدالتی سزا بھی تعزیرات کے دائرہ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے اس مجرم ارتکاب جرم سے باز رہ سکتا ہے، اسی طرح شخصی اور فردی جوابدہی بھی ارتکاب جرم سے باز رکھ سکتی ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ..... الانعام ۶/۱۲۴
کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پھر جرم پر سزا جاری کرنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجب ہے اگرچہ دارالاسلام سے باہر دارالحرب میں جرم کا ارتکاب کیوں نہ ہوا ہے چونکہ ممنوع اور حرام کا حکم جگہ کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

۱۱۔ جرائم کے خلاف معاشرے کا دفاع..... اسلام نے اس نکتہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسلام نے جرائم کی روک تھام کے لیے معاشرتی تعاون و تناصر کے اصول کو اپنایا ہے ہر فرد مصالح عامہ کی رعایت اور نگرانی کرے گا یا معاشرے کا ہر فرد مصالح عامہ کے لیے چوکیدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھتا ہے اور جو شخص حدود میں پڑ جاتا ہے ان کی مثال ایک قوم کی سی ہے جو کسی جہاز میں سوار ہونا چاہیں، ان میں سے کچھ جہاز کی بالائی منزل میں سوار ہو جائیں اور کچھ نچلی منزل میں، چنانچہ نچلی منزل والوں کو پیاس لگ جائے اور وہ بالائی منزل والوں سے کہیں: ہم نیچے والی منزل میں پانی لینے کے لیے سوراخ کریں گے اور ہم اوپر والوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ سواگر نچلی منزل والوں نے انہیں نہ روکا تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر تم ہاتوں ہاتھ ان کی خبری تو سب نجات پا جائیں گے۔ ①

۱۲۔ مقاصد شریعت یعنی اصول خمسہ کی حفاظت..... شریعت میں جرائم کی روک تھام اور جرائم پر سزا کا سارا ڈھانچہ اسلام میں متعینہ اصول خمسہ یا مصالح اساسیہ کی حفاظت کے اصول پر قائم ہے اور اصول خمسہ یہ ہیں: دین جان، عقل، نسل و مال۔ ان مصالح کو اتنی زبردست اہمیت حاصل ہے کہ ان کے بغیر زندگی صراط مستقیم پر استوار رہ نہیں سکتی، لہذا اگر کوئی بد بخت ان مقاصد شریعت پر جارحیت کا ارتکاب کرے گا تو اس کا ارتکاب صریح جرم ہوگا اور مستحق سزا ہوگا۔ ②

خلاصہ..... اسلامی سزائیں جرائم کی روک تھام اور مجرم کی اصلاح کا مؤثر طریقہ اور ذریعہ ہیں، انہی کی بدولت امن و سلامتی، جرائم کا استیصال اور معاشرے کو صاف ستھرا ماحول فراہم کیا جاسکتا ہے، اس شرعی اور اسلامی جذبہ کے پیش نظر اس کے بالمقابل کسی قسم کی تنقید، تبصرہ، اعتراض اور فضول گوئی کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی چونکہ تعزیرات و حدود شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں، ان کے خلاف افکار محض باطل ہیں، یہ افکار جہالت اور بے دینی کی پروردہ ہیں۔ جبکہ شریعت میں مصلحت عامہ کو شخصی مصلحت پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

پہلی فصل..... حد زنا

تمہید..... زنا حرام ہے بہت بڑی بے حیائی ہے، زنا اکبر الکبائر ہے، سبھی اہل ملل کی زنا کی حرمت پر اتفاق ہے۔ چنانچہ زنا کبھی کسی ملت اور مذہب میں حلال نہیں ہوا، اسی لیے حدود میں زنا کی حد شدید تر ہے۔ چونکہ زنا فی الواقع انسانی عزت و آبرو اور نسب پر کھلا حملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوْجَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ③ الانعام ۲۲/۱

زنا کے قریب بھی مت جاؤ چونکہ زنا بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا..... الفرقان ۲۸/۲۹

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۷ اسلام میں دنیوی سزائیں

اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا کر دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

غیر شادی شدہ کی حد زنا میں اصل یہ آیت ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ النور ۲۴

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

جبکہ متزوج (شادی شدہ) کے لیے حد زنا رجم (سنگسار کرنا) ہے جو سنت سے ثابت ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور بنی غامد کی ایک عورت کو رجم کیا ہے، اس حدیث کے بعض طرق حد تو اترا کو پہنچتے ہیں ① نیز رجم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

حد زنا خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے، یعنی یہ معاشرے کا حق ہے چونکہ زنا سے خاندانی دشمنی جنم لیتی ہے۔ نسل و نسب تباہ ہوتا ہے اور معاشرے کا نظام درہم برہم ہوتا ہے۔

کبھی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے اور مجنون پر حد واجب نہیں ہوتی چونکہ حدیث میں ہے ”تھن آدمی مرفوع القلم ہیں۔ بچے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے، سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور مجنون یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے۔“ ② لواط (بدفعی) جس طرح زنا حرام ہے لواط بھی اسی طرح حرام ہے بلکہ غلام بازی تو زنا سے بھی زیادہ بے حیائی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ③ الاعراف ۸۰/۷

اور ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا وہ وقت یاد کرو جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم لوگ بدفعی کا ارتکاب کرتے ہو جبکہ یہ فعل تم سے پہلے سارے جہاں میں کسی نے نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے بدفعی کو فاحش (بے حیائی) قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورت انعام میں ہے:

وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ الانعام ۱۰۱/۶

بے حیائی کے قریب بھی مت جاؤ خواہ بے حیائی ظاہری ہو یا پوشیدہ۔

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو اس فعل پر اتنا سخت عذاب دیا کہ کسی اور قوم کو ایسا عذاب نہیں دیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو تم لوط علیہ السلام کی قوم جیسا کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

سحاق..... سحاق ایک عورت کا دوسری عورت کے ساتھ شہوت پوری کرنے کے فعل کو کہا جاتا ہے چنانچہ جدید اصطلاح میں سحاق کو ہم جنسی پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواہ کوئی مرد یا کوئی عورت ہم جنسی پرستی میں مبتلا پائی جائے تو اس پر تعذیر ہوگی۔ چنانچہ بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد کسی مرد سے شہوت پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہوں گے اور اگر کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ شہوت پوری کرے تو وہ دونوں زانیہ ہوں گی حضرت وائلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتوں کے درمیان سحاق ہونا زنا ہے۔

① تحفہ الفقہاء ۱۸۸/۳ ② اخرجه البزار في مسنده عن ابی هريرة وفيه عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر بن حفص وهو متروك الا انه روى عن صحابة آخرين بالفاظ مختلفة منها ما رواه احمد و اصحاب السنن الاربعة

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۸ اسلام میں دنیوی سزائیں
فی الجملہ..... آنکھیں زنا کے لیے قاصد کا کام انجام دیتی ہیں چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں آنکھیں زنا کی
مرتبک ہوتی ہیں، دونوں ہاتھ زنا کے مرتبک ہوتے ہیں، دونوں پاؤں زنا کے مرتبک ہوتے ہیں، شرمگاہ ان سب کی یا تصدیق کر دیتی ہے یا
تکذیب۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْضُوْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْنَ فُرُوْجَهُمْ ط..... النور ۲۴/۳۰

مؤمنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ط..... النور ۲۴/۳۱

ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

چنانچہ جس طرح زنا یا لواطت کے حکم سے شرمگاہ میں مباشرت حرام ہے اسی طرح شرمگاہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ شہوت پوری کرنا
بھی حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ؕ فَانْهَوْا غَيْرَ مُلْكُوْمِيْنَ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی (مملوکہ) بیویوں مملوکہ باندیوں سے

وہ شہوت پوری کرتے ہیں بلاشبہ اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔

مشت زنی..... استمناء یعنی مشت زنی بھی حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ؕ فَانْهَوْا غَيْرَ مُلْكُوْمِيْنَ

چنانچہ آیت میں صرف دو محل جو جائز اور حلال ہیں بیان کیے گئے ہیں (۱) بیویاں (۲) باندیاں ان دو کے علاوہ شہوت رانی کا جو
محل بھی ہوگا وہ حرام ہے۔ نیز مشت زنی قطع نسل کا بھی سبب ہے، جو شخص مشت زنی کا مرتب ہوگا اسے تعزیر ہوگی البتہ حد نہیں ہوگی،
چونکہ مشت زنی اگرچہ مباشرت ہے لیکن کسی شرمگاہ میں دخول نہیں۔ لہذا ایسا ہی ہے جیسے عورت کی شرمگاہ کے علاوہ کسی اور جگہ
مباشرت کر لی جائے۔

مردے اور جانور سے وطی کرنا بھی حرام ہے چونکہ مذکورہ بالا آیت میں وطی حلال کے صرف دو محل بیان کئے گئے ہیں اس کی تفصیل آیا

چاہتی ہے۔

خاکہ موضوع..... حد زنا کے متعلق پانچ مباحث میں کلام ہوگا۔

پہلی بحث..... حد زنا کا سبب اور زنا کی تعریف۔

دوسری بحث..... حد کی شرائط۔

تیسری بحث..... عقوبت زنا (یعنی زنا کی سزا) ”حد“

چوتھی بحث..... حد قائم کرنے کے بیان میں، حد کی کیفیت، محدود کی حالت، حد قائم کرنے کی جگہ۔

پانچویں بحث..... حد قائم کرنے کے بیان میں، حد کی کیفیت، محدود کی حالت، حد قائم کرنے کی جگہ۔

اس کے ساتھ ساتھ لواطت کا حکم، جانور اور مردے کے ساتھ وطی کرنے کا حکم بھی آئے گا۔

پہلی بحث..... حد زنا کا سبب اور زنا کی تعریف

حد زنا کا سبب جرم زنا کا ارتکاب ہے، لیکن اس جرم کے متحقق ہونے کے لیے فقہاء نے نہایت دقیق ضوابط مقرر کر رکھے ہیں۔ چونکہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
حالات الاختیار..... واجب ہے کہ واطی مختار (یعنی حالت اختیار میں) ہو، خواہ مرد ہو یا عورت چنانچہ جس شخص کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو اس پر حد نہیں ہوگی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو اس پر حد نہیں ہے چونکہ حدیث ہے۔ ”میری امت سے خطا، نسیان اور اکراہ کو اٹھایا گیا ہے۔“

رہی بات اس مرد کی جس کو زنا پر مجبور کیا گیا تو شافعیہ کے نزدیک اس پر بھی نہ حد ہے نہ تعزیر، یہی قول مالکیہ کے نزدیک رائج ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں مکروہ الزنا پر حد جاری کی جائے گی چونکہ جب اس کے آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہوا تو اس سے اکراہ کی نفی ہوگئی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول یہ تھا کہ اگر اکراہ کا صدور سلطان کی طرف سے ہو تو مکروہ پر حد نہیں اگر غیر سلطان کی طرف سے اکراہ ہو تو اتساعاً حد لگائی جائے گی۔ چونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اکراہ صرف سلطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ دوسرا قول جو زیادہ مضبوط ہے وہ یہ کہ مستکرہ پر حد نہیں چونکہ آلہ تناسل بسا اوقات کامل مردانگی کی وجہ سے بھی منتشر ہو سکتا ہے۔ لہذا انتشار آلہ اختیار کی دلیل نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں کہ دونوں حالتوں میں مکروہ کو حد نہیں لگائی جائے گی یہی قول قابل اعتماد ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دونوں صورتوں میں جاری کی جائے گی۔ ❶

فی دار العدل..... یعنی دار الاسلام میں رہتے ہوئے واطی کا صدور ہو، چنانچہ حاکم وقت کو دار الحرب یا دار البغوات پر ولایت اور اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

ممن التزم احکام الاسلام..... یعنی واطی ان لوگوں میں سے ہو جو احکام اسلام کے پابند ہوں گویا واطی مسلمان ہو یا ذمی۔ اس قید سے حربی نکل گیا چونکہ وہ احکام اسلام کا پابند نہیں ہوتا۔

الخیالی عن حقيقة الملك..... یعنی محل حقیقت ملک سے خالی ہو۔ اس قید سے باندی کے ساتھ کی گئی واطی سے احتراز ہو گیا، مثلاً مشترکہ باندی یا مجوسہ کے ساتھ واطی کر لی، مرتدہ، مکاتبہ، رضاع یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام عورت کے ساتھ واطی کر لی۔ یہاں تک کہ اگرچہ واطی حرام ہو اور حرمت کا علم بھی ہو۔ ❷ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا۔ اس نے محرم کے ساتھ واطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہوگی چونکہ یہ ملک میں واطی ہوئی ہے اس سے حدود واجب نہیں ہوتی، یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنی حائضہ باندی کے ساتھ واطی کر لی جائے، اسی طرح جس شخص نے مشترکہ باندی کے ساتھ واطی کر لی اس پر بھی حدود واجب نہیں ہوگی۔

الخیالی عن حقيقة الزکاح..... اس قید سے منکوحہ کے ساتھ کی گئی واطی خارج ہوگئی، مثلاً حائضہ بیوی کے ساتھ واطی، حالت نفاس میں بیوی کے ساتھ واطی، روزہ دار بیوی کے ساتھ واطی حج میں احرام کی حالت میں بیوی کے ساتھ واطی، یا ایسی بیوی کے ساتھ واطی کی جس سے خاوند نے ظہار کر دیا ہو یا ایلائے کر دیا ہو، اگرچہ ان صورتوں میں واطی حرام ہے لیکن ملک نکاح کی وجہ سے حد نافذ نہیں ہوگی۔ ❸

شبهة الملك..... اگر ملک یا نکاح میں شبہ آ جائے تو بھی حدود واجب نہیں ہوگی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافر مان ہے:

ادرو والحدود بالشبهات حدکوشبہات سے ٹال دو۔ ❹

المسوق

❶..... البدائع ۳۳/۷، حاشیہ ابن عابدین ۱۷۲/۳، مغنی المحتاج ۱۳۵/۴، المہذب ۲۲۷/۲، حاشیہ ۳۱۸/۴، بدایۃ المجتہد ۳۳۱/۳، المغنی لابن قدامة ۱۸۷/۸، فتح اقدیر ۱۲۰/۴، البدائع ۳۰۷/۷، البدائع ۳۵/۷، فتح القدیر ۱۲۰/۴، قال الزیلعی غریب بهذا اللفظ ورواه البیہق عن علی موقوفاً الا انه فی المختار بن نافع قال بخاری عنه وهو منکر الحدیث، وخرجه آخرون مرفوعاً ومرسلاً وروی عن عقبہ بن عامر ومعاذ ایضاً موقوفاً ورواه ابو حنیفہ عن ابن عباس، وخرجه الترمذی والبیہقی والحاکم عن عائشة وفیہ یزید بن زیاد وهو ضعیف (دیکھیے نصب الرایۃ ۳۰۹/۳، التلخیص الحیر ۳۰۲، نیل الاوطار ۱۰۴/۷ وغیر ذلک)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۱ اسلام میں دنیوی سزائیں

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ حد کامل سزا ہوتی ہے اور یہ کامل جنایت (جرم) کے مقتضی ہے اگر شبہ آجائے تو جنایت (جرم) کامل نہیں رہتی، مثلاً باپ نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی، چنانچہ بیٹے کی باندی میں ملکیت کا شبہ ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔“ ❶ اسی طرح مکاتب غلام کی باندی سے وطی کر دی تو اس میں بھی شبہ الملک ہے چونکہ مکاتب کے ذمہ اگر ایک درہم بھی باقی ہو وہ پھر بھی غلام کے حکم میں ہے، عبد ماذون کی باندی سے وطی کر دی برابر ہے عبد ماذون پر دین ہو یا نہ ہو چونکہ عبد ماذون آقا کی ملک میں ہوتا ہے جبکہ ملک رقبہ کمائی کی ملک کی بھی مقتضی ہے لیکن شبہ اس طرح رہے گا کہ مکاتب اور ماذون باندی میں تصرف کرنے کے مالک ہوتے ہیں۔

اسی طرح دار حرب میں مالی غنیمت میں شامل باندی کے ساتھ وطی کر لی یا مال غنیمت دار الاسلام میں سمیٹ کر لے آئے تھے کہ وطی کر دی بشرطیکہ مال ابھی تقسیم نہ ہوا ہو تو اس صورت میں بھی ملک میں شبہ پائے جانے کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ گویا مذکور بالا جملہ صورتوں میں شبہ پائے جانے کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی اگرچہ واطی کو معلوم ہو کہ یہ وطی حرام ہے۔ ❷

شبہ الزکاح..... شبہ الزکاح کو شبہ العقد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ شبہ عقد نکاح میں پایا جاتا ہو، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ جیسے مرد نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کر لی جس کے ساتھ بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا ہو یا ولی کے بغیر نکاح کر لیا ہو یا نکاح مؤقت و نکاح متعہ کر لیا ہو چنانچہ ایسی حالت میں وطی کر لینے سے حد واجب نہیں ہوتی اگرچہ واطی کو حرمت کا علم کیوں نہ ہو۔ چونکہ مندرجہ بالا نکاح کی صورتوں میں علماء کا اختلاف ہے آیا بغیر گواہوں کے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں، ولی کے بغیر نکاح ہوتا ہے یا نہیں نکاح مؤقت معتبر ہے یا نہیں۔ اختلاف سے شبہ آ جاتا ہے اگر کسی انسان نے نسبی یا رضاعی یا سمری یا محرم جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو کہ ساتھ وطی کر لی یا ایک ہی عقد میں دو بہنوں کو جمع کر لیا یا پانچویں عورت کے ساتھ نکاح کر لیا، یا عورت کسی دوسرے شخص کی عدت میں ہو اس کے ساتھ نکاح کر لیا، الفرض وطی کسی عقد کے موجب سے ہو تو ان جملہ صورتوں میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واطی پر حد نہیں ہوگی۔ اگرچہ واطی کو حرمت کا علم ہو تب بھی اس پر حد نہیں ہوگی، البتہ اس پر تہذیر ہوگی، چونکہ اس وطی میں شبہ پختہ پایا جاتا ہے کیونکہ امر میح کی صورت یہاں پائی جاتی ہے اور وہ امر میح عقد نکاح ہے، حد واجب نہیں ہوتی۔

جمہور علماء شافعیہ، حنابلہ، مالکیہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کہتے ہیں کہ ہر ایسی وطی ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو اس پر حد واجب ہے، چونکہ محرم علی تابد کے ساتھ نکاح باطل ہے، اس میں شبہ کا کوئی اعتبار نہیں، چونکہ یہ فاسد شبہ ہے، اگر محرم ایسا ہو جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہو جیسے سمری محرم (مثلاً بیوی کی بہن) یا اس کی حرمت مختلف فیہ ہو جسے گواہوں کے بغیر نکاح تو اس میں حد واجب نہیں ہوگی۔ ❸

اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اگر واطی حرمت سے جاہل ہو تو بھی اسی پر حد نہیں ہوگی، یا عورت محرم میں سے ہو اور واطی حرمت سے جاہل ہو تو بھی حد واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ نے ذی رحم محرم رضاعی محرم یا پانچویں بیوی کے ساتھ وطی کرنے پر وجوب حد کی یہ قید لگائی ہے کہ واطی کو وطی کی حرمت کا علم ہو، اگر واطی کو حرمت کا علم نہیں تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

منشائے اختلاف..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جب نکاح اہل کی طرف سے ایسے محل میں پایا گیا جو نکاح کے مقاصد کے قابل ہو تو حد نہیں ہوگی، خواہ یہ نکاح حلال ہو یا حرام ہو۔ خواہ اس نکاح کی حرمت مختلف فیہ ہو یا مجمع علیہ ہو۔ خواہ واطی کو شبہ

❶..... رواہ ابن ماجہ عن جابر وابن حبان عن عائشة والبخاری والدارقطنی عن سمرۃ وابویعلی عن ابن عمر۔ ❷ البدائع المرجع السابق۔ فتح القدیر ۴/ ۱۳۱۔ یعنی اگر بیوی کی بہن کے ساتھ شبہ نکاح کی صورت میں وطی کر لی تو واطی پر حد نہیں ہوگی جبکہ رضاعی بہن جو محرم علی التابد ہے کے ساتھ نکاح کر لیا اور وطی کر لی تو ان فقہاء کے نزدیک حد واجب ہوگی۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۲ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
کا گمان ہو یا حرمت کا علم ہو۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کے نزدیک اصول یہ ہے کہ اگر نکاح حرام علی تابید ہو یا حرمت مجمع علیہ ہو تو حد واجب ہوگی، چونکہ اس نکاح کی صورت میں وطی ایسے محل میں ہوگی جس میں شبہ نہیں بلکہ اس کی حرمت قطعی ہے، لہذا حد واجب ہوگی اور اگر نکاح حرام علی تابید نہ ہو یا حرمت مختلف فیہ ہو تو حد واجب نہیں ہوگی۔ ❶

شافعیہ کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص نے اجرت دے کر عورت سے زنا کیا یا ذی رحم محرم عورت کے ساتھ نکاح کر لیا حالانکہ حرمت کا اعتقاد رکھتا ہو تو حد واجب ہوگی، چونکہ عقد کی وجہ سے وطی مباح نہیں ہوگی گویا عقد نکاح کا ہونا یہاں کا عدم ہوگا۔

شبہۃ الاشتباہ..... شبہ ایسا امر ہے جو کسی ثابت کے مشابہ ہو حقیقت میں وہ امر ثابت نہ ہو، شبہ کی دو قسمیں۔ (۱) شبہ فی الفعل (۲) شبہ فی المحل۔ شبہۃ الفعل کو شبہ اشتباہ بھی کہا جاتا ہے یعنی جو شخص اشتباہ میں پڑے اس کے حق میں یہ شبہ ہوتا ہے اور جو اشتباہ میں نہ پڑے اس کے حق میں یہ شبہ نہیں ہوگا، حتیٰ کہ اگر واطی نے کہا کہ مجھے علم ہے کہ مزنیہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد جاری ہوگی۔
شبہ فی المحل کو شبہ حکمیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ حرمت کی نفی پر کسی دلیل کے قائم ہونے پر تحقق ہوتا ہے خواہ واطی کو حلال ہونے کا گمان ہو یا حرمت کا علم ہو۔

شبہ الفاعل کا بیان آیا جاتا ہے۔ ❷

شبہۃ الفعل..... یہ شبہ آٹھ جگہوں میں ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ واطی کو حلال ہونے کا گمان ہو اور اگر واطی کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ فلاں عورت (مزنیہ) مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد ہوگی۔

۱..... وہ عورت جسے خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہوں اور وہ عدت گزار رہی ہے، خاوند نے دوران عدت وطی کر دی تو اس پر حد نہیں ہوگی بشرطیکہ خاوند کو گمان ہو کہ عورت اس کے لئے حلال ہے، چونکہ فراش کا اثر واطی کے حق میں باقی ہے یعنی اگر بچہ پیدا ہو گیا تو خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا اور تا وضع حمل عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، نیز خرچہ اور رہائش خاوند پر واجب ہوتا ہے۔

۲..... مال پر اگر خاوند نے بیوی کو طلاق باندھ دے دی یا عورت کے ساتھ خلع کر لیا پھر عدت کے دوران عورت سے وطی کر لی شبہۃ الفعل کی وجہ سے وطی پر حد نہیں ہوگی اس کے بھی وہ اسباب ہیں جو اوپر گذر گئے۔ ❸

شبہۃ المحل..... یہ شبہ چھ جگہوں میں ثابت ہوتا ہے خواہ واطی کو حلال ہونے کا ظن ہو یا کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ مزنیہ مجھ پر حرام ہے، یہ جگہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... وہ مطلقہ عورت جسے کنائی الفاظ کے ساتھ طلاق باندھ دے دی مثلاً خاوند نے یوں کہا: تم بائن ہو، تم اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ، میں نے تمہارے تعلق کی رسی کاٹ دی وغیرہ، چنانچہ شبہ فی المحل کی وجہ سے واطی پر حد نہیں ہوگی چنانچہ صحابہ کا مطلقہ بالکناہیہ کے رجعیہ یا بائنہ

❶..... البدائع ۳۵/۷ مغنی المحتایہ ۴/۱۲۵، المذهب ۲/۲۶۸، المیزان للشرنوبی ۲/۱۵۷ حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۵۱ المغنی

۱۸۶/۸ الفروق ۴/۱۷۴ رحمۃ المامہ ۲/۱۳۶۔ ❷ فتح القدیر مع العنایۃ ۴/۱۴۰ البدائع ۷/۲۶۷ حاشیۃ ابن عابدین ۳/۱۵۶۔

❸ شبہۃ الفعل کی بقیہ چھ جگہیں یہ ہیں: (۱) ماں، باپ یا بیوی کی باندی کے ساتھ وطی کر لی چونکہ ماں باپ اور بیوی کے مال سے آدمی نفع اٹھا تا رہتا ہے۔ (۲) ام ولد کو آقا نے آزاد کر دیا اور پھر اس سے وطی کر لی تو حد نہیں ہوگی۔ (۳) غلام نے اپنے آقا کی باندی کے ساتھ وطی کر لی غلام پر حد نہیں ہوگی۔ (۴) رہن میں رکھی ہوئی باندی کے ساتھ مرتہن نے وطی کر لی تو بھی مرتہن پر حد نہیں ہوگی۔ (۵) بیٹے کی باندی سے وطی کر لی حد نہیں ہوگی۔ (۶) مشترکہ باندی کے ساتھ وطی کر لی۔

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۱۳۳ اسلام میں دنیوی سزائیں ہونے میں اختلاف ہے۔ ①

شبہۃ الفاعل..... اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے مثلاً کسی انسان نے رات کو اپنے بستر پر کوئی عورت دیکھی بیوی سمجھ کر اس کے ساتھ وطی کر لی یا نابینا شخص نے اپنی بیوی کو آواز دی، آگے سے کسی اجنبی عورت نے جواب دیا اور نابینا نے اس کے ساتھ بیوی سمجھ کر وطی کر لی پھر پتہ چلا کہ وہ اس کی بیوی نہیں تھی، چنانچہ مالکیہ، شافعیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واطی پر حد نہیں ہوگی چونکہ ظن اقدام کے لئے مجوز ہے لہذا فی الجملہ عذر ہے۔ شبہۃ الفاعل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی عورت کسی مرد کے پاس زفاف کے لیے پیش کی گئی اور عورتوں نے کہا: یہ تمہاری بیوی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ کسی کی بیوی نہ ہو، مرد نے اس کے ساتھ وطی کر لی تو واطی پر حد نہیں ہوگی البتہ اس کے ذمہ مہر واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور حنابلہ کہتے ہیں: دونوں صورتوں میں واطی پر حد جاری کی جائے گی۔ چونکہ ظن کو بنیاد بنا کر وطی کا اقدام نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ واطی کے ذمہ انتظار واجب ہے کہ اسے یقین ہو جائے کہ واقعی یہ اس کی بیوی ہے اور یہاں مرد کے بستر پر عورت کے ہونے کے سوا کوئی شبہ نہیں ہے اور یہ شبہ مسقط عد نہیں۔ ②

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں..... اگر نابینا شخص نے اپنی بیوی کو آواز دی اور کہا: اے فلائی، عورت نے یوں جواب دیا: میں فلائی عورت ہوں اور تمہاری بیوی ہوں، نابینا نے اس کے ساتھ وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہوگی، چونکہ نابینا شخص کے پاس بیوی کا پتہ لگانے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں لہذا نابینا معذور تصور ہوگا اس پر حد نہیں ہوگی۔ البتہ اگر عورت نے جواب دیا لیکن یوں نہ کہا: میں فلائی عورت ہوں تو حد واجب ہوگی، چونکہ نابینا اس سے زیادہ تحقیق کر سکتا تھا کیوں نہیں کی؟

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں جن شبہات سے حد وٹل جاتی ہیں وہ تین ہیں۔ ③

۱۔ شبہ فی الفاعل..... یعنی وطی کے حلال ہونے کا ظن ہو مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے بیوی سمجھ کر وطی کر لی یا اپنی باندی سمجھ کر وطی کر لی۔

۲۔ شبہ فی الموطؤہ..... یعنی جس عورت کے ساتھ وطی کی گئی ہو اس میں شبہ ہو جیسے شرکاء کے درمیان مشترکہ باندی سے کسی ایک شریک نے وطی کر لی۔

۳..... ایسے سبب میں شبہ ہو جو وطی کو مباح کر دے جیسے مختلف فیہ نکاح کی صورت میں وطی کر لی جیسے نکاح متعہ، نکاح شغار، حلالہ، بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے نکاح، بیوی کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کر لیا، چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کر لیا، مجوسیہ کے ساتھ نکاح کر لیا، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: یہ اکثر اہل علم کا قول ہے چونکہ وطی کے مباح ہونے میں اختلاف ہے یوں اس طرح شبہ آ جاتا ہے جبکہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں، ابن منذر کہتے ہیں: ہم نے جن اہل علم سے علوم حاصل کیے ہیں ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ شبہات سے حد وٹل جاتی ہیں۔ ④

حنابلہ نے دوسرے اور تیسرے شبہ میں حدود کے ٹل جانے میں موافقت کی ہے، جبکہ شبہۃ الفاعل سے حد نہیں ٹلتی۔ ⑤

جبکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک پہلے شبہ سے حد ٹل جاتی ہے، چونکہ فاعل کا اعتقاد اباحت کا ہوتا ہے اس لیے وہ گناہ گار نہیں۔ جبکہ نسب

①..... یقینہ جگہیں یہ ہیں: (۱) فروخت کی ہوئی باندی پر قبضہ سے پہلے وطی کر لی۔ (۲) اس باندی سے وطی کر لی جو عورت کا مہر ٹھری ہو۔ (۳) فتح القدیر ۱۴۶/۲۔ البدائع ۳/۷، فتح القدیر ۱۴۷/۲، المغنی ۱۸۴/۸۔ قواعد الاحکام للعز بن عبدالسلام ۱۳۷/۳، الفروق ۱۷۶/۲۔ ②۔ المغنی ۱۸۴/۹۔ ③۔ المغنی ۱۸۱/۸۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۴ اسلام میں دنیوی سزائیں

اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے اور موطوءہ پر عدت واجب ہے، اور واطی پر مہر واجب ہے۔
 رہی بات دوسرے شبہ کی سوا اس سے حد مل جاتی ہے چونکہ اس شبہ کا محل اباحت کا مقتضی ہوتا ہے اور جس محل میں غیر کی ملک ہو وہ حرمت کا مقتضی ہے۔ لہذا اس شبہ میں زنا محض جیسا مفسدہ نہیں۔ گویا مقتضی حد کے معدوم ہونے کی وجہ سے اشتباہ پایا جاتا ہے اگرچہ غیر کی ملک کے سبب موجب حد ہے۔

رہی بات تیسرے شبہ کی سو علماء کا اختلاف شبہ نہیں پیدا کرتا بلکہ شبہ تو حرمت و حلت کے دلائل کے متعارض ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حلال وہ ہے جس کے حلال ہونے کی دلیل موجود ہو اور حرام وہ ہے جس کے حرام ہونے کی دلیل موجود ہو، حلال و حرام میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولیٰ نہیں جیسے دو شریکوں کے درمیان مشترکہ ملکیت ایک شریک کے لئے حلت کے مقتضی ہے اور دوسرے شریک کی ملک حرمت کی مقتضی ہے۔

جب شبہ تحقق ہو تو حد کا مل جانا غالب ہے چونکہ بڑی مصلحت تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے جبکہ حد و ایسے اسباب ہیں جو اسی وقت ثابت ہو پاتے ہیں جب مفسدہ کامل ہو۔

حرمت زنا سے جاہل ہونا..... حرمت زنا کی جہالت اس وقت قابل معذرت ہوگی جب نیا نیا اسلام قبول کیا ہو یا مرتکب علماء سے دور جنگل میں رہتا ہو یا مجنون تھا کہ اسے افاقہ جو نبی ہوا اس نے زنا کر دیا اور اسلام کے احکام کا علم حاصل ہی نہ کر سکا۔ ①

دوسری بحث..... حد زنا کی شرائط

زانی اور زانیہ پر تبھی حد جاری ہوگی جب شرائط پائی جائیں ان میں سے کچھ شرطیں متفق علیہ ہیں اور کچھ مختلف فیہ ہیں، اور یہ دس شرطیں ہیں۔ ②

اول..... یہ کہ زانی بالغ ہو، چنانچہ بالاتفاق بچے پر حد نہیں ہوگی۔
 دوم..... یہ کہ زانی عاقل ہو چنانچہ مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں کی جائے گی۔ البتہ اگر عاقل مرد نے مجنون عورت کے ساتھ زنا کیا یا مجنون مرد نے عاقل عورت کے ساتھ زنا کیا تو ان میں سے جو عاقل ہوگا اس پر حد ہوگی۔

سوم..... مالکیہ کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے چنانچہ اگر کافر نے کافر عورت کے ساتھ زنا کر دیا تو اس پر حد نہیں ہوگی، البتہ اگر کھلم کھلا زنا کرے تو اس کی تادیب (ڈانٹ ڈپٹ) کی جائے گی۔ اگر کافر نے مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کیا تو کافر کو قتل کیا جائے گا، اگر مسلمان عورت نے رضا مندی سے کافر کے ساتھ زنا کیا تو کافر کو سزا دی جائے گی اور جلاوطن کر دیا جائے گا۔ جمہور کہتے ہیں کافر پر حد زنا جاری کی جائے گی لیکن حنفیہ کے نزدیک غیر محسن کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستامن (ویزہ لے کر دارالاسلام میں آنے والا غیر ملکی کافر) پر بھی حد زنا اور حد شراب نہیں ہوگی چونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ مستامن اس کا پابند نہیں۔

چہارم..... یہ کہ زانی رضا مندی اور اختیار سے زنا کرے، البتہ وہ شخص جسے زنا پر مجبور کیا گیا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ جمہور کے نزدیک مکہ پر حد نہیں۔ ③ حنابلہ کہتے ہیں اس پر حد ہوگی جیسا کہ تعریف کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا یا زنا کے لئے اسے اغواء کیا گیا تو اس پر بھی حد نہیں۔

①..... المہذب ۲۶۸/۶۔ ② القوانین الفقہیہ ۳۵۳ البیاب شرح الکتاب ۱۹۰/۳ المہذب ۲۶۳/۲ غایۃ المنتہی ۳۱۹۰/۳۔ ③ مالکیہ کے نزدیک بھی یہی مفتی ہے اور ابن عربی اور ابن رشد جیسے محققین کا مذہب ہے اگرچہ اکثر او مشہور قول کے خلاف ہے۔

الفہم الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم..... ۱۳۵..... اسلام میں دنیوی سزائیں

پنجم..... یہ کہ زنا کسی آدمیہ (عورت) سے کرے اگر کسی چوپائے کے ساتھ بدکاری کی تو مذہب اربعہ میں زانی پر حد نہیں ہوگی شافعیہ کے نزدیک بھی یہی اصح ہے۔ ہاں البتہ اس پر تعزیر ہوگی، چوپایا کوئل نہیں کیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک اس کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ حنابلہ کے نزدیک دومردوں کی گواہی پر چوپائے کوئل کیا جائے گا اور اس کا کھانا حرام ہے اور زانی پر اس کا ضمان ہوگا۔ ①

ششم..... جس عورت کے ساتھ زنا کیا گیا ہو وہ ایسی ہو کہ اس جیسی عورت کے ساتھ وطی کی جاسکتی ہو اگر مہر نہ چھوٹی بیچی ہو جس سے وطی نہیں کی جاسکتی تو زانی پر حد نہیں ہوگی اور مہر نہ پر بھی حد نہیں ہوگی، چنانچہ اگر واطی نابالغ ہو تو عورت پر بھی حد نہیں ہوگی یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ جمہور کہتے ہیں ایسی چھوٹی بیچی جس سے وطی ممکن ہو اس سے زنا کرنے والے پر حد ہوگی اگرچہ وہ غیر مکلف ہو چونکہ اس سے کم درجے کی حد زنا ثابت ہو جاتی ہے جیسے سوئی ہوئی عورت یا مجنونہ کے ساتھ وطی کرنے پر حد ہوتی ہے یہاں تو بطریق اولیٰ حد ہوگی۔

ہفتم..... وطی کسی شبہ کی بنا پر ہو تو حد ساقط ہو جائے گی، مثلاً کسی عورت کو اپنی بیوی یا اپنی باندی گمان کر کے وطی کر لی تو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک حد نہیں ہوگی امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور حنابلہ کے نزدیک حد واجب ہوگی، یہ شبہ الفاعل ہے۔ اسی طرح اگر نکاح فاسد جو مختلف فیہ ہونے کے بعد وطی کی تو بالاتفاق حد نہیں ہوگی جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا، یہ شبہ العقد ہے۔ اگر نکاح بالاتفاق فاسد ہو جیسے دو بہنوں کو عقد میں جمع کر لیا، پانچویں عورت کے ساتھ نکاح کر لیا یا سببی یا رضاعی محرم سے نکاح کر لیا، یا عادت میں نکاح کر لیا یا تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے رجوع کر لیا تو ان ساری صورتوں میں واطی پر حد ہوگی، ہاں البتہ واطی حرمت سے جا ملے ہونے کا دعویٰ کرے تو مالکیہ کے نزدیک حد لگانے یا نہ لگانے میں دو اقوال ہیں۔

ہشتم..... یہ کہ واطی حرمت زنا کا علم رکھتا ہو، اگر واطی حرمت سے جا ملے ہونے کا دعویٰ کرے اور غالب گمان بھی یہی ہو کہ وہ جا ملے ہوگا تو مالکیہ کے نزدیک ابن قاسم اور اصحیح کے دو اقوال ہیں راجح قول یہ ہے کہ جا ملے غلطی کرنے والے اور بھول جانے والے پر حد ہوگی۔

نہم..... یہ کہ عورت دار حرب یا دار بغاوت میں حریبہ (ان لوگوں میں سے نہ ہو جس سے ہماری جنگ ہو رہی ہو) نہ ہو یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے جبکہ دوسرے مذاہب میں حریبہ کے ساتھ زنا کرنے والے پر حد ہوگی۔ حریبہ خواہ دار حرب میں ہو یا ویزہ لے کر دارالاسلام میں آئی ہو۔

دہم..... یہ کہ جس عورت کے ساتھ زنا کیا گیا ہو وہ زندہ ہو، جمہور کے نزدیک مردہ عورت کے ساتھ وطی کرنے والے پر حد نہیں ہوگی، مالکیہ کے نزدیک بھی مشہور یہی ہے۔

زنا متحقق ہونے کے لیے ضروری اور شرط ہے کہ ذکر عورت کی شرمگاہ میں حشفہ کے بقدر داخل ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، درمیں وطی کرنے سے یا لواطت سے حد واجب نہیں ہوتی البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعزیر واجب ہے، جبکہ جمہور اور صاحبین کے نزدیک درمیں عورت کے ساتھ وطی کرنے کی صورت میں حد واجب ہوگی اور لواطت کی صورت میں فاعل اور مفعول بہ کو مکلف ہونے کی شرط پر مالکیہ کے نزدیک رجم کیا جائے گا۔

اگر شرمگاہ سے ہٹ کر غیر محرم کے ساتھ کسی اور جگہ وطی کی مثلاً رانوں میں وطی کی تو بالاتفاق تعزیر ہوگی، چونکہ یہ بھی کھلی بے حیائی ہے اور فعل منکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وطی دار اسلام میں ہو، اگر دار الحرب میں وطی کر لی تو واطی پر حد نہیں ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حد زنا بھی قائم کی جائے گی جب زنا قرا یا چار عادل گواہوں سے ثابت ہو جائے اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۶ اسلام میں دنیوی سزائیں

تیسری بحث..... زنا کی سزا

زانی یا تو محسن ہوگا اس کی حد رجم (سنگسار کرنا) ہے، یا غیر محسن (غیر شادی شدہ) ہوگا اس کی حد کوڑے لگانا ہے۔

۱۔ غیر محسن کنوارے زانی کی حد..... کنوارے زانی کی حد کوڑے لگانا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

الرَّانِيَةُ وَالرَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ..... النور ۲۴/۲

زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

مالکیہ کہتے ہیں: کافر ذمی اور حربی پر حد زنا جاری نہیں کی جائے گی، چونکہ کافر کو طی کو شرعی اصطلاح میں زنا نہیں کہا جاتا، گویا مالکیہ کے نزدیک حد زنا کے لیے اسلام شرط ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

جلاوطن کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ آیا کوڑے اور جلا وطنی دونوں کو جمع کیا جائے گا؟ یعنی کنوارے زانی کو کوڑے بھی لگائے جائیں

اور جلاوطن بھی کیا جائے۔ ❶

حنیفہ..... کہتے ہیں: کوڑوں کے ساتھ جلاوطن کو جمع نہیں کیا جائے گا، چونکہ اللہ تعالیٰ سورت نور میں سو کوڑوں کو زنا کی پوری حد قرار دیا ہے، اگر ہم کوڑوں کے ساتھ جلاوطن کو بھی ملائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سو کوڑے آدھی حد ہے یوں اس طرح نص پر زیادتی آئے گی، جبکہ نص پر زیادتی نسخ ہے اور خبر واحد سے نسخ جائز نہیں، نیز جلا وطنی سے زانی زنا پر مزید کمر بستہ ہوگا چونکہ جب زانی دوسرے ملک میں چلا جائے گا وہاں اس کی جان پہچان والے اور رشتہ دار نہیں ہوں گے لہذا اسے شرم اور ندامت نہیں اٹھانی پڑے گی یوں وہ زنا سے باز بھی نہیں آئے گا۔ حنفیہ کے نزدیک جلا وطنی کا تعلق حد سے نہیں بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر مبنی ہے، اگر حاکم وقت جلا وطنی میں بہتری سمجھے تو کر گزرے، جیسے امام زانی کو قید بھی کر سکتا ہے یہاں تک کہ زنا سے توبہ کرے۔

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: کوڑوں کے ساتھ ساتھ ایک سال کی جلا وطنی کو بھی ملایا جائے گا، اور اسے وطن سے اتنا دور بھیجا جائے گا کہ جتنے فاصلے پر نماز قصر پڑھی جاتی ہو۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”مجھ سے علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ نکال دی ہے، چنانچہ کنواری عورت کے ساتھ زنا کر لے تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور اگر شیب (شادی شدہ) مرد شیبہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔ ❷ البتہ حدیث کی آخری شق حنابلہ و شافعیہ کے ہاں معمول بہ نہیں اور نہ ہی دوسرے ائمہ کے نزدیک معمول بہ ہے۔ بلکہ احادیث کی وجہ سے محسن زانی کو صرف رجم کرنا واجب ہے، چنانچہ تنہا عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے خاوند یا کسی اور ذی رحم محرم کے ساتھ جلاوطن کیا جائے گا۔ چونکہ حدیث میں ہے۔ ”عورت سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا کوئی محرم ہو۔ ❸ اس کی تائید عسیف کے قصہ سے بھی ہوتی ہے جسے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس قصہ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور لڑکے کے متعلق سو کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی اور عورت کے متعلق رجم کا فیصلہ کیا تھا۔

❶..... الميسوط ۴۴/۹، البدائع ۲۹/۷، فتح القدیر ۱۳۴/۴، مختصر الطحاوی ۲۲۲ مغنی المحتاج ۱۴۷/۳، المہذب

۲۶۷/۲، بداية المجتهد ۲۲۷/۲، القوانين الفقهية ۲۵۳، الشرح الصغير ۴۴۷/۴، المغنی ۱۶۶/۸، کشاف القناع ۹۰/۶۔

❷ رواه احمد والمزطا واصحاب الكتب السنه البخاری والنسائی عن عباد بن الصامت (جامع الاصول ۲۶۴/۴، نصب

الرأية ۳۳/۳) اخرجه البخاری ومسلم عن ابی سعید الخدری مرفوعاً

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۷۔ اسلام میں دنیوی سزائیں مالکیہ..... کہتے ہیں مرد کو ایک سال تک جیل میں قید کیا جائے گا یعنی کسی دوسرے ملک میں جلاوطن کر کے قید میں رکھا جائے گا، عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا چونکہ دوسری بار اس کے زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

علامہ شوکانی ❶..... کہتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ جلاوطنی کی احادیث حدیث کو پہنچتی ہیں، حدیث کا مشہور ہونا حنفیہ کے نزدیک بھی معتبر ہے اور اس سے قرآن پر زیادتی کرنا صحیح ہے، حنفیوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں چنانچہ حنفیہ کے نزدیک اس سے کم درجہ احادیث پر بھی عمل کیا گیا ہے۔

البتہ مذاہب اربعہ میں بالاتفاق کوڑوں اور رجم کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

ظاہر یہ..... کہتے ہیں: ظاہر حدیث کی وجہ سے کوڑے اور رجم جمع کیے جائیں گے۔

۲۔ زانی محسن کی حد..... خوارج کے علاوہ جمیع علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زانی محسن کی حد رجم ہے، چنانچہ رجم سنت متواترہ، اجماع امت اور معقول دلائل سے ثابت ہے۔ ❷

سنت..... بہت ساری احادیث سے رجم کا ثبوت ہے ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہے شادی شدہ زانی، جان کے بدلہ میں جان اور دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والا۔ ان احادیث میں سے ایک عسیف کا قصہ بھی ہے جس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بنی اسلم کے ایک شخص سے فرمایا: اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اور اگر وہ اقرار کر لے تو دونوں کو رجم کر دو۔ ❸

ایک حدیث وہ بھی ہے جس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، معاذ رضی اللہ عنہ نے اعتراف زنا کیا تھا، اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا۔ ❹ غامد یہ کہ قصہ والی حدیث بھی ہے، غامد یہ کہ زنا کا اقرار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع حمل کے بعد اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ ❺

اجماع..... پوری امت کا رجم کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

عقلی دلیل..... عقل اس چیز کی متقاضی ہے کہ جتنا بڑا جرم ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہو چونکہ محسن (شادی شدہ) کا ارتکاب زنا نہایت درجے کی قباحت ہے لہذا وہ دنیاوی سزائوں میں سے انتہائی درجے کی سزا کا مستحق ہے۔ ❶

رجم کی شرط: احسان..... حد رجم کے قیام کے لئے احسان شرط ہے، احسان کا لغوی معنی ”روکنا، باز رہنا ہے۔ شرع میں احسان کا معنی اسلام، بلوغ، عقل، آزادی، پاکدامنی اور شادی شدہ ہونا اور مکلف شخص کا نکاح صحیح میں طہی کرنا ہے، شافعیہ کے نزدیک یہاں آخری معنی مراد ہے۔ ❷

❶ ... نیل الاوطار ۸۹/۷ المسبوط ۳۷/۹ مغنی المحتاج ۱۴۶/۴ فتح القدیر ۱۴۱/۴ المنتقى على المؤطا ۱۳۲/۷۔
❷ رواہ لبخاری و مسلم عن ابن مسعود و روی بالفاظ اخری عن عثمان وعائشة وابی هريرة وعمار بن یاسر (نصب الراية ۳۱۷/۳ مجمع الزوائد ۲۵۲/۶ التاربیع للنووی ۳۸۔) رواہ الحدیث مسلم ابو داؤد عن بریدة ورواہ احمد الشیخان والترمذی ابو داؤد عن ابی هريرة ورواہ مسلم ابو داؤد مسلم ابو داؤد البیهقی جابر بن سمرہ بهذا الحدیث متواترة کما روی عن ابی بکرو ابن عباس وغیرہم ❸ رويت القصة فی صحیح مسلم عن بریدة کما رواها احمد و ابو داؤد۔ ❹ العقوبہ الشرعیة واسباہا لاستاذنا علی قراة ص ۳۔ ❺ مغنی المحتاج ۱۴۶/۴

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۳۸ اسلام میں دنیوی سزائیں

حنفیہ: کہتے ہیں..... احسان کی دو قسمیں ہیں:

۱..... احسانِ رحم ۲..... احسانِ قذف

رہی بات احسانِ رحم کی سو یہ شریعت میں سات صفات کے اکٹھے ہونے سے عبارت ہے، ان صفات کا وجوبِ رحم کے لیے اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ سات صفات یہ ہیں۔ عقل، بلوغ، آزادی، اسلام، نکاح صحیح، نکاح صحیح میں اس طرح دخول ہو کہ اس سے غسل واجب ہو اگرچہ انزال نہ بھی ہو، بوقت دخول زوجین (میاں بیوی) اس صفت پر ہوں۔ اگر ان شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو کوڑے لگانا واجب ہے یعنی رحم ساقط ہوگا اور اس کی جگہ کوڑے لگائے جائیں گے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً ۚ..... النور ۲/۲۳

ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

آخری شرط پر یہ فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ اگر عاقل بالغ، آزاد مسلمان خاوند نے اپنے بیوی بچہ چھوٹی نابالغ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا باندی ہو) کے ساتھ ہمبستری کر لی تو اس سے وہ محسن نہیں ہوگا جب تک کہ ان عوارض کے ختم ہونے کے بعد دوسری بار دخول نہ کر لے، چونکہ زوجین میں ان صفات کا جمع ہونا ان کے احسان کے کامل ہونے کی علامت ہے، اور جب یہ ساری صفات جمع ہوں گی تو جانین میں شہوت بھی کامل ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ احسان میں یہ آخری شرط ملحوظ نہیں، چنانچہ مسلمان نے اگر کافر عورت کے ساتھ وطی کر لی تو وہ محسن کہلائے گا، شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ❶ چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں: اگر وطی میں شریک دونوں مرد عورت میں سے ایک کسں ہو اور دوسرا بالغ ہو یا ایک بیدار ہو اور دوسرا سویا ہوا ہو، یا ایک عاقل ہو اور دوسرا مجنون ہو، یا ایک کوزنا کی حرمت کا علم ہو اور دوسرے کو علم نہ ہو، یا ایک حالت اختیار میں ہو اور دوسرا مجبور ہو یا ایک مسلمان ہو اور دوسرا مستامن تو ان میں سے جو حد کا اہل ہوگا اس پر حد واجب ہوگی، دوسرے پر حد واجب نہیں، چونکہ ان دونوں میں سے ایک موجب حد کے ساتھ منفرد ہے اور دوسرا موجب سقوط کے ساتھ منفرد ہے۔ اگر ایک محسن ہو اور دوسرا غیر محسن تو محسن پر رحم واجب ہے اور غیر محسن پر کوڑے اور جلا وطنی واجب ہے۔ چونکہ ان میں سے ایک انفرادی طور پر رحم کا سبب بنا اور دوسرا کوڑے اور جلا وطنی کا۔

احسان کے لیے شرط اسلام میں علماء کا اختلاف..... ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک کہتے ہیں: احسان کی شرائط میں سے ایک شرط اسلام بھی ہے چنانچہ اگر ذمی کا مقدمہ ہمارے پاس لایا گیا تو اسے رحم نہیں کیا جائے گا۔ نیز ذمیہ عورت کے ساتھ نکاح کر لینے سے مسلمان محسن نہیں ہوتا، چونکہ رحم تطہیر (پاک) ہے جبکہ ذمی تطہیر کا اہل نہیں۔ بلکہ ذمی تو دوزخ میں جل کر بھی پاک نہیں ہوتا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محسن نہیں۔ ❷

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ نے جب ایک یہود کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: یہود کو چھوڑ دو چونکہ وہ تمہیں محسن نہیں بنائے گی۔ ❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو یہودیوں کو رحم کرنے کا جو واقعہ ہے وہ آیت رحم کے نزول سے قبل حکمِ تورات تھا۔ ❹

❶..... المہذب ۲/۲۶۸۔ ❷ رواہ اسحاق بن راہویہ فی مسندہ عن ابن عمر، ورواہ الدارقطنی بطریق اسحاق بن راہویہ روی هذا الحديث مرفوعاً وموقوفاً والصواب موقوف (نصب الرایۃ ۳/۳۲۷، التلخیص الحبیر ۳۵۱) ❸ رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ والدارقطنی، وابن عدی فی کاملہ من حدیث ابی بکر بن ابی مریم عن علی بن ابی طلحہ عن کعب بن مالک وقال الدارقطنی ابوبکر بن ابی مریم ضعیف وعلی بن ابی طلحہ لم یدرک کعباً (نصب الرایۃ ۳/۳۲۸) ❹ رواہ احمد واصحاب الکتب الستۃ عن ابن عمر ورواہ ابو داؤد عن ابی ہریرۃ۔ (نصب الرایۃ ۳/۳۲۶)

امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم..... کہتے ہیں کہ ❶ اسلام احسان کی شرط نہیں چنانچہ اگر ذمی کا مقدمہ ہمارے پاس لایا گیا تو اس پر حد رجم جاری کی جائے گی۔ اگر مسلمان نے ذمیہ کے ساتھ نکاح کر لیا تو دونوں محسن کہلائیں گے۔ ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ دو یہودیوں نے زنا کر لیا ان کا مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اگر اسلام احسان کی شرط ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کو رجم کرنے کا حکم نہ دیتے۔ نیز ایک دوسری حدیث کا عموم بھی اس کی دلیل ہے کہ شیب مرد ثنیہ عورت کے ساتھ زنا کر لے تو دونوں کو پتھروں کے ساتھ سنگسار کیا جائے گا۔ ❷ دوسری دلیل یہ ہے کہ زنا سبھی ادیان میں حرام ہے اور ہر دین عمومی طور پر زنا سے باز رہنے کا سبب ہے اور اسلام کی شرط زنا سے باز رہنے کے لئے ہے۔

خلاصہ..... احسان رجم کی شرط ہے اور فقہاء کا احسان کی پانچ شرائط پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں بلوغ، عقل، حریت، حشفہ کی مقدار میں دخول آتے تامل، اور وطی نکاح صحیح میں ہو جو زنا سے پہلے ہوئی ہو۔ اگر شادی سے پہلے زنا کیا تو محسن نہیں ہوگا، باندی کے ساتھ وطی کرنے سے بھی آدمی محسن نہیں ہوتا، شرمگاہ سے ہٹ کر کہیں اور وطی کر دی اس سے بھی محسن نہیں ہوگا۔ نکاح فاسد اور نکاح شبہ کے ساتھ بھی محسن نہیں ہوگا، روزہ، حیض، اعتکاف اور حرام کی حالت میں وطی کرنے سے بھی محسن نہیں ہوگا، حالت شرک میں وطی کرنے سے بھی محسن نہیں ہوگا۔ وطی کے بغیر صرف نکاح کر لینے سے بھی محسن نہیں ہوتا، اسلام کے شرط ہونے پر اختلاف ہے، تفصیل گزر چکی ہے، البتہ یہ جملہ شرائط زوجین میں پائی جانا ضروری ہیں۔

حد زنا کی صفت..... حد زنا خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے چونکہ حد زنا عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے مشروع ہوئی ہے نیز اس میں مصالح عامہ کی بھی حفاظت ہے، اس سے فساد اور فتنہ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ حد زنا پر درج ذیل امور مرتب ہوتے ہیں۔

۱..... حد زنا ایسی حد ہے جو معافی، صلح اور ابراء کا احتمال نہیں رکھتی۔ ❷ جب دلائل اور حجت سے ثابت ہو جائے تو پائے تکمیل کو پہنچ کر رہتی ہے، چونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ حد خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، بندے کا اس میں کوئی حق نہیں اور نہ ہی حد کو ساقط کرنے کا کسی کو اختیار حاصل ہے۔ حد زنا میں تداعل جاری ہوتا ہے یعنی اگر کسی نے بار بار زنا کیا تو اسے ایک بار حد لگائی جائے گی چونکہ حد کا مقصد ڈانٹ ڈپٹ ہے، ڈانٹ ایک مرتبہ حد لگانے سے حاصل ہو جاتی ہے ہاں البتہ اگر ایک بار حد لگانے کے بعد پھر زانی نے زنا کر دیا تو اسے دوسری بار پھر حد لگائی جائے گی، چونکہ اس کے حق میں پہلی حد جزو تیغ ثابت نہیں ہوئی تھی تو وہ دوسری بار زنا کا مرتکب ہوا ہے، لہذا اسے دوسری بار حد لگائی جائے گی تاکہ وہ باز آجائے۔ ❸

حق اللہ اور حق آدمی میں فرق..... اللہ کا حق اس کا امر (حکم) اور نہی ہے۔ بندے کا حق اس کے مطالب اور تکالیف ہیں۔ بندہ اپنے حق کو ساقط کرنے کا اختیار رکھتا ہے جبکہ اللہ کے حق کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

شرعی تکالیف مذکورہ تقسیم کے اعتبار سے تین قسم کی ہیں۔

۱..... فقط اللہ تعالیٰ کا حق جیسے ایمان اور تحریم کفر۔

۲..... فقط بندوں کا حق جیسے دیون (قرضہ جات) اور اشیاء کے شمن (قیمت)

۳..... مختلف فیر کہ آیا اس میں اللہ کا حق غالب ہے یا بندے کا حق جیسے حد قذف، چنانچہ علامہ قرانی کہتے ہیں: کہ فقط بندے کے حق

❶..... مغنی المحتاج ۱۲/۷، المہذب ۲۶۷/۶، المیزان ۱۵۳/۲، المغنی ۱۶۳/۸، ❷ اخر جہ ابوداؤد من حدیث عبادۃ بن الصامت۔ ❸ یعنی حد زنا کو معاف نہیں کیا جاسکتا اس پر صلح نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس سے زانی کو بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ❹ البدائع ۵۵/۷

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۴۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
 سے ہم یہ مراد لیتے ہیں کہ اگر وہ ساقط کرنا چاہے تو ساقط کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے، ورنہ جو بھی بندے کا حق ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی شامل ہوتا ہے، یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس کے ذریعے مستحق کو اس کا حق مل جاتا ہے، چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ کا حق پایا جاتا ہے تو اس میں بندے کا حق نہیں ہوتا جبکہ جہاں بھی بندے کا حق ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کا شائبہ ہوگا۔ اس کی پہچان حق کو ساقط کرنے کی صحت سے ہوتی ہے چنانچہ ہر وہ حق جسے بندہ ساقط کرنے کا اختیار رکھتا ہے وہ بندے کا حق ہے اور جس حق کو ساقط کرنے کا بندہ اختیار نہیں رکھتا ہو تو وہ اللہ کا حق ہے۔

بسا اوقات ایک چیز اللہ کا حق ہوتی ہے کہ بندہ اسے ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جبکہ اس کے ساتھ بندے کا حق بھی اس میں ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سود، غرر، جہالت وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت مال کے لیے ان مفاسد کو حرام قرار دیا ہے۔ نیز تاکہ بندہ اپنے مال کو ضائع نہ کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ضیاع مال سے بچنے کے لئے بندے پر پابندی لگا دی ہے، سو بندہ اگر ان مفاسد میں اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو بھی جائے تب بھی اس کی رضامندی مؤثر نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص سمندر میں اپنا مال بہا دینا چاہے تو رب تعالیٰ اس پر بھی پابندی اور حجر لگاتے ہیں اگرچہ بندہ اپنا مال ضائع کرنے پر راضی ہو لیکن اس کی رضامندی معتبر نہیں چونکہ سمندر میں مال کو بہا دینا بغیر کسی مصلحت کے مال کو ضائع کرنا ہے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے بندہ کی عقل کو محفوظ رکھنے کے لئے مسکرات (نشہ آوار اشیاء) کو حرام قرار دیا ہے، مال کو محفوظ رکھنے کے لیے چوری حرام کی ہے، عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لیے تمہت اور قذف کو حرام کیا ہے، جان اور اعضاء کی حفاظت کے لیے قتل اور زخم کو حرام کیا ہے، اگرچہ بندہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی بھی ہو تب بھی اس کی رضامندی معتبر نہیں اور اس کا اسقاط نافذ نہیں ہوگا۔

چنانچہ مذکورہ بالا امور اور ان کے ملحقات جو کہ انسانوں کے مصالح سے متعلق ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے چونکہ یہ ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتے، اگرچہ یہ بندوں کے حقوق ہونے پر بھی مشتمل ہیں۔ چونکہ ان میں انسانوں کی مصلحت اور بھلائی ہے اور شر مفاسد سے دور رکھنا ہے، اصل میں رب تعالیٰ بندوں پر رحمت و مہربانی کرتے ہیں تو از روئے شفقت ان مفاسد سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ بندوں پر پابندی عائد کی ہے۔

جس شخص کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو کیا حد اور مہر اس پر واجب ہوگا؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری رائے جو صاحبین کی رائے بھی ہے یہ ہے کہ جس شخص کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو اس پر حد نہیں البتہ اس کے ذمہ مہر واجب ہوگا۔ چونکہ جب کبھی حد ساقط ہو جائے تو عورت کے لیے مہر واجب ہوتا ہے۔

حنابلہ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ واپسی پر حد اور مہر دونوں واجب ہوں گے، جبکہ شافعیہ اور محققین مالکیہ کہتے ہیں: اس پر صرف مہر واجب ہوگا شبہ کی وجہ سے حد نہیں ہوگی۔ ①

چنانچہ حدیث ہے کہ میری امت سے خطائسیان اور اکراہ اٹھالیا گیا ہے۔

خلاصہ..... جمہور کے نزدیک رائج یہ ہے کہ مستکرہ پر مہر ہوگا اس پر حد نہیں ہوگی، جبکہ حنابلہ مہر اور حد دونوں کے وجوب کے قائل ہیں۔

چوتھی بحث..... قاضی کے پاس زنا کا اثبات

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ زنا، قرار یا گواہی سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ زنا چوری اور شراب نوشی دوران مقدمہ قاضی کے علم سے

الفقه الاسلامی وادلیہ..... جلد ہفتم ۱۴۱ اسلام میں دنیوی سزائیں

ثابت نہیں ہوتی چونکہ حدود شہ سے ٹل جاتی ہیں بلکہ حدود کے معاملہ میں ستر کرنا مستحب ہے۔ ①

سزا لگانے کے لیے جہت کی شرط لگانے کی حکمت واضح ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت ہے کہ وہ جنایت کرنے والوں کو بغیر جہت کے نہیں پکڑتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں جہت قائم کرنے کے بغیر عذاب نہیں دے گا، جہت یا تو خود مرتکبین کی طرف سے ہوگی اور وہ اقرار ہے یا ایسا حال ہے جو اقرار کے قائم مقام ہو، بلکہ مؤخر الذکر تو زبانی اقرار سے زیادہ قابل اعتماد ہے، چونکہ جس شخص پر شہادہ قائم ہو جائے جیسے شراب کی بدبو پائی گئی، قی کی جس میں شراب اگلی یا چوری کی واردات میں مسروقہ مال چور کے گھر سے پکڑ لیا گیا تو مرتکب بطریق اولیٰ سزا کا مستحق ہوگا۔ جبکہ اقرار میں تو پھر صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے، یہ صحابہ کے نزدیک متفق علیہ ہے اگرچہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

یا تو جہت مرتکبین کی طرف سے نہیں ہوگی اور یہ گواہوں کا ہونا ہے، اس میں عدالت اور عدم تہمت شرط ہے، یہ شرط ایسی ہیں کہ جنہیں عقل اور فطرت سلیمہ ضروری سمجھتی ہے۔ ②

صحابہ رضی اللہ عنہم نے حمل کو زنا کی علامت قرار دیا ہے۔ ③ چنانچہ مالکیہ اور ابن قیم نے اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ حنا بلہ کہتے ہیں کہ وہ عورت جو زنا سے حاملہ ہو جائے اسے حد لگائی جائے گی بشرطیکہ اس کا خاوند اس سے دور ہو۔ اور عورت شہ کا دعویٰ نہ کرتی ہو۔ وہ عورت جو خاوند سے علیحدہ ہو اس کے حمل سے زنا ثابت نہیں ہوتا، جبکہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قرآن سے زنا ثابت نہیں ہوتا۔

المیئہ یعنی چار گواہ..... چار گواہوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جاتا ہے، چار گواہ مرد ہوں، عادل ہوں، آزاد ہوں، مسلمان ہوں اور یوں گواہی دیں: ہم نے فلاں شخص کو عورت کی شرگاہ میں مل کر تے دیکھا ہے جیسے سرچو سرمدہ دانی میں ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء نے اسی طرح تعبیر کی ہے۔

حنفیہ نے گواہوں میں مختلف شرائط عائد کی ہیں جیسے بلوغ، عقل، مرد ہونا، آزادی، عدالت، اصالت، عدم تقادم، تفصیل یہ ہے۔

۱۔ گواہوں کا چار ہونا..... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ تَسَاءَلِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِّنْكُمْ..... النساء ۱۵/۴

اور تہماری وہ عورتیں جو بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ان پر تم چار گواہ قائم کرو۔

لَوْ لَا جَاءَؤْ عَلَيْكُم بِأَرْبَعَةٍ شَهِدَ آءٌ..... النور ۱۳/۲۳

اس واقعہ پر چارہ گواہ کیوں نہیں لائے۔

حد قذف کے بارے میں فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةٍ شَهِدَ آءٌ..... النور ۴/۲۳

اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لا سکتے۔

اگر تین گواہوں نے زنا کی گواہی دے دی اور چوتھے نے کہا کہ میں نے مرد اور عورت کو ایک لحاف میں سوئے دیکھا ہے تو حنفیہ تین گواہوں کو حد قذف لگے گی اور چوتھے پر حد نہیں ہوگی چونکہ چوتھے نے تہمت نہیں لگائی، اگر چار سے کم گواہوں نے عدالت میں زنا کی گواہی دی تو سب پر بالاتفاق حد قذف جاری کی جائے گی، چونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر تین گواہوں نے زنا کی گواہی دی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد قذف جاری کی تھی۔ ④

①..... مغنی المحتاج ۳/۹۸، المیزان للشعرانی ۲/۱۵۳، المغنی ۸/۲۰۹، البدائع ۷/۵۲، اعلام الموقعین ۶/۱۰۰۔

②..... الطرق الحکمة ۹۷ الشرح الكبير للدردير والمنتقى على المؤطا باب حد الزنا۔ ذکرہ البخاری فی صحیحہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۴۲ اسلام میں دنیوی سزائیں۔

۲۔ تکلف..... یعنی بلوغ اور عقل چنانچہ بچوں اور مجانین کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ مرد ہونا..... چنانچہ کسی حال میں بھی اثبات زنا میں سب عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی چونکہ اس میں عورتوں کی عزت و تکریم ہے اور زنا پر لے درجے کی بے حیائی ہے جبکہ احصان مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک ثابت ہو جاتا ہے۔

۴۔ عدالت..... چنانچہ فاسق اور مستور الحال جس کی عدالت معلوم نہ ہو اس کی گواہی قابل قبول نہیں اگر چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی اس حال میں کہ سب فاسق ہوں یا تفتیش سے انکار فق ظاہر ہو جائے تو انہیں حد قذف نہیں لگائی جائے گی چونکہ فاسق ادائے شہادت اور تحمل شہادت کی اہلیت رکھتا ہے اگرچہ ادائے شہادت میں فسق کی تہمت کی وجہ سے قصور ہے۔

۵۔ آزادی..... غلاموں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

۶۔ اسلام..... چنانچہ ذمیوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی چونکہ اہل ذمہ کی عدالت متحقق نہیں ہوتی۔

۷۔ اصالت..... چنانچہ گواہی بلا واسطہ اور براہ راست ہو گواہی پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

قاضی کی طرف دوسرے قاضی کا خط بھی قبول نہیں چونکہ جرم کے وقوع میں شبہ پختہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ حدود و شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں۔

۸۔ مشہود بہ میں اتحاد ہو..... یعنی چاروں گواہوں کا فعل واحد، واحد جگہ اور واحد جگہ پر اتفاق ہو۔

۹۔ اتحاد مجلس..... اس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں گواہ ادائے شہادت کے وقت مجلس واحد میں جمع ہوں۔ چنانچہ اگر ایک کے بعد دوسرا آیا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور انہیں حد قذف لگائی جائے گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اثبات زنا کے لئے گواہ ربیعہ مضری تعداد کے برابر ہوں اور اکیلے اکیلے، اگر گواہی دیں تو میں انہیں کوڑے ماروں گا۔ یعنی ادائے شہادت کے وقت مجلس کا متحد ہونا شرط ہے، یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے بقیہ فقہاء کے نزدیک یہ شرط نہیں۔

۱۰..... زانی جس کے خلاف زنا کی گواہی دی جا رہی ہو وہ ایسا ہو کہ اس سے وطی کا تصور ممکن ہو یعنی وہ وطی کر سکتا ہو اور اگر وہ مقطوع الذکر ہو تو گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور انہیں حد قذف لگائی جائے گی۔

۱۱..... جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو وہ ان لوگوں میں سے ہو جو شبہ کا دعویٰ کر سکتے ہوں اگر وہ گونا گونا گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی چونکہ اگر وہ بات کرنے پر قادر ہوتا تو ممکن ہے کوئی شبہ پیش کر دیتا۔

۱۲..... عدم تقادم: یعنی بلا کسی عذر کے گواہی پرانی نہ ہو یہ شرط حد زنا چوری اور شراب کی حد میں معتبر ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مشاہدہ جرم کے بعد اتنی مدت نہ گزرنے پائے کہ ادائے شہادت کسی تہمت یا فتنے کی بھینٹ چڑھ جائے۔ چونکہ ایک مدت کے بعد بلا عذر ادائے شہادت بغض اور کینہ پر دلالت کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے اب گواہی دی جا رہی ہے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو قوم کسی حد کے متعلق اس کے ارتکاب کے وقت گواہی نہ دے بعد میں ان کی گواہی کینہ وری کی وجہ سے ہوگی لہذا ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے تقادم ہو مثلاً کسی دوسری جگہ پر حاکم دورے پر گیا ہو یا حاکم تک جانے میں راستہ دور کا ہو اور خوف بھی ہو تو یہ تقادم قبول شہادت کے مانع نہیں ہوگا۔

تقادم کی مدت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کی صوابدید پر ہے چونکہ ہر جگہ، زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے لوگوں کے اعذار مختلف ہوتے ہیں۔ صاحبین کہتے ہیں: تقادم (شہادت کے پرانے ہونے) کی مدت ایک ماہ اور اس سے زائد عرصہ ہے، اگر مہینے سے کم مدت

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۲۳ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
میں اداۓ شہادت ہوگی تو تقادم نہیں ہوگا، چونکہ مہینہ سے کم مدت عاجل ہے اور مہینہ آجل ہے۔

۱۳۔ قیام حد تک گواہوں کا اپنی اہلیت پر باقی رہنا..... اگر گواہ مر گئے یا غائب ہو گئے یا اندھے ہو گئے یا مرتد ہو گئے یا گونگے ہو گئے۔ یا انہیں حد قذف لگائی گئی اور ابھی تک زانی پر حد جاری نہیں ہوئی تھی یا قاضی نے ابھی ان کی شہادت پر فیصلہ نہیں سنایا تھا تو زانی سے حد ساقط ہو جائے گی، چونکہ یہ عوارض اگر گواہی کے ساتھ مقارن ہوتے تو تب بھی حد ساقط ہو جاتی، اسی طرح بعد میں ان عوارض کے مقارن ہونے سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ ❶ بقیہ گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی چونکہ اس صورت میں گواہوں کی تعداد نصاب سے کم ہو جائے گی۔ اور اگر نصاب سے گواہ کم ہوں تو انہیں حد قذف لگائی جاتی ہے۔ حنا بلہ اور شافعیہ لکھتے ہیں کہ اداۓ شہادت کے بعد یہ عوارض موثر نہیں ہوں گے۔ ❷

اگر گواہوں نے گواہی دے دی اور قاضی کا فیصلہ بھی صادر ہو چکا، زانی کو رجم بھی کر دیا گیا اور پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو گواہ زانی کی دیت کے ضامن ہوں گے، اگر ایک گواہ نے انکار کیا تو اس پر کچھ ضمان نہیں ہوگا چونکہ انکار شہادت رجوع نہیں بلکہ رجوع یہ کہ یوں کہے: میں اپنی گواہی کو باطل قرار دیتا ہوں۔ ❸

شہادت علی الزنا کی بعض شرائط میں علماء کا اختلاف:

۱۔ مشہود بہ کا اتحاد..... آئمہ اربعہ کہتے ہیں کہ چاروں گواہوں کا مشہود بہ پر اتحاد ہو یعنی چاروں گواہ فعل واحد، مکان واحد اور زمان واحد کی گواہی دیں اگر گواہوں کا اختلاف ہو گیا تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں جگہ زنا کیا دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں جگہ (پہلی جگہ کے علاوہ ہو) زنا کیا یا دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ مثلاً منگل کو زنا کیا دوسرے دو نے گواہی دی کہ اس نے بدھ کو زنا کیا تو مشہود علیہ (زانی) پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور جمہور حنفیہ کے نزدیک گواہوں پر حد قذف بھی نہیں ہوگی چونکہ گواہوں کے نزدیک مشہود بھی مختلف نہیں ہے، چونکہ گواہوں کے نزدیک یہ ایک ہی زنا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہوں کو حد لگائی جائے گی چونکہ گواہوں کی تعداد کم ہو گئی ہے اور اگر گواہوں کی تعداد کم ہو جائے تو انہیں حد قذف لگائی جاتی ہے چونکہ گواہی قذف بن جاتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے تین گواہ گواہی دیں۔

اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں مرد نے عورت کے ساتھ مکان کے اس کونے میں زنا کیا دوسرے نے گواہی دی کہ دوسرے کونے میں زنا کیا جبکہ مکان تنگ تھا، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ گواہی قبول کر لی جائے گی، چونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ فعل کی ابتداء ایک کونے میں ہوئی ہو اور انتہاء دوسرے کونے میں، اگر مکان بڑا ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی چونکہ بڑا مکان دو سے زائد کمروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ❹

امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں: یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس گواہی سے حد ثابت ہوتی ہے چونکہ گواہ زنا و اہل بیت نہیں ہیں۔ ❺

۲۔ مجلس شہادت کا متحد ہونا..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شہود (گواہوں) کا مجتمع ہونا شرط ہے اور یہ کہ وہ ایک ہی مجلس میں گواہی دیں، اگر ایک کے بعد دوسرے نے آ کر گواہی دی تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ پہلے ذکر چکا ہے۔

❶..... المسبوط للسرخی ۵۰/۹۔ المغنی لابن قدامة ۲۰۷/۸۔ مجمع الضمانات ۱۵۰/۷۔ البدائع ۳۹/۷، المغنی

۲۰۰/۸، فتح القدیر ۱۶۷/۳۔ ❷۔ مغنی المحتاج ۱۵۱/۲۔ بداية المجتہد ۳۳۰/۲، الشرح الكبير ۱۸۵/۳

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: فقط قاضی کی مجلس کا متحد ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر گواہوں نے الگ الگ آکر گواہی دی تاہم قاضی عدالت میں بدستور بیٹھا رہا اور کھڑا نہ ہوا تو گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ کچھ گواہ قاضی کے اٹھ جانے کے بعد آئے تو یقیناً یہ گواہی قذف ہوگی اور ان پر حد قذف کی جائے گی۔^①

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ شرط حد زنا میں معتبر نہیں، نہ گواہوں کے آنے میں اس کا اعتبار ہے اور نہ ان کے اکٹھا ہونے میں بلکہ اگر جدا جدا آئے اور گواہی دی تو زانی پر حد جاری کی جائے گی چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَوْلَا جَاءُوْا عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شَهِدَآءٍ

اس واقعہ پر کیوں چار گواہ نہیں لائے۔

چنانچہ آیت میں اتحاد مجلس کا ذکر نہیں۔ نیز اہم یہ ہے کہ گواہوں کی گواہی میں اتحاد ہو خواہ مجلس واحد میں ہو یا مختلف مجالس میں جیسے بقیہ گواہی میں ہوتا ہے۔^②

تقدم شہادت..... حنفیہ کہتے ہیں کہ کچھ زمانہ گز جانے کے بعد گواہی قبول نہیں کی جائے گی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: زنا، قذف اور شراب نوشی کے واقعہ کے بعد طویل مدت تک گواہی قبول کی جائے گی چونکہ زنا کے متعلق آیت شہادت میں عموم ہے، نیز حد زنا ایسا حق ہے جس کا کوئی مبطل نہیں، بسا اوقات کسی عذر کی وجہ سے بھی تاخیر ہو جاتی ہے اور حد مطلق احتمال سے ساقط نہیں ہوتی۔^③

گواہوں سے زنا کے متعلق قاضی کی جانچ پڑتال..... اگر مذکورہ بالا شرائط گواہوں میں پائی جائیں اور گواہوں نے قاضی کے پاس جا کر گواہی دے دی تو قاضی گواہوں سے مندرجہ ذیل امور کے متعلق استفسار کرے حقیقت زنا، کیفیت زنا، مکان زنا، زمان زنا اور اس عورت کے متعلق سوال کرے جس کے ساتھ زنا کیا گیا ہو۔^④

حقیقت زنا..... کے متعلق اس لیے پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے کہ کہیں گواہ بد نظری یا بوس کنار کو زنا نہ سمجھتے ہوں۔ کیفیت زنا..... کے متعلق استفسار اس لیے ضروری ہے کہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ کہیں اور وطی کی گئی ہو مثلاً رانوں میں وطی کر دی ہو اور گواہ اس کو زنا سمجھ بیٹھے ہوں

مکان زنا..... یعنی جس جگہ زنا کا واقعہ ہوا اس کے متعلق قاضی گواہوں سے پوچھے چونکہ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے زنا دار الحراب میں ہوا ہو، یا دار بغاوت میں ہوا ہو۔

زمان زنا..... کے متعلق اس لیے پوچھنا ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے گواہی کسی پرانے زنا کے متعلق گواہی دی ہو۔ عورت..... یعنی جس عورت کے ساتھ زنا کا واقعہ ہوا قاضی اس کے بارے میں سوال کرے ہو سکتا ہے وہ عورت ایسی ہو کہ اس کے ساتھ وطی کرنے سے حد واجب نہ ہوتی ہو مثلاً شبہ کی بنا پر وطی کر دی گئی ہو۔

اقرار زنا..... زنا کا اقرار معتبر ہونے میں حنفیہ کے نزدیک مختلف شرائط ہیں ان میں سے کچھ شرائط تو وہ ہیں جو جملہ حدود میں معتبر سمجھی

①..... المغنی ۲۰۰/۸ المتنفی علی الموطا ۱۴۴/۷ القوانين الفقہیہ ۳۵۶۔ ② المغنی المرجع السابق، المیزان ۱۵۶/۲۔

③ المیزان ۱۵۸/۲، المغنی ۲۰۰/۸ فتح القدیر ۱۶۱/۴۔ ④ المسبوط ۳۸/۹، البدائع ۴۹/۷، فتح القدیر ۱۱۵/۴،

گئی ہیں اور ان میں سے کچھ خاص شرائط ہیں۔

البتہ حدود کی عام شرائط درج ذیل ہیں۔ ①

بلوغ..... چنانچہ بچے نے اگر کسی حد کا اقرار کر لیا تو اس کا اقرار غیر صحیح ہوگا۔ چونکہ بچے کے فعل کو جنایت نہیں قرار دیا جاتا۔

۲۔ نطق..... یعنی واضح عبارت کے ساتھ زبان سے اقرار ہو، لکھا ہو اور اشارہ سے اقرار معتبر نہیں ہوگا، گو نئے شخص کا اقرار کافی نہیں ہوگا نہ ہی لکھ کر اور نہ اشارے سے، چونکہ شریعت نے حد کو صریح بیان کے ساتھ معلق کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں..... اگر گو نئے شخص نے اشارے سے زنا کا اقرار کر لیا تو اس کا اقرار معتبر ہوگا۔

۳۔ اختیار..... یعنی اپنے اختیارات، خوشدلی اور رضا مندی سے حدود کا اقرار ہو، چنانچہ حدود اور اموال میں مکہ کا اقرار غیر مقبول ہوگا۔

بعض حدود کی مخصوص شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تعداد اقرار..... یعنی اقرار کر چار بار ہونا چاہیے تب حد زنا میں اقرار معتبر ہوگا، عاقل بالغ ہوتے ہوئے اپنے خلاف چار بار اقرار کرے اور اقامت حد کا مطالبہ ہو، چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو چار بار اقرار کیا تھا۔ ② یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔ ③

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں۔ ④ حدود واجب ہونے کے لیے ایک بار اقرار بھی کافی ہے چونکہ یہ بات بعد از قیاس ہے کہ کوئی شخص اس امر میں اپنے اوپر جھوٹ بولے، اور ایسی چیز کا اعتراف کرے جس سے حد واجب ہوتی ہو، چونکہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہے اور تکرار سے خبر کے رجحان میں اضافہ نہیں ہوتا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ عسین میں فرمایا: اے اُنیس صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اگر اعتراف زنا کر لے تو اسے رجم کر دو۔ ⑤ غامد یہ نے بھی اعتراف زنا کیا تھا، اس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: تمہارا ناس ہو واپس جاؤ، استغفار کرو اور اللہ کے حضور توبہ کرو، غامد یہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

میرا خیال ہے آپ مجھے بھی معاذ بن مالک کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کیا ہے؟ غامد یہ نے عرض کیا: میں تو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو چکی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم حاملہ ہو چکی ہو؟ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا: اس وقت تک تمہارے اوپر حد جاری نہیں ہوگی جب تک تم وضع حمل نہ کرو وغیرہا من الاحادیث۔ ⑥

۲۔ اقرار زنا کی صورت میں تعدد مجالس..... اس کا حاصل یہ ہے کہ مقرر چار مختلف مجلسوں میں اقرار زنا کرے، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ عنہ کی مختلف مجالس کا اعتبار کیا تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ ہر بار معاذ رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر نکل جاتے اور واپس لوٹ آتے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مختلف نہیں ہوئی یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

جمہور کہتے ہیں: مجلس واحد میں بھی اقرار کافی ہے۔ ⑦

①..... البدائع ۴/۳۹، فتح القدیر ۳/۱۷۱، الميسوط ۹/۹۱۔ ② رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابو داؤد عن ابی ہریرۃ و رواہ مسلم و احمد عن بريدة قد سبق تخريجه۔ ③ المغنی ۸/۱۹۱۔ ④ حاشیۃ الدسوقي ۳/۳۱۸ المنطقی علی المؤطا ۷/۱۳۵، القوانین الفقہیۃ ۳۵۶ مغنی المحتاج ۳/۱۵۰۔ ⑤ رواہ البخاری و مسلم و الدارقطنی عن سلیمان بريدة عن ابیہ ⑥ رواہ مسلم و الدارقطنی عن سلیمان بن بريدة عن ابیہ ⑦ بداية المجتهد ۲/۴۲۰

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۴۶..... اسلام میں دنیوی سزائیں
۳۔ اقرار امام یا قاضی کے روبرو ہو..... ورنہ اقرار معتبر نہیں ہوگا چونکہ ماعز رضی اللہ عنہ کا اقرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا۔ اگر زانی نے کسی ایسے شخص کے پاس چار مرتبہ مختلف مجالس میں اعتراف زنا کیا پھر اس اعتراف کے متعلق گواہوں نے قاضی کے پاس گواہی دی تو قاضی اس گواہی کو قبول نہ کرے چونکہ زانی اگر منکر ہو تو گواہ یا اس نے اقرار سے رجوع کر لیا اور اگر اقرار کرتا ہو تو شہادت کے ساتھ اقرار کا اعتبار نہیں۔

۴۔ زنا، چوری، شرب خمر اور نشہ کے اقرار میں صحیح ہونا..... چنانچہ اگر کسی شخص نے نشے کی حالت میں اقرار کر لیا تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

۵۔ اقرار زنا ایسے شخص کی طرف سے ہو جس سے زنا ممکن ہو..... اگر مقتطوع الذکر نے اقرار کیا تو اس کا اقرار معتبر نہیں ہوگا۔ البتہ اگر آلہ تناسل ہو جیسے عنین (جس کی مردانہ طاقت مفقود ہو) اور خصی تو اس کا اقرار صحیح ہوگا چونکہ اس کا آلہ تناسل موجود ہے۔

۶۔ زانی اور مزنیہ بذریعہ نطق شبہ کا دعویٰ کر سکتے ہوں..... اگر ادعائے شبہ کی قدرت نہ ہو مثلاً مزنیہ عورت گوگی ہو یا زانی گونگا ہو تو اس کا اقرار صحیح نہیں چونکہ عقد نکاح کا دعویٰ ہو سکتا ہے یا زنا کا انکار ہو سکتا ہے۔

اقرار حجت قاصرہ ہے..... اگر وطی کے دو شریکوں میں سے ایک نے زنا کا اقرار کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو مقرر پر حد جاری کی جائے گی۔ ① چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ عسین میں فرمایا: تمہارا بیٹا کوکورے لگیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطنی ہوگی، اے انیس شیخ کو فلاں عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دو۔ ② حضرت اسمیل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا عورت نے انکار کر دیا اور صرف اقرار کرنے والے شخص پر حد جاری کی گئی۔ ③

تقدیم اقرار..... علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اقرار زنا پر تقدیم کا کوئی اثر نہیں ہوتا چونکہ انسان پر اپنی ذات کے متعلق تہمت نہیں ہوتی کہ وہ اقرار کر کے اپنے اوپر جھوٹ بول رہا ہو۔ اس لیے طویل مدت کے بعد بھی اقرار زنا قبول ہوتا ہے۔ ④

مقرر سے زنا کے متعلق قاضی کی پوچھ گچھ..... اگر کوئی شخص قاضی کے پاس اقرار زنا کر لے، قاضی اس سے زنا کا اظہار لے، نا پسندیدگی کا اظہار کرے یا اسے واپس کر دے، تین بار ایسا کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ حنفیہ کے نزدیک جب چار بار زانی نے اقرار کر لیا تو قاضی اس کی حالت پر غور کرے کہ آیا وہ صحیح العقل ہے اس پر کوئی ایک تو نہیں ہوا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ یہ صحیح العقل ہے تو اس کے بعد اس سے زنا کی حقیقت، کیفیت اور جس جگہ زنا سرزد ہو اس کے متعلق دریافت کرے، جس عورت کے ساتھ زنا کیا ہو اس کے متعلق سوالات کرے۔

جب یہ سب کچھ معلوم ہو جائے تو قاضی زانی سے اس کی حالت کے بارے میں دریافت کرے کہ آیا وہ محض ہے یا غیر محض؟ چونکہ محض اور غیر محض ہونے سے زنا کا حکم مختلف ہوتا ہے اگر کہے کہ میں محض ہوں تو قاضی اس سے احصان کے بارے میں دریافت کرے کہ احصان کیا ہے؟ چونکہ احصان مختلف شرائط سے عبارت ہے جسے ہر کوئی نہیں جانتا، اگر احصان کی شرعی تفسیر کر دے تو قاضی اسے رجم کرنے کا حکم دے دے۔ ⑤

①.... البدائع ۵/۷۸، المغنی ۲۰۷، ۲۰۸، المہذب ۲/۲۶۸، ۲۶۹، رواہ الجماعة والبیہقی عن ابی ہریرۃ وزید بن خالد الجہنی

②.... رواہ البیہقی بالفاظ متقارہ واحمد ابوداؤد فید عبدالسلام بن حصص متکلم فید۔ ③.... المسبوط ۹/۳۶، البدائع ۷/۵۱ فتح

القدير ۳/۲۰، تبییس الحقائق ۳/۱۶۶

الفقه الاسلامی وادلت... جلد ہفتم ۱۴۷ اسلام میں دنیوی سزائیں

اقرار سے رجوع کر لینا..... امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے قاضی کے پاس زنا کا اعتراف کر لیا تو حد کا حکم جاری ہونے کے بعد یا کچھ حد لگ چکنے کے بعد زانی نے اقرار سے رجوع کر لیا یا دوران حد بھاگ گیا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ① چونکہ حدیث میں ہے کہ حد کو شہادت کی وجہ سے نال دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجوع کی تلقین کرتے رہے اور یوں فرماتے رہے: شاید تم نے عورت کو مس کر لیا ہو یا شاید تم نے عورت کا بوسہ لے لیا ہو۔ ② جب صحابہ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر پتھر برسائے اور بھاگنے لگے اور صحابہ ان کے پیچھے ہو لیے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا، شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتے۔ ③

مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اقرار سے رجوع کسی شہ کی بنا پر ہوگا یا شہ کی بنا پر نہیں ہوگا۔ مثلاً یوں کہا: میں نے اپنے اوپر جھوٹ بول دیا تھا یہ کہا: میں نے اپنی بیوی سے وطی کی ہے اس حال میں کہ اس نے احرام باندھ رکھا تھا اور میں نے اس وطی کو ناجائز سمجھا۔ اس طرح حد ساقط ہو جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مقرر صرف اس صورت میں معذور سمجھا جائے گا جب کسی شہ کی بنا پر رجوع کرے چونکہ حدیث ہے کہ: جو شخص اقرار کرے اس کا کوئی عذر قبول نہیں۔ ④

خلاصہ..... اقرار سے رجوع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

پانچویں بحث..... زانی پر حد قائم کرنے کا بیان

حد قائم کرنے کی شرائط..... حد قائم کرنے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

اول: اقامت حد کی مختلف شرائط ہیں..... ان میں سے بعض شرائط کو جملہ حدود کے لئے عام ہیں اور بعض شرائط رجم کے ساتھ خاص ہیں۔ وہ شرط جو جملہ حدود کو عام ہوں جیسے امامت اس کی تفصیل آیا جاتی ہے، وہ شرط جو حد رجم کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ کہ رجم میں حد جاری کرنے کی ابتداء گواہوں کی طرف سے ہو۔ بناء پر ہذا امام یا اس کا نائب حد قائم کرنے کا مجاز ہوگا اگر حد کوڑوں کی صورت میں ہو تو امام حد قائم کرے یا اس کا نائب اگر حد رجم کی صورت میں ہو اور اس کا اثبات گواہوں سے ہو یا تو حد لگانے میں گواہوں سے ابتداء ہوگی اور اگر حد اقرار سے ثابت ہوئی ہو تو رجم کی ابتداء امام سے ہوگی۔ ⑤

رجم میں گواہوں کی ابتداء کے متعلق علماء کا اختلاف..... حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر رجم گواہی سے ثابت ہوا ہو تو استحساناً رجم کی ابتداء گواہوں سے کرنا شرط ہے، اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: پہلے گواہ رجم کریں پھر امام اور پھر عام لوگ ⑥ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

یرجم الشہود اولاً ثم الامام ثم الناس

کلمہ (ثم) ترتیب کے لیے ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں فرمان جاری کیا تھا لہذا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا

- ①..... فتح القدیر ۲/۱۲۰ مغنی المحتاج ۴/۱۵۰، المہذب ۲/۲۷۱، المغنی ۸/۱۹۷۔ ② رواہ الحاکم فی المستدرک من حدیث ابن عباس والحديث عند البخاری بلفظ "لعلک قبلت او غمزت او نظرت". (نصب الراية ۳/۳۱۶ سبل السلام ۸/۳۔
- ③ رواہ ابو داؤد عن یزید بن نعیم بن ہزال عن ابیہ و رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی وقال حسن من حدیث ابی ہریرۃ، جامع الاصول ۳/۲۸۷، نیل الاوطار ۷/۱۰۲۔ ④ بداية المجتهد ۲/۳۳۰ حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۱۸۔ ⑤ البدائع ۷/۵۷، فتح القدیر ۳/۱۲۲، حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۲۰ بداية المجتهد ۲/۳۲۸۔ ⑥ رواہ البیہقی فی سننہ عن عامر الشعبي ورواہ احمد فی مسندہ وابن ابی شیبۃ عن یزید بن ابی لیلیٰ (نصب الراية ۳/۳۱۹)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۴۸ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

اجماع ہوا، نیز اس ترتیب میں حد ثل دینے کی احتیاط بھی ہے، چونکہ جب گواہ رجم کی ابتداء کریں گے تو بسا اوقات اس فعل کو عظم تر سمجھ کر رجم سے اجتناب کریں گے اور ان کے اجتناب کو گواہی سے رجوع تصور کیا جائے گا یوں حد مشہود علیہ کے ذمہ سے ساقط ہو سکتی ہے، اگر کچھ گواہوں نے رجوع کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی، ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حد ساقط ہو جائے گی چونکہ گواہوں کا رجم سے رک جانا جھوٹی گواہی کے شبہ کو پیدا کر دیتا ہے۔

مذکور بالا حکم کوڑوں کی حد کے برخلاف ہے چنانچہ کوڑوں کی صورت میں گواہوں سے ابتدا کرنا شرط نہیں چونکہ گواہ صحیح طرح سے کوڑا لگانا نہیں بھی جانتے، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول اثر رجم کے بارے میں ہے لہذا کوڑوں کی حد اصل قیاس پر باقی رہے گی۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: اگر امام رجم کے موقع پر حاضر ہو تو رجم کی ابتداء وہ بھی کر سکتا ہے اور غیر امام بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجم کرنے کی ترتیب کسی صحیح میں ثابت نہیں اور نہ ہی کوئی معمول بہ سنت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ گواہ رجم کی ابتداء کریں پھر حاکم اور اس کے بعد عام لوگ۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: سنت یہ ہے کہ جب گواہوں سے ثابت ہو جائے تو گواہ رجم کی ابتداء کریں پھر حاکم، پھر عام لوگ، چونکہ غیر ادائے شہادت میں گواہ اور باقی لوگ برابر ہیں، اور امام حد و دقائم کرنے کا اختیار رکھتا ہے، نیز رجم حد کی ایک قسم ہے لہذا اسے کوڑوں کی حد پر قیاس کیا جائے گا چنانچہ کوڑوں کی حد میں گواہوں سے ابتدا کرنی شرط نہیں۔ ❷

دوم..... حد قائم کرنے کا اختیار امام یا اس کے نائب کو حاصل ہے، اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپ کے حکم سے حد قائم کی گئی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے حکم سے حد قائم کی جاتی رہی۔ نیز صدر اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو محتاج اجتہاد ہے۔ ❸

سوم..... حد قائم کرتے وقت گواہوں میں ادائے شہادت کی اہلیت موجود ہونا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے۔ اگر فق یا ارتد ادا یا جنون یا اندھا پن یا گونگے پن وغیرہ کی وجہ سے اہلیت باطل ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ ❹ جیسا کہ پہلے اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جمہور کے ہاں یہ شرط نہیں۔

چہارم..... بالاتفاق یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ کوڑوں کی سزا دینے میں بلاکت کا خوف نہ ہو، چونکہ کوڑوں کی سزا زجر اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے مشروع ہوئی ہے نہ کہ مہلک چنانچہ شدید گرمی یا شدید سردی میں کوڑوں کی حد قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح مرض، نفاس اور حمل کی حالت میں بھی حد جاری کرنا جائز نہیں، چونکہ اگر ان احوال میں حد جاری کی جائے گی تو وہ بلاکت کا باعث بن جائے گی جو قتل ہوگا، نیز حاملہ عورت کے مرنے اور اس کے حمل کے ساقط ہونے کا بھی قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ ❺

لیکن شافعیہ اور حنابلہ ایسے مرض میں حد قائم کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں جس سے تندرستی کی کوئی امید نہ ہو۔ ❻ ایسی حالت میں جب کہ جسم نہایت لاغر ہو چکا ہو فقہاء کہتے ہیں کہ مریض کوڑے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے اسے چھوٹی چھوٹی سی ٹہنیوں کی مٹھ بنا کر ایک ہی دفعہ مار دی جائے، اس کی دلیل حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مریض ولاغر شخص کے متعلق حکم دیا تھا کہ سو

❶..... القوانين الفقهية ۳۵۶، الشرح الكبير ۳۲۰/۴، مواهب الجليل ۳۲۰/۶۔ ❷..... البدائع ۵۷/۷، فتح القدیر ۱۲۲/۴، المنتقى ۱۳۳/۷، بداية المجتهد ۴۳۸/۲، مغنی المحتاج ۱۵۲/۳، المہذب ۲۶۹/۲، المغنی ۱۵۹/۸۔ ❸..... المہذب ۲۶۹/۲، البدائع ۵۷/۷، البدائع ۵۹/۷، الميسوط ۱۵۵/۹، المہذب ۳۷۰/۲۔ ❹..... مغنی المحتاج ۱۵۵/۲، المہذب ۲۷۰/۲، حاشية الدسوقي ۳۳۰/۴، القوانين الفقهية ۳۵۶، المغنی ۱۷۱/۸۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۴۹ اسلام میں دنیوی سزائیں۔

ٹہنیوں کی مٹھ بنا کر ایک ہی دفعہ اسے ماری جائے۔ ❶ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر مریض کو کوڑے مارنا ممکن نہیں رہا اور تندرستی کی بھی کوئی امید نہیں، اگر کوڑے مارے جائیں گے تو وہ مر جائے گا، حد اس پر بھی واجب ہے، ترک بھی نہیں کی جاسکتی چونکہ اس سے اقامت حد کا قتل لازم آتا ہے۔

رہی بات ضمان کی کہ اگر ایسی حالت میں زانی پر حد جاری کی گئی کہ وہ برداشت کر سکتا تھا اور حد لگنے سے ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان نہیں ہوگا چونکہ حق تو اسے قتل کرنا ہے۔ اگر حاملہ عورت پر حد جاری کی گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا تو ضمان واجب ہوگا۔ اس کا ضمان کسی دوسرے کی جنایت سے ساقط نہیں ہوگا۔ اگر شدید گرمی یا شدید سردی میں حد لگائی گئی اور محدود ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان نہیں ہوگا۔ جمہور کہتے ہیں کہ محدود کے ہلاک ہونے سے ضمان نہیں ہوتا۔ تعزیر کی بحث میں اس کی وضاحت آیا جاتی ہے۔

رحم..... کرنے کی صورت میں ہلاک ہونے کا خوف شرط نہیں چونکہ رحم مہلک حد ہے۔ ہاں البتہ حاملہ عورت پر حمل کے ہوتے ہوئے حد جاری نہیں کی جائے گی، چونکہ حد سے حمل بھی ہلاک ہو جائے گا جبکہ اسے ہلاک نہیں کرنا۔ لہذا حاملہ عورت کے رحم میں تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ عورت وضع حمل کر لے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ جہنیہ کو یہ کہنے پر واپس کر دیا تھا کہ میں حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ: فی الحال تمہارے اوپر حد جاری نہیں کی جائے گی واپس چلی جاؤ یہاں تک کہ تم بچہ جنم دے دو۔ پھر فرمایا تھا: چلی جاؤ اور اس بچے کو دودھ پلاؤ یہاں تک کہ اس کا دودھ چھوٹ جائے۔ ❷

حالت محدود..... جمہور کا مذہب ہے کہ محدود اگر مرد ہو اور اسے رحم کرنا ہو تو اسے کھڑا کیا جائے گا، نہ ہی اسے کسی چیز کے ساتھ باندھا جائے اور نہ ہی پکڑا جائے، نہ اس کے لیے گڑھا کھودا جائے، خواہ رحم کا ثبوت گواہوں سے ہوا ہو یا اقرار سے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کہ ان کے لئے گڑھا نہیں کھودا نیز گڑھا کھودنے کے متعلق شریعت بھی وارد نہیں ہوئی۔ ❸ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات مروجہ بھاگ بھی جاتا ہے اس کا بھاگنا اقرار سے رجوع کرنے پر دلیل ہوگی، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ ایسی زمین سے بھاگے تھے جہاں پتھر کم تھے اور ایسی جگہ گئے جہاں پتھر زیادہ تھے۔ ❹

اگر محدود عورت ہو تو حنفیہ کہتے ہیں کہ امام کو گڑھا کھودنے میں اختیار ہے چاہے تو گڑھا کھودا دے، چاہے نہ کھودا دے، چنانچہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ کے لیے سینے تک گڑھا کھودا یا تھا۔ ❺ نیز گڑھا کھود کر رحم کرنے میں عورت کا زیادہ ستر بھی ہے۔ گڑھے کا نہ ہونا بھی جائز ہے چونکہ گڑھا ستر کے لیے ہے جبکہ عورت نے کپڑے پہنے ہوتے ہیں، چونکہ حد قائم کرتے وقت کپڑے نہیں اتارے جاتے ہیں۔

شافعیہ کہتے اگر عورت کا زنا گواہوں سے ثابت ہو تو اس کے لئے گڑھا کھودنا مستحب ہے تاکہ اس کا ستر نہ کھلے اور نہ کھلنے پائے، بخلاف اس صورت کے کہ زنا اقرار سے ثابت ہوا ہو تاکہ بھاگنے کی صورت کا امکان رہے چونکہ بھاگنے میں اقرار سے رجوع سمجھا جاتا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: عورت کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے چونکہ اس کا ثبوت نہیں، ابن رشد کہتے ہیں: فی الجملہ گڑھا کھودنے کے متعلق احادیث میں اختلاف ہے، مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ مروجہ کے لئے گڑھا نہ کھودا جائے، امام احمد کہتے ہیں: اکثر احادیث گڑھا نہ

❶..... رواہ احمد وابن ماجہ ❷ البدائع، مغنی المحتاج الدسوقی، المغنی المراجع السابقہ وقد سبق تخریج الحدیث۔ ❸ رواہ مسلم واحد و ابو داؤد عن ابی سعید الخدری ❹ المبسوط ۱۵/۹، بدایۃ المجتہد ۲/۲۹۹، المنتقى ۷/۱۲۲، القوانين الفقہیہ ۳۵۶ حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۲۰ مغنی المحتاج ۴/۱۵۳، المغنی ۸/۱۵۸ البدائع ۷/۵۹ فتح القدیر ۲/۱۲۸۔ ❺ رواہ ابو داؤد فی سننہ عن ابی بکر۔

الفقه الاسلامی وادلتہ جلد ہفتم ۱۵۰ اسلام میں دنیوی سزائیں

کھودنے کے متعلق ہیں۔ چونکہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنیہ، ماعز اور دو یہودیوں کے لئے گڑھا نہیں کھدوایا۔ کوڑے لگانے کی حالت کے متعلق حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کو کھڑا کیا جائے اور عورت کو بیٹھا کر کوڑے مارے جائیں۔ مرد کی شلواری کے سوا بقیہ کپڑے اتار لیے جائیں۔ سوائے قذف کی حد کے بقیہ حدود اور تعزیرات میں کپڑے اترا لیے جائیں اور حد قذف میں بنیان کوٹ وغیرہ اترا لیا جائے۔

ضرب شدید میں ترتیب..... سب سے زیادہ شدت کے ساتھ تعزیر کے کوڑے لگائے جائیں گے چونکہ تعزیر کے کوڑے زجر و توبیح کے لیے ہوتے ہیں۔ پھر حد زنا کے کوڑے پھر حد شرب کے پھر قذف کے۔ چونکہ زنا کا جرم شرب اور قذف سے بڑھ کر ہوتا ہے، نیز قذف زنا کی ایک نسبت ہے جو حقیقت زنا سے کمتر ہے، جبکہ زنا کی قباح شرعاً اور عملاً ثابت ہے ربی بات شرب خمر کی تو اس کا جرم ہونا شرعاً ثابت ہے عقلاً نہیں اسی لیے زنا ہر دین میں حرام ہے بخلاف شراب نوشی کے، جبکہ شرب خمر مخصوصہ کی حالت میں مباح ہے حالت اکراہ میں بھی مباح ہے بخلاف زنا کے وہ کسی حال میں مباح نہیں نہ اکراہ کی صورت میں اور نہ ہی غلبہ شہوت کی صورت میں، اسی طرح کوڑے مارنے کا وجوب زنا کی صورت میں کتاب اللہ سے ثابت ہے جبکہ حد شرب اجتہاد سے ثابت ہے۔

رہی بات عورت کی سوا اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں ہاں البتہ اگر اس نے کوئی پوتین وغیرہ پہنی ہو تو وہ اتار لی جائے چونکہ عورت کے ستر کا کھولنا حرام ہے، جبکہ پوتین کوٹ وغیرہ سے کوڑے کا اثر نہیں ہوتا، اور ان کے بغیر بھی ستر ممکن ہے لہذا فالتو کپڑے اتار لیے جائیں تاکہ زجر و توبیح کا مقصد حاصل ہو جائے۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مرد کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں نہ کہ کھڑا کر کے، اسی طرح عورت کو بھی، مرد کے ستر کو باقی رکھا جائے اور اس کے علاوہ کپڑے اتار لیے جائیں۔

امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: بھی حدود میں سوائے پوتین اور موٹے جبہ کے اتارنے کے محدود و ننگا نہ کیا جائے، پوتین وغیرہ اتار لی جائے چونکہ اگر بدن پر ربنہ دی جائے گی تو ضرب کا اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس امت میں لیٹانا، ننگا کرنا، طوق، الناء، پھندا ڈالنے کا وجود نہیں۔ ❷ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوڑے لگاتے تھے لیکن کسی سے یہ منقول نہیں کہ وہ ننگا کرتے تھے اور کپڑے اتارتے تھے بلکہ محدود پر ایک دو کپڑے ہوتے تھے۔ ❸

رہی بات رجم کی سوا بالاتفاق عورت کو بٹھا کر رجم کیا جائے اور جمہور کے نزدیک مرد کو کھڑا کر کے رجم کیا جائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرد کو بھی بٹھا کر رجم کیا جائے۔

کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی کیفیت..... رجم کی صورت میں محدود کو پتھر نما ڈھیلے مارے جائیں اور راتے اتنے پتھر مارے جائیں جو پتھیلی میں سما جاتے ہوں، منہی بھر کر چھوٹی چھوٹی ٹنگریاں بھی نہ ماری جائیں تاکہ مر جھمکی تکلیف دائمی نہ ہو، نہ ہی بڑے بڑے پتھر مارے جائیں کہ محدود فوراً ہی مر جائے اور جو مقصد ہے وہی فوت ہو جائے۔ ❹

رہی بات کوڑے کی سو کوڑے ایسے ہونے چاہئے جس میں مر میں نہ ہوں اور محدود کو زمین پر لٹایا نہ جائے، جیسے آج کل کیا جاتا ہے چونکہ نان بدعت ہے سر پر مارنے سے مراد کیا جائے چونکہ اس سے ہلاک ہو جائے کا اندیشہ ہے، درمیانی ضربیں لگائی جائیں نہ زیادہ سخت ہوں اور

❶ البدائع ۶۰۷، تبیس الحقائق ۱۳۱، البسوط ۱۹۱، فتح القدیر ۱۲۸، ۱۲۹، رواہ الطبرانی قال المیتسی وهو

منقطع الاسناد وفیہ حوییر وهو صعیف ❷ المنہب ۲۷۰، ۲۷۱، مغنی المحتاج ۱۹۰، ۱۹۱، المغنی ۳۱۲، ۳۱۳، مغنی المحتاج

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۵۱ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
 نزدیک مزید نرم۔ تاکہ مارنے سے موت واقع نہ ہو بلکہ زجر و توبیخ کا مقصد حاصل ہو جائے، اس کی دلیل حضرت عمرؓ، علیؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا
 فعل ہے چنانچہ یہ حضرات حد لگاتے وقت درمیانی قسم کی ضرب لگاتے تھے۔ ❶

ملاحظہ..... رہے کہ حنفیہ کے علاوہ باقی کسی حد میں علماء کا اختلاف نہیں کہ کوڑے سے نہ ہو بلکہ حد شرب کے علاوہ بقیہ حدود کوڑے سے
 لگائی جائیں گی البتہ حد شرب کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ہاتھوں، جوتوں اور کپڑوں کی اطراف سے لگائی جائے، اس کی دلیل
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا اس نے شراب پی لی تھی، آپ نے فرمایا:
 اسے مار دو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کسی نے اسے ہاتھوں سے مارنا شروع کیا کسی نے جوتے سے اور کسی نے کپڑے سے۔ ❷

کوڑے مارنے کی جسمانی جگہ..... حنفیہ کے نزدیک واجب ہے کہ کسی ایک عضو پر کوڑے سے ضربیں نہ لگائی جائیں، چونکہ ایک
 ہی عضو پر ضربیں لگانے سے عضو تلف ہو سکتا ہے یا ٹوٹ سکتا ہے، بلکہ متفرق طور پر دونوں کان دھو، بازو، ڈھولوں، پنڈلیوں اور پاؤں پر
 مارے جائیں، ایسی جگہ کوڑا مارنے سے گریز کیا جائے جس جگہ مارنے سے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو وہ جگہیں یہ ہیں: چہرہ، سر، سینہ، پیٹ،
 اعضاء جنسی، ❸ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلا کو فرمایا تھا کہ ہر عضو کو اس کے حق کا حصہ دو اور چہرے اور اعضاء جنسیہ سے گریز کرو۔ ❹

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں کہ کبھی حدود میں کوڑے کمر اور اس کے متقارب اعضاء پر مارے جائیں۔ ❺
 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں کہ اعضاء پر متفرق ضربیں لگائی جائیں، چہرے، شرمگاہ، پہلو اور وہ اعضاء (جن کے تلف
 ہونے کا اندیشہ ہو) پر ضرب لگانے سے اجتناب کیا جائے۔ ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو اوپر گزر گیا ہے، ان کی دوسری
 دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان کے پاس ایک لڑکی لائی گئی جس سے زنا سرزد ہو گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اور
 اسے کوڑے مار دو اور ایک جگہ کوڑے نہ مارو۔ نیز حد زجر و توبیخ کے لیے لگائی جاتی ہے نہ کہ قتل کے لئے۔ ❶

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کبھی اعضاء پر ضربیں لگائی جائیں البتہ تین اعضاء سے اجتناب کیا جائے سر، چہرہ، شرمگاہ چونکہ ان کی
 اعضاء کے علاوہ اعضاء قتل کا سبب نہیں بنتے لہذا بقیہ اعضاء پشت کے مشابہ ہوئے ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ انہوں نے
 جلا دے فرمایا تھا کہ: کوڑے مارو سر اور چہرے پر مارنے سے گریز کرو۔ ❷

حد قائم کرنے کی جگہ..... حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: کبھی حدود سر عام لوگوں کے سامنے کی جائیں چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ① النور ۲۴/۲

انہیں سزا دیتے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہئے

نیز حد کا مقصد لوگوں کو عبرت دلانا ہے اس لیے سر عام حد جاری کی جائے۔ ❸

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: لوگوں کی ایک جماعت کا حاضر ہونا مستحب ہے کم از کم چار آدمی کافی ہیں ❹ جمہور حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں ❺

❶..... رواہ البیہقی وعبد الرزاق فی مصنفہ عن یحییٰ بن ابی کثیر والمراجع فقہاء بدانع ۲۶/۷ فتح القدیر ۲۶/۴ تبیین
 الحقائق ۱۶۹/۳ مغنی المحتاج ۱۹۰/۴ المہذب ۲۸۷/۲. ❷ رواہ احمد والبخاری و ابو داؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
 البدائع ۶۰/۷ فتح القدیر ۱۲۶/۴، المہذب ۲۷۰/۲. ❸ قال الہیثمی غریب مرفوعاً موقوفاً عن علی رواہ ابن ابی شیبہ
 وعبد الرزاق وسعید بن منصور والبیہقی من طرق عن علی (نصب الرایۃ ۳۲۴/۳ سبل السلام ۳۲/۴) ❹ بدایۃ المجتہد
 ۲۲۹/۲. ❺ مغنی المحتاج ۱۵۴/۴، المہذب ۲۷۰/۲. ❶ المغنی لابن قدامة ۳۱۳/۸. ❷ البدائع ۶۰/۷ المغنی ۱۷۰/۸. ❸ مغنی المحتاج ۱۵۲/۴، القوانين الفقہیۃ ۳۷۶ المہذب ۲۷۰/۲. ❹ المہذب ۲۸۷/۲، المبسوط ۱۰۱/۹

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۵۲ اسلام میں دنیوی سزائیں
مساجد میں حدود قائم نہ کی جائیں اور بیٹے کے بدلے میں باپ کو قتل نہ کیا جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے: اپنی مسجدوں کو بچوں، پاگلوں اور
بلند آوازوں، خرید و فروخت، حدود قائم کرنے سے محفوظ رکھو۔ اور مسجدوں کے دروازوں کو صاف ستھرا رکھو۔
عقلی دلیل یہ ہے کہ مساجد کی تعظیم واجب ہے، اسی لئے ہمیں مساجد میں تلواریں سوتنے سے منع کیا گیا ہے، نیز محدود پر جب حد جاری
کی جا رہی ہو تو عین ممکن ہے کہ اس کے بدن سے کوئی نجاست نکل جائے۔ لہذا احتیاط واجب ہے۔

میتِ رجم کا حکم..... جمہور کہتے ہیں: جب مرحوم مر جائے اسے غسل اور کفن دیا جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور دفن کیا
جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو تم اپنے
مردوں کے ساتھ کرتے ہو۔

اختتامی تین مباحث

۱۔ لواطت کا حکم..... امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: لواطت موجب حد ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے لواطت
کے مرتکب کو سخت سزا دی ہے لہذا لواطت میں حد زنا واجب ہے چونکہ اس میں بھی زنا کا معنی پایا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں..... لوطی پر فقط تعزیر ہوگی چونکہ لواطت میں نسب کے خلط ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی لواطت
زنا ہے۔

مالکیہ حنابلہ کے نزدیک فاعل لواطت کی حد یہ امام احمد کی مشہور روایت ہے: ہر حال میں رجم ہے خواہ فاعل شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ
چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم جس شخص کو لوط کی قوم جیسا فعل کرتے دیکھو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔ ایک اور
روایت میں ہے کہ اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم کر دو۔

شافعیہ کے نزدیک بدفعی کے مرتکب کی حد، حد زنا ہے، اگر فاعل محصن ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہو تو اس کی حد
کوڑے اور جلا وطنی ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد
مرد سے اپنی خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہوتے ہیں اور جب عورت عورت سے اپنی خواہش پوری کرے تو وہ بھی دونوں زانیہ
ہوں گی۔ نیز حد زنا ایسی حد ہے جو لوطی سے واجب ہوتی ہے اس میں شادی شدہ اور نکاح سے محکم مختلف ہے۔ چنانچہ لواطت کو زنا پر
قیاس کر لیا گیا ہے اور وجہ جامع یہ ہے کہ جس طرح زنا میں حرام شرمگاہ میں دخول ہوتا ہے اسی طرح لواطت میں بھی حرام شرمگاہ میں
دخول ہوتا ہے۔ ❶

۲۔ چوپائے کے ساتھ بدفعی کرنے کا حکم..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ چوپائے کے ساتھ بدفعی کرنے والے کو حاکم
تعزیر لگائے تاکہ وہ اس فعل بد سے باز آجائے، چونکہ طبع سلیم، جانور کے ساتھ ہٹی کرنے کو برا سمجھتی ہے اس لیے حد کی احتیاط نہیں بلکہ
اس پر تعزیر ہوگی، سنن الانسانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جو شخص چوپائے کے ساتھ بدفعی کا مرتکب ہو اس پر حد نہیں ❷
اس قسم کا قول صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اس کا مرجع سماع اور توقیف ہی ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو
سکتا ہے۔

❶..... المیزان للشعرانی ۱۵۷/۲، المہذب ۲۶۸/۲، مغنی المحتاج ۱۴۴/۴، ❷ اخرجه الترمذی و ابو داؤد جامع الاصول

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۵۳ اسلام میں دنیوی سزائیں، البتہ جس چوپائے کے ساتھ وحشی کی جائے اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ اس جانور کا حکم عام جانوروں جیسا ہے اسے بھی ذبح کیا جائے گا اور کھایا جائے گا اس کا کھانا نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ۔
شافعیہ کے ہاں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور اگر جانور ماکول اللحم ہو اور ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے لیکن حرام کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے اور اگر جانور کسی دوسرے شخص کا ہو تو اس کا ضمان واجب ہوگا بشرطیکہ جانور کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو، اور اگر گوشت کھایا جاتا ہو تو ذبح کرنے سے جو کمی اور نقصان ہوگا اس کا ضمان واجب ہوگا، چونکہ واطی ہی جانور کے تلف کرنے اور اسے ذبح کرنے کا سبب بنا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ جانور ذبح کر لیا جائے لیکن اس کا گوشت نہ کھایا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں اس جانور کو قتل کرنا واجب ہے جانور کا گوشت خواہ کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص چوپائے کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کر بیٹھے اسے بھی قتل کر دو اور چوپائے کو بھی قتل کر دو۔ ❶ نیز اس جانور کو باقی رکھنے میں بے حیائے کی یاد دہانی ہوتی رہے گی اور جانور مالک کے لئے باعث عار ہوگا۔ ❷

۳۔ مردے کے ساتھ وحشی کرنے کی حد..... مالکیہ کہتے ہیں جو شخص مردے کے اگلے یا پچھلے حصہ میں وحشی کر لے اس پر حد جاری کی جائے گی چونکہ مردے کے ساتھ وحشی بھی آدمی یا آدمیہ کی شرمگاہ میں وحشی ہوتی ہے۔ لہذا زندہ شخص کے ساتھ وحشی کرنے کے مترادف ہوا، نیز مردے کی تعظیم و احترام واجب ہے اس کے ساتھ وحشی کرنے میں اس کی بے حرمت ہے۔ ❸

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں مردے کے ساتھ وحشی کرنے والے پر حد نہیں ہوگی چونکہ طبع سلیم کو مردے کے ساتھ وحشی کرنے سے نفرت ہوتی ہے لہذا واطی کی زبردستی کے لئے حد کی احتیاج نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پیشاب پی لے، بلکہ واطی کی تادیب کی جائے گی اور اس پر تعزیر ہوگی۔ ❹

دوسری فصل..... حد قذف

خاکہ موضوع..... حد قذف کی وضاحت مندرجہ ذیل چھ مباحث میں ہوگی۔	
پہلی بحث..... حد قذف کی مشروعیت، سبب وجود اور اس کی مقدار۔	
دوسری بحث..... قذف کی لغوی تعریف اور اس کی شرعی تفسیر۔	
تیسری بحث..... حد قذف کے وجوب کی شرائط۔	
چوتھی بحث..... حد قذف کی صفت اور کیفیت۔	
پانچویں بحث..... اثبات قذف۔	
چھٹی بحث..... اثبات قذف کے متعلق قاضی کی صلاحیت و لیاقت۔	

❶..... رواہ احمد واصحاب السنن الأربعة من طریق عمرو بن ابی عمر ابن عباس وقال الترمذی هذا الحديث لانعرفه من حديث عمر ابن ابی عمر وضعفه ابو داؤد (نصب الرأیة ۳/۳۲۲ مجمع الزوائد ۶/۲۴۳) فتح القدیر ۴/۱۵۲، البدائع ۴/۳۳۷ حاشیة الدسوقي ۴/۳۱۶، المغنی ۸/۱۸۹، مغنی المحتاج ۴/۱۴۶، المہذب ۲/۲۶۹۔ ❷ حاشیة الدسوقي ۴/۳۱۴ ❸ البدائع ۴/۳۳۷، المغنی ۸/۱۸۱، مغنی المحتاج ۴/۱۴۵، المہذب ۲/۲۶۹

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم..... ۱۵۴..... اسلام میں دنیوی سزائیں

پہلی بحث..... حد قذف کی مشروعیت، سبب وجوب اور اس کی مقدار:

مشروعیت..... قذف کبیرہ گناہ ہے اور قطعی حرام ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات مہلک چیزوں سے اجتناب کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھرانا، جادو کرنا، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ جان کو قتل کرنا یا البتہ کسی حق کے ساتھ ہو، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور مؤمن غافل اور پاکدامن عورتوں پر تہمت (قذف) لگانا۔ ❶

حد قذف کی مشروعیت پر یہ آیت دلیل ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِأَثْبَاتٍ لِّمَا زَمْنَ فَلَا تَقْبَلُوا لَهُنَّ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۰﴾ النور ۴/۲۳

اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ بھی نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے مار دو اور کبھی بھی ان کی واپسی قبول نہ کرو۔ چونکہ یہ لوگ فاسقین ہیں۔

سبب وجوب..... زنا کی تہمت لگانے کے سبب حد قذف واجب ہوتی ہے، چونکہ قذف زنا کی طرف نسبت کرنے کا نام ہے۔ جس کی پاداش میں مقذوف کو عار لاحق ہو جاتی ہے، لہذا اس کی عار دور کرنے کے لیے حد قذف کو جاری کرنا واجب ہے تاکہ اس کی شخصیت کا احترام بحال رہے۔ ❷

مقدار: حد قذف کی مقدار اسی (۸۰) کوڑے ہے جو نص قرآن سے ثابت اور پرگزریں ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور سزا بھی شامل کی گئی ہے وہ اس کی گواہی کا عدم قبول ہونا اور اس پر فق کا لبیل لگ جانا، چنانچہ تہمت اور حد جاری ہونے کے بعد قاذف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی لایہ کہ وہ توبہ کرے تو حنفیہ کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

دوسری بحث..... قذف کی لغوی اور شرعی تعریف

قذف لغت میں..... قذف کا معنی پتھر پھینکنا ہے، پھر ناپسندیدہ امور میں قذف کا استعمال ہونے لگا چونکہ ناپسندیدہ چیز اور پتھر کو پھینک دیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں میں اذیت ہوتی ہے چنانچہ قذف قول سے اذیت پہنچانا ہوا، قذف کو ”فریہ“ بھی کہا جاتا ہے گویا قذف افتراء اور جھوٹ ہے۔ ❸

شرعی تعریف..... آدمی کا کسی دوسرے شخص کو زنا کے ساتھ منسوب کرنا قذف ہے بالفاظ دیگر قذف کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے:

هو نسبة آدمي مكلف غيره حراً عفيفاً مسلماً بالغاً عاقلاً أو مطيقاً للزنا وقطع نسب مسلم مكلف آدمي ككسب دوسرے آزاد، پاکدامن، بالغ، عاقل کو زنا سے منسوب کرنا یا کسی مسلمان کے نسب کو قطع کرنا قذف ہے۔“ یہ تعریف مالکیہ کے نزدیک ہے۔ ❹ حنفیہ نے قذف کی تفسیروں کی ہے قذف کی دو قسمیں ہیں۔

۱..... صریح زنا کی قذف (تہمت)۔

❶ ... أخرجه البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (التلخیص الحبیہ ۳۵۵ الإمام لابن دقیق العید ۵۱۸، نیل الاوطار ۲۵۲/۷۔ البدائع ۳۰/۷۔ فتح القدیر ۱۹۰/۳ حاشیۃ الدسوقی ۳۲۴/۳، مغنی المحتاج ۱۵۵/۲، المغنی ۲۱۵/۸۔ حاشیۃ الدسوقی ۳۲۴/۳)

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۵۵ اسلام میں دنیوی سزائیں

۲..... جو صریح کے قائم مقام ہو یعنی نسب کی نفی کی ہو۔ ❶

(اول)..... بالکل صریح زنا کی تہمت لگائی جائے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور اگر قاذف اس پر چار گواہ پیش کر دے یا مقذوف اقرار کر دے تو اس پر حد واجب ہوتی ہو۔

(دوم)..... یہ کہ کسی انسان کا باپ معروف و مشہور ہو اس سے اس کے نسب کی نفی کر دی جائے، مثلاً یوں کہے: تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو، یا کہے فلاں شخص تمہارا باپ نہیں، یوں یہ الفاظ بولنے والا قاذف ہو گا گویا اس نے یوں کہا: تمہاری ماں زانیہ ہے۔

وضاحت..... جب کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا: اے زانی یا کہا: تم نے زنا کیا یا کہا: ”تم زانی ہو تو کہنے والے پر حد جاری کی جائے گی چونکہ اس نے صریح زنا کی تہمت لگائی ہے اسی طرح اگر کہا:

”اے زانی کے بیٹے، یا کہا ”اے زانیہ کے بیٹے“ اس صورت میں کہنے والا مخاطب کے باپ اور ماں پر قذف لگانے والا کہلائے گا۔ اگر یوں کہا ”تم اپنی ماں کے نہیں ہو“ تو یہ قذف نہیں۔ چونکہ محض جھوٹ ہے، کیونکہ متکلم نے ماں سے نسب کی نفی کی ہے جبکہ ماں سے نسب کی نفی متصور نہیں، چونکہ حقیقت میں اس کی ماں نے ہی اسے جنم دیا ہے، اسی طرح اگر کہا: تم اپنے والدین کے نہیں ہو“ یہ بھی قذف نہیں چونکہ والدین سے نسب کی نفی کی گئی ہے اور ماں سے نسب کی نفی نہیں ہوتی چونکہ ماں ہی نے تو اسے جنم دیا ہے لہذا یہ محض جھوٹ ہو گا۔ یہ اس کے برخلاف ہے کہ اگر کہے: ”تم اپنے باپ کے نہیں ہو“ یہ مخاطب کی ماں پر تہمت ہے اس کلام میں ماں کی ولادت کی نفی نہیں بلکہ باپ سے نسب کی نفی ہے اور باپ سے نسب کی نفی ماں پر قذف ہے۔

اگر کسی نے کہا ”تم فلاں کے بیٹے ہو“ یعنی بیچا یا ماموں یا سوتیلے باپ کی طرف منسوب کیا اور غصہ کی حالت نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ قذف نہیں، چونکہ چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے، اسی طرح ماموں اور سوتیلے باپ کو بھی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

ہم تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد ابراہیم و اسماعیل کے معبود کی عبادت کریں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے آیت میں انہیں باپ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ..... یوسف ۱۲/۱۰۰

تحت پر اپنے والدین کو بٹھایا۔

اس آیت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک حضرت یوسف علیہ السلام کے والد تھے اور دوسری خالہ تھیں۔ جب خالہ ماں کی جگہ پر ماموں کی جگہ پر دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ أَيْنِيَ مِنْ أَهْلِي..... ہود ۱۱/۴

میرا ایمان میرے گھر کے لوگوں سے ہے۔

اس کی تفسیر کے متعلق کیا گیا ہے کہ یہ لوح علیہ السلام میں یوحنا کا بیٹا تھا جو کسی دوسرے خاوند کے گھر سے تھا۔

آخر مذکور بالا حالت فہم میں کا متوجہ کے طور پر: تو پھر یہ قذف ہے۔

اگر دادا سے نفی کی اور یوں کہا ”تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو“ تو یہ بھی قذف نہیں، چونکہ حقیقت میں وہ چچا ہے، کیونکہ دادا حقیقتاً باپ نہیں کہا جاتا بلکہ مجازاً کہا جاتا ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۵۶ اسلام میں دنیوی سزائیں
اگر کسی مرد سے کہا: اے زانیہ، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد واجب نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک حد واجب ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کلام میں بسا اوقات ہاء صلہ زائد کے طور پر آ جاتی ہے جیسے:

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةٌ ۖ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ ﴿۲۸﴾ الحاشیہ ۲۹/۲۸

اس کا معنی ”مالی سلطانی“ ہے ہاء زائد ہے، لہذا حرف زائد حذف کر دیا جائے گا اور یوں ہوگا ”یا زانی“۔ کبھی کبھی ہاء صفت پر مبالغہ کے لیے بھی آ جاتی ہے جیسے علامہ، نسابتہ وغیرہ۔ لہذا معنی قذف میں خلل نہیں آئے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی عورت سے کہے ”یا زانی“ بالاتفاق اس سے حد واجب ہو جاتی ہے۔

شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل..... قائل نے ایسے لفظ کے ساتھ قذف کا ارتکاب کیا ہے جس کا کوئی تصور ہی نہیں لہذا کلام لغو ہوگا، عدم تصور کی دلیل یہ ہے کہ قائل نے عورت کے فعل کے ساتھ قذف لگایا ہے اور عورت کا فعل تمکین یعنی اپنے نفس پر قدرت دینا ہے چونکہ ”زانیہ“ میں ہاء تانیث کے لئے ہوتی ہے جیسے ضاربہ قاتلہ، سارقہ“۔ وغیرہ۔ تائے تانیث کا استعمال مذکر کے لیے مقصود ہی نہیں۔ برخلاف اس کے کہ جب کوئی عورت سے کہے ”یا زانی“، چونکہ قائل نے معنی اسم کا کلام کیا ہے اور عورت کی صفت میں ہاء کو حذف کر دینے سے قذف کے معنی میں خلل نہیں پڑتا، بسا اوقات ہائے تانیث کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جیسے حائض، طالق حامل وغیرہ۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت سے کہا: ”اے زانی“۔ تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قائل پر حد قذف جاری کی جائے گی اور اگر کہا ”یا زانی“، یعنی ہمزہ کے ساتھ، اور اس سے اوپر چڑھنا مراد لیا تو قائل پر حد جاری کی جائے گی، چونکہ عام لوگ ہمزہ اور لیں میں فرق نہیں کرتے بلکہ بعض عرب تو لیں کی جگہ ہمزہ پڑھ دیتے ہیں لہذا مجردیت باقی رہے گی اور ہمزہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر کہا ”زَنَاتٌ فِی الْجَبَلِ“ اور مراد پہاڑ پر چڑھنا لیا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد واجب ہوگی جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصدیق کی جائے گی اور حد نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ زنا جس کا معنی بے حیائی ہے وہ ناقص یائے ہے جبکہ زنا معنی صعود (اوپر چڑھنا) مہموز اللام ہے، جب قائل کہے گا کہ اس نے اوپر چڑھنا مراد لیا ہے تو اس کی مراد کی تصدیق کی جائے گی چونکہ اوپر چڑھنا ہی اس لفظ کا موجب ہے لہذا اس کا اعتبار لازمی ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ زنا کا لفظ عرف و عادت میں فسق و فجور میں مستعمل ہے، عامۃ الناس مہموز و ناقص میں فرق نہیں کرتے، لہذا متعارف معنی سے عدول کرنے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں اگر قائل نے کہا: زَنَاتٌ فِی الْجَبَلِ، تو بغیر نیت کے یہ قذف نہیں چونکہ ”الزنا“ کا معنی اوپر چڑھنا ہے، بقول شاعر:

وَأَرْقُ إِلَى الْخَيْرَاتِ زَنَاءٌ فِی الْجَبَلِ

خیر و بھلائی کے امور میں اس طرح ترقی کر جس طرح پہاڑ کے اوپر چڑھنا جاتا ہے۔

اگر یوں کہا: ”زَنَاتٌ عَلَی الْجَبَلِ“ تو بالاتفاق حد جاری کی جائے گی، چونکہ کلمہ ”علی“ صعود کے لئے مستعمل نہیں ہوتا چنانچہ یوں نہیں بولا جاتا ”صَعَدَ عَلَی الْجَبَلِ“ بلکہ یوں کہا جاتا ہے ”صَعَدَ فِی الْجَبَلِ“۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۵۷ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

اگر کہا: یا ابن القحبتہ، یعنی اے رنڈی کے بیٹے، تو یہ قذف نہیں چونکہ قحبتہ کے لفظ کا اطلاق جس طرح ”زانیہ“ پر ہوتا ہے۔ اس طرح ایسی عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زنا کے لئے تیار بیٹھی ہو اگرچہ اس نے زنا نہ کیا ہو۔ لہذا احتمال کے ہوتے ہوئے قذف نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کہا: یا ابن الدعیۃ تو حد نہیں ہوگی، چونکہ دعیۃ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسے قبیلے کی طرف منسوب کی جائے جس سے اس کا نسب ثابت نہ ہو۔ لہذا عورت کے زانیہ ہونے پر دلالت نہیں ہوگی، چونکہ اس کا نسب دوسرے قبیلے میں ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر مذکور بالا دونوں الفاظ عرف میں زنا کے لئے بولیں جائیں تو قائل پر حد واجب ہوگی، یہ ساری تفصیل تب ہے جب قذف میں صریح زنا کا لفظ بولا جائے اور اگر کنایات اور تعریض سے قذف کیا گیا تو آیا قذف ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب درج ذیل ہے۔

کیا تعریض قذف موجب حد ہے؟..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قذف جب صریح لفظ کے ساتھ ہو تو حد واجب ہوگی، اگر تعریض کی ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً متکلم نے کسی سے جھگڑتے ہوئے کہا: تم زانی نہیں ہو” لوگوں کو تمہارے زنا کا علم نہیں۔ اے حلال کے بیٹے حلال” یا کہا: میں زانی نہیں ہوں یا میری ماں زانیہ نہیں ہے، میرا باپ زانی نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: کہتے ہیں: تعریض سے حد واجب نہیں ہوتی، اگرچہ قائل نے قذف کی نیت کی ہو چونکہ عادتہ تعریض میں خفیف درجے کی اذیت ہوتی ہے، یہ بمنزلہ کنایہ ہے جس میں قذف کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ احتمال کے ہوتے ہوئے کسی کو بھی حد نہیں لگائی جاتی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شبہات کی وجہ سے حد و کوئال دو۔ اسی طرح ایسے الفاظ کے بولنے کی وجہ سے بھی حد نہیں ہوگی جو زنا اور کسی دوسرے معنی میں مشترک ہوں یا غیر زنا کی وطی پر صریح دلالت کرتے ہوں۔

پہلی صورت کی مثال..... مثلاً کسی عورت سے کہا: فلاں شخص نے تمہارے ساتھ حرام وطی کی یا کہا: فلاں شخص نے تمہارے ساتھ فجر کیا: یا کسی مرد سے کہا ”تم نے فلاں عورت کے ساتھ حرام وطی کی“ یا کہا ”فلاں عورت کے ساتھ تم نے حرام جماع کیا“۔ چنانچہ ان صورتوں میں حد نہیں ہوگی، چونکہ بسا اوقات وطی حرام ہوتی ہے لیکن زنا نہیں ہوتا، لہذا اس قذف میں احتمال ہے، احتمال کے ہوتے ہوئے حد واجب نہیں ہوتی۔

دوسری صورت کی مثال..... مثلاً کسی شخص سے کہا: اے لوطی یا کہا ”تم قوم لوط جیسا فعل کرتے ہو“۔ اس پر حد نہیں ہوگی۔ چونکہ پہلی صورت میں متکلم نے مخاطب کو قوم لوط کی طرف منسوب کیا اور دوسری صورت میں لواطت کی قذف لگائی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت زنا نہیں، اس میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ❶

مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں..... تعریض قذف سے حد واجب ہوتی ہے بشرطیکہ قرآن سے قذف زنا سمجھ آئے، جیسے مثلاً دو آدمی جھگڑ رہے ہوں۔ مثلاً یوں کہے: سو میں تو زانی نہیں ہوں، یا کہے ”میں تو معروف النسب ہو چنانچہ اس طرح کے مقولے کو غالباً لوگ گراں سمجھتے ہیں، کبھی کبھی کنایہ صریح کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح صریح، ہاں البتہ لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، چنانچہ ادباء کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے:

الکنایۃ ابلاغ من الصریح

یعنی کنایہ صریح سے زیادہ بلاغت والا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس قضیہ کے متعلق بحث ہوئی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشاورت کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے مختلف رہی تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ کنایہ میں حد ہو چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے قاذف کو کوڑے مروائے تھے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۵۸ اسلام میں دنیوی سزائیں

شافعیہ..... کہتے ہیں اگر تعریض سے قذف کی نیت کی جائے اور پھر تعریض کی وضاحت کرنے سے قذف واضح ہو تو حد واجب ہوگی، تعریض بمنزلہ کنایہ اور کنایہ سے حد واجب ہوتی ہے چونکہ جس چیز میں شہادت کا اعتبار نہ کیا گیا ہو تو کنایہ اس میں نیت کے ساتھ بمنزلہ صریح کے ہوتا ہے جیسے طلاق اور عتاق اور اگر قذف کی نیت نہ ہو تو حد واجب نہیں ہوگی برابر ہے کہ تعریض غصے اور جھگڑے کی حالت میں ہو یا اس حالت میں نہ ہو، چونکہ تعریض قذف اور غیر قذف دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ جبکہ حدود شہادت سے ٹل جاتی ہیں۔ ❶ فقہاء کے نزدیک یہ الفاظ بھی کنایہ میں شمار ہوتے ہیں، اے فاجر، اے خبیث، اے حلال کے بیٹے حلال، اگر ان الفاظ سے قذف کی نیت ہو تو حد واجب ہوگی، اور اگر قذف کی نیت نہ ہو تو حد واجب نہیں ہوگی، خواہ حالت جھگڑے کی ہو یا نہ ہو، چونکہ یہ الفاظ قذف کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور غیر قذف کا بھی۔

حنابلہ..... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تعریض قذف کے متعلق مختلف روایات ہیں، ایک روایت کے مطابق معرض پر حد نہیں ہوگی، خرقی کا ظاہری کلام یہی ہے اور ابی بکر کے نزدیک یہی روایت مختار ہے، ایک روایت کے مطابق معرض پر حد ہوگی چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ❷

قذف لواطت..... شافعیہ کہتے ہیں۔ ❸ اگر کسی شخص نے دوسرے کو کہا: تم نے لواطت کی یا کہا: فلاں شخص نے تمہارے ساتھ تمہارے اختیار سے لواطت کی، تو یہ قذف ہے چونکہ اسی وطی کی تہمت لگائی ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے، لہذا یہ قذف زنا کے مشابہ ہے، اور اگر کہا: اے لوطی اور ارادہ یہ کیا کہ وہ لوط کی قوم کے دین پر ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ چونکہ یہ اس کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر یہ ارادہ کیا کہ وہ لوط کی قوم جیسا عمل کرتا ہے تو اس پر حد واجب ہوگی۔ قذف لواطت حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک واجب نہ ہے۔

قذف جماعت..... حنیفہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر ایک شخص نے کسی جماعت پر تہمت لگائی تو اس پر ایک ہی حد جاری ہوگی، مثلاً یوں کہا: تم سب زانی ہو۔ یا ہر ایک کو ایک ہی مجلس میں کہا، یا الگ الگ کہا: اے زانی یا کہا فلاں بھی زانی اور فلاں بھی زانی، ان کی دلیل یہ ہے کہ حلال بن امیہ نے شریک بن حماء کے ساتھ اپنی بیوی پر قذف (تہمت) لگائی، معاملہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے دونوں کے درمیان لعان کرانے کا فیصلہ کیا، چنانچہ شریک بن حماء پر تہمت لگانے کی وجہ سے ہلال رضی اللہ عنہ کو حد نہیں لگائی گی۔ ❹ چونکہ قذف ایسی جنایت ہے جو موجب حد ہے، اور جب قذف میں تکرار ہو تو ایک حد کافی ہوتی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک جماعت سے چوری کرے یا متعدد عورتوں سے زنا کرے تو اس پر ایک ہی بار حد جاری کی جائے گی۔ ❺

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور زر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ایک شخص پوری جماعت پر تہمت لگائے تو جماعت کے ہر فرد کے لیے الگ الگ حد واجب ہوگی برابر ہے کہ قذف انفرادی ہو یا کلمہ واحد کے ساتھ ہو، چونکہ اس شخص نے جماعت کے ہر فرد کو قذف لگا کر عار لاحق کی ہے، لہذا ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ حد ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر فرد پر الگ الگ تہمت لگائی ہو۔ ❶

حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر کلمہ واحد کے ساتھ جماعت پر تہمت لگائی تو قاذف پر ایک ہی حد ہوگی بشرطیکہ جب پوری جماعت یا ان میں سے کوئی ایک حد کا مطالبہ کرے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت قذف مطلق ہے:

❶..... المہذب ۲/۲۳۳۔ المغنی ۸/۲۲۲۔ المہذب ۲/۲۳۳۔ أخرجه أبو يعلىٰ ورجاله ثقات من حديث انس بن مالك رضي الله عنه ❷ المسبوط ۱/۱۱۱، البدائع ۴/۴۲ حاشية الدسوقي ۳/۳۲۷، القوانين الفقهية ۳۰۸ بداية المجتهد ۲/۴۳۳، الشرح الكبير ۳۲۷۔ المہذب ۲/۲۴۵ الميزان ۲/۱۶۰

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ..... النور ۲۴/۴

اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

آیت میں واحد یا جماعت میں فرق نہیں کیا گیا، نیز قذف واحد ہے نیز حد بھی واحد ہوگی، اور اگر متعدد کلمات کے ساتھ جماعت کو قذف لگائے تو ہر ایک کے لئے الگ الگ حد ہوگی، چونکہ قذف آدمی کا حق ہے اور آدمیوں کے حقوق میں مداخل نہیں ہوتا جیسے دیون اور قصاص میں مداخل نہیں ہوتا۔ ❶

تکرار قذف..... شافعیہ ❶ کہتے ہیں کہ اگر قاذف نے کسی سابق زنا کی قذف کا تکرار کیا جس پر قاذف کو پہلے حد لگ چکی ہو تو اب قاذف پر تعزیر ہوگی، اور اس پر حد نہیں ہوگی، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ پر بار بار قذف لگائی تھی، اور اگر قاذف پر ابھی حد جاری نہیں ہوئی تھی کہ اس نے دوسرے زنا کی اسی شخص پر تہمت لگائی تو قاذف پر ایک ہی بار حد جاری کی جائے گی، چونکہ یہ دو حدیں ہیں جو جنس واحد سے ہیں، اور مستحق بھی واحد ہے لہذا دونوں حدود کا مداخل ہو جائے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی نے زنا کیا اور پھر دوسری بار زنا کیا تو اس پر ایک ہی حد ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے دوسرے پر بار بار تہمت لگائی تو اس پر ایک ہی حد ہوگی بشرطیکہ قبل ازیں حد نہ لگائی گئی ہو۔ اگر ایک بار تہمت لگائی اس کی پاداش میں اس پر حد جاری ہوئی اور پھر اس نے دوسری بار تہمت لگائی تو اس پر دوسری بار حد جاری کی جائے گی۔ ❷

حنابلہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ❸ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر مرد و اللہ ایک ہی جنس میں جمع ہو جائیں مثلاً ایک شخص نے بار بار زنا کیا یا بار بار چوری کی تو حدود کا مداخل ہو جائے گا۔ صرف ایک بار حد لگائی جائے گی، اور اگر مختلف اجناس کی حدود جمع ہو جائیں اور اس میں قتل بھی ہو تو صرف قتل کی حد جاری ہوگی ورنہ درجہ بہ درجہ حدود جاری کی جائیں گی۔

تیسری بحث..... وجوب حد قذف کی شرائط

حنفیہ نے وجوب حد قذف کی چھ اقسام کی شرائط عائد کی ہیں۔ بعض شرائط کا تعلق قاذف کے ساتھ ہے بعض شرائط کا مقصد قذف کے ساتھ بعض کا دونوں کے ساتھ، بعض کا مقصد قذف کے ساتھ بعض کا مقصد قذف کے ساتھ۔

اول: قاذف کی شرائط..... قاذف میں چھ شرطیں لگائی گئی ہیں جو متفق علیہ ہیں:

۱۔ عقل..... چنانچہ مجنون آدمی کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲۔ بلوغ..... اگر قاذف بچہ ہو تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی جیسے مجنون کو حد نہیں لگائی جاتی سزا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حد عقوبت ہے اور عقوبت قذف کے جنایت ہونے کی مقتضی ہے جبکہ بچہ اور مجنون کا فعل جنایت کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، اس میں کوئی فرق نہیں کہ قاذف خواہ مسلمان ہو یا کافر، مرتد ہو یا ذمی یا کوئی معاہدہ، شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ قاذف مختار ہو کر نہ ہو۔

۳۔ تہمت کو چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکتا..... چنانچہ اگر قاذف نے تہمت پر چار گواہ پیش کر دیئے تو اسے حد قذف نہیں لگے گی چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدًا..... النور ۲۴/۴

اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے مارو۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۰ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 امام ❶ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ چاروں گواہ اکٹھے آئیں اور اگر ایک گواہ نے آ کر گواہی دے تو وہ قاذف کہلائے گا۔ اور اس پر حد واجب ہوگی، اور وہ گواہ ہونے سے نکل جائے گا۔ لہذا اس مشکل سے خلاصی پانے کا یہی حل ہے کہ گواہ اکٹھے ہو کر آئیں، جمہور نے یہ شرط نہیں لگائی، جبکہ آیت مطلق ہے، بلکہ گواہوں کا الگ الگ آنا اولیٰ و بہتر ہے چونکہ گواہوں پر یہ تہمت نہیں لگے گی کہ انہوں نے آپس میں اتفاق کر لیا ہے، حنفیہ نے خاوند کے چوتھا گواہ ہونے کو جائز قرار دیا ہے، جمہور کہتے ہیں: خاوند لعان کرے گا اور بقیہ تینوں گواہوں پر حد قذف ہوگی چونکہ زنا کی گواہی قذف ہے۔

۴۔ یہ کہ قاذف احکام شریعت کا پابند ہو..... یعنی قاذف حربی نہ ہو اور اسے قذف کی حرمت کا علم ہو۔

۵۔ اختیار سے قذف ہو..... چنانچہ قذف مکرہ سے سرزد ہوئی تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

۶۔ مقذوف نے قاذف کو تہمت کی اجازت نہ دی ہو..... اگر مقذوف نے قاذف کو تہمت کی اجازت دے دی تو شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔

دوم۔ مقذوف کی شرائط..... بالاتفاق مقذوف میں دو شرطیں لگائی گئی ہیں۔ ❷

۱۔ یہ کہ مقذوف محصن ہو..... مقذوف خواہ مرد ہو یا عورت، احسان قذف کی پانچ شرائط ہیں۔ عقل، بلوغ، آزادی، اسلام، اور زنا سے عقیف ہونا، بنا برائیں حد قذف بچے، مجنون، غلام، کافر اور تہمت زنا سے غیر عقیف کے قذف کی وجہ سے نہیں ہوگی۔
 عقل اور بلوغ کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ بچے اور مجنون سے زنا کا تصور نہیں کیا جاسکتا، گویا بچے اور مجنون پر زنا کی تہمت محض جھوٹ ہے لہذا تعزیر واجب ہوگی حد نہیں ہوگی۔

رہی بات آزاد ہونے کی سوال اللہ تعالیٰ آیت قذف میں احسان کی شرط لگائی ہے چنانچہ فرمان ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ..... النور ۴/۳۴

اور جو لوگ آزاد عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

آیت میں محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں زنا سے پاک عورتیں مراد نہیں چونکہ اگر محصنات سے پاکدامن مراد ہوں تو پھر آیت میں معنی واحد کا تکرار لازم آئے گا چنانچہ آیت میں تین صفات بیان کی گئی ہیں آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

چنانچہ غافلات سے مراد:

الْغَافِلَاتُ عَنِ الزَّانَا

یعنی زنا سے پاکدامن عورتیں ہیں۔

زنا سے عقیف اور پاکدامن ہونے کی تفسیر یہ ہے کہ مقذوف نے اپنی عمر میں حرام وطی نہ کی ہو، جو غیر ملک اور بغیر نکاح کے ہو، اور نکاح فاسد میں بھی نہ ہو مثلاً شبہ کی بنا پر کسی عورت سے وطی کر دی۔

مقذوف کے غیر محصن ہونے کی وجہ سے اگر قاذف پر حد قذف نہ لگتی ہو تو اس پر تعزیر ہوگی چونکہ قاذف نے ایسے شخص کو اذیت پہنچائی ہے جسے اذیت پہنچانا جائز نہیں۔

❶..... البدائع ۴/۲۰۰۔ البدائع، المرجع السابق، فتح القدیر ۴/۱۹۱ المبسوط ۹/۱۱۶، تبیین الحقائق ۳/۲۰۰ حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۸۳ المہذب ۲/۲۷۲۔ المغنی ۸/۲۱۵

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۱ اسلام میں دنیوی سزائیں

۲۔ مقذوف متعین ہو..... اگر مقذوف مجہول ہو یعنی غیر متعین ہو تو حد قذف واجب نہیں ہوگی، مثلاً قاذف نے جماعت سے یوں کہا: ”تمہارے درمیان صرف ایک شخص زانی ہے۔“ یا دو آدمیوں سے کہا: تم میں سے ایک زانی ہے، چنانچہ ان صورتوں میں حد قذف واجب نہیں ہوگی۔ چونکہ مقذوف غیر متعین ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ❶..... اگر باپ نے بیٹے پر تہمت لگائی یا دادے پوتے پر تہمت لگائی تو حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ حد ایسی سزا ہے جو آدمی کے حق کے لئے ہوتی ہے لہذا قصاص کی طرح یہ حق بھی بیٹے کا باپ پر واجب نہیں ہوگا۔ اگر خاوند نے بیوی پر تہمت لگائی اور پھر بیوی مر گئی اور اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو تو حد ساقط ہو جائے گی چونکہ حد قذف کے مطالبہ کا حق بیٹے کو حاصل ہے اور بیٹا باپ سے حد کا حق نہیں لے سکتا، اگر بیوی کا کسی دوسرے خاوند سے بیٹا ہو تو اس کے لئے حق ثابت ہوگا۔ اور حد واجب ہوگی۔

سوم: قاذف مقذوف دونوں کی شرائط..... بالاتفاق یہ شرط ہے کہ قاذف مقذوف کا باپ نہ ہو اور نہ اس کا دادا، نہ اس کی ماں ہو اور نہ ہی دادی ہو اگر چہ اوپر چلے جاؤ، اگر قاذف ان لوگوں میں سے کوئی ہو تو حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ ان لوگوں کے ساتھ نیکی و بھلائی کرنے کا حکم ہے جبکہ حد نیکی اور بھلائی کے خلاف ہے۔ ❷

چہارم: مقذوف بہ کی شرط..... یہ شرط ہے کہ قذف (تہمت) صریح زنا کی ہو، یا ایسی ہو جو صریح کے قائم مقام ہے، اس کی تفسیر قذف کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

پنجم: مقذوف فیہ یعنی جگہ کی شرط..... یہ کہ قذف دارالعدل (دارالاسلام) میں ہو۔

اگر قذف دار حرب یا دار بغاوت میں سرزد ہوئی تو حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ حد قائم کرنے کا اختیار امام کو حاصل ہوتا ہے جبکہ امام کو دار الحرب پر اختیار حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی دار بغاوت پر، یہ جمہور کی رائے ہے۔ ❸ شافعیہ کہتے ہیں کہ باغی پر حد جاری کی جائے گی۔

ششم: نفس قذف کی شرط..... یہ شرط ہے کہ قذف مشروط نہ ہو بلکہ مطلق ہو اور زمانہ مستقبل کی طرف منسوب نہ ہو، اگر قذف کسی شرط کے ساتھ معلق ہو تو حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ شرط یا وقت کا ذکر فی الحال وقوع شرط کے مانع ہوتا ہے، جبکہ شرط یا وقت کے پائے جانے کے وقت گویا قذف کی تجویز ہوتی ہے، تو گویا حقیقتاً قذف کے معدوم ہونے کے ساتھ تقدیراً قذف ہوگی اور اس پر حد واجب نہیں ہوتی، چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا: اگر تم اس گھر میں داخل ہوئے تو تم زانی ہو، اگر وہ گھر میں داخل ہو گیا تو کہنے والے پر حد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی دوسرے سے کہا: تم صبح زانی ہو گے، یا کہا: تم مہینہ کے اختتام پر زانی ہو گے۔“ چنانچہ صبح اور مہینہ ختم ہو گیا تو قاذف پر حد نہیں ہوگی۔

خلاصہ..... قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: علماء کے نزدیک قذف کی نو (۹) شرطیں ہیں، دو شرطیں قاذف میں ہونی چاہیں، عقل اور بلوغ، چونکہ یہ دونوں شرطیں مکلف ہونے کے لیے اصل کا درجہ رکھتی ہیں اور ان دونوں کے بغیر انسان مکلف نہیں ہوتا۔ دو شرطیں مقذوف بہ کی ہیں یہ کہ وہ ایسی وطن کی قذف لگائے جس میں حد واجب ہوتی ہو اور وہ زانیہ لواطت ہے یا باپ سے نسب کی نفی کی گئی ہو، پانچ شرطیں مقذوف میں ہوں، عقل، بلوغ، اسلام، آزادی، عفت۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۲ اسلام میں دنیوی سزائیں

چوتھی بحث..... حد قذف کی کیفیت

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا حد قذف اللہ تعالیٰ کا حق ہے یا بندوں کا حق ہے۔ ❶

حنفیہ..... کہتے ہیں: حد قذف میں دو حق ہوتے ہیں ایک بندے کا حق اور دوسرا اللہ کا حق۔ ہاں البتہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہوتا ہے چونکہ قذف ایسا جرم ہے جو عزت و آبرو کو مجروح کر دیتا ہے اور قاذف پر حد قائم کرنے سے مصلحت عامہ متحقق ہوتی ہے اور وہ بندوں کے مصالح اور عزت و آبرو کی حفاظت اور لوگوں سے فساد کا خاتمہ کرنا ہے۔ ❷

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: حد قذف مقذوف کا خالص حق ہے چونکہ قذف حقیقت میں مقذوف کی ہتک عزت ہے اور عزت و آبرو اس کا حق ہے، لہذا قذف کا بدل یعنی حد بھی اس کا حق ہے جیسے قصاص اس کا حق ہے۔ ❸

شمرۂ اختلاف..... حنفیہ کے مذہب کے مطابق مقذوف حد قذف کو ساقط نہیں کر سکتا اور نہ ہی قاذف کو اس سے بری الذمہ کر سکتا ہے، اور نہ ہی معاف کر سکتا ہے، حد قذف پر صلح بھی نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بدلہ میں عوض لے سکتا ہے، یہ سب کچھ تب ہے جب مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہو اور قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہو۔ البتہ مقدمہ عدالت میں لے جانے سے پہلے مقذوف معاف کر سکتا ہے۔ حد قذف میں وراثت نہیں چلتی، ہاں البتہ مقذوف کے مرنے سے ساقط ہو جاتی ہے، چونکہ وراثت تو متروک ملک یا مورث کے حق میں چلتی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جس شخص نے مال یا کوئی حق چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کا حق ہے۔“ ❹ جبکہ حنفیہ کے نزدیک مورث کا حق نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا غالب حق ہے لہذا ورثہ کو منتقل نہیں ہوگا۔ حد قذف میں تدخل جاری ہوتا ہے جیسے کسی جماعت کو قذف لگانے میں تدخل جاری ہوتا ہے، اسی طرح تکرار قذف میں حد واحد واجب ہوتی ہے۔

اگر مقذوف قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ قاذف سے حلف لے تو قاضی اس سے حلف نہیں لے سکتا۔ جیسے حد زنا میں حلف نہیں لے سکتا، حد قذف کی طرح حد زنا، حد شرب نشہ اور چوری بھی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق مقذوف حد کو ساقط کر سکتا ہے، قاذف کو بری الذمہ کر سکتا ہے۔ حد پر صلح بھی کر سکتا ہے، معاف بھی کر سکتا ہے اور اس کے بدلہ میں عوض بھی لے سکتا ہے اگرچہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کے بعد ہی ان امور کا صدور ہو، مطالبہ حد قذف وراثت میں منتقل ہوتا ہے، چونکہ حد قذف حقوق العباد میں سے ہے، رہی بات صفوان رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بعد میں آیا چاہتی ہے سو وہ حد سرقہ کے متعلق ہے اور حد سرقہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل ابن سنی کی روایت کردہ ایک حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی شخص کو یہ بات پسند ہے کہ ابو مضمم کی طرح ہو، چنانچہ وہ کہا کرتا تھا: میں نے اپنی جان و آبرو صدقہ کر دی ہے۔ عزت آبرو کا صدقہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب صاحب آبرو اپنے حق واجب کو معاف کر دے۔

رہی بات تدخل کی سو حنابلہ شافعیہ کے نزدیک قذف میں تدخل نہیں چلتا، حتیٰ کہ اگر فرد واحد نے جماعت پر قذف لگائی جو انفرادی ہو، تو ان میں سے ہر ایک فرد کے لئے الگ الگ حد واجب ہوگی جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

❶..... بندے کے حق سے مراد یہ ہے کہ اگر بندہ ساقط کرنا چاہے تو ساقط ہو جائے جیسے قرضہ، رہن وغیرہ۔ اور اللہ کا حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو ساقط کرنے سے ساقط نہ ہو (الفروق ۱/۱۴۱) ❷ فتح القدیر ۴/۱۹۴، البدائع ۷/۵۶، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۱۸۹، المبسوط ۹/۱۱۳۔ ❸ المہذب ۲/۲۷۴، المیزان ۲/۱۶۰، المغنی ۸/۲۱۷۔ ❹ رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (نصب الراية ۵۸/۴، التلخیص الحبیر ۲۵۱، نیل الاوطار ۳۲۸/۰)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۳ اسلام میں دنیوی سزائیں
اگر ایک آدمی نے دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس پر تہمت لگائی ہے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی چونکہ قذف آدمی کا حق ہے
جیسے دین آدمی کا حق ہوتا ہے۔

مالکیہ کا مذہب..... مختلف فیہ ہے، چونکہ امام مالک کے قول میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ان سے ایک قول شافعیہ جیسا مروی ہے کہ
حد قذف آدمی کا حق ہے، لہذا اسے معاف کرنا جائز ہے، یہی قول ابن رشد کے نزدیک رائج ہے۔ بسا اوقات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
اس میں دونوں حق ہیں یعنی اللہ کا حق بھی ہے اور بندہ کا حق بھی، ہاں البتہ جب مقدمہ امام کی عدالت میں دائر کر دیا جائے تو پھر امام کا حق
غالب ہوتا ہے چنانچہ جب مقدمہ امام کے پاس لے جایا جائے تو پھر مقذوف معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، ہاں البتہ اگر مقذوف اپنا ستر
کرنا چاہے۔ چونکہ صاحب اختیار کے حق کو غلبہ حاصل ہے اسے سرقہ میں وارد اثر پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ ❶ وہ اثر یہ ہے کہ ایک مرتبہ صفوان
رضی اللہ عنہ کی چادر چوری ہو گئی اور وہ چور کو پکڑ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے
میرے پاس لانے سے پہلے معاف کیوں نہیں کر دیا؟ صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کی چادر صدقہ ہے۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صفوان رضی اللہ عنہ کے قول چادر صدقہ ہے،“ پر عمل نہیں کیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”میرا یہ ارادہ نہیں تھا۔ یعنی میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ
اس چور کا ہاتھ کٹے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی رائے زیادہ مشہور اور یہی مذہب میں رائج بھی ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقذوف
قازف کو معاف کر سکتا ہے، امام کے پاس مقدمہ پہنچنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اگر مقذوف اپنا پردہ چاہتا ہو۔ مثلاً اسے خوف ہو کہ اگر اس
تہمت پر گواہ کر دیئے گئے تو اس کا پردہ بھل جائے گا، اور اگر مقذوف کا ارادہ پردے کا نہ ہو تو امام تک مقدمہ پہنچنے کے بعد قذف کو معاف کرنا
جائز نہیں۔ چونکہ اب حد قذف اللہ تعالیٰ کا حق ہو چکی ہے۔

پانچویں بحث..... اثبات قذف

حدود کے جملہ جرائم قاضی کے پاس گواہوں سے یا اقرار سے ثابت ہوتے ہیں، اس میں شرط یہ ہے کہ جملہ شرائط پائی جائیں، جن میں
سے بعض شرائط کا تعلق نفس حد کے اثبات سے ہے یعنی وہ شرائط گواہوں میں اور اقرار میں پائی جانی ضروری ہیں اور ایک شرط خصومت (مقدمہ
بازی) یعنی قاضی کی عدالت میں معاملہ کا جانا بھی ہے۔

خصومت..... خصومت کا معنی عدالت میں دعویٰ دائر کرنا ہے، خصومت حد زنا اور حد شرب میں شرط نہیں، لیکن حد سرقہ کے ثبوت کے
لئے شرط ہے، جیسا کہ آگے میں بیان کروں گا۔ اور حد قذف کے ثبوت کے لئے بھی شرط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے مطابق تو
اس لئے کہ ان کے نزدیک حد قذف بندے کا حق ہے لہذا اس میں دعویٰ دائر کرنا شرط ہے۔ جیسے بقیہ حقوق العباد میں دعویٰ شرط ہے۔ ان کی
دلیل ابن سنی کی روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی شخص کو پسند ہے کہ وہ ابو مضمضم کی طرح ہو؟ چنانچہ وہ کہا
کرتے تھے کہ میں نے اپنی عزت صدقہ کر دی ہے، چنانچہ عزت کا صدقہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حق واجب کو معاف کر دیا جائے۔

حنفیہ کے نزدیک..... اگرچہ قذف میں حق اللہ غالب ہے لیکن اس میں بندے کا حق بھی ہے، چونکہ بندہ اس حق سے نفع اٹھا کر اپنی
عزت کو محفوظ کرتا ہے۔ لہذا بندہ کے حق ہونے کی جہت کی خاطر عدالت میں مقدمہ لے جانا شرط ہے، چونکہ بندے کا خاص حق مطالبہ اور

❶..... بدایۃ المجتہد ۴/۳۳۳، المنتقى على الموطأ ۷/۱۲۸، حاشیۃ الدسوقي ۴/۳۳۱، الفروق للقرافی ۱/۱۲۱، القوانين

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۴ اسلام میں دنیوی سزائیں
 خصومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ ① میں خصومت کے متعلق دو چیزوں سے گفتگو کروں گا۔
 ۱..... حکم خصومت ۲..... اور خصومت کا اختیار کس کو حاصل ہے۔

خصومت یا دعویٰ کا حکم..... مقذوف کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ دعویٰ چھوڑ دے عدالت میں نہ جائے، چونکہ دعویٰ دائر کرنے میں
 برائی اور بے حیائی کی اشاعت ہے، اسی طرح قذف کو معاف کر دینا افضل ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:
 وَ اَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۚ وَلَا تَنسُوْا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۗ البقرہ ۲/۲۳
 اور تمہارا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں فضل واحسان کرنے کو مست بھولو۔

قاضی کے پاس جب دعویٰ دائر ہو تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ ابتداءً مدعی کو ترک دعویٰ کی ترغیب دے۔ ②

خصومت کا اختیار..... چنانچہ بوقت قذف مقذوف یا تو زندہ ہوگا یا مرچکا ہوگا، اگر زندہ ہو تو دعویٰ دائر کرنے کا حق اس کے سوا کسی کو
 حاصل نہیں ہوگا، خواہ مقذوف والد ہو یا اولاد ہو، برابر ہے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب ہو، چونکہ جب قذف کے وقت وہ زندہ ہے تو صورتاً اور معنی
 وہی مقذوف ہے اور قذف کی عار اسی کو لاحق ہوگی، خصومت (مقدمہ لڑنے) میں نیابت جائز ہے اور وہ توکیل کی صورت میں ہوگی یہ امام
 ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ ان کے نزدیک حد اور
 قصاص میں وکالت نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ حد قذف کے لگوانے میں وکالت جائز نہیں لہذا حد قذف کے اثبات میں بھی وکالت جائز
 نہیں چونکہ اثبات حد لگوانے کا وسیلہ ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اثبات اور استیفاء میں فرق ہے وہ یہ کہ حد لگوانے میں وکالت شبہ کی بنا پر ممنوع ہے بلکہ اثبات میں امتناع
 شبہ نہیں۔ ③

اور اگر مقذوف مرچکا ہو تو خصومت کا حق باپ کو حاصل ہوگا اگر چہ اوپر چلے جاؤ اگر وہ نہیں تو بیٹے کو حاصل ہوگا پھر درجہ بہ درجہ اس کے
 نیچے۔ چونکہ قذف عار ہے جو اصول فروع (باپ دادا اور اولاد) کو لاحق ہوتی ہے کیونکہ فرع واصل میں جزئیت اور بعضیت کی نسبت ہوتی
 ہے، گویا کسی انسان کو تہمت لگانا فی الواقع اس کے اجزاء پر تہمت لگانا ہے لہذا معنی کے اعتبار سے قذف اصول و فروع کو لاحق ہوگی اور اگر بوقت
 قذف مقذوف زندہ تھا پھر مر گیا تو حق خصومت ان میں سے کسی کو بھی لاحق نہیں ہوگا چونکہ قذف حد ہے جو وراثت میں منتقل نہیں ہوتی۔ جبکہ
 میت کی طرف معنی قذف راجع نہیں ہوتا چونکہ وہ عار لاحق ہونے کا محل نہیں رہتا۔ ④

خصومت میں بیٹیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں کو سرے سے حق ہی حاصل نہیں، چونکہ اگر چہ ان لوگوں کو زنا کی
 نسبت سے اذیت پہنچی ہے لیکن قذف نہ صورتاً انہیں لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی معنی چونکہ مقذوف کے ساتھ ان کی نسبت جزئیت اور بعضیت کی
 نہیں ہوتی۔

رہی بات بیٹیوں کی اولاد کے سوا اس میں اختلاف ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیٹیوں کی اولاد خصومت کی مالک نہیں چونکہ
 نواسے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتے لہذا نانا کی قذف سے نواسے مقذوف نہیں ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نواسوں کو خصومت کا حق حاصل ہوتا ہے چونکہ حقیقی نسبت مقذوف اور اس کے
 نواسوں کے درمیان بواسطہ ان کی ماؤں کے ثابت ہوتی ہے لہذا معنی نواسے مقذوف ہوئے۔ ⑤

①..... البدائع المرجع السابق ۵۲ المہذب ۲/۲۷۷ ② البدائع المرجع السابق ۵۲ ③ البدائع ۶/۲۱، فتح القدیر ۳/۱۹۷، المبسوط

۱۱۳/۹ ④ البدائع ۷/۰۰ حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۷۸، فتح القدیر ۳/۱۹۵ ⑤ البدائع، المرجع السابق، المبسوط ۹/۱۱۲

لفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۶۵ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

ملاحظہ رہے کہ حق خصوصیت مقذوف کے قریبی رشتہ داروں کو یکساں حاصل ہوتا ہے اس میں قرابت کی ترتیب کی رعایت نہیں، لہذا قریب کا رشتہ دار اور دور کا رشتہ دار برابر ہیں۔ چنانچہ جس طرح بیٹے کو حق خصوصیت حاصل ہوتا ہے اسی طرح پڑپوتے کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ ان کے لئے ابتداء سے حق خصوصیت ثابت ہوتا ہے بذریعہ وراثت منتقل نہیں ہوتا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قرابت کی رعایت رکھی جائے گی چونکہ قریب کو جتنی زیادہ عار لاحق ہوتی ہے دور کے رشتہ دار کو اتنی نہیں لاحق ہوتی۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں طے ہے کہ حق قذف ورشہ کو حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اگر دو وارث ہوں ان میں سے ایک معاف کر دے تو دوسرے کو پوری حد کا حق حاصل ہوگا چونکہ ڈانٹ جو شریعت میں مطلوب ہے وہ ضروری ہے۔ اگر مقذوف کا کوئی وارث نہ ہو تو حق خصوصیت عام مسلمانوں کو منتقل ہوگا اور حاکم حد کا مدعی ہوگا وہی حد لگوائے گا۔

استیفائے حد میں وکالت..... اثبات حد کے بارے میں حنفیہ کا اختلاف ہمیں معلوم ہو چکا ہے، آیا کہ استیفاء حد میں وکالت صحیح ہے یا نہیں؟

حنفیہ کا اس میں اتفاق ہے کہ استیفاء حد (حد لگانے کا مطالبہ) وخصاص میں وکالت صحیح نہیں، چونکہ موکل کی غیر موجودگی میں استیفاء شبہ کے ساتھ ہوگا، لہذا مقذوف کا موجود ہونا ضروری ہے اور مدعی قصاص کا موجود ہونا ضروری ہے چونکہ ہو سکتا ہے کہ مقذوف قاذف کی تصدیق کر دے جبکہ شبہ کے ہوئے حدود کی وصولی نہیں ہوتی۔ ❷

جب مقذوف حاضر ہو جائے تو حاکم یا اس کا نائب حد قذف کا مطالبہ اور استیفاء کرے، جبکہ قصاص میں مقتول کا وارث مطالبہ کرے یا وارث کا جو نائب ہو وہ مطالبہ کرے۔

جب مقذوف قاذف پر حد قائم کرنے کا مطالبہ کرے اور قاضی کے سامنے خصامت (جھگڑا) ہو جائے اور قاضی حد لگانے کا فیصلہ صادر کر دے اور پھر مقذوف مر جائے یا مطالبہ سے پہلے مر جائے یا کچھ حد لگائے جانے کے بعد مر جائے تو حد باطل ہو جائے گی اور جو باقی ماندہ حد ہو وہ بھی باطل ہو جائے گی اگرچہ ایک کوڑا ہی باقی ہو، مقدمہ کا پیچھا کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک قاذف کی گواہی باطل نہیں ہوگی، چونکہ حد قذف میں غالب اللہ کا حق ہوتا ہے اور وہ وراثت میں منتقل نہیں ہوتا جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ ❸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حد لینے کے لیے مقذوف کی جگہ اس کا وارث ہوگا چونکہ حد قذف خالص انسان کا حق ہوتا ہے، لہذا جو حکم بھی قذف پر مرتب ہوگا وہ وراثت میں منتقل ہوگا خواہ وہ خصوصیت ہو، پیچھا کرنا ہو، استیفاء حد ہو یا بقیہ حد لگوانی ہو۔ ❹

اثبات قذف کے لئے گواہوں کی شرائط..... اثبات قذف کے لیے مقذوف کے گواہوں میں وہی شرائط مطلوب ہیں جو عام حدود میں مطلوب ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ مرد ہونا، گواہی اصالۃ ہو، چنانچہ عورتوں کی گواہی قبول نہیں اور نہ ہی گواہی پر گواہی قبول ہے اور قاضی کا خط بھی مقبول نہیں۔ ❺

عدم تقدم حد قذف میں شرط نہیں، اگر حد قذف کے گواہوں نے طویل زمانے تک تاخیر کی اور پھر گواہی دی ان کی گواہی قبول کی جائے گی، برخلاف بقیہ حدود کے، حد قذف اور دوسری حدود میں وجہ فرق یہ ہے کہ قذف میں عدالت میں مقدمہ لے جانا پڑتا ہے اس لئے دعویٰ دائر کرنے میں مدعی سے تاخیر ہو جاتی ہے۔ جو قابل تحمل ہے۔ ❻

❶..... البدائع المرجع السابق ❷ البدائع ۵۵/۷ ❸ البدائع المرجع السابق فتح القدیر ۱۹۷/۴، المبسوط ۱۱۴/۹

❹ المہذب ۲۷۵/۲ ❺ المبسوط ۱۱۱/۹ ❻ البدائع ۴۶/۷

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۶ اسلام میں دنیوی سزائیں
 اقرار قذف کی شرائط..... اقرار قذف میں بھی وہی شرائط مطلوب ہیں جو عام اقرارات میں پائی جانی ضروری ہیں وہ یہ
 ہیں۔ بالغ ہونا، اقرار کا نطق ہو، لہذا حدود میں بچے کا اقرار صحیح نہیں اور گونگے شخص کا اقرار بھی صحیح نہیں خواہ لکھ کر ہو یا اشارے سے ہو جیسا کہ
 حدزائیں بیان ہو چکا۔

بالاتفاق حد قذف میں بار بار اقرار کرنا شرط نہیں اور عدم تقادم بھی شرط نہیں۔ ❶

قاذف کو حلف دینا اور اس کا قسم سے انکار..... جب مدعی کے پاس قذف پر گواہی دینے کے لئے گواہ نہ ہوں اور وہ قاضی سے
 مطالبہ کرے کہ قاذف سے قسم لی جائے کہ اس نے مدعی پر قذف کا ارتکاب نہیں کیا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک قاذف سے قسم نہیں لی جائے گی،
 چونکہ قسم لینے کا مقصد یہ ہے کہ قاذف حلف سے انکار کر دے اور پھر اس کا انکار اقرار قذف کے قائم مقام ہو جائے لیکن حد قائم مقام کے ذریعہ
 جاری نہیں کی جاتی۔ ❷

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قاذف کو قسم دی جائے اگر قاذف قسم سے انکار کر دے تو قسم مدعی سے نہ لی
 جائے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قاذف سے قسم لی جائے اور مدعی پر قسم وارد نہ کی جائے بلکہ قاذف کے انکار کو حجت بنا کر قاضی اس کے
 خلاف فیصلہ سنا دے۔ ❸

منشائے اختلاف..... حنفیہ اور جمہور کے درمیان مذکور بالا اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ کیا حد قذف خالص انسان کا حق ہے اس میں قسم
 دینے دلوانے پر اعتقاد کیا جائے جیسے بقیہ حقوق العباد میں ہوتا ہے، یا اس میں بندے اور اللہ دونوں کا حق ہے اور اللہ کا حق غالب ہے اور قاذف
 سے قسم نہ لی جائے تفصیل گزر چکی ہے۔

چھٹی بحث..... اثبات قذف میں قاضی کی صلاحیت اور لیاقت

جب قذف کا دعویٰ قاضی کی عدالت میں دائر ہو جائے پھر یا تو قاذف انکار کرتا ہو گا یا اقرار کرتا ہو گا اگر انکار کرتا ہو اور مقذوف قاضی
 سے گواہ پیش کرنے کے لئے مہلت طلب کرتا ہو اور ساتھ اس کا دعویٰ ہو کہ قذف پر شہر میں اس کے گواہ موجود ہیں۔ تو قاضی مقذوف کو
 برخاست مجلس تک مہلت دے اور اس دوران مدعی علیہ کو محبوس کر لے، اگر مجلس برخاست ہونے سے قبل مدعی نے گواہ حاضر کر لئے تو مقصود
 حاصل ہو گیا ورنہ مدعی علیہ کو چھوڑ دے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کی مجلس کے آخر تک درمیانی وقفہ میں مدعی کی جان کا کفیل (ضامن) لینا جائز نہیں، چونکہ
 کفالت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفیل مکفول عنہ کے قائم مقام ہو جبکہ حدود میں قائم مقامی صحیح نہیں چونکہ کفالت وثوق اور پختگی کے لئے شروع ہوئی
 ہے جبکہ حدود کا دارو مدار ثل دینے اور ساقط کرے پر ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جہاں تک ہو سکے حدود کو مسلمانوں سے
 نالتے رہو“۔ لہذا اس حدیث کے پیش نظر حد کے وثوق اور پختگی کے لئے کفالت مناسب نہیں، برخلاف مدعی علیہ کو جس میں رکھنے کے چونکہ
 تہمت کی وجہ سے جس میں رکھنا مشروع ہے۔

صاحبین اور شافعیہ کہتے ہیں: قاضی مدعی علیہ سے تین دن تک کے لئے کفیل بالفس لے لے، تاکہ مدعی گواہ حاضر کر لے اور قاضی مدعی
 علیہ کو قید میں نہ رکھے چونکہ مدعی علیہ پر کوئی ضرر نہیں۔ لہذا اس سے کفیل لے لیا جائے جیسے اموال میں کفیل لے لیا جاتا ہے، نیز جب حدود میں
 قید کرنا جائز ہو تو کفالت بطریق اولیٰ جائز ہوگی، چونکہ وثوق کا معنی اس میں کفالت کی نہایت زیادہ پایا جاتا ہے، جب قید جس جائز ہے تو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۷ اسلام میں دنیوی سزائیں۔

کفالت بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ ❶ رہی باتیں دن کی مدت کی سو یہ قریب کا وقت ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسْئُوهَا بِسَوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝۶۴

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں آنے والا عذاب آ پکڑے۔ اس کے بعد فرمان ہوا۔

تَسْتَعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ۝۶۵

تم اپنے گھروں میں تین دن اور مزے کرلو۔

اگر مقذف کہے: میرے پاس گواہ نہیں یا میرے گواہ موجود نہیں یا کہے شہر سے باہر ہیں تو قاضی قاذف کو چھوڑ دے اور عدم تہمت کی وجہ سے اسے جس میں نہ رکھے۔ ❷

ثبوت قذف کے بعد قاذف کے متعلق قاضی کا مؤقف..... اگر مقذف نے قذف کے صحیح ہونے پر گواہ قائم کر دیئے یا قاذف نے اقرار کر لیا تو قاضی قاذف سے کہے: اپنی بات کی سچائی پر گواہ قائم کرو۔

اگر قاذف نے زنا کے ہونے پر چار گواہ قائم کر دیئے جنہوں نے زنا ہوتے آنکھوں سے دیکھا ہو یا قاضی کے سامنے مقذف نے چار بار اقرار کر لیا ہو تو قاذف سے حد ساقط ہو جائے گی اور مقذف پر حد زنا قائم کی جائے گی، چونکہ یہ بات واضح ہو چکی کہ قاذف اپنی بات میں سچا ہے۔ ❸

اگر قاذف زنا پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف جاری کر دے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ، ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً

اور وہ لوگ جو آزاد پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے مارو۔

اگر قاذف قاضی سے مہلت طلب کرے کہ میرے گواہ موجود نہیں یا شہر سے باہر تو قاضی مہلت نہ دے، اور اگر کہے کہ میرے گواہ شہر میں ہیں تو اسے مجلس کے آخر تک مہلت دے اور مقذف اس کے ساتھ لگا رہے بلکہ قاذف سے کہا جائے کہ کسی کو بھیج کر گواہ منگواؤ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاذف سے کفیل بانفس نہ لیا جائے، چونکہ دوسری مجلس کے برخاست ہونے تک مہلت دینے میں حد ثابت ہو جانے کے بعد حد نہ لینے میں کوتاہی کرنا ہے اور حد سے منع کرنا ہے جو جائز نہیں۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں..... قاذف کو دو دن یا تین دن کی مہلت دی جائے گی اور اس سے کفیل لیا جائے گا چونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ خبر دینے میں سچا ہو کہ اس کے گواہ شہر میں موجود ہوں، بسا اوقات گواہوں کو حاضر کرنا مشکل بھی ہوتا ہے لہذا دوسری مجلس قضاء تک اسے مہلت کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ کفیل اس لیے لیا جائے گا تا کہ اس کا حق فوت نہ ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: جب قاذف یہ دعویٰ کرے کہ شہر میں اس کے گواہ موجود ہیں اور وہ گواہوں کے بلانے کے لئے کوئی قاصد بھی نہ پائے تو قاضی قاذف کے ساتھ پولیس بھیجے جو قاذف کی نگرانی کرتی رہے اور اسے تنہا نہ چھوڑے تا کہ بھاگ نہ سکے اور اس کی بات کی سچائی پر بھی پرکھتی رہے، اگر قاذف گواہوں سے عاجز ہو جائے تو اس پر حد قائم کر دی جائے، اگر قاذف کو کچھ حد لگ گئی کہ اتنے میں گواہ حاضر ہو گئے اور اس کی قذف کی سچائی پر گواہی دے دی تو گوہی قبول کی جائے گی، بقیہ حد باطل ہو جائے گی اور قاذف کی گواہی باطل نہیں ہوگی اور مقذف پر حد زنا قائم کی جائے گی۔

اگر قاذف کو پوری حد لگ جائے اس کے بعد گواہ حاضر ہوں اور تہمت کی سچائی پر گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی، اب گواہی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۶۸ اسلام میں دنیوی سزائیں
قبول کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ قاذف اہل عدالت میں سے کہلائے گا اور اس کی گواہی قبول کی جائے گی، چونکہ یہ بات نمایاں ہو چکی کہ حقیقتاً وہ
مردود فی القذف نہیں۔ چونکہ مقذوف محسن نہیں ہوتا، کیونکہ احسان کی شرائط میں سے ہے زنا سے عقیف ہونا جبکہ مقذوف کا زانی ہونا
گواہوں سے ثابت ہو چکا، لہذا قاذف مردود اشہادت نہیں ہوگا۔ ❶

اثبات قذف کے بعد لعان..... شافعیہ کہتے ہیں: اگر عورت نے خاوند پر دعویٰ کیا کہ اس نے اسے (عورت کو) تہمت زنا لگائی
ہے اور خاوند انکار کرے پھر دو گواہ گواہی دیں کہ خاوند نے بیوی پر قذف لگائی ہے۔ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان ہو سکتا ہے،
چونکہ خاوند کا انکار قذف کی وجہ سے ہے اور زنا جو لعان کا باعث ہے اس کی تکذیب نہیں کرتا، چونکہ خاوند کہتا ہے کہ میں نے تو قذف کا انکار
کیا ہے اور قذف جھوٹی تہمت کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ میں نے عورت پر جھوٹ نہیں بولا میں سچا ہوں کہ اس نے زنا کیا ہے لہذا ان دونوں میں
لعان ہوگا۔

وہ امور جن سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے..... حد قذف تین امور میں سے کسی ایک سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔
۱..... گواہوں یا اقرار سے مقذوف کا زنا ثابت ہو جائے۔

۲..... شافعیہ کی رائے کے مطابق مقذوف قاذف کو معاف کر دے چونکہ شافعیہ کے نزدیک حد قذف بندے کا حق ہے۔
۳..... میاں بیوی کے درمیان لعان ہو جانے سے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ..... النور ۶/۲۴

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

تیسری فصل..... حد سرقہ (چوری کی حد)

خاکہ موضوع..... حد سرقہ کا بیان مندرجہ ذیل چار مباحث میں ہوگا۔

پہلی بحث..... سرقہ کی تعریف، سرقہ کا حکم اور صفت حد۔

دوسری بحث..... موجب حد سرقہ کی شرائط۔

تیسری بحث..... اثبات سرقہ اور سرقہ کا دعویٰ دائر کرنا۔

چوتھی بحث..... وہ امور جو حد واجب ہو جانے کے بعد حد کو ساقط کر دیں۔

پہلی بحث..... سرقہ کی تعریف، سرقہ کا حکم اور صفت

حد سرقہ (چوری) کی تعریف..... وقت خفیہ“ سے مراد مال اٹھانے کا ابتدائی اور آخری وقت ہے جبکہ چوری کی واردات دن کے
وقت ہو، دن کا وقت عشاء مجتہد ہوتا ہے، اگر چوری کی واردات رات کو ہو تو ابتداء میں خفیہ ہو، یہاں تک کہ چور اگر رات کو مخفی طور پر داخل ہوا پھر
سرعام کھلم کھلے مال لے اڑے اگرچہ مار کٹائی کے بعد ہی ہو تو استحساناً اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ اگر رات میں آخر میں خفیہ ہونے کا اعتبار
کرتے تو رات کے وقت ہونے والی چوری کی اکثر وارداتوں میں حد قائم کرنا ممنوع ہوتی اور اکثر وارداتیں مال اٹھانے کے آخر میں غلبہ کے
ساتھ ہوتی ہیں۔ چونکہ رات کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں مدد کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۶۹ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

کیا خفیہ ہونے کا اعتبار چور کے اس گمان پر ہے کہ مالک مکان لاعلم ہے یا چور اور مالک مکان میں سے کسی ایک کے گمان پر ہے خواہ وہ مالک مکان ہی ہو؟ خفیہ کے نزدیک اس میں اختلاف ہے، ثمرۃ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب چور کو گمان ہو کہ مالک مکان کو علم ہے باوجود یہ کہ اسے علم نہ ہو، یہاں خفیہ کا ہونا مالک مکان کی نسبت سے ہوگا چور کی نسبت نہیں۔ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ سرقہ کی شرط یہ ہے کہ خفیہ ہو چور کے خیال میں، خلاصہ، محیط اور ذخیرہ میں ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا اور دونوں میں سے کسی ایک کے خیال میں خفیہ ہونے پر اکتفاء کر لیا جائے گا۔ البتہ اگر چور کو گمان ہو کہ مالک کو پتہ نہیں جبکہ اسے پتہ ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور خفیہ کے محض گمان پر اکتفاء کر لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دونوں کو علم ہو اور اگر دونوں کو مال اٹھانے کا اکٹھے علم ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ❶

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اختطاف (اچکنے)، خیانت، اختلاس (چھین کر بھاگ جانے) اور نہب (لوٹ لینے) میں حد نہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خائن اور چھین کر بھاگ جانے والے پر قطع ید نہیں۔ ❷ ایک اور حدیث میں ہے: غارت گری پر بھی قطع ید نہیں۔ ❸

اختلاس..... مالک مال کو چنداں غافل پا کر اس کا مال جلدی سے اٹھا کر بھاگ جانا کہ مالک دیکھتا ہی رہ جائے گویا سرعام کھلم کھلا واردات کر جائے۔ یعنی اچکا۔

خائن..... وہ ہوتا ہے جو دل کی بات کو ظاہر نہ کرے۔ خائن سے مراد وہ شخص ہے جو چپکے سے مالک کا مال ہڑپ کر جائے جبکہ وہ اس کے لیے خیر خواہی اور حفاظت کا اظہار کرتا ہو۔

منہب..... غارتگری ڈالنے والا، منہب، نہبہ سے ماخوذ ہے، نہبہ کا معنی غارت گری اور لوٹنا ہے، مراد وہ شخص ہے جو غلبہ، قہر اور زبردستی سے مال اٹھالے۔ ❹ یعنی لٹیرا۔

حنا بلہ کی رائے ہے کہ جو شخص عاریتاً دی ہوئی چیز سے انکار کر دے جس کی قیمت حد نصاب کو پہنچتی ہو تو منکر کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ البتہ ودیعت (امانت) کے منکر کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یعنی امانت میں خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جمہور کہتے ہیں: عاریۃ لی ہوئی چیز سے انکار کرنے والے کا ہاتھ تو نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ہی ودیعت کے منکر کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ مختلس (اچکا)، نشب (لٹیرا) اور غاصب کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے۔ اس میں فرق کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ ❺

چنانچہ چور سے بچاؤ کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ وہ گھر میں نقب لگاتا ہے۔ حرز (حفاظت) کو توڑ دیتا ہے، تالا توڑتا ہے، صندوق یا الماری کھولتا ہے، جبکہ مالک مکان حفاظت کا سامان اتنا ہی کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اگر شریعت نے چور کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر نہ کی ہوتی تو لوگ چوری کو مشغلہ اور دھند بنا لیتے۔ جس کا ضرر اور نقصان عام ہو جاتا اور لوگ عمومی طور پر چوری پیشہ ہو جاتے بخلاف اچکے اور لٹیرے کے۔ ❶

❶..... الدر المختار و ردالمحتار ۳/۲۱۲، العناية وفتح القدیر ۳/۲۱۹، تبیین الحقائق ۳/۲۱۲۔ ❷ حدیث قوی رواہ احمد و اصحاب السنن الرابعۃ و صحیحہ الترمذی و ابن حبان و اخرجہ الحاکم و البیہقی عن جابر رضی اللہ عنہ۔ ❸ ہذہ ہی رواۃ ابی داؤد عن جابر کما ذکر فی الحدیث السابق۔ ❹ المبسوط ۹/۱۳۳، البدائع ۷/۶۵، فتح القدیر ۳/۲۳۳، حاشیۃ ابن عابدین ۳/۲۰۸۔ ❺ حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۵۵، المہذب ۲/۲۹۲، المیزان ۲/۱۷۲، المغنی ۸/۳۲۷، مغنی المحتاج ۳/۱۷۲، القوانين الفقہیہ، ص ۳۶۰، غایۃ المنتہی ۳/۳۳۶۔ ❶ لٹیرا اور رابرز اور ڈاکو کے معنی میں نہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۰ اسلام میں دنیوی سزائیں

چنانچہ منعجب (لئیرا) غلبہ پا کر لوگوں کے سامنے سے مال اٹھا کر لے بھاگتا ہے۔ لوگ اسے پکڑ بھی سکتے ہیں اور مظلوم کو اس کا حق دلا سکتے ہیں یا حاکم وقت کے سامنے اس کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں۔

رہی بات تخلص (اچکے) کی سو وہ مالک کی طرف سے غفلت کا موقع پا کر مال اٹھا لیتا ہے۔ چنانچہ ہوشیاری سے حفاظت اور بیداری کے ساتھ نگرانی کرنی کی صورت میں اچکے سے حفاظت کرنا ممکن ہے لہذا تخلص (اچکا) چور کی طرح نہ ہوا بلکہ اچکا تو خائن کے زیادہ مشابہ ہے۔ نیز اچکا حرز سے مال نہیں اٹھاتا۔ وہ تو بس تمہیں غفلت میں دیکھتا ہے اور تمہارا مال اچک کر لے جاتا ہے۔ لہذا اس سے بچاؤ کرنا ممکن ہے۔

رہی بات غاصب کی سواس کا معاملہ بالکل ظاہر ہے۔ جب لئیرے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تو غاصب کا ہاتھ بطریق اولیٰ نہیں کاٹا جائے گا۔ جب ان لوگوں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے تو انہیں دوسری سزائیں ضرور دی جائیں گی۔ مثلاً ان کی پٹائی کی جائے، سزا دی جائے، قید میں ڈال دیا جائے وغیرہ۔

سرقہ کا حکم..... حد سرقہ کی مشروعیت میں اصل یہ آیت ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا المائدہ ۵/۳۸

”چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹو۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کمزور شخص چوری کر لیتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور اگر کوئی شریف آدمی

چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔“ ❶

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”کمزور پر حد قائم کرتے۔“

جب چوری ثابت ہو جائے تو اس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے۔ چونکہ چوری، جنایت، زیادتی اور ظلم ہے اور اگر ہاتھ کاٹنے کی حد واجب نہ ہو تو تاوان واجب ہوتا ہے۔

کیا ضمان اور قطعید دونوں کو جمع کیا جائے گا؟..... البتہ اس بات میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور مسروقہ مال بعینہ موجود ہو تو وہ مال کو واپس کیا جائے گا۔ چونکہ مال مالک کی ملکیت میں باقی ہے۔ اگر مال تلف ہو گیا ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر مسروقہ مال ضائع ہو جائے تو چور کے لیے دونوں چیزیں یعنی ضمان اور قطعید جمع نہیں ہوں گے۔ اگر صاحب مال ضمان لینا چاہے تو چور کے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ تب ہے کہ معاملہ ابھی عدالت تک نہ پہنچا ہو۔ اگر صاحب مال نے ہاتھ کٹوانے کو ترجیح دی اور چور کا ہاتھ کٹوا بھی دیا تو چور سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔

چونکہ شارع نے تاوان کے متعلق سکوت کیا ہے لہذا قطعید کے ساتھ کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا المائدہ ۵/۳۸

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹو۔ یہ ان سے سزا دہونے والے فعل کی سزا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قطعید کو چوری کی کل جزاء قرار دیا ہے، اگر ہم قطعید کے ساتھ ضمان کو بھی واجب کر دیں گے تو مطلب ہوگا کہ قطعید

❶..... رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابوداؤد و النسائی عن عائشة ورواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ ثقات عن ام سلمہ

(جامع الاصول ۳/۳۱۳، مجمع الزوائد ۶/۲۵۹، نیل الاوطار ۷/۱۳۱)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۱ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
آدھی جزاء ہے۔ اس سے نسخ قرآن لازم آئے گا۔ ❶ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس پر تادوان نہیں ہوگا۔ ❷

مالکیہ..... کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹتے وقت چور اگر مالدار ہو تو قطع ید اور تادوان دونوں واجب ہوں گے تاکہ چور سے زیادہ سے زیادہ سختی ہو اور اگر تنگ دست ہو تو فقط قطع ید واجب ہوگا اور تخفیفاً تادوان ساقط ہو جائے گا۔ چونکہ فاقہ و متنگ دستی اور جاتمنندی کا عذر اسے لاحق ہے۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: قطع ید (ہاتھ کاٹنا) اور ضمان دونوں جمع کیے جائیں گے، لہذا مسروقہ مال مالک کو واپس کیا جائے گا اور اگر تلف ہو گیا ہو تو اس کا بدل واپس کرنا ضروری ہوگا۔ اگر مسروقہ مال مثلی ہو تو اس کی مثل واپس کرنا ضروری ہے اور اگر قیمتی ہو تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔ چور خواہ مالدار ہو یا تنگ دست تو ہاتھ کاٹا جائے یا نہ کاٹا جائے، گویا قطع ید وجوب ضمان کے مانع نہیں۔ چونکہ قطع ید اور ضمان کا سبب وجوب الگ الگ ہے۔ چنانچہ ضمان آدمی کے حق کی وجہ سے واجب ہے اور قطع ید اللہ تعالیٰ کے حق کے لیے واجب ہے۔ لہذا ایک دوسرے کے مانع نہیں ہو سکتا، جیسے دیت اور کفارہ اور حرم کے مملوک شکار کے قتل کرنے میں جزاء اور اس کی قیمت۔ ❹

منشائے اختلاف..... حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف ایک قاعدہ ہے جو حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے وہ یہ ہے کہ ”ضمان کی وجہ سے مضمون (ضمان دی ہوئی) چیزیں ملک میں آ جاتی ہیں اور ان میں ملک وجوب ضمان کے وقت سے ثابت ہوگی۔“ لہذا حنفیہ کے نزدیک قطع ید اور ضمان جمع نہیں ہوں گے۔ چونکہ اگر چور سے ضمان لے لیا جائے تو مضمون چیز کی ملکیت مال چوری کرتے وقت ثابت ہوگی اور قطع ید دریں اثناء ذاتی ملکیت میں لازم ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ ❺

شافعیہ اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں: ضمان دینے سے مضمون چیزیں ملکیت میں نہیں آ جاتیں، لہذا تعدد سبب کی وجہ سے قطع ید اور ضمان دونوں جمع ہوں گے اور ضمان چوری کرنے کے وقت کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ شافعیہ اور حنابلہ کا قول رائج ہے۔ چونکہ ضمان اور قطع ید کا سبب الگ الگ ہے اور حنفیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔

حالت تکرار مسروقہ..... علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلی بار چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسری بار چوری کرنے پر بائیں ٹانگ کاٹی جائے گی۔ اس میں اختلاف ہے کہ تیسری بار چوری کرنے پر بائیں ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی بار چوری کرنے پر دائیں ٹانگ کاٹی جائے گی یا نہیں؟

حنفیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: دایاں ہاتھ اور بائیں کاٹ کاٹنے کے بعد چوری کے اعشاء نہیں کاٹے جائیں گے۔ البتہ تیسری بار یا چوتھی بار چوری کرنے پر مسروق مال کا اس سے ضمان لیا جائے گا۔ اس پر تعزیر ہوگی اور قید میں رکھا جائے گا و تفتیکہ جی تو بہ کر لے، ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ ان کے پاس ایک چور لایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ کاٹ دیا، پھر دوسری بار اس نے چوری کی اور پکڑا گیا اس بار اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی، پھر تیسری بار چوری کرتے پکڑا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب میں اس کے ہاتھ پاؤں نہ

❶... البدائع ۸۴/۷، فتح القدیر ۲/۳، المبسوط ۱۵۶/۹، تبیین الحقائق ۳/۲۳۱، مجمع الضمانات، ص ۲۰۳۔ ❷ قال الزیلعی عن حدیث ”لا عزم علی السارق بعد ما قطعت یمینہ“۔ غریب بهذا اللفظ واخرجه النسائي والدارقطني باختلاف اللفظ يسيراً (راجع جامع الاصول ۳/۳۲۷، نصب الرأية ۲/۳۷۵، سبل السلام ۴/۲۸۲)۔ ❸ بداية المجتهد ۲/۴۴۲، حاشية الدسوقي ۳۴۶، للقولان الفقهيّة، ص ۳۶۰۔ ❹ المذهب ۳/۲۸۸، المغني ۸/۲۷۰، غايۃ المنتهى ۳/۳۴۴۔ ❺ تخریج الفروع علی الاصول للرنجانی، ص ۱۰۷

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۲ اسلام میں دنیوی سزائیں
 کانٹوں لگا۔ اگر میں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو کھانا کیسے کھائے گا؟ چیزیں کیسے اٹھائے؟ اور اگر میں نے اس کی ٹانگ کاٹ دی تو کیسے چلے گا؟
 مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے چھڑی سے اس کی پٹائی کی اور اسے قید میں رکھا۔ ❶ اسی مضمون کا اثر حضرت عمر
 فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ❷ اور یہی استحسان بھی ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں: اگر تیسری بار چوری کر دی تو چور کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر اگر چوتھی بار چوری کی تو دائیں ٹانگ
 بھی کاٹ دی جائے گی۔ پھر اگر چوری سے باز نہ آیا تو اس پر تعزیز لگائی جائے گی۔ ❷ ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
 ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چور نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر چوری کرے تو اس کی ٹانگ کاٹ دو، پھر اگر
 تیسری بار چوری کرے تو اس کا دوسرا ہاتھ کاٹ دو، پھر چوری کی

تو دوسری ٹانگ کاٹ دو۔ ❸ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔ ❹
 جب اس معاملہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں تو ہمارے زمانہ میں حنفیہ اور حنابلہ کی رائے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اعضاء کاٹنے کی حکمت..... دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنے کی حکمت یہ ہے کہ چور ہاتھ پاؤں کے سہارے چوری کی واردات
 کرتا ہے۔ ہاتھ سے چیز اٹھاتا ہے اور پاؤں سے چل کر جاتا ہے لہذا قطع کا تعلق انہی دو اعضاء سے ہوا، مخالف سمت کے اعضاء یعنی دایاں ہاتھ
 اور بایاں پاؤں اس لیے کاٹا جاتا ہے تاکہ ایک ہی پہلو کی منفعت فوت نہ ہونے پائے چونکہ اگر ایک ہی طرف کے اعضاء کاٹ دیے جائیں تو
 چور کے لیے حرکت کرنا مشکل ہو جائے۔ ❶

چوری اور دیت میں ہاتھ کے اختلاف کی وجہ فرق..... ایک چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اگر ظلماً کسی کا
 ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کی دیت پانچ سودینار یعنی کل دیت کی نصف ہے۔ شریعت کا یہ فیصلہ عظیم مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے۔ چنانچہ دونوں
 جگہوں میں شریعت نے اموال اور اعضاء کی حفاظت کی زبردست تاکید کی ہے چنانچہ چوتھائی دینار یا اس سے زائد چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا
 گیا تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں اور چوری کے فعل کو نہایت گھٹیا اور حقیر تر قرار دیا۔ ظلماً ہاتھ کاٹ دینے کی دیت پانچ سودینار مقرر کی تاکہ
 انسانی جان اور اعضاء محفوظ رہیں اور شریف ہونے کے ناتے ہاتھ کو اہم قرار دیا گیا۔ ❷ چنانچہ اس معاملہ میں کچھ لوگوں کا آپس میں مباحثہ
 ہو گیا اور ابو العلاء معری نے یہ اشعار پڑھ دیے۔

يد بخمس مئین عسجد و دیت
 مابا لہا قطع فی ربع دینار
 تناقض مالتا الا السکوت لہ
 ونستحیر بمولانا من العار

❶..... رواہ محمد بن الحسن فی کتاب الآثار عن علی بن ابی طالب ومن طریق محمد رواہ الدارقطنی بسندہ ومثنی ورواہ
 عبد الرزاق فی مصنفہ (نصب الراية ۳/۳۷۷)۔ البدائع ۷/۸۶، فتح القدیر ۴/۲۸۳، المغنی ۸/۲۶۳، غایۃ المنتہی
 ۳/۳۳۳۔ الشرح الكبير ۴/۳۳۲، بدایۃ المجتہد ۲/۴۴۳، مغنی المحتاج ۴/۸۷، المہذب ۲/۲۸۳، القوانين
 الفقہیۃ، ص ۳۶۰۔ ❷ اخراجہ الدارقطنی فی سننہ عن ابی ہریرۃ وفی اسنادہ الواقدی وفیہ مقال ورواہ الشافعی عن بعض
 اصحابہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً وفی موضوعہ عن عصمۃ بن مالک رواہ الطبرانی والدارقطنی واسناد ضعیف (نصب
 الراية ۳/۳۶۸، التلخیص الحبر ص ۳۵۷)۔ ❸ اخراجہ احمد والترمذی عن حذیفہ۔ ❹ مغنی المحتاج: المرجع السابق۔
 ❺ اعلام الموقعین ۲/۲۳

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۳ اسلام میں دنیوی سزائیں
بعض فقہاء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہاتھ جب تک امانت کی پاسداری کرے تو اس کی قیمت اور وقعت ہے اور جب خیانت کرے تو
ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس جواب کو کسی نے یوں منظوم کیا ہے:

يد بخمس مئین مسجد و دیت
لكنها قطعت فی ربع دینار
عز الأمانة اغلاها وارخصها
ذل الخيانة فافهم حكمة الباری

جو ہاتھ ظلماً کاٹ دیا جائے اس کی دیت دی جاتی ہے لیکن چوتھائی دینار چوری کرنے پر کاٹ دیا جاتا ہے چونکہ امانت کا ایک مقام اور
مرتبہ ہے جو ہاتھ کی قیمت کو بھی بڑھا دیتا ہے اور خیانت کی ذلت ہاتھ کی قیمت کو گھٹا دیتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔
روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے معری کو اس شعر میں جواب دیا:

هناك مظلومة غالت بقیمتها
ولهنا ظلمت هانت علی الباری

دیت کی صورت میں ہاتھ مظلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے جبکہ چوری میں ہاتھ ظلم کرتا ہے اور رب تعالیٰ کے ہاں
مرتبہ اور مقام سے گر جاتا ہے۔ ❶

ہاتھ کاٹنے کی جگہ..... جمہور علماء کہتے ہیں کہ ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے جو ہاتھ کے گھٹے کا جوڑ ہوتا ہے۔ اس کی دلیل پر روایت
ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہونچے کے جوڑے سے چور کا ہاتھ کاٹا۔ ❷ بعض فقہاء کہتے ہیں: فقط انگلیاں کاٹی جائیں گی۔
جمہور کے نزدیک پاؤں کاٹنے کی جگہ پاؤں کا جوڑ ہے۔ چنانچہ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ
عنہ نے پاؤں کی جگہ سے کاٹتے تھے اور بقیہ ابھرا ہوا حصہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ چلنے کے قابل رہے۔ ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔
لیکن راجح اور مشہور یہ ہے کہ پیر اور ٹانگ کے جوڑے سے کاٹا جائے۔

جب ہاتھ کاٹ دیا جائے تو مسنون یہ ہے کہ بازو گردن میں لٹکا دیا جائے۔ اس کی دلیل فضالہ بن عبید کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر حکم دیا اور گردن میں لٹکا دیا گیا۔ نیز
گردن میں لٹکا دینے سے لوگوں کو عبرت بھی حاصل ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس ایک چور لایا گیا آپ نے حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹو پھر اسے داغ دو اور پھر اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے حضور توبہ کرو۔ اس نے کہا: میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔

واغنا..... داغنے کا طریقہ یہ ہے کہ آگ پر تیل ابالا جائے۔ جب اچھی طرح ابل جائے تو کٹا ہوا ہاتھ تیل میں ڈبو دیا جائے تاکہ رگیں
سکڑ جائیں اور خون نہ بہے۔ ❸ ہاتھ کاٹنے کی اجرت اور تیل کی اجرت محدود کے ذمے واجب ہوگی۔

❶..... بظاہر اشعار کے ذریعے یہ سوال و اعتراض کسی زندیق کا ہے چونکہ اس کے پیدا کردہ اشکال پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا ہے جبکہ معری امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ سے مؤخر ہے۔ کسی زندیق نے یہ اعتراض کیا ہوا اور معدی نے اپنے زمانہ میں دہرایا ہوا۔ ❷ فیہ احادیث منها ما خرجه الدارقطنی عن
عمرو بن شعيب عن ابيب عن جده ومنها ما روى ابن عدی عن عبد اللہ بن عمرو ومنها ما روى ابن ابی شیبہ عن رجاء بن حیوة
(نصب الراية ۳/۳۷۷) المذهب ۴/۱۷۸، غایۃ المنتہی ۳/۳۴۳۔ اگر ادویات اور کیمیکل لگا کر خون بند کر دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۷۴۱ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

صفت حد سرقہ..... حد سرقہ بالاتفاق خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ثابت ہو جانے کے بعد معاف کرنے، صلح کر لینے یا اس سے بری الذمہ کر دینے کا احتمال نہیں رہتا، اگر حکمران نے قطع ید کا حکم دے دیا اور مالک نے چور کو معاف کر دیا تو اس کی معافی لغو اور باطل ہوگی۔ چونکہ معاف کرنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب معاف کرنے والا اپنے حق کو معاف کر رہا ہے جبکہ قطع ید تو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسی لیے حنفیہ کے ہاں ایک فقہی قاعدہ مقرر ہے کہ ”حدود کے متعلق صلح کرنا باطل ہے۔“ ①

اس پر یہ مسئلہ بھی مرتب ہوتا ہے کہ حد سرقہ میں تدخل جاری ہوتا ہے، اگر کسی شخص نے متعدد بار چور کی ہو اور ہر مرتبہ یا ایک ہی بار کیس عدالت میں دائر کیا گیا ہو اور چور پر ایک ہی بار حد جاری کر دی گئی ہو تو یہ حد کل چوریوں کے لیے کافی ہوگی۔ چونکہ جو جرائم ایک ہی جنس کے ہوں تو ان میں حد واحد ہی کافی ہوتی ہے۔ چونکہ حد کا مقصد ڈانٹ ڈپٹ اور عبرت دلانا ہے اور یہ مقصد حد واحد سے حاصل ہو جاتا ہے۔

جب حد حاکم وقت کی عدالت میں ثابت ہو جائے تو اسے معاف کرنا جائز نہیں۔ اس میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس میں معافی اور سفارش جائز نہیں۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، آپ سے سفارش کی گئی کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو یہ فیصلہ سناتے تو نہیں دیکھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کر لیتی تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی۔ ② زیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب حد کا معاملہ حاکم وقت کی عدالت میں پہنچ جائے تو سفارش کرنے والے اور کروانے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ ③

دوسری بحث..... موجب حد سرقہ کی شرائط

حد قائم کرنے کی مختلف شرائط ہیں۔ ان میں سے بحث شرائط کا سارق (چور) میں پایا جانا ضروری ہے۔ بعض شرائط کا مال مسروق میں پایا جانا ضروری ہے اور بعض کا مسروق منہ یعنی مالک میں پایا جانا ضروری ہے اور بعض شرائط چوری کے مقام اور جگہ کے متعلق ہیں۔

سارق کی شرائط..... چور میں یہ شرط ہونا ضروری ہے کہ اس میں ہاتھ کٹنے کی اہلیت موجود ہو۔ یعنی چور عاقل ہو، بالغ ہو، اختیار رکھتا ہو اور اسے علم بھی ہو کہ چوری کا فعل حرام ہے۔ چنانچہ بچے اور مجنون کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، مجنون یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے اور سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ نیز قطع ید سزا ہے جو جنایت اور جرم کی مقتضی ہے۔ جبکہ بچے اور مجنون کا فعل جنایت سے متصف نہیں ہوتا، اسی طرح مکروہ (مجبور) پر بھی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ چونکہ وہ بھی مرفوع القلم ہے۔ اسی طرح اگر کسی نو مسلم نے کوئی چیز چرائی اور اسے چوری کی حرمت کا علم نہیں تھا تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر ایک جماعت نے مل کر چوری کی واردات کی۔ ان میں کوئی بچہ یا مجنون بھی شریک ہو تو امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پوری جماعت کا قطع ید نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اعتبار سامان نکالنے کا ہے۔ چنانچہ اگر بچے یا مجنون نے حرز (محفوظ جگہ) سے سامان نکالا تو حد ساقط ہو جائے گی، اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور نے سامان نکالا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ہاں البتہ بچے اور مجنون کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ حرز سے سامان نکالنا چوری میں اصل ہے اور معاون تو اصل کے تابع ہوتا ہے۔

امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سرقہ (چوری کی واردات) واحد ہے اور اس کا ثبوت ایسے شخص پر ہو گیا

①..... الفراند البھیة فی القواعد الفقھیة للشیخ محمود حمزہ، ص ۱۲۷۔ متفق علیہ ہیں احمد والشیخین (نیل الاوطار

② (۱۳۵/۷) رواہ مالک فی المؤطا عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن (نیل الاوطار المرجع السابق)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۵ اسلام میں دنیوی سزائیں
ہے جس پر قطع ید واجب ہے اور ایسے شخص پر بھی ہوا ہے جس پر قطع ید واجب نہیں۔ لہذا احتمال ہے اس لیے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ ایسا
ہی ہے جیسے کسی جرم میں خطا کار کے ساتھ کوئی عائد (جان بوجھ رکھنے والا) شامل ہو جائے اور سامان نکالنے کا ثبوت باعتبار معنی کے ہے۔ ❶
چور میں عاقل و بالغ ہونے کی شرط متفق علیہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے چور کے مختار ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ یعنی چور اپنے اختیار
سے چوری کرے اور وہ احکام اسلام کا پابند بھی ہو۔ چنانچہ مکرمہ (مجبور) کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:
”میری امت سے خطا، نسیان اور وہ امر جس پر انہیں مجبور کیا جائے اٹھالیا گیا ہے۔“

حربی پر بھی حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ حربی نے احکام اسلام کی پابندی نہیں کی ہوئی اور مستامن (ویزہ لے کر دارالاسلام میں آنے
والے) پر حد واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب نہیں، چونکہ حد شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خالص اللہ تعالیٰ
کا حق ہے۔ لہذا مستامن پر حد سرقہ واجب نہیں جیسے حد زنا اور حد شرب واجب نہیں۔ دوسرا قول کہ اس پر حد واجب ہوگی، چونکہ حد سرقہ آدمی
کے حقوق کے تحفظ کے لیے واجب ہوتی ہے۔ لہذا حد قذف کی طرح مستامن پر حد سرقہ بھی واجب ہوگی۔
مالکیہ نے شرائط میں ایک شق کا اور اضافہ کیا ہے کہ چور اور مالک کے درمیان ولادت کا تعلق نہ ہو۔ چنانچہ اگر باپ نے بیٹے کا مال چوری
کر لیا تو باپ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چنانچہ حدیث کی وجہ سے شبہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:
”تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔“

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ نے دادا کا بھی اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ پوتے کے مال میں دادا کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ابو
حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذی رحم خرم کی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے، البتہ میاں بیوی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل آچا جاتی ہے۔ مالکیہ
نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ چور بوجہ بھوک حالت اضطرار میں نہ ہو۔ حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ چور کو چوری کی حرمت کا علم ہو۔ البتہ اگر بیٹے
نے باپ یا ماں کا مال چوری کر لیا تو مالکیہ کے نزدیک بیٹے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ بقیہ مذاہب میں بیٹے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ عادت بیٹے کو
باپ کے مال پر دسترس حاصل ہوتی ہے۔ گویا بیٹے کی چوری میں اسقاط حد کا شبہ آ جاتا ہے۔

مسروق کی شرائط..... جو مال چوری کیا جائے اس میں چند شرائط کا پایا جان ضروری ہے۔

۱۔ یہ کہ مال مسروق مال مقنوم ہو..... مال سے مراد وہ چیز ہے جس سے لوگ مالدار ہوتے ہوں اور عرف عام میں لوگ اسے مال
سمجھتے ہوں۔ چونکہ جو چیز مال ہو وہ قابل عزت اور قابل احترام سمجھی جاتی ہے اور جو چیز قابل احترام نہ ہو وہ حقیر سمجھی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہی عرف مشہور تھا۔ مقنوم سے مراد وہ چیز ہے جس کی کوئی قیمت ہو اور تلف کنندہ کو اس کا نمان دینا پڑتا ہے۔
نیز برائیں اگر کسی آدمی نے کوئی آزاد بچہ چر لیا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ آزاد انسان مال نہیں ہوتا۔ ❷ ہاں البتہ چور پر تعزیر
ہوگی، اگر کسی شخص نے شراب یا خنزیر یا مردار کی کھال چوری کر لی تو بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر
مال مقنوم نہیں اور مردار کی کھال کی بھی کوئی مالیت نہیں ہوتی، یہ شرائط متفق علیہ ہے۔ لہذا وعب کے آلات چوری کرنے پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے
گا۔ جیسے بانسری، سارنگی، بینڈ باجے، ڈھول وغیرہ۔ بت، صلیب وغیرہ کی چوری پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ یہ چیزیں غیر مقنوم ہیں۔
مباح الاستعمال نہیں بلکہ معصیت کا خاتمہ تو مستحب ہے۔

۲۔ مال مسروق نصاب کو پہنچتا ہے..... چنانچہ عام تاف اور حقیر چیز پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ نصاب کے متعلق فقہاء کا اختلاف

❶ البدائع ۷/۲۷۷، تبیین الحقائق للزیلعی ۲/۱۱۳، فتح القدیر ۳/۲۲۰، المہذب ۲/۲۷۷، القوانین الفقہیہ، ص ۳۵۹۔
❷ فتح القدیر ۳/۲۳۰۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۶ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
ہے، حنفیہ کہتے ہیں: چوری کا نصاب ایک دینار یا دس دراہم ہیں یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت نصاب۔ ① اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دس دراہم سے کم پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ② اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔ ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ایک دینار پر یا دس دراہم پر۔ ③ ایک حدیث یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ڈھال کی قیمت میں۔ چنانچہ اس زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔ ④

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سرقہ کا نصاب چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین دراہم ہے۔ یا ساز و سامان کی ان کے مساوی قیمت، ہاں البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سونے اور چاندی کی چوری کے علاوہ بقیہ اشیاء کی چوری میں چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک چوتھائی دینار کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ: ہاتھ چوتھائی دینار اور اس سے زائد پر کاٹا جائے گا۔ ⑤ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال پر ہاتھ کاٹا۔ اس کی قیمت تین دراہم تھی۔ ⑥ اور تین دراہم چوتھائی دینار کی قیمت ہے۔ ⑦

مذکورہ تفصیل سے منشاء اختلاف بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اصل اختلاف ڈھال کی قیمت میں ہے جس کے بدلہ میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کی قیمت ایک دینار تھی۔ دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ اس کی قیمت چوتھائی دینار تھی۔ تاہم احادیث صحیحہ جمہور کی مؤید ہے اور اس کی رائے رائج ہے۔ ⑧

صفاتِ نصاب..... حنفیہ کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ دراہم کھرے ہوں، اگر کھوٹے دراہم چوری کیے یا درہم کے علاوہ کوئی اور چیز چوری کی تو اس وقت تک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب تک مالک مسروقہ کی قیمت کھرے دس دراہم کو نہ پہنچ جائے۔
اور وہ دراہم بھی وزن سبب کے برابر ہوں۔ ① چونکہ جب لفظ درہم مطلقاً بولا جاتا ہے تو مراد وزن سبب ہی ہوتا ہے۔ نیز وزن سبب کا درہم درمیانی قسم کا درہم ہے۔ ورنہ دراہم اس سے بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، کیا دراہم کا ڈھلا ہونا ضروری ہے؟ تاہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر چاندی کی ڈلی چوری کرنی گئی اور لوگوں کے ہاں ڈلی سے لین دین کا رواج ہو اور ڈلی دس دراہم کے بقدر ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ لوگوں کے درمیان لین دین کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی دلیل: دس دراہم پر ہاتھ کاٹنے کی حدیث کا مطلق ہونا ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہم اور امام کفری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: دراہم کا ڈھلا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ حدیث میں دراہم کا ذکر ہے اور عرف میں دراہم سے مراد وہی ہوتے ہیں جو ڈھلے ہوئے ہوں۔ یہی ظاہر الراویہ ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ چنانچہ اگر

①..... المبسوط ۱۳۷/۹، البدائع ۷/۷، فتح القدير ۲۲۰/۳۔ ② رواہ احمد عن عبد اللہ بن عمر وفيہ نصر بن باب ضعفہ الجمهور وقال احمد لاباس به ورواہ الطبرانی عن ابن مسعود (جمع الزوائد ۲۷۳/۶ نصب الراية ۳۵۹/۳) ③ هذا من آثار ابن مسعود رواہ عبدالرزاق والطبرانی وهو موقوف كما قال الهيثمي وفيه القاسم ابو عبد الرحمن ضعيف۔ ④ رواہ ابن ابی شيبة (جامع الاصول ۱۱۳/۳، نصب الراية ۳۵۹/۳۔ ⑤ رواہ احمد واصحاب الكتب الستة عن عائشة بالفاظ متعددة۔ ⑥ اخرجه البخاري ومسلم والموطا وابوداؤد والترمذي والنسائي عن عبد الله بن عمر (جامع الاصول ۳۱۱/۳، نصب الراية ۳۵۵/۳) ⑦ المنتقى على الموطا ۱۵۶/۷، بداية المجتهد ۲۷۳/۲ حاشية الدسوقي ۳۳۳/۳، المذهب ۲۷۷/۲، مغنی المحتاج ۱۵۵/۴، المغنی ۲۲۰/۸۔ ⑧ فتویٰ حنفیہ کے قول پر ہے۔ عصر حاضر میں تین دراہم کی چیز کو شے تانہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ⑨ شرح زبیری میں ہے کہ ہر درہم چھ دانق کا ہوتا ہے اور ہر دس دراہم سات مثقال کے ہوتے ہیں جبکہ مثقال نہ ہی زمانہ جاہلیت میں تبدیل ہوئی اور نہ ہی زمانہ اسلام میں۔ (سبل السلام ۱۲۸/۲ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۱۵۹)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۷ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
چاندی کی ڈلی چوری کر لی یا سونے کی ڈلی چوری کر لی جو ڈھلی ہوئی نہ ہو اور اس کی قیمت دس دراہم سے کم ہو تو چوری کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
اگر ڈلی کی قیمت دس دراہم کے مساوی ہو یا زائد ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❶

مسروق چیز کی قیمت کے اعتبار کا وقت

جمہور حنفیہ..... کہتے ہیں: چوری شدہ مال کی قیمت دس دراہم ہونا ضروری ہے اور جس وقت مال چوری کیا گیا ہو اس وقت سے لے کر ہاتھ کٹنے کے وقت تک دس دراہم کی قیمت کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اگر مسروق مال میں کمی واقع ہو تو پھر کمی یا تو عین مال میں ہوگی یا نرخ میں کمی واقع ہوگی۔

اگر عین مال میں نقص آ جائے مثلاً اس میں کوئی عیب آ گیا یا آدھا مال تلف ہو گیا یا کل مال تلف ہو گیا تو حد ساقط ہو جائے گی اور اگر مسروق مال کے نرخوں میں کمی واقع ہو مثلاً مال آٹھ دراہم کی قیمت کے برابر رہ جائے جبکہ بوقت چوری دس دراہم کے برابر تھا تو اس میں روایتیں ہیں۔

ظاہر الروایۃ..... یہ کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ نرخوں کی کمی سے شبہ آ جاتا ہے۔ چونکہ مال بعینہ موجود ہے اور اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو گویا نقصان چوری کے وقت موجود تھا، برخلاف اس کے کہ جب عین میں نقصان اور کمی واقع ہو۔ یعنی مال کا کچھ حصہ تلف ہو جائے اور ہلاک شدہ کا ضمان چور پر ہوتا ہے۔

دوسری روایت..... امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے کہ چوری شدہ مال کی قیمت کا اعتبار حرز (حفاظت) سے نکالتے وقت کا ہوگا، مسروق مال لینے کے بعد نرخوں کی کمی کا اعتبار نہیں، عین مال کی نقصان پر قیاس کیا گیا ہے۔ ❷ میرے نزدیک یہ رائے رائج ہے۔

یہ اختلاف اس صورت میں بھی چلے گا کہ جب کسی شخص نے ایک شہر میں چوری کی اور دوسرے شہر میں پکڑا گیا، چنانچہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب تک کہ دونوں شہروں میں مسروقہ مال کی قیمت دس دراہم تک نہ پہنچتا ہو۔

نصاب حرز واحد سے ہو..... جو نصاب قطع ید کے لیے موجب ہو اس کے لیے واجب ہے کہ جملہ نصاب حرز واحد سے اٹھایا گیا ہو۔ برابر ہے کہ مسروقہ مال شخص واحد کا ہو یا پوری جماعت کا، چونکہ یہ مسروقہ واحد ہے، بنا بریں اگر کسی شخص کے گھر سے پانچ دراہم چوری کیے اور پانچ دراہم دوسرے گھر سے چوری کیے تو قطع ید واجب نہیں۔ چونکہ یہ دو مختلف سرقات (چوریاں) ہیں جو مختلف حرزات سے کی گئی ہیں۔ لہذا قطع ید کا ان میں محل نہیں، اسی طرح اگر دو مرتبہ چوری کی اور دونوں مرتبہ کا مال ملا کر دس دراہم ہو تو بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ مال مسروقہ ہر بار نصاب سے کم رہا ہے۔ ❸

چوری میں پوری جماعت کا شریک ہونا..... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی جماعت چوری میں شریک ہو اور ہر شریک کے حصہ میں نصاب پہنچتا ہو تو ہر فرد کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر مسروق مال کلیۃً اتنا ہی ہو کہ نصاب کو پہنچتا ہو (یعنی ٹوٹل دس دراہم کی قیمت کے بقدر ہو) اور چوری میں جماعت شریک ہو تو اس صورت میں قدرے تفصیل ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ان میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ❹ چونکہ ان میں سے کسی نے

❶..... فتح القدیر ۲۲۲/۳، حاشیہ ابن عابدین ۳۱۱/۳، البدائع ۷/۷، المبسوط ۱۳۸/۹، مغنی المحتاج ۱۵۸/۳۔ ❷ البدائع ۷/۹، المنتقی علی المؤطا ۱۵۸/۷۔ ❸ البدائع، المراجع السابق ص ۷۸، حاشیہ ابن عابدین ۱۶۲/۳۔ ❹ حاشیہ الدسوقي ۳۳۵/۳، بداية المجتہد ۲۳۹/۲، المنتقی علی المؤطا ۷/۸، القوانين الفقہیۃ، ص ۳۵۹۔

بھی مکمل نصاب چوری نہیں کی۔ لہذا کامل سزا بھی واجب نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص انفرادی طور پر نصاب سے کم مال چوری کرے، نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار اور اس سے زائد میں۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے لیکن یہ حکم جرم قتل میں اشتراک کے مخالف ہے۔ یعنی اگر ایک جماعت مل کر کسی شخص کو قتل کرے تو قصاصاً پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا برخلاف چوری کے۔ چنانچہ جب جماعت پر قطع ید واجب نہیں ہوگا تو اشتراک اسقاط حد کا طریق بھی نہیں ہوگا۔ چونکہ جماعت کے ہر فرد کو نصاب نہیں پہنچ پارہا۔ اگر جماعت نے نصاب سے زائد چوری کی بائیں طور کہ ہر فرد کے حصہ میں نصاب آتا ہو تو قطع ید واجب ہوگا، حنفیہ کے نزدیک حکم میں مسروق کا اندازہ قطع ید کے دن کا لایا جائے گا۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: اگر دو آدمی یا اس سے زیادہ چوری میں شریک ہوں اور مال بقدر نصاب ہو اور ہر ایک انفرادی طور پر مال کو لادنے یا اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو تو کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر مال نکالنے میں انہیں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑی ہو تو پھر سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ گویا مطلب یہ ہوگا کہ ان سب نے مل کر جانور پر مال لادا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چوری کے دن مال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ❶

حنابلہ..... اگر کسی چوری میں جماعت شریک ہو اور چوری شدہ مال کی قیمت تین دراهم ہو تو پوری جماعت کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ فرد واحد اور پوری جماعت حرز توڑنے میں برابر ہوئے ہیں اور چوری کا نصاب ہاتھ کاٹنے کا موجب ہے، لہذا فرد واحد اور جماعت برابر ہیں جیسے قصاص میں برابر ہوتے ہیں۔
ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ: امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مجھے زیادہ محبوب ہے، چونکہ یہاں قطع ید میں کوئی نص نہیں ہے اور نہ ہی یہ صورت منصوص اور مجمع علیہ کے معنی میں ہے۔ لہذا قطع ید واجب نہیں۔ حد کو ساقط کرنا واجب قرار دینے سے بہتر ہے اور یہی احوط ہے۔ چونکہ حد شہادت سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ❷

۳۔ مال مسروق محرز ہو..... اس شرط کی اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: بھل اور خوشے میں اس وقت تک قطع ید نہیں کیا جائے گا جب تک انہیں ٹوکری میں محفوظ نہ کر لیا جائے اور جب کھجور ٹوکری میں محفوظ کر لیا جائے تو پھر اس میں (چوری پر) قطع ید ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے: جب اصطلل اور ٹوکری میں محفوظ ہو جائے۔ ❸

حرز..... لغت میں اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے۔ شرعی تعریف یہ ہے: حرز وہ چیز ہے جسے عادیہ لوگوں کے مال کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ جیسے گھر، دکان، خیمہ اور شخص وغیرہ۔ حرز کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حرز بنفسہ..... یعنی ایسی جگہ جو حفاظت اور حرز کے لیے مقرر کی گئی ہو اور اس میں داخل ہونا ممنوع ہو۔ ہاں البتہ اجازت سے داخل ہو یا جائے، جیسے گھر، دکان، خیمہ، الماریاں اور صندوق۔

۲۔ حرز لغيرہ..... یعنی ایسی جگہ جو حفاظت اور حرز کے لیے مقرر نہ ہو اور نہ ہی اس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو اور بغیر اجازت کے اس میں داخلہ ہوتا ہو اور داخلہ ممنوع نہ ہو جیسے مسجدیں، راستے اور بیابان۔

❶ المغنی ۲۸۲/۸، غایۃ المنتہی ۳۳۷/۳، قال الزیلعی غریب بهذا اللفظ و بمعناه ما خرجه ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (تفصیل کے لیے دیکھیے جامع الاصول ۳۱۸/۲، نصب الرایۃ ۶۲/۳۔ سبل السلام ۲۳/۲، التلخیص الحبر ص ۳۵۶، نیل الاوطار ۱۷۷/۷۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۷۹ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
اس کا اعتبار ہوگا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوکری اور اصطل کا اعتبار کیا ہے اور اسی پر قطعید کو معلق کیا ہے اور محافظ کی شرط نہیں لگائی، چونکہ یہ حرز ہو چکی۔

دوسری قسم..... اس کا حکم صحراء کا حکم ہے بشرطیکہ یہاں کوئی محافظ نہ ہو اور اگر مال کے پاس محافظ ہو تو پھر یہ حرز کے حکم میں ہے، خواہ محافظ سویا ہو یا بیدار ہو، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان رضی اللہ عنہ کی چادر کے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جبکہ صفوان رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے۔

الف۔ اگر قافلے سے گٹھڑی چرائی جائے..... قطار میں چلتے ہوئے اونٹوں میں سے کسی اونٹ کی پشت سے اگر کسی شخص نے گٹھڑی چرائی تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ چور نے نفس حرز کو اچکا ہے اور نفس حرز میں نہیں آتی، اس لیے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ نیز گٹھڑی چوپائے کی پشت پہ ہوتی ہے، اسے محرز قرار دینا کافی نہیں۔ چونکہ چوپائے کی پشت حرز مقصود نہیں، چونکہ قطار کے قائد کا مقصد قطع مسافت ہے۔ حفاظت اس کا مقصد نہیں، قائد تو صرف اس چوپائے کا محافظ ہوتا ہے جس کی لگام اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوتی ہے۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ بظاہر یہ رائے عرف سے متاثر گئی ہے۔ آج کل کا عرف یہ ہے کہ قافلے کا قائد لے ہوئے ساز و سامان کا محافظ ہوتا ہے۔ آئمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ چوپایوں کا قائد محافظ بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ جہاں اس کا مقصد قطع مسافت ہے وہاں اس کا مقصد حفاظت بھی ہے۔ اگر چور نے گٹھڑی کھول کر اس میں سے سامان نکال لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ گٹھڑی سامان کے لیے حرز ہے۔ ❶

ب۔ اگر مالک کو چور کا پتہ چل جائے..... یعنی چور نے مال ابھی حرز سے باہر نہ نکالا ہو تو مالک کو پتہ چل جائے اور چور سے مال چھین لے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ حرز سے مال باہر نہیں نکالا گیا، اگر مالک مال واپس نہ لے سکے یا تو اسے جھگڑے کا خوف ہو یا لینے سے عاجز ہو پھر اگر چوری کی واردات دن کی ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ چوری کا ابتداء اور انتہاء حنفیہ ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر گیا۔ اگر چوری کی واردات رات کو ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن یہ حکم حنفیہ کے نزدیک استحسانا ہے، چونکہ رات میں ابتداء حنفیہ ہونا کافی ہے کیونکہ رات کو چوری کی اکثر واردات غلبہ پا کر وقوع پذیر ہوتی ہے اور رات کے وقت مدد کا بروقت پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

ج۔ چور اگر سامان باہر پھینک دے..... اور باہر سے مالک سامان اٹھالے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ سامان نکالتے وقت چور کا ہاتھ اس پر ثابت نہیں رہا، اگر چور نے حرز سے سامان باہر پھینکا پھر باہر سے اٹھالیا تو قطعید واجب ہے، یہ حکم متفق علیہ ہے، امام زفر کا اس میں اختلاف ہے، وجہ یہ ہے کہ چور کی گرفت سامان پر بدستور رہی اور سامان تو محض حیلہ سازی کے طور پر باہر پھینکا ہے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سامان کو پھینکنا ہاتھ کاٹنے کا موجب نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چور باہر نکلے اور سامان نہ اٹھائے۔ ❷

د۔ حرز سے سامان تھما دینا..... اگر دو آدمی دیوار میں نقب لگا کر چوری کریں اور ایک اندر داخل ہو اور وہ سامان اٹھا کر باہر دوسرے کو تھما دے اور دوسرا شخص حرز سے باہر کھڑا ہو یا اندر والا باہر پھینک دے تو امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک چوری کی واردات کی تکمیل میں مستقل نہیں۔ چنانچہ اندر والے کا ہاتھ مسروق مال پر بالکل ثابت نہیں رہا اور باہر والے کی طرف سے ہتک حرز نہیں پایا گیا۔ لہذا چوری دونوں کی طرف سے مکمل نہیں ہوئی۔ حنفیہ کے نزدیک یہی رائج ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر اندر والے نے حرز سے ہاتھ باہر نکال کر باہر والے کو سامان تھما دیا تو اندر والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر باہر والے نے ہاتھ داخل کر کے سامان لیا تو دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ اندر والے کی جانب سے سامان کا باہر نکالنا نہیں پایا گیا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۸۰ اسلام میں دنیوی سزائیں اور باہر والے سے ہتک حرز نہیں پایا گیا، لہذا سرقہ تام نہیں ہوا۔

امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر اندروالے نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اس کا ہاتھ تو کاٹا جائے گا اور اگر باہر والے نے ہاتھ داخل کیا تو دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، چونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرز میں داخل ہونا شرط نہیں۔ ❶ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: صرف اندروالے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ باہر والے کا نہیں۔ چونکہ اندروالے نے ہی تو سامان باہر نکالا ہے۔ ❷

ھ۔ نقب لگا کر چوری کرنا..... یعنی نقب لگا کر حرز سے سامان نکالنا، اگر دو آدمی حرز میں نقب لگائیں، ان میں ایک اندر داخل ہو اور سامان نقب (سوراخ) کے قریب رکھ دے اور باہر والا اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے سامان کو حرز سے باہر نکال لے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ اندروالے کی جانب سے اخراج نہیں پایا گیا اور باہر والے سے ہتک حرز نہیں ہوا۔ لہذا سرقہ تام نہیں ہوا۔ اسی فقہی پہیلی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر چور ظریف الطبع اور چالاک ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ ❸

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: باہر والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چونکہ مقصد مال نکالنا ہے۔ حرز میں داخل ہونا نہیں۔ ❹ امام مالک کہتے ہیں: سامان باہر نکالنے والے کا بالخصوص ہاتھ کاٹا جائے گا۔ شافعیہ کہتے ہیں: اگر باہمی تعاون سے دونوں نے نقب لگایا ہو اور سامان انفرادی طور پر ان میں سے ایک نے باہر نکالا ہو یا نقب کے قریب رکھ دیا ہو اور دوسرے نے سامان باہر نکالا ہو تو باہر نکالنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن اگر سامان نقب کے درمیان رکھ دیا گیا اور باہر والے نے سامان اٹھالیا اور سامان دونوں کے مساوی ہو تو ظاہر مذہب میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر ایک شخص نے نقب لگایا اور دوسرے نے مسروق مال نکالا تو بھی کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ❺ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے چونکہ وہ دونوں ہتک حرز میں شریک ہیں اور دونوں نے مل کر سامان باہر نکالا ہے۔ لہذا قطعید دونوں کو لازم ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے دونوں نے مل کر سامان اٹھایا ہو اور باہر نکالا ہو۔ ❻ میرے نزدیک یہ رائے زیادہ صحیح ہے۔ چونکہ چوری کی واردات میں دونوں شریک ہیں۔

و۔ چوری میں شراکت داری..... اگر جماعت گھر میں داخل ہو اور سامان اٹھا کر ایک شخص کی پیٹھ پر لا دیں، باقی خالی باہر نکل آئیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک قیاس یہ ہے کہ جس نے سامان نہیں اٹھایا ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے یہی امام زفر، مالکیہ اور شافعیہ کا قول ہے چونکہ سرقہ بھی تام ہوتا ہے جب اٹھانے کے بعد سامان کا اخراج بھی ہو۔ ❷ حنفیہ کے نزدیک اتحسان یہ ہے کہ سب شرکاء کے ہاتھ کاٹے جائیں چونکہ مسروقہ مال پوری جماعت کی معاونت سے باہر نکالا گیا ہے اور اجتماعی چوری عام طور پر یوں ہی ہوتی ہے۔ ❸ یہی حنابلہ کا قول ہے۔

ز۔ طرار (جیب کترا) اور کفن چور..... حنابلہ نے طرار کی تعریف یوں کی ہے: وہ شخص جو جیب یا آستین کو کاٹ کر مال لے جائے۔

❶..... المبسوط ۱۳۷/۹، فتح القدر ۳۴۳/۴، الاختیار ۱۰۶/۴ ❶ حاشیۃ الدسوقی ۱۴۷/۹، فتح القدر ۳۴۳/۴، المہذب ۲۷۹/۲، المغنی ۲۸۳/۸، غایۃ المنتہی ۳۳۸/۳ ❷ هذا مانقله الحنفیۃ فی کتبہم ویحتاج ذالک الی مزید من الثبوت۔ ❸ المبسوط ۱۳۷/۹، فتح القدر ۲۴۵/۴، تبیین الحقائق للزیلعی ۲۲۳/۳ ❹ حاشیۃ الدسوقی ۳۴۳/۴، بدایۃ المجتہد ۳۴۰/۲، المہذب ۲۸۰/۲، مغنی المحتاج ۱۷۱/۴ ❶ المغنی ۲۸۳/۸، غایۃ المنتہی ۳۳۸/۳ ❷ الشرح الکبیر ۳۳۵/۴، الام ۱۳۷/۶، مغنی المحتاج ۱۷۲/۴ ❸ فتح القدر ۲۴۴/۴، المغنی ۲۸۳/۸۔

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۱۸۱ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 فقہاء کا اتفاق ہے کہ جیب کترے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❶ جبکہ متفق رائے جس میں مصلحت بھی ہے وہ یہ ہے کہ طرار وہ شخص ہے جو کسی آدمی کے جیب یا آستین یا کسی تھیلی وغیرہ سے مال اٹھالے، چاہے جیب کاٹے یا نہ کاٹے۔
 البتہ حنفیہ نے جیب کترے کے متعلق تھوڑی تفصیل بیان کی ہے۔ اگر مال کی چوری آستین کاٹ کر کی گئی ہو اور دراہم آستین کے ظاہری حصہ میں ہوں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ حرز آستین ہے اور آستین کٹنے کے بعد دراہم ظاہری حصہ پر آئے، گویا مال حرز سے نہیں اٹھایا گیا۔

اگر دراہم آستین کے داخل حصہ میں ہوں تو ہاتھ کاٹا جائے گا چونکہ آستین کاٹنے کے بعد دراہم اندر کی طرف تھے تو گویا مال حرز سے اٹھایا گیا اور وہ آستین ہے لہذا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اگر جیب سے مال نکالنے کی واردات ڈوری وغیرہ کے کھولنے سے ہوئی ہو اور اس طرح کھولی ہو کہ دراہم آستین سے باہر گریں۔ بایں طور کہ گرہ آستین کے داخلہ حصہ میں لگائی ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ اس نے حرز سے مال نہیں اٹھایا۔
 اور اگر گرہ کھولنے سے دراہم آستین کی اندر گریں اور پھر آستین میں ہاتھ داخل کر کے مال نکالا گیا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ حرز سے مال اٹھایا گیا ہے۔

خلاصہ..... حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ حقیقہ حرز کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں، جمہور کی رائے کو ترجیح دینا بہتر ہے تاکہ جیب کتروں سے حفاظت ہو سکے۔

کفن چور..... یعنی وہ شخص جو مردوں کے کفن چوری کر لے، اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگرچہ قبر مقفل کوٹھری میں کیوں نہ ہو، چونکہ قبر بنفسہ حرز نہیں ہے کیونکہ عادۃ قبر میں اموال کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف کہتے ہیں: کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چونکہ کفن چور بھی حقیقہ چور ہے یا چور کے ساتھ ملحق ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا..... المائدہ ۵/۳۸

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہمارے مردوں کی چوری کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے زندوں کی چوری کرنے والا۔ ❷
 حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہمیں جلانے کا ہم اسے جلانیں گے، جو ہمیں پانی میں ڈبوئے گا ہم اسے ڈوبیں گے جو کفن چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ ❸

ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قبر کفن کی حرز ہے چونکہ کفن تو قبر ہی میں چھوڑا جاتا ہے کہیں اور اتار کر نہیں رکھا جاتا، لہذا کفن کی حرز قبر ہی ہے۔ ❹
 ہاں البتہ شافعیہ نے جنگل اور صحراء کی قبر کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ ایسی قبر سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ جنگل کی قبر حرز کے معنی میں نہیں، کیونکہ جنگل میں مردے کو کسی ضرورت کی بناء پر دفن کیا جاتا ہے، بخلاف اس قبرستان کے جو آبادی کے ساتھ ملحق ہو،

❶..... الميسوط ۱۵۹/۹، حاشیة ابن عابدین ۲۱۹/۳ مختصر الطحاوی ص ۲۷۳، البدائع ۶۹/۷ غایۃ المنتہی ۳۳۰/۳۔

❷ اخرجه الدارقطني من حديث عمرة. ❸ رواه البيهقي في المعرفة وقال في هذا الاسناد بعض من يجهل حاله او روى الدارقطني عن عائشة (نصب الراية ۳/۳۶۲، التلخيص الحبير، ص ۳۵۶) ❹ حاشیہ الدسوقي ۳۳۰/۳، بداية المجتهد

۳۳۰/۳، مغنی المحتاج ۲/۱۶۹، المہذب ۲/۱۷۸، المغنی ۸/۲۷۷۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۸۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

ان گندگیوں سے بچاؤ کرنے کے لیے جمہور کی رائے رائج ہے۔

ح۔ مشترک گھر..... اگر کسی گھر میں چند لوگ مشترک طور پر رہ رہے ہوں جیسے اجرت پر لیا ہوا کمرہ یا فلیٹ، ایسے کمرے سے سامان چوری ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ گھر بڑا ہو بایں طور کہ ہر کمرے کے رہائشی گھر کے صحن سے مستغنی ہوں۔
حنابلہ کے نزدیک بھی ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ دروازہ موقوف ہو، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سامان نکالنے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔
اگرچہ پورے گھر سے سامان باہر نہ نکالا ہو۔ ❶

ط۔ بازاروں میں رکھا سامان..... حنفیہ کے نزدیک اگر رات کے وقت بازار سے سامان چوری کیا گیا تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر دن کے وقت چوری کی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ دن کے وقت حرز میں خلل آ جاتا ہے کیونکہ دن کے وقت بازار میں آنے جانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: تجارتی دکانوں سے یا بازار سے چوری کیے گئے مال پر ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ چور سامان کو سمیٹ لے یا اپنے پاس کسی تھیلے وغیرہ میں ڈال دے، بناء بریں آج کل سڑکوں سے جو گاڑیاں چوری ہو جاتی ہیں تو ان کے چور کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا چونکہ سڑک گاڑی کے لیے حرز ہے، حرز رہا کسی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں عادیہ اموال کی حفاظت کی جائے۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر بازار میں چوکیدار ہو یا سامان کے پاس کوئی محافظ موجود ہو تو ایسی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❷

۴۔ اگر چوری کیا ہو مال ایسی چیز ہو جو ذخیرہ کی جاسکتی ہو اور جلدی خراب نہ ہوتی ہو..... امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ اشیاء جو جلدی خراب ہو جائیں ان کو چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جیسے انگور، انجیر، سرجل، سبزیاں، روٹی، کھیرے، مکڑی، خربوزے، حلال بنید، نخوڑا، اور اس (جوس) دودھ، خواہ یہ اشیاء حرز سے اٹھائی گئی ہوں یا غیر حرز سے، ان کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ثمر (پھل) اور کثر پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

نیز عادیہ ان اشیاء کو مال نہیں شمار کیا جاتا، لہذا ان اشیاء کا معرض خطر ہونا لوگوں کے نزدیک قلیل ہے۔ لہذا تلافی کے حکم میں ہیں، نیز یہ اشیاء جلدی خراب ہو جاتی ہیں۔ اس لیے غیر حرز کے مشابہ ہیں۔ اگر ایسی چیز ہو جو ایک سال تک ذخیرہ کی جاسکتی ہو جیسے اخروٹ، بادام، چھوڑے، خشک میوے، سرکہ، شہد تو ان کو چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❸

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو چیزیں ذخیرہ رکھنے کا احتمال نہیں رکھیں، ان کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ حقیقتاً ان چیزوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور شرعاً ان چیزوں سے نفع اٹھانا مباح ہے۔ لہذا یہ چیزیں بھی مال ہیں۔ اس لیے بقیہ اموال کی طرح ان میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❹ یہ رائے ہمارے عرف کے مطابق ہے، چونکہ پھل اہم مال شمار کیے جاتے ہیں تاہم حکم میں نہیں، جیسا کہ ماضی میں عرف رہا ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ہر وہ مال جس کی خرید و فروخت جائز ہو اور مالدار ہونے کے لیے اسے فروخت کیا جاتا ہو اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے، خواہ وہ مال از قسم طعام ہو یا کپڑا، جانور ہو یا قیمتی پتھر، شکار ہو یا شیشہ، چونکہ آیت میں عموم ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا..... المائدہ ۵/۳۸

چوری کرنے والے مرد اور چور کی کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹو۔

❶..... فتح القدیر ۲/۲۳۴، المؤطا ۳/۵۰، الام ۶/۱۳۶، المغنی ۸/۲۵۶، المہذب ۲/۲۸۰۔ ❷ المرجع السابقہ۔

❸ المبسوط ۹/۱۵۳، فتح القدیر ۴/۲۲۷، البدائع ۷/۶۹۔ ❹ المرجع السابقہ

فقہ الاسلامی واولیہ..... جلد ہفتم ۱۸۳ اسلام میں دنیوی سزائیں

نیز ان اموال میں عادیہ رغبت ظاہر کی جاتی ہے۔ جب سرقہ کی جمع شرائط پائی جائیں گی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❶

درختوں پر لٹکے پھل کی چوری..... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ درختوں پر لٹکے پھلوں اور خوشوں میں پڑی گندم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بشرطیکہ حرز نہ ہو اور اگر پھل محزر ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ حرز کا اعتبار لوگوں کے عرف پر ہوگا۔ لہذا عرف میں جسے حرز شمار کیا جائے گا اس پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو عرف میں حرز نہ ہو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ الغرض شریعت میں حرز کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ جو حدیث ہے کہ ”ثمر (پھلوں) کی چوری میں قطع ید نہیں۔“ یہ اہل مدینہ کے عرف کے مطابق ہے۔ چونکہ اس وقت مدینہ کے بازغات حرز کا حکم نہیں رکھتے تھے۔ اگر بازغات کے ارد گرد چار دیواری لگادی گئی ہو یا باڑ لگادی گئی ہو تو پھر بازغات حرز کے حکم میں ہوں گے تو قطع ید ہوگا۔ البتہ اگر پھل غیر حرز سے اٹھالیے گئے ہوں تو جمہور کے نزدیک ان کی قیمت دینا واجب ہوگی۔

حنا بلہ کہتے ہیں: پھلوں کی دو گنا قیمت دینا واجب ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس شخص نے حاجت مند ہوتے ہوئے پھل کھالیے اور اپنے کپڑوں میں نہ چھپائے تو اس پر کچھ تاوان نہیں اور جو شخص باغ سے کچھ پھل اپنے ساتھ لے کر نکلا تو اس پر دو گنا تاوان ہوگا اور سزا ہوگی، اگر پھل نوکری میں محفوظ کر لیے گئے اس کے بعد کسی نے ان میں سے چوری کی جن کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ❷ اگر پھل یا گندم خشک ہو گئے یا پھل توڑ کر نوکری میں محفوظ کر لیے پھر چوری کیے گئے تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ اب پھل مطلق مال کے حکم میں ہے اور ذخیرہ کرنے کرنے کے قابل ہے، اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ ❸

مسروق چیز جس کی اصل مباح نہ ہو..... جب کسی چیز کی اصل مباح ہو جیسی پرندے، بھوسہ، لکڑ، گھاس، بانس، شکار، مچھلی، رزق، سرخ مٹی، نورہ، اینٹ، کولہ، نمک، مچھیرے، شیشہ، کانچ وغیرہ تو اس کے سرقہ کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: جس چیز کی اصل مباح ہو اور دارالاسلام میں پائی جائے جیسے مذکورہ بالا اشیاء تو ان میں قطع ید نہیں ہوگا، البتہ ان اشیاء میں سے حنفیہ نے ساج کی لکڑی، آبنوس، صندل اور تیار شدہ لکڑ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لوگ ان اشیاء کو مال نہیں سمجھتے، یہ اشیاء بکثرت پائی جاتی ہیں اور مباح العام ہیں، لہذا تافہہ کے حکم میں ہیں جیسے مٹی، ہاں البتہ جو چیز قیمتی ہو اور اس کی قیمت بقیہ اشیاء سے زائد ہو تو اس پر قطع ید ہوگا چونکہ عادیہ لوگ اسے مال سمجھتے ہیں، وہ تافہہ کے حکم میں نہیں ہوگی، نیز ان اشیاء میں لوگ مشترک ہوتے ہیں، شراکت داری کی وجہ سے شبہ آ جاتا ہے اس لیے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ملاحظہ رہے کہ امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط میں عدم مالیت پر اعتماد کیا ہے، جس کے مباح ہونے پر نہیں کیا چونکہ یہ چیز تو سونا اور چاندی میں بھی ہے۔ بنا برائیں یہ اشیاء جب مال بن جائیں تو حد سرقہ واجب ہوگی۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: مال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ مال کی اصل مباح ہو جیسے شکار، پانی، لکڑ، گھاس، معدنیات یا غیر مباح ہو، ان کی دلیل عموم آیت ہے، نیز یہ مال حرز ہے۔ میرے نزدیک راجح یہی ہے چونکہ لوگ ان اشیاء کو مال سمجھ کر رکھتے ہیں۔

۶۔ مال مسروق معصوم ہو، چور کو اٹھانے کا حق نہ ہو اور نہ ہی اٹھانے کی کوئی تاویل ہو اور نہ ہی اس سے لینے کا شبہ ہو..... اس شرط کے لگانے کا سبب یہ ہے کہ قطع عقوبت محضہ ہے لہذا جنائیت اور جرم محض کی مقتضی ہے اور اپنے حق کو لینا جنائیت محضہ نہیں

❶..... بدایۃ المجتہد ۳/۲۴۱، المیزان، ۲/۱۶۲، المہذب ۲/۲۷۷، المغنی ۸/۲۶۴، نیل الاوطار ۷/۱۲۸، غایۃ المنتہی ۳/۳۳۷

❷ رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ و اخرجه الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً (راجع نصب الراية ۳/۳۶۳، سبل السلام ۳/۹۷، جامع الاصول ۳/۳۱۸، نیل الاوطار ۷/۱۲۷) ❸ راجع جامع الاصول ۳/۳۱۸

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۸۴ اسلام میں دنیوی سزائیں ہوتی۔ لہذا عقوبت کی مقتضی بھی نہیں ہوگی، اسی طرح ایسی چیز کو اٹھانا جس میں تناول (لینے کے حق) کی تاویل کی جاسکتی ہو یا تناول کا شبہ ہو تو یہ بھی جنایت محضہ نہیں ہوگی، لہذا عقوبت محضہ اس کے مناسب نہیں۔ اس شرط پر درج ذیل صورتیں متفرع ہوتی ہیں جن میں حد نہیں ہوگی۔

الف..... ایسے مباح اموال جن کا کوئی مالک نہ ہو۔

ب..... حربی متامن جو دارالاسلام میں آیا ہو، احتسانا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ حربی کے مال میں اباحت کا شبہ ہوتا ہے، قیاس تو یہ ہے کہ حربی کا مال چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا چونکہ حربی کو امان دینے اور اجازت ملنے سے اس کا مال معصوم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تلف کرنے پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ جیسے ذی کا مال تلف کرنے پر ضمان لازم ہوتا ہے۔

ج..... مسلمان یا ذمی کے مال کو اگر حربی متامن (جو اجازت لے کر دارالاسلام میں آیا ہو) چرائے تو حربی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ حربی کے اعتقاد میں مسلمان اور ذمی کا مال مباح ہے۔

د..... باغی کے مال کو اگر عادل چرائے تو بھی عادل کا ہاتھ نہیں کٹے گا چونکہ باغی کا مال معصوم نہیں ہوتا، اسی طرح اگر عادل کے مال کو باغی چرائے چونکہ باغی نے تاویل کرتے ہوئے اس کا مال اٹھا یا ہے۔

ھ..... مدیون سے چوری کیا ہو اموال جو کہ حسب ذیل تفصیل پر ہو۔

اگر مال مسروق مدیون کے حق کی جنس میں سے ہو مثلاً چور کے دس درہم مدیون کے ذمہ واجب ہوں اور چور دس ہی درہم چوری کر لے درحالیہ دین کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ مدیون کا مال لینا اس کے لیے مباح تھا، یہاں تک کہ اپنے حق سے اگر زند بھی لے لیتا تب بھی اس کا ہاتھ نہ کٹتا، چونکہ حق اور غیر حق میں شیوع اور اختلاط ہو چکا اور حق شائع کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، جیسے مال مشترک میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور اگر دین مؤجل (ابھی ادائیگی کا وقت نہ ہو) ہو تو احتسانا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں البتہ قیاس کی رو سے کاٹا جائے گا۔

وجہ قیاس..... جب دین مؤجل ہو تو حقدار کو مدت پوری ہونے سے قبل دین لینے کا حق نہیں ہوتا۔ لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی اجنبی نے مال چرایا ہو اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ استحسان..... مال لینے کا حق اگرچہ مدت پوری ہونے سے قبل نہیں ہاں البتہ مال لینے کا حق تو کم از کم ثابت ہے اور وہ حق دین ہے جو ذمہ میں واجب ہے، رہی بات اجل (مدت) کی سواس کا اثر تاخیر مطالبہ میں ہوگا، سقوط دین میں اس کا کوئی اثر نہیں، لہذا اس سبب کا پایا جانا شبہ پیدا کر دیتا ہے اور شبہ حد قائم کرنے کے منافی ہوتا ہے۔

اور اگر چوری شدہ مال چور کے حق کی جنس کے علاوہ ہو۔ مثلاً چور کا حق درہم تھا اور اس نے ایک دینار یا سامان چوری کر لیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی، امام رخنی نے یہی لکھا ہے، چونکہ چور نے ایسا مال اٹھا یا ہے جس کے اٹھانے کا اسے حق نہیں تھا، کتاب السرقة میں لکھا ہے کہ قطع ید نہیں ہوگا، یہی امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ①

ابن عابدین کہتے ہیں: دائن کا مدیون کے مال سے اپنے حق کی جنس کے علاوہ سے لینے کا عدم جواز متقدمین (حنفیہ) کے زمانے میں تھا چونکہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی زبردست پاسداری کرتے تھے۔ آج کل فتویٰ اس بات پر ہے کہ دائن مدیون کے کسی بھی مال سے اپنا حق قدرت پانے پر لے سکتا ہے۔ خصوصاً ہمارے علاقوں میں چونکہ حقوق کی چنداں رعایت نہیں کی جاتی۔

و۔ قرآن شریف کی چوری..... جس شخص نے قرآن مجید کا نسخہ چوری کر لیا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ قرآن مجید کے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۸۵ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 اٹھانے میں تاویل کی جاسکتی ہے کہ اٹھانے والے نے تلاوت کے لیے اٹھایا ہو، یہ حنا بلہ کا بھی مذہب ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کہتے ہیں: قرآنی نسخہ چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چونکہ مصحف مالی مقبوعہ ہے، شافعیہ نے اس نسخہ کو مستثنیٰ کیا ہے جو قرأت کے لیے وقف کیا گیا ہو، چنانچہ بیت المال سے چوری کرنے والے کی طرح مصحف نے چور کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ اس میں شبہ ہے۔^①

ز..... طلبہ، بانسری، صلیب، نزد (تاش) شطرنج اور لہو و لعب کے دوسرے آلات چوری کرنے پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ ان آلات لہو کے اٹھانے میں تاویل کی جاسکتی ہے کہ چور مالک آلات کو مکررات سے روکنا چاہتا ہے۔

ے۔ مسروق مال میں چور کی ملک نہ ہو اور ملک کی کوئی تاویل نہ ہو یا شبہ نہ ہو..... اس متفق علیہ شرط کے لگانے کا سبب وہی ہے جو سابقہ شرط میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ جب جنایت (جرم) پوری طرح کامل نہ ہو تو وہ کامل عقوبت (سزا) کی مقتضی نہیں ہوتی، اس شرط پر یہ مسائل متفرع ہوتے ہیں کہ چور نے جو چیز عاریۃ رکھی ہو اسے اٹھانے پر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جو چیز رہن رکھی ہو یا اجارہ پردی ہو اس پر بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔ چونکہ یہ چیز اس کی ملک ہوتی ہے، ایسی چیز جو چور اور مسروق عنہ کے درمیان مشترک ہو اسے چوری کرنے پر بھی ہاتھ نہیں کٹے گا چونکہ مشترک چیزیں چور کا حق ہے، اولاد کا مال چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہوگا، چونکہ اس میں ملک کی تاویل کی جاسکتی ہے یا اس میں شبہ ملک ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم بھی اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ اسی طرح باپ دادا کے مال کو چوری کرنے پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ عادیۃ فروع کو اجازت ہوتی ہے۔^②

اسی طرح بیت المال سے چوری کرنے پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ بیت المال عامۃ الناس کا مال ہوتا ہے، گویا بیت المال میں چور کا بھی حق ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے، ایک عامل نے آپ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر پوچھا تھا کہ ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے چونکہ ہر شخص کا بیت المال میں حق ہوتا ہے۔

شععی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے بیت المال سے چوری کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا: بیت المال میں اس کا بھی حصہ ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ اگر ذمی نے بیت المال سے چوری کر دی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چونکہ بیت المال میں ذمی کا کوئی حق نہیں ہوتا، اگر مالدار شخص نے بیت المال سے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، چونکہ بیت المال میں مالدار کا حق نہیں ہوتا۔

خلاصہ..... یہ ہے کہ جس شخص کی چوری میں شبہ آجائے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ حدیث ہے کہ حدود کو بہات سے ٹال دو۔ یہی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عموم آیت کی وجہ سے ہر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔^③

یہ کہ چور کو حرز میں داخلے کی اجازت نہ ہو یا اس میں اجازت کا شبہ نہ ہو..... ذوی الارحام میں ہے کہ کسی شخص نے اگر چوری کر دی^④ یا بیوی نے خاوند کی چوری کر دی تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ ذوی الارحام عادیۃ بغیر اجازت کے ایک دوسرے کے پاس

①..... المغنی ۲۴۷/۸، غایۃ المنتہی ۳۳۷/۳، المبسوط ۱۵۲/۹، الدر المختار ۲۱۸/۳ مغنی المحتاج ۱۶۲/۴، تکملة المجموع ۳۳۷/۱۸، القوانین الفقہیۃ، ص ۳۵۹ ② البدائع ۷/۷۰، فتح القدیر ۲۳۸/۳ ③ فتح القدیر ۲۳۵/۴، المغنی ۲۷۷/۸، غایۃ المنتہی ۳۴۱/۳، المہذب ۲۸۱/۲، المبسوط ۱۸۸/۹ حاشیۃ ابن عابدین علی الدر المختار ۲۲۰/۳، مغنی المحتاج ۱۶۳/۴ ④ ذوی الارحام ایسے دور شیعہ کہ ان میں سے ایک کو اگر مرد اور دوسرے کو عورت فرض کیا جائے تو ان کے درمیان نکاح نہ ہو سکے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۸۶ اسلام میں دنیوی سزائیں
خلل آ جاتا ہے، فی الجملہ یہ شرط متفق علیہ ہے۔

اسی طرح اگر خادم نے چوری کر دی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر مہمان نے اپنے میزبان کی چوری کر دی تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ پڑوسی کو اگر کسی جگہ آنے جانے کی اجازت ہو اور اس نے چوری کر لی تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ چونکہ جس جگہ آنے جانے کے اجازت مل جائے تو اس شخص کے حق میں وہ جگہ حرز نہیں رہتی۔ ❶ یہ بات مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خادم میں یہ شرط لگائی ہے کہ خادم ہنفسہ خدمت میں مصروف رہتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات میں موافقت کی ہے کہ زوجین میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ظاہر مذہب کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اقارب میں سے کسی نے چوری کر دی یا میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کی چوری کر دی تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ البتہ اصول و فروع کی قرابت اس سے مستثنیٰ ہے، ان کی دلیل عموم آیت سرقہ ہے۔ نیز نکاح ایسا عقد ہے جو منفعت پر واقع ہوتا ہے، وہ سقوط حد میں مؤثر نہیں ہوگا۔ جیسے اجارہ کی صورت میں اجیر اور مستاجر سے حد ساقط نہیں ہوتی جب ان میں سے کوئی ایک، دوسرے کی چوری کر دے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زوجین کی چوری پر قطع ید میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے۔ البتہ پہلی رائے زیادہ معقول ہے، چونکہ اقارب کے اٹھالینے کے معاملہ میں چشم پوشی کی جاتی ہے۔

۹۔ یہ کہ مسروقہ مال ہی چوری میں مقصود ہو، مقصود کے تابع نہ ہو..... اگر کسی شخص نے کتاب یا بلی چوری کی جس کے گلے میں سونے یا چاندی کا پٹہ پڑا ہو یا قرآن مجید کا نسخہ چوری کیا جو سونے یا چاندی سے مرصع ہو یا آزاد بچے کو چوری کیا جس کے گلے میں ہار پڑا ہو یا سونے چاندی کا برتن چوری کیا جس میں شراب پڑی ہو تو امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک اور شافعیہ کی ایک روایت کے مطابق چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ چوری سے مقصود کتاب یا بچہ ہے یا طعام ہے اور دوسری چیزیں اصل کے تابع ہیں۔ جب اصل مقصود میں قطع ید نہ ہو تو تابع میں بطریق اولیٰ قطع ید نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اور شافعیہ کی دوسری روایت کہ یہ شرط نہیں ہے، چونکہ متبوع کے ساتھ تابع کی چوری کا قصد بھی ہوتا ہے۔ نیز طعام جو برتن میں پڑا ہو جب اس نوعیت کا ہو کہ اس پر ہاتھ نہ کاٹا جاتا ہو تو اسے معدوم کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ لہذا برتن کا انفرادی طور پر اٹھانا معتبر ہوگا۔ لہذا اس میں قطع ید ہے۔ ❷ میرے نزدیک یہی رائے زیادہ معقول ہے۔

مسروق منہ کی شرائط..... مسروق منہ (یعنی جس شخص کی چوری ہو) اس میں یہ شرط ہے کہ مال پر اس کا قبضہ صحیح ہو، قبضہ صحیح کی تین قسمیں ہیں:

۱..... قبضہ ملک۔

۲..... قبضہ امانت، جیسے امانت رکھی ہوئی چیز پر امین کا قبضہ، مستعیر کا قبضہ اور مضارب شریک کا قبضہ۔

۳..... ضمان کا قبضہ جیسے غاصب کا قبضہ، بھاؤ تاؤ کی صورت میں قابض کا ہاتھ اور مرتب کا قبضہ، لہذا ان لوگوں سے جس نے چوری کر لی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر چور سے کسی نے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا چونکہ چور کا قبضہ قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔ گویا چور سے چیز کو اٹھا لینا ایسا ہی ہے جیسے راستے میں پڑی ہوئی چیز کو اٹھا لینا۔ ❸

مسروق فیہ کی شرائط..... مسروق فیہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مال چوری ہو، یہ شرط ہے کہ چوری کی واردات۔ دار عدل میں

❶..... البدائع ۷/۷، المبسوط ۱۵۱/۹، تبیین الحقائق ۲۲۰/۳، الدار المختار ۲۲۱/۳، المہذب ۲۸۰/۲، ❷ البدائع ۷/۷،

المہذب ۲۸۱/۲، ❸ البدائع: المرجع السابق ص ۸۰۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۸۷ اسلام میں دنیوی سزائیں
ہو، اگر چوری کی واردات دایر بغاوت یا دار حرب میں ہوئی تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چونکہ دار العدل کے علاوہ دوسری جگہ امام کو ولایت حاصل نہیں ہوتی، لہذا دار ابغاوت اور دار حرب میں چوری قطع ید کی موجب نہیں ہوتی۔ ①

تیسری بحث..... اثباتِ سرقہ

قاضی کے پاس چوری دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔

۱..... گواہوں سے ۲..... اقرار سے

گواہوں کی شرائط..... گواہوں کو قبول کرنے کی کچھ عام شرائط ہیں جو باب شہادت سے تعلق رکھتی ہیں، وہیں ان پر بحث کی جائے گی اور کچھ خاص شرائط ہیں جو حدود و قصاص سے تعلق رکھتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ②

۱۔ مرد ہونا..... حدود میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔

۲۔ عدالت..... یعنی گواہی عادل ہو، فاسق نہ ہوں، حدود میں فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

۳۔ اصالت..... گواہی براہ راست ہو۔ چنانچہ حدود میں گواہی پر گواہی قبول نہیں ہوتی چونکہ اس میں شبہ آ جاتا ہے۔

۴۔ حد قذف اور قصاص میں تقادم نہ ہو..... یعنی گواہی پرانی نہ ہو، چنانچہ اگر طویل زمانے کے بعد حد سرقہ کے متعلق گواہی دی گئی تو قبول نہیں کی جائے۔

۵۔ عدالت میں مقدمہ چلایا جائے..... یعنی جس شخص کا قبضہ صحیح ہو اور اس کا حق ہو وہ عدالت میں دعویٰ دائر کرے۔ مثلاً اسے حق ملک حاصل ہو یا قبضہ امانت رکھتا ہو یا ضمان کا حق رکھتا ہو، اگر گواہوں نے یوں گواہی دی کہ چور نے فلاں غائب شخص کا مال چوری کیا ہے اور مسروق منہ کی طرف سے دعویٰ دائر نہ کیا گیا ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ چور کو قید کر لیا جائے گا۔ چونکہ گواہوں کی خبر سے تہمت آ جاتی ہے اور تہمت کی بناء پر قید کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ رہے کہ مقدمہ چلانے کا حق اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے یہ صحیح (حق صحیح) حاصل ہو۔ چنانچہ مالک، امین اور ضامن کا حق صحیح ہوتا ہے اور مقدمہ بازی چوری کو ظاہر کر دیتی ہے۔ جب خصومت سے چوری واضح ہو جائے تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا..... المائدہ ۳۸/۵

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی مقدمہ بازی قطع ید کے حق میں غیر معتبر ہے۔ چنانچہ امین اور ضامن کی خصومت پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چونکہ اصل میں غیر مالک کا حق حق صحیح نہیں ہوتا۔

اگر ایک چور سے دوسرے چوری نے مال چرایا تو حنفیہ کے نزدیک پہلے چور کی خصومت غیر معتبر ہوگی چونکہ وہ نہ حق ملک رکھتا ہے نہ حق ضمان اور نہ حق امانت۔ کیونکہ پہلے چور سے مال کو اٹھالینا ایسا ہے جیسے راستے سے کسی چیز کو اٹھالینا۔

قسم سے مدعی علیہ کے انکار سے قاضی کے پاس چوری ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح قاضی کے علم سے بھی چوری ثابت نہیں ہوتی۔

①..... المرجع السابق۔ ② المبسوط ۱۶۹/۹، فتح القدیر ۲۲۳/۳، البدائع ۸۱/۷، تبیین الحقائق ۳۱۳/۳، حاشیہ ابن عابدین

۲۱۳/۳، غایۃ المنتہی ۳۴۲/۳، القوانين الفقہیہ ص ۳۶۰

اسلام میں دنیوی سزائیں۔ اقرار کی شرائط..... قاضی کے پاس چوری اقرار سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ چونکہ جب انسان اپنے اوپر کسی بات کا اقرار کر لیتا ہے تو اس پر یہ تہمت نہیں لگائی جاتی کہ اس نے اپنے اوپر جھوٹ بول دیا، امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطع ید کے لیے ایک بار اقرار کافی ہے۔ امام محمد اور جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

امام ابو یوسف اور حنابلہ کہتے ہیں: دوسرے اقرار کرنے سے ہاتھ کاٹا جائے گا جیسے گواہوں کی تعداد دو ہوتی ہے۔ امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسروق منہ کی طرف سے دعویٰ دائر کرنا ضروری ہے۔ اگر بدون دعویٰ کے چور نے قاضی کے پاس اقرار کر لیا کہ اس نے چوری کی ہے اور مسروق منہ (مالک) غائب ہو تو محض اس کے اقرار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: چوری کے اقرار میں دعویٰ کا ہونا قطع ید کے لیے شرط نہیں چونکہ انسان پر یہ تہمت نہیں لگائی جاتی کہ اس نے اپنی جان پر جھوٹ بول دیا۔ ❶

چوتھی بحث..... وہ امور جو وجوب حد کے بعد سقوط حد کا سبب بنیں

مختلف امور سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ ❷ وہ یہ ہیں:

۱..... چور سرقہ کا اقرار کرنا ہو اور مسروق منہ اس کے اقرار کی تکذیب کرتا ہو اور یوں کہتا ہو کہ تو نے میری چوری نہیں کی۔

۲..... مسروق منہ اپنے گواہی کی تکذیب کرتا ہو کہ میرے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے۔

۳..... چور نے اقرار سے رجوع کر لیا تو بھی اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ مال کا ضمان اس پر لاگو ہوگا۔ حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے مال ساقط نہیں ہوگا۔

۴..... مقدمہ چلانے سے قبل ہی چور مسروقہ مال مالک کو واپس کر دے تو امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قاضی کے پاس مقدمہ لے جانے سے قبل مال واپس کر دینے سے قطع ید ساقط نہیں ہوگا چونکہ چوری موجب حد ہے۔ مسروق مال کی واپسی سرقہ موجودہ سے نکل نہیں ہوگی۔

طرفین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مقدمہ بازی قاضی کے پاس ظہور سرقہ کی شرط ہے، جب چور نے مال مالک کو واپس کر دیا تو مقدمہ باطل ہو گیا، بخلاف اس کے کہ جب مقدمہ عدالت میں چلایا جائے اور اس کے بعد چور مال واپس کرے، اسی طرح گواہوں کی سماعت کے بعد اگر چور نے مال واپس کر دیا تو اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

۵..... اگر قاضی کے پاس مقدمہ لے جانے سے قبل چور مال کا مالک بن جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، اگر قاضی کا حکم نافذ ہو جائے اور فیصلہ ہو چکے پھر اس کے بعد چور مال کا مالک بنے تو قطع ید میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنفیہ اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں: حد ساقط ہو جائے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مقدمہ سے پہلے یا بعد مسروق منہ چور کو مال ہبہ کر دے یا چور مسروق منہ سے مال خرید کر مالک بن جائے۔ بشرطیکہ قاضی کا فیصلہ ابھی صادر نہ ہوا ہو۔

امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ اگر قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے بعد مسروق منہ

❶..... المبسوط ۱۸۲/۹، المہذب ۲۸۲/۲، القوانين الفقہیۃ ص ۳۶۱، غایۃ المٹہنی ۳/۳۲۲۔ ❷ البدائع ۸۸/۷، فتح القدیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۰ اسلام میں دنیوی سزائیں

کریں گے۔ رہزنی کو عربی میں قطع طریق کہا جاتا ہے، اور رہزن کو قاطع الطريق کہا جاتا ہے اس کی جمع قطع الطريق ہے۔ چنانچہ رہزن: وہ لوگ ہوتے ہیں جو بغیر کسی تاویل کے لڑتے ہیں اور باغی وہ لوگ ہیں جو کسی تاویل پر لڑتے ہیں۔

حنیفہ نے قطع طریق کی حد کو حد سرقہ کے ساتھ ملحق کیا ہے چونکہ قطع طریق کو ”سرقہ کبریٰ“ کہا جاتا ہے، البتہ قطع طریق مطلق سرقہ نہیں، چونکہ سرقہ ”خفیہ“ مال اٹھالینے کو کہتے ہیں، قطع طریق کو مجازاً سرقہ کہا جاتا ہے چونکہ ڈاکو امام سے پوشیدہ راستہ روک لیتے ہیں۔

چنانچہ چوری کو سرقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ چونکہ اریا امام سے چھپ کر مال اٹھایا جاتا ہے، رہزنی ”کبریٰ“ کے ساتھ اس لیے موصوف کیا جاتا ہے چونکہ اس میں اصحاب اموال اور عامۃ الناس کا ضرر ہے قطع طریق کی حد بھی شدید تر ہے، چوری کو سرقہ صغریٰ اس لیے کہا جاتا ہے چونکہ اس کا ضرر مالک تک محدود رہتا ہے اور اس میں ہتک حرز ہے۔ ①

قطع طریق (رہزنی)..... کی حد کے متعلق مندرجہ ذیل پانچ مباحث ہیں۔

پہلی بحث	 قاطع طریق (رہزن) کی تعریف اور قطع طریق کا رکن۔
دوسری بحث	 قطع طریق کی شرائط۔
تیسری بحث	 قطع طریق کا اثبات۔
چوتھی بحث	 قطع طریق کے احکام۔

پانچویں بحث..... وہ امور جن سے قطع اعضا کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور وہ امور جو عدم وجوب حد پر مرتب ہوتے ہیں، آخر میں باغیوں کی تعریف اور ان کے احکام پر گفتگو ہوگی۔

پہلی بحث..... قطع طریق کی تعریف اور قطع طریق کا رکن:

قاطع طریق یا محارب (رہزن)..... ایسا شخص جو قطع طریق کے ارتکاب سے پہلے مٹھون الدم (محفوظ الدم) ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی (یعنی وہ شخص یا جماعت جو کسی بھی اسلحہ سے مسلح ہو کر راستے میں چلنے والوں پر غارتگری ڈالے اور بالفعل مال لوٹے بایں طور کہ عین وقت قافلہ کی مدد ممکن نہ ہو۔ وہ قاطع طریق یا رہزن ہے) رہزنی کی حد کی اصل مشروعیت قرآن کریم کی اس آیت سے ہے

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا

أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ..... المائدہ ۳۳

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں زمین سے دور کر دیا جائے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رہزن قتل کرے اور مال چھینے اس پر حد جاری کرنا واجب ہے اور مقتول وارث کی معافی سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ابن مندر کہتے ہیں: ہم نے جن علماء سے علم حاصل کیا ہے ان کا اس پر اجماع ہے۔ ①

رہزنی ”ایسا فعل ہے جس سے مال چھیننے کا قصد کیا جائے اس طور پر کہ مظلوم کے لیے مدد طلب کرنا دشوار ہو۔ ②

① المیزان ۲/۲۶۸، بداية المجتہد ۲/۴۴۰، حاشیۃ الدسوقی ۴/۳۵۰، المہذب ۲/۲۸۳، مغنی المحتاج ۲/۱۸۳۔ ② تبصرہ

الحکام فی اصول الأفقیۃ والاحکام لابن فرحون ۲/۲۷۱

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم قطع طریق کارکن یہ ہے کہ غلبتاً رہنمائی پر خروج کرنا یا بس طور کے راستے میں چلنے والا قافلہ آگے بڑھنے سے رک جائے اور راستہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو خواہ رہنمائی کا ارتکاب جماعت سے سرزد ہو یا فرد واحد سے البتہ رہنمائی کو اس پر قدرت حاصل ہو، خواہ رہنمائی کے لیے اسلحہ استعمال ہو یا لاشی اور پتھر، خواہ پوری جماعت شریک ہو یا کچھ لوگ عملاً شریک ہوں اور کچھ لوگ بالواسطہ معاون ہوں، چونکہ رہنمائی ان سب سے سرزد ہوئی ہے، نیز رہنمائی کی یہی عادت ہے کہ کچھ عملاً رہنمائی میں شریک ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے ساتھ تعاون میں شریک ہوتے ہیں ان تفصیل سے ظاہر ہوا کہ قطع طریق ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں غلبہ اور قوت حاصل ہو ان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ ہو۔

قطع طریق کی شرائط..... کچھ قطع طریق کے متعلق ہیں، کچھ مقطوع علیہ کے کچھ شرائط دونوں کے متعلق اور کچھ شرائط مقطوع لہ اور مقطوع فیہ کے متعلق ہیں۔

قاطع کی شرائط..... قاطع میں یہ شرط ہونا ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو، اگر قاطع (رہنمائی) بچہ ہو یا مجنون ہو تو ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی، چونکہ حد عقوبت (سزا) ہے جو جنایت اور جرم کی مقتضی ہے، جبکہ بچے اور مجنون کا فعل جنایت نہیں کہلاتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایہ میں یہ بھی ہے کہ قاطع مرد ہو، اگر رہنمائی میں کوئی عورت ہو تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی مشہور روایت میں یہی ہے کہ چونکہ قطع طریق کارکن یہ ہے کہ رہنمائی اور قافلہ پر غلبہ پا کر چڑھائی کر دینا، یہ رکن عورتوں میں عادتاً متحقق نہیں ہوتا چونکہ عورتوں کے دل میں نرمی ہوتی ہے اور عورتیں نازک صنف ہیں اور محاربین میں سے نہیں ہو سکتیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قطع طریق میں مراد اور عورتیں یکساں ہیں چونکہ حد میں مرد اور عورت برابر ہوتے ہیں جیسے بقیہ بھی حدود میں عورتیں مردوں کے برابر ہوتی ہیں۔ دوسرے مذاہب کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

عورت کے ساتھ جو مرد ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی خواہ مرد عورت کے ساتھ قطع طریق میں شریک ہوں یا نہ ہوں چونکہ وجوب حد کا سبب واحد ہے اور وہ قطع طریق ہے۔ اور قطع طریق ایسے لوگوں کی طرف سے سرزد ہو جن سے بعض پر حد واجب ہوتی ہیں اور بعض پر واجب نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے رہنمائی میں کوئی بچہ یا مجنون ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بچے اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے اگر بلا واسطہ بچہ قطع طریق میں شریک ہو تو مکلفین میں سے جو بلا واسطہ رہنمائی میں شریک نہ ہو اس پر حد نہیں ہوگی۔

اور اگر عورت بلا واسطہ رہنمائی میں شریک ہو تو مردوں پر حد جاری کی جائے گی چونکہ عورت پر حد جاری نہ کرنا اہمیت معدوم ہوئے کی وجہ سے نہیں چونکہ عورت تو مکلفین میں سے ہے بلکہ عورت پر حد اس لیے نہیں ہے کہ اس کا شمار محاربین میں نہیں ہوتا یا عورت میں عادتاً نقص ہوتا ہے اور مرد میں یہ چیز نہیں پائی جاتی لہذا مردوں پر حد جاری کرنے کے مانع کوئی چیز نہیں ❶ لیکن ابن عابدین نے (۳/۲۳۲) میں صراحت کی ہے کہ رہنمائی میں عورت ظاہر الروایہ کے مطابق مردوں کے حکم میں ہے عورت کو سولی پر نہیں لٹکا یا جائے گا۔ جمہور نے مرد اور عورت میں فرق نہیں کیا، ان کے نزدیک رہنمائی میں ملوث تمام مکلفین پر حد جاری کی جائے گی اگرچہ ان میں کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو۔ ❷

مقطوع علیہ کی شرائط..... مقطوع علیہ سے مراد مظلوم مسافر ہے جس پر جرم کا ارتکاب کیا گیا ہو مقطوع علیہ میں دو شرطیں ہیں۔
۱۔ یہ کہ مقطوع علیہ مسلمان ہو یا ذمی ہو، اگر مقطوع علیہ عربی ہو تو قاطع (رہنمائی) پر حد نہیں ہوگی، چونکہ حربی مستامن کا مال مطلقاً

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۱۹۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
معصوم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں اباحت کا شبہ ہوتا ہے۔

۲..... مال پر مقطوع علیہ کا صحیح طریقہ پر قبضہ ہو یعنی وہ مال مقطوع علیہ کی یا تو ملکیت ہو یا اس کے پاس بطور امانت ہو یا ضمان کے طور پر ہو، اگر مقطوع علیہ کا صحیح طریقہ پر قبضہ نہ ہو جیسا مال پر چور کا قبضہ تو قاطع پر حد واجب نہیں ہوگی۔ ❶

قاطع اور مقطوع علیہ دونوں کی شرائط..... یہ شرط ہے کہ راہزنوں میں مقطوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو اگر راہزنوں میں مقطوع علیہ کا کوئی محرم ہو تو راہزنوں پر حد واجب نہیں ہوگی، حد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم کو مقطوع علیہ کے پاس آنے جانے اور اس کے مال کو استعمال میں لانے کی عادت اجازت ہوتی ہے۔

اس شرط میں حنفیہ کا دوسرے مذاہب کے ساتھ اختلاف ہے، اسی طرح راہزن کے مرد ہونے اور راہزنوں میں بچے یا مجنون کے شریک ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: حد قائم کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ قاطع طریق سارے کے سارے اجنبی ہوں اور مرد ہوں، اگر ان میں سے کوئی مقطوع علیہ کا قریبی رشتہ دار ہو یا بچہ ہو یا مجنون تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راہزنوں پر حد جاری نہیں کی جائے گی، چونکہ حد عقوبت ہے جنایت اور جرم کی مقتضی ہے جبکہ بچے اور مجنون کے فعل کو جنایت نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ گزر چکا ہے، رہی بات عورت کی سو اس کے ضعف اور نازک ہونے کی وجہ سے قطع طریق تحقیق نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: قطع طریق میں شریک ہونے کا اعتبار ہے۔ اگر عورت براہ راست قطع طریق میں ہو تو اس کے ساتھ شامل مرد پر حد جاری کی جائے گی اور عورت پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اگر عورت نے واردات میں کسی کو قتل کر دیا تو قصاصاً عورت کو قتل کیا جائے گا، نہ کہ بطور حد کے قتل کیا جائے گا وارث عورت کے ذمہ سے قصاص کو معاف کر سکتا ہے۔

بچہ یا مجنون راہزنی میں بلا واسطہ شریک ہو تو کسی پر بھی حد جاری نہیں کی جائے گی، اگر راہزنی ان کے علاوہ دوسرے مردوں کی طرف سے ہو تو عقلاً بالغین پر حد جاری کی جائے گی، بچے اور مجنون پر حد جاری نہیں کی جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ راہزنی میں مباشرت اور براہ راست ارتکاب اصل ہے اور معاون تابع ہے، جب راہزنی کا ارتکاب بچے کی طرف سے ہو تو گویا اصل کا ارتکاب اس نے کیا جب اصل پر حد واجب نہیں ہوگی بھلا تابع پر کیونکہ واجب ہو؟ اگر راہزنی کسی بالغ کی طرف سے ہو تو اصل اسی کی طرف سے سرزد ہوگی۔ ❷

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ..... کہتے ہیں: اگر راہزنوں میں بچہ یا مجنون شریک ہو یا مقطوع علیہ کا کوئی محرم ہو تو راہزنوں سے حد ساقط نہیں ہوگی چونکہ شبہ صرف فرد واحد کے ساتھ خاص ہے باقی شرکاء سے حد ساقط نہیں ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی عورت کے ساتھ وطی کرنے میں بچہ یا مجنون بھی شریک ہو بنا برائیں بچے اور مجنون نے قتل کا ارتکاب کیا اور مال بھی چھینا تو ان پر حد نہیں ہوگی چونکہ بچہ اور مجنون اہل حد میں سے نہیں ہوتے، البتہ انہوں نے جو مال چھینا ہوگا اس کا ان پر ضمان ہوگا اور ان کی عاقلہ (یعنی برادری) پر مقتول کی دیت ہوگی۔

اگر عورت راہزنوں کے ساتھ شریک ہو اور اس کے حق میں محاربہ (لڑائی) ثابت ہو جائے تو راہزنی کا حکم اس پر بھی لازم ہوگا جیسے مرد پر حکم جاری ہوتا ہے، اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

❶..... البدائع، المرجع السابق۔ ❷ البدائع ۶۷/۷، فتح القدیر ۲/۴۷۳، تبیین الحقائق ۳/۲۳۹، المبسوط ۹/۲۰۳۔ ❸ حاشیہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم..... ۱۹۳..... اسلام میں دنیوی سزائیں

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں..... جب بہت سارے رہزن جمع ہو کر ڈکیتی کریں ان میں سے کچھ لوگ بلا واسطہ رہزنی کے مرتکب ہوں اور کچھ لوگ ان کی پشت پناہی کر رہے ہوں اور ان کے معاون ہوں تو معاونین بھی رہزنوں کے حکم میں ہوں گے چونکہ محاربہ (رہزنی) میں وہ بھی شریک ہیں خواہ ان میں سے بعض سے قتل سرزد ہو یا نہ ہو۔ ❶

شافعیہ..... کہتے ہیں: پشت پناہی اور معاونت کرنے والوں پر حد نہیں ہوگی بشرطیکہ جب معاونین رہزنوں کی تعداد کثیر کرنے کے علاوہ عملاً رہزنی میں شریک نہ ہوں، ہاں البتہ انہیں قید و بند میں رکھا جائے اور انہیں جلا وطن کیا جائے گا، چونکہ رہزنی کا دار و مدار عملاً رہزنی کرنے پر ہے صرف پشت پناہی پر رہزنی کا دار و مدار نہیں۔ ❷

مقطوع لہ کی شرائط..... مقطوع لہ سے مراد وہ چیز جس کی وجہ سے رہزنی کی واردات ہوئی یعنی مال۔ چنانچہ مقطوع لہ (مال) کی وہی شرائط ہیں جو مسروق میں ذکر کی گئی ہیں مختصر ا یہ کہ چھینی ہوئی چیز مال ہو، مال مقوم ہو، معصوم ہو، اس میں کسی رہزن کا حق نہ ہو، اٹھا کر لے جانے میں کوئی تاویل نہ ہو سکتی ہو، وہ مال مقطوع علیہ کی ملک ہو اور اس میں قاطع کا حصہ نہ ہو، ملک کی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو، شبہ ملک بھی نہ ہو، مال حرمز ہو، اس میں اباحت کا شبہ نہ ہو اور مال کامل نصاب یعنی دس درہم ہو یا اتنی قیمت کا سامان ہو جو ہر رہزن کو پہنچتا ہو۔ ❸

مقطوع فیہ کی شرائط..... مقطوع فیہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہو اس کی تین شرائط ہیں۔ ❹

..... یہ کہ قطع طریق دارالاسلام میں ہو، اگر قطع طریق کی واردات دارالحرب میں ہو تو حد واجب نہیں ہوگی، چونکہ امام کو دارالحرب میں ولایت حاصل نہیں ہوتی لہذا اسے حد جاری کرنے کی قدرت بھی وہاں حاصل نہیں ہوگی۔

..... متقدمین حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ قطع طریق کی واردات شہر سے باہر ہو، آیا کہ شہر کے اندر قطع طریق متحقق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ظاہر کلام یہ ہے کہ قطع طریق کا حکم اسی صورت میں ثابت ہوگا جب رہزنی کی واردات شہر سے باہر ہو چونکہ قطع طریق بغیر انقطاع کے حاصل نہیں ہوتا اور انقطاع شہر میں نہیں ہوتا چونکہ شہر میں لوگ مقطوع علیہ کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں لہذا شہر میں رہزنی غصب کے مشابہ ہے اور اس میں تعزیر ہوگی اور چھینا ہوا مال مستحق کو واپس کیا جائے گا یہ رائے اتحسان کا تقاضا ہے۔ ❺ حنفیہ کے نزدیک یہی ظاہر الرویہ ہے لیکن مفتیؒ نے اس کے برخلاف ہے۔

امام ابو یوسف، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: قطع طریق کا حکم شہر کے اندر بھی ثابت ہوتا ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل مقتضائے قیاس بھی ہے کہ وجوب حد کا سبب شہر کے اندر بھی متحقق ہو سکتا ہے اور سبب قطع طریق ہے لہذا شہر کے اندر اگر قطع طریق ثابت ہو جائے تو حد واجب ہوگی۔ جیسے شہر سے باہر قطع طریق پر حد ہوتی ہے۔

ابن عابدین کہتے ہیں: مشائخ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر فتویٰ دیا ہے چونکہ رہزنی کی واردات دن کو بھی اور رات کو بھی، اسلحہ کے ساتھ اور بغیر اسلحہ کے شہر میں بھی سرزد ہوتی ہے۔ ❻

جمہور کا بھی اسی قسم کا استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے لڑائی اور اللہ کی حدود کو لاکر ناجائز ہونا حرام ہے اور اس کی حرمت شہر کے اندر اور باہر مختلف نہیں بلکہ یکساں ہے جیسے بقیہ معاصی مثلاً زنا، شراب نوشی جس طرح شہر سے باہر حرام ہے اسی طرح شہر کے اندر بھی حرام ہے اور اثبات پر حد واجب ہوگی۔ ❶ ہاں البتہ شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ رہزن کو قوت اور غلبہ حاصل ہو، رہزنوں کی تعداد شرط نہیں، غلبہ اور قوت آبادی

❶..... المراجع السابقة، فتح القدیر ۲/ ۲۷۱، القوانين الفقهية ۳۶۲۔ ❷ معنی المحتاج ۲/ ۱۸۲، المہذب ۲/ ۲۸۵، البدائع

۹۲/ ۷۔ ❸ المرجع السابق، المبسوط ۹/ ۲۰۱، الہدایۃ مع فتح القدیر ۲/ ۲۷۴۔ ❹ رد المحتار ۳/ ۲۳۲، حاشیۃ الدسوقی

۳۷۸/ ۲، بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۴۵، معنی المحتاج ۲/ ۱۸۱، المغنی ۸/ ۲۸۷

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۴ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
سے دور ہونے میں حاصل ہو سکتا ہے، آبادی کے قریب ہونے میں غلبہ حاصل نہیں ہوتا مثلاً مقطوع علیہ مدد کے لیے فریاد کر سکتا ہے اور اگر سلطان کمزور ہو تو غلبہ اور قدرت شہر میں بھی ہو سکتی ہے۔

۳..... یہ کہ جس جگہ رہزنی کی واردات ہو اس میں اور شہر میں سفر کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہو اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو رہزنی نہیں ہوگی، یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے
امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط کا اعتبار نہیں کیا، گذشتہ شرط کے ذیل میں میں نے دلائل بیان کر دیئے ہیں، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول مفتی بہ ہے۔

تیسری بحث..... قطع طریق کا اثبات

قاضی کے پاس قطع طریق یا تو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے یا اقرار سے، البتہ عدالت میں مقدمہ دائر کرنا ضروری ہے، قاضی کے علم سے قطع طریق ثابت نہیں ہوتا، اور نہ ہی راہزنوں کے قسم سے انکار کرنے سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ سرقہ میں بیان ہو چکا، حنا بلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے اقرار کرنا شرط ہے۔

چوتھی بحث..... راہزنوں کے احکام (سزائیں)

رہزنی کی سزا کے متعلق علماء کا اختلاف ہے آیا کہ آیت میں مذکور سزائیں تخیر (آپشن) پر مبنی ہیں یا جرم کی مقدار پر مرتب ہیں؟
حنیفہ اور شافعیہ حنا بلہ..... کہتے ہیں: رہزنوں کی حد آیت میں مذکور ترتیب کے مطابق ہے چونکہ سزا کے لیے واجب ہے کہ وہ بقدر جنایت (جرم) ہو۔ لیکن ترتیب کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفہ کہتے ہیں..... اگر رہزنوں نے صرف مال چھینا تو خلاف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں گے اگر صرف قتل کیا تو انہیں بھی قتل کیا جائے گا، اگر رہزنوں نے مقطوع علیہ قتل بھی کیا اور مال بھی چھینا تو امام کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے خلاف سمت ہاتھ پاؤں کاٹ دے اور پھر انہیں قتل کر لے یا سولی پر لٹکا دے اور اگر چاہے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور صرف قتل یا سولی پر اکتفاء کر لے۔

اور اگر رہزنوں نے مقطوع علیہ کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، قتل نہ کیا اور نہ ہی مال چھینا ہو تو رہزنوں کو جلا وطن کر دیا جائے یعنی قید میں رکھے جائیں اور ان پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ❶

تیسری صورت کہ اگر رہزنوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی چھینا اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ذکر کی گئی ہے، صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: امام رہزن کو قتل کرے یا سولی پر چڑھائے، ہاتھ پاؤں نہ کاٹے چونکہ رہزنی کا جرم واحد ہے اس میں دوحہ واجب نہیں ہوں گی نیز اگر مادون النفس جنایت نفس میں داخل ہوتی ہے جیسے حد سرقہ اور حد رجم دونوں جمع ہو جائیں تو فقط رجم کی حد جاری کی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ پر رد کیا ہے اگرچہ یہ جنایت واحد ہے تاہم ہاتھ پاؤں کاٹنے اور قتل کی سزا بھی واحد ہے البتہ یہ سزا مغلطہ (سخت تر) ہے چونکہ اس کا سبب مغلطہ ہے چونکہ قطع طریق امن عامہ کو تباہ کر دیتا ہے اور لوگوں کا مال اور جان محفوظ نہیں رہتی۔

❶..... المبسوط ۹/۹۵، البدائع ۷/۹۳ فتح القدیر ۳/۷۰ تبیین الحقائق ۳/۲۳۰ مختصر الطحاوی ۲۷۶ حاشیہ ابن

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۵ اسلام میں دنیوی سزائیں
شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: اگر رہزنوں نے فقط مال چھینا ہو تو خلاف سمت ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، اور اگر قتل کیا
ہو اور مال نہ چھینا ہو تو انہیں قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور اگر قتل بھی کیا ہو اور مال بھی چھینا ہو تو رہزنوں کو قتل بھی کیا جائے گا پھر سولی پر لٹکا
دیا جائے گا۔ اگر ڈرایا اور دھمکایا ہو تو رہزنوں کو زین سے دور کر دیا جائے۔^①

اس ترتیب پر شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ابو بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں وارد ہوئی ہے اس
میں اسی ترتیب کے مطابق سزایان کی گئی ہے^② شافعیہ اور حنابلہ نے صرف تیسری صورت میں حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں^③ رہزنوں کو سزا دینے کا دار و مدار امام کی رائے پر ہے، امام مصلحت کے پیش نظر فقہاء سے مشاورت کر
ے جو رائے قائم کر لے اسی پر عمل کر لے البتہ سزائیں امام کی من مانی کو دخل نہیں ہونی چاہئے۔
۱..... اگر رہزن نے صرف ڈرایا یا دھمکایا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے رہزن کو قتل کرے چاہے اسے سولی پر لٹکائے چاہے جلاوطن کرے یا
خلاف سمت ہاتھ پاؤں کاٹے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اگر رہزن صاحب رائے، صاحب تدبیر ہو اور اس کے پاس قوت بھی ہو تو اس میں اجتہادی توجیہ یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکا
دیا جائے۔ چونکہ ہاتھ پاؤں کاٹنے سے اس کا ضرر ختم نہیں ہوتا۔ اگر رہزن صاحب رائے نہ ہو لیکن اس کے پاس قوت ہو تو خلاف سمت اس کے
ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں، اگر مذکور بالا دونوں صورتیں رہزن میں نہ پائی جائیں تو امام اسے مارے اور جلاوطن کر دے۔

۲..... اگر رہزن نے مقطوع علیہ (مسافر) کو قتل کیا تو بدلے میں اسے قتل کرنا ضروری ہے، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور جلاوطن کرنے
میں امام کو اختیار حاصل نہیں ہوگا، ہاں البتہ اسے قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے میں اختیار ہوگا۔

۳..... اگر رہزن نے مال چھینا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے رہزن کو قتل کرے یا سولی پر چڑھائے یا ہاتھ پاؤں کاٹے یا
جلاوطن کرے، امام اجتہاد کر کے اپنی رائے کے مطابق حکم صادر کرے اور اپنی خواہش نفس کو دخل نہ دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں حرف ”أَوْ“ لایا گیا ہے جو لغت میں تحیر کا مقتضی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كَسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ الْمائدة ۸۹/۵

جمہور کہتے ہیں کہ ”أَوْ“ بیان نوع کے لیے ہے تحیر کے لیے نہیں، لہذا سزا بقدر جرم ہوگی۔

سولی چڑھانے کی کیفیت، اس کا وقت اور مدت..... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رہزن
کو زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اس کے ہاتھ تو سولی کے تختے کے ساتھ باندھ دیئے جائیں پھر پاؤں کے نیچے رکھی ہوئی لکڑی لٹک کر دی
جائے، پھر نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا جائے چونکہ سولی چڑھانا بطور تغلیظ کے ہے اور سزا زندہ شخص کو دی جاتی ہے، رہی بات مردہ کی تو اسے سزا
نہیں دی جاتی، سولی پر چڑھانا مثلاً نہیں چونکہ مثلاً میں تو اعضا کاٹے جاتے ہیں^④ حنفیہ کے مذہب میں یہی زیادہ صحیح ہے اور مالکیہ کے
نزدیک بھی یہی رائج ہے۔

مالکیہ میں سے اشہب، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قاطع طریق قتل کرنے کے بعد سولی پر چڑھایا

①..... المہذب ۲/۲۸۴، مغنی المحتاج ۴/۸۱، المغنی ۸/۲۸۸، السياسة الشرعية لابن تیمیہ ۷۸۔ ② هذا اثر عن ابن عباس رواه
الشافعی فی مسنده وفي إسناده ابراهيم بن محمد ابی يحيى وهو ضعيف واخرجه البيهقي عن عباس ورواه احمد بن حنبل في
تفسيره عن ابی معاوية عن حجاج عطيه (التلخيص الجبير ۳۵۸ نیل الاوطار ۷/۱۵۲۔ ③ المنقلى على الموطأ، ۷/۱۷۲
القوانين الفقهية ۳۶۳۔ ④ حاشية الدسوقي ۴/۳۴۹، بداية المجتهد ۲/۴۴۵، القوانين الفقهية ۳۶۳۔ ⑤ المبسوط ۹/۱۹۶،
فتح القدیر ۴/۲۷۱ البدائع ۷/۹۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۶ اسلام میں دنیوی سزائیں
جائے گا چونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل کو سولی پر مقدم کیا ہے، اسے زندہ سولی پر چڑھانے میں عذاب دینا ہے اور مسئلہ کرنا ہے ❶ حالانکہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ کرنے سے اور جاندار کو عذاب میں مبتلا کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم کسی
کو (سزا کے طور پر) قتل کرو تو اسے اچھی طرح سے قتل کرو اور جب کسی جانور کو ذبح کرو۔ اسے اچھی طرح ذبح کرو۔ ❷ قتل کے بعد سولی
چڑھانے کی غرض یہ ہے تاکہ اس سے دوسرے لوگوں کو عبرت ہو جائے اور اس کے گھناؤنے جرم کی تشہیر ہو جائے۔

سولی کی مدت جمہور کے نزدیک تین دن ہے۔ اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اتنی مدت تک سولی
پر لٹکا رہنے دیا جائے گا جتنی مدت میں اسے سولی پر چڑھنے کا نام دیا جاسکے، ابن قدامہ کہتے ہیں سولی کا صحیح وقت وہی ہے۔
جو خضرتی نے ذکر کر کیا ہے کہ اتنی مدت تک سولی پر اسے رہنے دیا جائے گا جتنی مدت میں لوگوں میں اس کا معاملہ مشہور ہو جائے۔

نفی (جلاوطنی) حنفیہ..... کے نزدیک نفی کا معنی قید کرنا ہے، چونکہ قید کرنے میں زمین سے اجھل ہونے کا معنی ہے اور زندہ رکھنے
کے ساتھ ساتھ دنیا سے نکل جانا ہے، عرف عام میں جس وقید کو بھی نفی کہا جاتا ہے جیسا کہ کسی قیدی نے یہ اشعار کہے ہیں:

خرجنا من الدنيا ونحن من اهلها
فلسنا من الاحياء فيها ولا الموتى
اذا جاءنا السجن يوماً لحاجة
عجبنا وقلنا جاء هذا من الدنيا

ہم دنیا سے باہر نکل چکے ہیں (یعنی قید ہو گئے ہیں) حالانکہ ہم اہل دنیا میں سے ہیں ہمارا شمار زندوں میں ہے نہ مردوں میں، جب
ہمارے پاس جیل کا داروغہ آتا ہے تو ہمیں اس پر تعجب ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں یہ دنیا ہے ہمارے پاس آیا ہے۔
رہی بات جلاوطن کرنے کی سواں میں دوسرے شہر کے رہنے والوں کو ضرر میں ڈالنا ہے اور قطع طریق دارالحرب کی طرف جانے کا موقع
فراہم کرنا ہے جس سے وہ کافر ہو سکتا ہے۔ ❸

مالکیہ کہتے ہیں..... کہ نفی کا معنی جلاوطنی ہے یعنی رہزن کو ایک شہر سے کسی دوسرے شہر میں جلاوطن کر دیا جائے اور دوسرے شہر میں
اسے قید کر لیا جائے یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کر لے، دونوں شہروں کے درمیان کم از کم فاصلہ قصر صلاۃ کی مسافت کے برابر ہو ❹ گویا مالکیہ کے
ز نزدیک نفی کا معنی جلاوطنی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں..... کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام رہزن کو اتنی مدت کے لیے قید میں ڈال دے جتنی مدت میں وہ توبہ کر لے یا لوگوں کو
عبرت دلانے کے لیے رہزن پر تعزیر لگائے ❺ حد زنائیں نفی کا معنی دوسرے شہر میں جلاوطن کر دینا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں..... نفی کا معنی یہ ہے کہ قاطع طریق کو شہر سے بھگا دیا جائے تاکہ کہیں نکلنے نہ پائے۔ ان کی دلیل حسن بصری کی
روایت ہے کہ نفی کا معنی شہروں اور ملکوں میں بھگانا ہے کہ کہیں وہ نکلنے نہ پائے ❶ حنابلہ کے نزدیک حد زنائیں تعزیر اور نفی وہی ہے جو شافعیہ
کے نزدیک ہے۔

❶.....المراجع السابقه المنتقى على الموطأ ۱/۲۷۷۔ ❷ اخرجه مسلم و احمد اصحاب السنن الأربعة عن شداد بن أوس
(الجامع الصغير ۱/۱ الأربعين للنووي ۱/۸۱ نیل الاوطار ۱/۱۴۱) ❸ المسبوط ۹/۱۳۰ تبیین الحقائق ۳/۲۳۶ فتح القدیر
۲۴۰/۲ البدائع ۹۵/۷ حاشیة الدسوقي ۳/۳۹۹ القوانين الفقهية ۳۶۳ بداية المجتهد ۲/۴۲۶، المنتقى على الموطأ
۱/۲۷۷ ❹ مغنی المحتاج ۳/۱۸۱، المذهب ۲/۲۸۴ ❺ المغنی ۸/۲۹۴

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۷۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
 قطع طریق کے حکم کی کیفیت: حد حرابہ..... قطع طریق کی حد خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں مداخل جاری ہوگا یہ حد معافی
 اسقاط، ابراء اور صلح کا احتمال نہیں رکھتی، جیسا کہ حد سرقہ میں واضح ہو چکا ہے رہی بات تاوان اور قطع اعضاء کو جمع کرنے کی سو اس میں علماء کا
 اختلاف ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محاربین (رہزن) مال چھینیں اور پھر ان پر حد جاری کر دی جائے اور مال جوں کا توں موجود ہو تو مال مالک
 کو واپس کیا جائے گا، اگر مال تلف اور ضائع ہو جائے تو حنفیہ کا موقف ہے کہ حد اور ضمان کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا
 ارشاد ہے کہ جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوگا۔ ① نیز ضمان لاگو کیا جاتا ہے جب تملیک ہو گیا ضمان کی عائدگی تملیک
 کی مقتضی ہے اور ملک حد کے مانع ہے لہذا ضمان اور ملک کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ ②

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں..... حد اور تاوان جمع کیا جائے گا جیسے حد سرقہ میں جمع کیا جاتا ہے چونکہ مال عین ہے جیسے واپس
 کرنا واجب ہے بشرطیکہ جوں کا توں باقی ہو، اگر تلف ہو جائے تو اس کا ضمان واجب ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے رہزن پر حد قائم ہی نہ کی گئی ہو، نیز
 حد اور تاوان ایسے دو حق میں ہو جو مستحقین کے لیے واجب ہوتے ہیں، لہذا ان دونوں کا جمع ہونا جائز ہے جیسے حرم کے مملوک شکار میں جزاء اور
 قیمت دونوں جمع ہوتے ہیں۔ ③

پانچویں بحث..... وہ امور جن سے رہزنی کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، عدم وجوب حد پر مرتب ہونے والا حکم اور اس کا سقوط
 مندرجہ ذیل امور سے رہزنی کی حد ساقط ہو جاتی ہے۔

۱..... قاطع طریق رہزنی کا اقرار کیا ہو اور مقطوع علیہ اس کا انکار کرتا ہو۔

۲..... قاطع طریق اپنے اقرار سے رجوع کر لے۔

۳..... مقطوع علیہ گواہوں کی تکذیب کرتا ہو۔

۴..... لوٹی گئی چیز کا رہزن مالک بن جائے، جمہور کے نزدیک مقدمہ عدالت میں لے جانے سے قبل ہو یا بعد، دوسرے آئمہ کا اس میں
 اختلاف ہے جیسا کہ سرقہ میں گزر چکا۔

۵..... سلطان کے قاطع پر قدرت پالینے سے پہلے قاطع توبہ کر لے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝۳۴

ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے ان کو قابو میں لانے سے پہلے توبہ کر لیں، جان رکھو اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

یہ صورت آئمہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ ④

اگر توبہ سے حد ساقط ہو جائے یا کسی اور مانع کی وجہ سے حد واجب نہ ہو مثلاً کوئی شرط مفقود ہو تو اگر مال موجود ہو مالک کو واپس لوٹانا
 واجب ہے اگر مال ضائع ہو گیا ہو یا ضائع کر دیا گیا ہو تو ضمان واجب ہوگا۔

اگر رہزنوں نے اسلحہ سے قتل کیا ہو تو حنفیہ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا، اگر رہزنی نے عصا یا پتھر سے کسی کو قتل کیا ہو تو رہزن کی
 عاقلہ (برادری) پردیت واجب ہوگی، جمہور کے نزدیک قتل عمد کی صورت میں قصاص واجب ہوگا خواہ قتل عمد اسلحہ سے ہو یا بغیر اسلحہ
 کے۔ اگر رہزنوں نے مسافروں کو زخمی کیا ہو تو جن زخموں میں برابری ممکن ہو ان میں قصاص ہوگا اور جن میں برابری ممکن نہ ہو ان

①..... حدیث مرسل قد سبق تخریجہ۔ ② البدائع ۹۵/۷ فصح القدیر ۲۷۱/۲۔ ③ حاشیۃ الدسوقی ۳۵۰/۴، مغنی المحتاج

۱۸۲/۴، المغنی ۲۹۵/۸۔ ④ البدائع ۹۶/۷ المنتقى على الموطأ ۱۷۷/۷

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۱۹۸ اسلام میں دنیوی سزائیں

میں تاوان ہوگا۔ ❶

باغی: اول: بغاوت کی تعریف..... بغاوت کا لغوی معنی طلب، تلاش، اور جستجو ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

مَا كُنَّا نَبْغِ... ہم طلب نہیں کرتے تھے۔ الکہف ۶/۴

دوسرا معنی تعدی اور ظلم ہے۔ فقہاء کی اصلاح میں یہ تعریف ہے جیسا کہ مالکی نے کہا ہے:

الا متناع من طاعة من تثبت امامة في غير معصية بمغالبة ولو تأولا

بغیر معصیت کے غلبہ ظاہر کر کے مسلمانوں کے امیر کی اطاعت سے دست کش ہو جانا اگرچہ اس میں کوئی تاویل ہی کیوں نہ ہو ❷ بغاوت حرام ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جو شخص اپنے امام کی اطاعت سے دست کش ہو جائے وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ جماعت سے دست کش (علیحدہ اور جدا) ہو بلاشبہ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ❸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جس شخص نے ہمارے اوپر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ❹

حنفیہ نے باغیوں کی یہ تعریف کی ہے۔ ”وہ جماعت جس کے پاس قوت و طاقت ہو اور بعض احکام میں مسلمانوں کی تاویل مخالفت کرتے ہوں، کسی شہر میں ان کا غلبہ ہو جائے اور وہ اپنی فوجی قوت بنالیں اور اپنے حکم کا اجرا کرنے لگیں جیسے خوارج۔“ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا، ان کے خون کو حال قرار دیا، مسلمانوں کے مال اور جان کو مباح قرار دیا اور مسلموں کی عورتوں کو قیدی بنالیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کی اور وہ ہر گناہ کو کفر سمجھتے تھے، دین کے معاملہ میں نہایت درجے کا تشدد کرتے تھے۔ ❺

ان کے علاوہ دیگر باغیوں نے مسلمانوں کے خون کو مباح نہیں سمجھا اور نہ مسلمانوں کی اولاد کو قیدی بنایا۔ مالکیہ نے یہ تعریف کی ہے۔ ”باغی وہ جماعت ہے جو کسی تاویل پر جنگ کرے جیسے گمراہ ٹولے مثلاً خوارج وغیرہ، وہ لوگ جو امام وقت پر خروج کر لیں، اس کی طاعت میں داخل ہونے سے رک جائیں اور کسی واجب حق مثلاً زکوٰۃ وغیرہ سے انکار کر دیں۔ ❶

حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے ”باغی وہ لوگ ہوتے ہیں جو امام پر خروج کر لیں اگرچہ امام عادل نہ ہو اور باغی کوئی تاویل کرتے ہوں اور ان کے پاس قوت اور شوکت ہو اگرچہ ان کا کوئی رہنما نہ ہو۔“ حالانکہ امام پر خروج کرنا حرام ہے اگرچہ وہ عادل نہ ہو۔ ❷ باغی اور محارب (رہزن) میں فرق یہ ہے کہ محارب فسق و نافرمانی کرتے ہوئے بغیر کسی تاویل کے خروج کرتا ہے اور باغی تاویل کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال چھین لیتا ہے جب باغی پکڑا جائے اور اس نے توبہ نہ کی ہو تو اس پر حد حراہ قائم نہیں کی جائے گی اور اس نے جو مال چھینا ہو وہ نہیں لیا جائے گا اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں البتہ اگر کوئی چیز بعینہ اس کے پاس پائی جائے تو مالک کو واپس کی جائے گی، باغیوں کو قوت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ ایک جگہ کو اپنی پناہ گاہ کے طور پر مخصوص کر لیتے ہیں۔ ❸

❶..... البدائع ۹۶/۷، فتح القدیر ۲/۴۷۱، المہذب ۲/۲۸۵، القوانین الفقہیہ ۳۶۳۔ ❷ حاشیۃ الدسوقی ۲/۲۹۸۔

❸ الاحادیث فی هذا المعنی كثيرة منها اخرجه مسلم والنسائی عن ابی ہریرہ من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات، مات ميتة جاهلية، ومنها ما رواه الحاكم عن ابن عمر ومنها ما رواه احمد والشيخان (تفصیل دیکھئے جامع الاصول ۳/۶۰۶ مجمع الزوائد ۱۹/۲، نيل الاوطار ۷/۱۷۱) ❹ اخرجه احمد والشيخان من حديث ابن عمر وابی موسى واخرجه مسلم من حديث ابی ہریرہ وسلم بن اكوع (نيل الاوطار ۷/۱۷۳ سبل السلام ۳/۲۵۷) ❺ فتح القدیر ۸/۳۰۸ تحفة الفقهاء ۳/۲۰۱، حاشیۃ ابن عابدين

۲۳۸/۳. ❶ القوانین الفقہیہ ۳۶۳۔ ❷ غایۃ المنتہی ۳/۳۲۸۔ ❸ المقدمات المہدات ۳/۲۳۶

محکم دلائل وبراین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوم: باغیوں کے احکام:

۱۔ باغیوں سے لڑنا..... اگر باغیوں کے پاس قوت اور شوکت نہ ہو تو امام انہیں گرفتار کرے اور قید میں رکھے تا وقتیکہ وہ توبہ کریں۔ اگر باغی جنگ پر اتر آئیں اور ان کے پاس کوئی پناہ گاہ بھی ہو اور اسلحہ بھی ہو تو امام انہیں اطاعت اختیار کرنے کی دعوت دے دارالعدل اور جماعت کے التزام کی دعوت دے، جیسا کہ کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے اگر انکار کر دیں تو اہل عدل ان کے ساتھ جنگ کریں یہاں تک کہ انہیں شکست ہو جائے یا قتل ہو جائیں، باغیوں میں سے جو بھاگ رہے ہوں انہیں اور ان کے قیدیوں کو قتل کرنا جائز ہے، ان کے زخمی کو بھی ماردینا جائز ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے جمہور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے ❶ امام جنگ میں ابتداء نہ کرے یہاں تک کہ وہی جنگ میں پہل کر دیں، چونکہ باغیوں کے ساتھ لڑنا دفع شر کے لیے ہے، ان احکام کی دلیل یہ آیت ہے:

إِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ❶ الحجرات ۹/۴۹
اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کرو اور انصاف سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم تاویل کر کے جنگ کرو گے جس طرح تم قرآن پر جنگ کرتے ہو۔ ❷
باغیوں کے ساتھ اپنی اسلحہ اور گھوڑوں کے ساتھ جنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مسلمانوں کی اس کی ضرورت پڑے چونکہ عادل اور مطیع کے مال کے ساتھ بوقت ضرورت جنگ کرنا جائز ہے باغی کے مال کے ساتھ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ رہی بات باغیوں کے مال کی، امام ان کا مال اپنے پاس روک لے یہاں تک کہ بغاوت کا خاتمہ ہو جائے پھر بغاوت ختم ہونے کے بعد ان کا مال انہیں واپس کر دے چونکہ باغیوں پر غلبہ حاصل کر لینے سے ان کا مال مباح نہیں ہو جاتا چونکہ باغی آخر وہ بھی تو مسلمان ہیں۔ ❸

باغیوں کے ہاتھوں تلف شدہ جان و مال کا ضمان..... حنفیہ، شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ (ظاہری قول کے مطابق) کہتے ہیں: جو لوگ کسی تاویل کو بنیاد بنا کر بغاوت پر اتر آئیں اور جنگ کریں، دوران جنگ ان کے ہاتھوں جو مال اور جان ضائع ہو جائے باغیوں پر اس کا ضمان نہیں ہوگا، اس کی دلیل امام زہری کی روایت ہے ”لوگوں کے درمیان عظیم فتنہ برپا ہوا، ان میں بدری صحابہ بھی موجود تھے، چنانچہ لوگوں کا (واقعہ جمل اور صفین وغیرہ) اس پر اجماع ہو گیا کہ اس شخص پر حد قائم نہیں کی جائے گی جس نے کسی حرام شرمگاہ کو تاویل قرآن حلال کر لیا ہو، اس شخص کو بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا جس نے تاویل قرآن کی بنا پر کسی کو قتل کر دیا ہو، اور جس نے تاویل قرآن کی بنا پر کسی کا مال تلف کر دیا ہو اس پر تلف شدہ مال کا ضمان نہیں ہوگا۔ ❹ عقلی دلیل یہ ہے کہ باغیوں کی جماعت قوت حاصل کر کے تاویل کے ساتھ جنگ کرتی ہے لہذا دوسری جماعت کا باغیوں کے ہاتھوں جو نقصان ہو جائے اس کا باغیوں پر ضمان نہیں ہوگا، نیز اگر انہیں ضامن ٹھہرا دیا جائے تو وہ اطاعت اختیار کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اس لیے ضمان مشروع نہیں جیسے اہل حرب سے ضمان نہیں لیا جاتا۔

علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اہل عدل کے ہاتھوں جو باغی قتل ہو جائیں ان کا گناہ اہل عدل پر نہیں ہوگا اور نہ ہی اہل عدل پر ان کے

❶..... حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۰۰ مغنی المحتاج ۲/۱۲۷، المہذب ۸/۱۱۳۔ ❷ رواہ احمد واسنادہ حسن عن ابی سعید (مجمع الزوائد ۶/۲۳۴) ❸ المسبوط ۱۰/۱۲۳ البدائع ۷/۱۳۰ فتح القدیر ۳/۴۰۹ تبیین الحقائق ۳/۲۹۵ کتاب مع اللباب ۱۵۵/۳ ذکرہ احمد فی روایۃ الثاثر (نیل الاوطار ۷/۲۹۱)

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۰۰ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں۔ نقصان کا ضمان ہوگا، اس کی دلیل زہری کی مذکورہ بالا روایت ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عادل وہی کام کرتا ہے جس کا اسے حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے قتل کو حلال کیا ہو عادل اسی کو قتل کرتا ہے، اسی طرح باغیوں کے اموال بھی بدر ہیں چونکہ جب باغیوں کی جان کا کوئی ضمان نہیں تو ان کے اموال کا بطریق اولیٰ ضمان نہیں ہوگا۔ ①

اہل بغاوت اور اہل عدل، و اہل بغاوت کی شکست کے بعد ایک دوسرے کے مال کو تلف کریں تو ان پر ضمان ہوگا چونکہ شکست کے بعد اہل بغاوت اہل دارالاسلام ہو جاتے ہیں لہذا مال اور جان محفوظ ہوگی۔

باغی جن شہروں پر غلبہ حاصل کر کے ٹیکس خراج اور عثرو وصول کر لیں تو امام لوگوں سے دوبارہ ٹیکس صدقات وغیرہ نہ لے، چونکہ ٹیکس لینے کی ولایت تب ثابت ہوتی جب باغیوں کو ٹیکس لینے سے روکا گیا ہوتا جبکہ امام انہیں نہیں روک سکا۔ اگر باغیوں نے وصول کیا ہو مال حق مصارف میں صرف کیا تو ان کے مصروف کو نافذ العمل سمجھا جائے گا چونکہ حق مستحق کو پہنچ گیا اگر حق مصارف میں صرف نہ کیا ہو تو ان کے راہنماؤں کو ہدایت کی جائے کہ مال کو مصارف حقہ میں صرف کیا جائے چونکہ مال مستحق کو پہنچا نہیں۔ ②

۳۔ باغیوں کے جرائم کی سزا..... اگر باغیوں نے اہل عدل کے مسافروں پر زہری کی تو باغیوں پر حد واجب نہیں ہوگی چونکہ وہ تاویل کر کے مسلمانوں کے اموال کو مباح سمجھ رہے ہوتے ہیں اور ان کے پاس قوت اور پناہ گاہ بھی ہوتی ہے۔

اگر کسی باغی نے عادل کی چور کردی تو امام اس کا ہاتھ نہ کاٹے چونکہ امام کو دار بغاوت پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، دوسری دلیل امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی سابق الذکر روایت ہے، فی الجملہ حنفیہ کے نزدیک باغیوں پر حد قائم نہیں کی جائے گی چونکہ امام کو دار بغاوت پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، مالکیہ اور حنابلہ نے بھی حنفیہ کی اس میں موافقت کی ہے کہ دوران بغاوت باغی جو مال تلف کر دیں یا کسی نفس کو قتل کر دیں اس کا ضمان ان پر نہیں ہوگا اور اہل بغاوت پر حد و بھی جاری نہیں کی جائیں گی۔ ③

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر باغیوں نے مسلمانوں کے اموال لوٹ لئے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، اگر چہ باغی دار بغاوت ہی میں کیوں نہ ہو چونکہ باغی سے جرم اور جنایت سرزد ہوئی ہے، لہذا باغی کے حق میں قوت کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہیں۔ چونکہ باغی سختی کا حقدار ہے نہ کہ نرمی کا۔

اگر باغی نے دارالاسلام میں عادل کا مال چوری کر دیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگر چہ باغی عادل کے مال کو حلال ہی کیوں نہ سمجھتا ہو چونکہ دارالاسلام میں باغی کو قوت حاصل نہیں ہوتی۔ ④

۴۔ باغیوں کے قتال اور مشرکین کے قتال میں فرق..... جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آئمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ باغی وہ لوگ ہیں جو امام پر خروج کر لیں اور اس کی اطاعت سے دست کش ہو جائیں اور وہ کسی تاویل کا سہارا لیتے ہوں۔ گویا تاویل کی قید سے باغی محاربین (رہزنوں) سے ممتاز ہوتے ہیں۔

باغیوں کے قتال کے حکم اور مشرکین کے قتال کے حکم میں مالکیہ کے نزدیک فرق کی گیارہ (۱۱) وجہیں ہیں جنہیں قرآنی مالکی نے ذکر کیا ہے۔ ⑤

وہ یہ کہ باغیوں کو عبرت دلانے کے لیے ان سے لڑائی کی جائے، انہیں قتل کرنے کی نیت سے لڑائی نہ کی جائے، ان میں سے جو بھاگ

①..... المبسوط ۱۰/۱۲۸ البدائع ۷/۱۴۱ فتح القدیر ۴/۱۴۲ بدایۃ المجتہد ۲/۴۳۸، حاشیۃ الدسوقی ۴/۳۰۰ المہذب

۲/۲۲۰ مغنی المحتاج ۴/۱۲۵ المعنی ۸/۱۱۳ کشاف المفاتیح ۴/۱۲۸ شرح مسلم للنووی ۷/۱۷۰ ② الکتاب مع اللباب

۴/۱۵۶ ③ القوانين الفقیہیہ ۳۶۲ المعنی ۸/۱۱۳ البدائع ۷/۱۴۱، تحفۃ الفقہاء ۳/۲۵۲، المہذب ۲/۲۲۱۔

⑤ الفروق ۴/۷۱، القوانين الفقیہیہ ۳۶۲ الشرح الکبیر ۴/۲۹۹

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۰۱ اسلام میں دنیوی سزائیں

جائے اس کا پیچھا نہ کیا جائے، جو زخمی ہوں انہیں قتل نہ کیا جائے ان کے قیدیوں کو بھی قتل نہ کیا جائے، باغیوں کے اموال کو بطور غنیمت نہ سمیٹا جائے ان کی اولاد کو قیدی نہ بنایا جائے، ان کے ساتھ جنگ کرنے میں کسی مشرک سے مدد نہ لی جائے، نہ ہی ان کے مال کو برباد کیا جائے، ان پر مجتہدین نصب نہ کی جائیں، ان کے باغات اور فصلیں نہ جلائی جائیں، درخت نہ کاٹے جائیں۔ مالکی مذہب میں معتد یہ ہے کہ امام باغیوں کے ساتھ تلوار، تیر، مخنقیق وغیرہ کے ساتھ لڑائی کر سکتا ہے، ان پر پانی چھوڑ سکتا ہے، ان کی کھیتیاں وغیرہ جلا سکتا ہے خوراک کی آمد و رفت بند کر سکتا ہے، پانی کو منقطع کر سکتا ہے، ہاں البتہ باغیوں میں عورتیں اور بچے ہوں تو ان اموال سے گریز کیا جائے، باغیوں پر آگ نہ برسا کی جائے، ان کی اولاد اور عورتوں کو قیدی نہ بنایا جائے چونکہ وہ بھی مسلمان ہیں۔

اہل حرب مشرکین کے ساتھ بھی جنگ باغیوں کی طرح کی جائے گی البتہ پانچ امور میں فرق ہے جو مشرکین بھاگ رہے ہوں ان کا پیچھا کیا جائے گا۔ جان بوجھ کر انہیں قتل کرنا بھی جائز ہے، مشرکین نے جو قتل کیا ہو یا مال تلف کیا ہو اس کا مطالبہ جائز ہے مشرکین کے قیدیوں کو جس میں رکھنا جائز ہے مشرکین جو زکوٰۃ یا خراج لیں وہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ دوبارہ لیا جائے گا جیسے کوئی غاصب لے لے تو دوبارہ وصول کی جاتی ہے۔

پانچویں فصل..... حد شرب حد سکر اور شراب کی اقسام

خاکہ موضوع..... حد شرب اور حد سکر پر گفتگو حنفی کی اصطلاح کے مطابق ہوگی پھر دوسرے آئمہ کی آراء کا احاطہ کیا جائے گا، اس میں درج ذیل مباحث ہیں:

پہلی بحث	 حد شرب اور حد سکر کی تعریف، سکر (نشہ) کا ضابطہ، حد کی شرائط اور حد کی مقدار۔
دوسری بحث	 حرام اور مباح اشربہ کی انواع
تیسری بحث	 خمر (شراب) کے احکام۔
چوتھی بحث	 نشہ آور شرابوں کے احکام جو خمر کے علاوہ ہوں
پانچویں بحث	 اثبات شرب
چھٹی بحث	 منشیات کے خطرات اور اسلام میں منشیات کے احکام۔

پہلی بحث..... حد شرب اور حد سکر کی تعریف، سکر کا ضابطہ، حد کی شرائط اور مقدار

حنفیہ نے حرام مشروبات کے حوالے سے دو طرح کی حد کا اعتبار کیا ہے ① حد شرب اور حد سکر (نشہ)۔ حد شرب سے مراد وہ حد ہے جو خمر پینے سے واجب ہوتی ہے اور خمر ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں تک کہ خمر کی قلیل مقدار پینے سے بھی حد واجب ہوتی ہے، خمر پینے میں نشہ ہونے یا نہ ہونے پر حد موقوف نہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص خمر (شراب) پینے سے کوڑبہ، ردو۔ ②

خمر..... انگور کا کچا رس جس میں جھاگ اور جوش آجائے۔ خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے ”انھا تخمر العقل“ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ عقل کو غلط میں ڈال دیتی ہے۔ رہی بات حد سکر کی سو یہ حد ہے جو خمر کے علاوہ دوسرے نشہ آور مشروبات پینے سے نشہ چڑھنے کا موجب ہو ③ اس کا بیان آیا چاہتا ہے۔

① اشربہ شراب کی جمع ہے، ہر بہت سی ہوتی چیز کو شراب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں نشہ آور مشروب کو شراب کہا جاتا ہے۔ ② یہ حدیث بارہ مرتبہ سے مروی ہے وہ یہ ہیں ابو ہریرہ، معاویہ، ابن عمر، عبیدہ بن ذؤیب، جابر، ثرید بن سوید، ابو سعید خدری، عبداللہ بن عمرو، جریر بن عبداللہ بن جلی، ابن مسعود، شریک بن اوس، غطفان بن حارث۔ یہ سب احادیث صحیح ستیح ابن حبان، مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہیں۔ ③ البدائع ۳۹/۷، تبیین الحقائق ۱۹۵/۳، فتح القدیر ۸/۱۷۸

الفقه الاسلامی وادلتہ... جلد ہفتم ۲۰۲ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 جمہور فقہاء نے خمر اور دوسرے اشربہ میں کوئی فرق نہیں کیا وہ کہتے ہیں..... ہر وہ شراب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی
 قلیل مقدار حرام ہے۔ اور وہ خمر کے حکم میں ہے اور پینے والے پر حد واجب ہوگی ❶ ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ ”ہر نشہ
 آور چیز خمر ہے اور ہر خمر (شراب) حرام ہے۔“ ❷

ضابطہ مسکر..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ مسکر (نشہ) جس سے وجوب حد متعلق ہو اور حرمت کا حکم لاگو ہو وہ نشہ ہے جو عقل
 کو زائل کر دے بایں طور کہ نشہ والے کو کوئی چیز سمجھ نہ آتی ہو اور وہ بات نہ سمجھتا ہو، مرد اور عورت میں فرق نہ کر سکتا ہو، زمین آسمان میں تمیز نہ
 کر سکتا ہو، چونکہ اسباب حدود میں انتہائی درجے کو لیا جاتا ہے تاکہ حد مل جائے، چنانچہ حدیث میں ہے ”شبہات کی وجہ سے حدود نال دو“۔ بنا
 برائیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے غایت درجے کے نشہ اور کامل نشہ کا اعتبار کیا ہے اور وہی موجب حد ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور بقیہ آئمہ کہتے ہیں..... مسکران (نشہ والا) وہ ہوتا ہے جس کی غالب گفتگو ہذیان اور بے ہودگی ہو،
 لوگوں کے عرف میں وہی مسکران ہے جو ہذیان بکے اور اس کے کلام میں خلط ہو اور وہ ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے ممتاز نہ کر سکتا ہو ایک
 جوتے کو دوسرے جوتے سے الگ تمیز نہ کر سکتا ہو۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اکثر مشائخ کا میلان ہے، اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ
 صاحب تنویر الابصار وغیرہ نے لکھا ہے ❷ غیر حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

حد کی شرائط..... مسکرات (نشہ آور مشروبات) کی حد کی آٹھ شرائط ہیں وہ یہ ہیں۔

اول.....	یہ کہ شراب پینے والا عاقل ہو۔ مجنون پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔
دوم.....	شراب (پینے والا) بالغ ہو، بچے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔
سوم.....	شراب مسلمان ہو، کافر پر حد نہیں ہوگی چونکہ کافر کو شراب پینے سے نہیں روکا گیا۔
چہارم.....	شراب نے اپنے اختیار سے شراب پی لی ہو جبراً اسے نہ پلائی گئی ہو
پنجم.....	اضطراری حالت میں شراب نہ پی ہو۔
ششم.....	اسے معلوم ہو کہ یہ خمر ہے، اگر شراب نے کوئی دوسری قسم کی شراب سمجھ کر پی لی ہو تو اس پر حد نہیں ہوگی۔
ہفتم.....	شراب کو علم ہو کہ خمر حرام ہے اگر شراب عدم علم کا دعویٰ کرے تو پھر اس میں ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہے آیا کہ شراب کا قول قبول کیا جائے گا یا نہیں، مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ شراب نے مسلمانوں میں پرورش پائی ہو تو اس کی جہالت کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

ہشتم..... شراب کا مذہب یہ ہو کہ شراب حرام ہے، اگر کسی ایسے شخص نے نبیذ پی لی جس کا مذہب یہ ہو کہ نبیذ حلال ہے تو
 اس میں علماء کا اختلاف ہے آیا کہ اس پر حد ہوگی یا نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں..... مسکرات پر حد اس صورت میں ہے کہ جب شراب کو علم ہو کہ مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہے، اس کے علاوہ پر

❶..... بدایۃ المجتہد ۲/۳۳۴ مغنی المحتاج ۴/۱۸۷، المغنی ۸/۳۰۴ المہذب ۲/۲۶۸ المتفقی ۳/۱۴۷۔ ❷ رواہ بهذا اللفظ
 مسلم والدارقطنی عن ابن عمر ورواہ احمد مسلم واصحاب و اصحاب السنن الا ابن ماجہ و کذلک رواہ ابن حبان وعبد الرزاق
 والدارقطنی وروی عن صحابہ آخرین مثل أنس بن مالک و عمر بن الخطاب و قرة بن ایاس و قیس بن سعد بن عباده الانصاری،
 ومیمونة وابی موسی الشاعری وغیرہم حتی انه بلغ رواة هذا الحديث ستة عشرین صحابياً (نصب الرایة ۴/۲۹۵ التلخیص
 الجبیر ۳۵۹ مجمع الزوائد ۵/۵۷ نیل الاوطار ۸/۱۷۳) مختصر الطحاوی ۲۷۸ فتح القدیر ۴/۱۸۷ البدائع ۱۱۸

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم..... ۲۰۳..... اسلام میں دنیوی سزائیں
 حد نہیں ہوگی چونکہ وہ اس کی حرمت کا علم نہیں رکھتا، یہ عام اہل علم کا قول ہے۔

حد کی مقدار..... جمہور فقہاء کہتے ہیں: کہ شراب اور نشہ آور کی حد اسی کوڑے ہیں ❶ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ”جب کوئی شخص شراب پیتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو جھوٹ اور تہمت باندھتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی کوڑے ہیں ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ گویا اجماع ہو گیا۔ ❸

شافعیہ: کہتے ہیں..... خمر اور بقیہ مسکرات کی حد چالیس کوڑے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر متعین نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نشے میں دھت انسان کی مار پٹائی کی جاتی تھی جس کی کوئی تعین نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ❹ چنانچہ شافعیہ نے چالیس کوڑے مقرر کر لیے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی پر ٹہنیوں اور جوتوں سے مارا کرتے تھے۔ ❺ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس کوڑے مارتے تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی چالیس کوڑے مارتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی کوڑے مارتے تھے، اور یہ سب سنت ہے اور یہی مجھے زیادہ محبوب ہے ❻ شراب کی حرمت ۸ ہجری میں ہوئی جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، اور حد خمر ہاتھوں، جوتوں اور کپڑوں کی اطراف سے لگائی جاتی تھی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، حد شراب میں درمیانے درجے کا کوڑا مارا جائے محدود کو نہ لٹایا جائے اور نہ ہی ننگا کیا جائے۔ چنانچہ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس امت میں لٹا کر مارنے اور ننگا کر کے مارنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس امت میں نہ ہی طوق ڈالنے کی گنجائش ہے اور نہ بیڑیاں۔“ اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

دوسری بحث..... اثر بہ کی اقسام:

(اول)..... وہ مشروبات جو حرام ہیں۔ ان کی تعداد سات ہے۔

۱۔ خمر..... انگور کا کچا رس جس میں جوش پیدا ہو جائے اور جھاگ اٹھنے لگے (جسے آگ میں گرم نہ کیا گیا ہو) سخت ہو کر صاف ہو جائے یہ تعریف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے چونکہ مسکر ہونے کا معنی تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب اس میں جھاگ پیدا ہو جائے بغیر جھاگ کے خمر نہیں ہوگا۔

❶..... فتح القدیر ۱۸۵/۴ البدائع ۱۱۳/۵ تبیین الحقائق ۱۹۵/۳ بداية المجتہد ۴۳۵/۲ حاشیۃ الدسوقی ۳۵۲/۴ المنتقى على الموطأ ۱۴۳/۳، القوانين الفقهية ۳۶۱ المغنی ۳۰۴/۸ نیل الاوطار ۱۴۴/۷۔ ❷ رواہ الدارقطني و مالک بمعناه والشافعی عن ثور بن زید الدیلمی وهو منقطع لان ثورا لم يلحق عمر بلا خلاف ولكن وصله النسائي والحاكم من وجه آخر من ثور عن عكرمة عن ابن عباس، ورواه عبد الرزاق عن عكرمة ولم يذكر ابن عباس (جامع الاصول ۴/۴۲۱، التلخیص الحبیر ۳۶۰ نیل الاوطار ۱۴۴/۷ نصب الرایۃ ۳/۳۵۱) ❸ اجماع کا دعویٰ غیر مسلم ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے صحابہ نے نہ شراب میں اختلاف کیا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حد شراب کی معین مقدار منقول نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ۷/۱۴۲) ❹ رواہ احمد والبخاری وابوداؤد عن ابی ہریرۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا اس نے شراب پی ہوئی تھی آپ نے فرمایا: اے مارو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم سے بعض نے ہاتھوں سے اسے مارا بعض نے جوتے سے اور بعض نے کپڑے سے، جب جانے لگا تو کسی نے کہا: اللہ تجھے رسوا کرے۔ آپ نے فرمایا: ایسے مت کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔ (نیل الاوطار ۷/۱۳۸) ❺ رواہ البخاری ومسلم والترمذی وابوداؤد عن انس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا آپ نے شراب پی ہوئی تھی آپ نے ثنی سے اس پر حد جاری کی اور چالیس کے قریب قریب لگائیں (جامع الاصول ۴/۳۳۰، نیل الاوطار ۷/۱۳۸، التلخیص الحبیر ۳۶۰) ❻ رواہ مسلم من حدیث حصین بن المنذر من قول علی (نیل الاوطار ۷/۱۳۸ التلخیص الحبیر ۳۶۰ وراجع فی الفقه مغنی المحتاج ۴/۱۸۹، المہذب السیاسة الشرعیة ۱۰۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۰۴ اسلام میں دنیوی سزائیں
 صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کہتے ہیں..... جب اس میں جوش آئے اور شدت پکڑ جائے تو وہ خمر ہے چونکہ جھاگ مارنے کے بغیر بھی
 مسکر ہونے کا معنی متحقق ہو سکتا ہے، حنیفہ کے نزدیک صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کی رائے رائج ہے تاکہ فساد کا دروازہ بند رہے۔
 انگور کا وہ رس جس میں جوش پیدا ہو جائے اور اسے تین دن گذر جائیں وہ حرام اور نجس ہے، خمر کے حرام ہونے کی دلیل اور حرمت کی
 حکمت کی دلیل یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَفْصَابُ وَالْأَزْلامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا
 لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ① إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
 وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَبِهُونَ ② المائدہ: ۹۰/۹۱
 اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے گھان اور جوئے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں لہذا ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔
 شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد
 اور نماز سے روک دے اب بتائے کہ کیا تم ان چیزوں سے باز آ جاؤ گے۔
 یہ آیت چوتھے مرحلہ میں نازل ہوئی پہلا مرحلہ میں یہ آیت:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا
 کھجوریں اور انگوروں کے پھلوں سے جس سے تم شراب اور رزق حاصل کرتے ہو۔

دوسرے مرحلہ میں یہ آیت:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ..... البقرہ ۲۱۹/۲

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ دو انہیں بہت بڑا گناہ ہے۔

تیسرے مرحلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

لِتَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

حالت نشہ میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ تا وقتیکہ تمہیں اپنی کبی ہوئی باتیں سمجھ آ نہ لگیں۔

اس مخالفت کی حکمت واضح ہے وہ یہ ہے انسانوں کو ضرر و فساد نے دور رکھنا مقصود ہے۔

۲۔ مسکر..... کھجور کا عرق جسے آگ پر نہ پکایا گیا ہو یا کھجور کا کچا پانی، جب جوش مارے شدت پیدا ہو جائے جھاگ چھوڑے اور اس کا
 جوش ٹھہر جائے امام صاحب کے ہاں، صاحبین اور باقی آئمہ کے ہاں: جب جوش مارے اور اس کا جوش ٹھہرے نہیں، سابقہ اختلاف کی
 طرح۔ اور نبیذ تمر جب پکے نہ تو وہ بھی مسکر جیسا کہ نتائج الافکار میں قاضی زادہ نے تحقیق نقل کی ہے۔ ①

۳۔ فیض..... کچی کھجور کی شراب جب جوش مارے تو شدت پیدا ہو جائے اور جھاگ چھوڑے یا نہ چھوڑے اسے فیض اس لیے کہتے ہیں
 کہ یہ توڑی جاتی ہے۔ علی الخلاف سابق۔

۴۔ فیض زریب..... پانی میں بھگوئے ہوئے خشک انگور کا پانی جس کی منھاس ختم ہو گئی ہو پکائی نہ گئی ہو شدت پیدا ہو جائے اور جھاگ
 چھوڑے یا نہ چھوڑے ”علی الخلاف سابق“۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۰۵ اسلام میں دنیوی سزائیں

۵۔ طلاء یا مثلث..... انگوروں کا پکایا ہوا سر شیرہ جب پکنے کی وجہ سے اس کے دوثلث ختم ہو جائیں اور ایک ثلث باقی رہ جائے تو یہ حنفیہ کے ہاں نشہ آور ہے۔ لہذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر اسے مستی وغیرہ کے لیے پیئے تو حرام ہے جیسا کہ عام پینے والوں کی یہی حالت ہے اور اگر اسے پینے کا مقصد قوت حاصل کرنا یا بطور علاج ہو ”یہ شاذ و نادر ہے“ لیکن ان کے ہاں اس کا پینا مباح ہوگا جبکہ امام محمد اور باقی آئمہ کے ہاں اس کا پینا مطلقاً حرام ہے۔

۶۔ باذنق، منصف..... انگور کا شیرہ جو اتنا پکایا ہوا ہو کہ دوثلث سے کم ختم ہو جائے چاہے ثلث سے کم ہو یا نصف سے تو نشہ آور ہو جاتا ہے۔ اس بات پر دلیل کہ ثلث سے زیادہ حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس کے دوثلث ختم ہو جائیں اور ایک ثلث باقی رہ جائے وہ حلال اور جس میں دوثلث ختم نہ ہوں تو اس میں نشہ کی قوت باقی ہوتی ہے۔

۷۔ جمہوری..... طلاء میں جب پانی ڈال کر اسے پکایا جائے کہ پانی جل جائے اور طلاء باقی رہے یہ بھی نشہ آور ہو جاتا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں اگر مستی کی غرض سے پیئے تو حرام ہے اور باقی آئمہ کے ہاں مطلقاً حرام ہے۔

دوسری بات: حلال مشروبات..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق جو ضعیف رائے ہے کہ حلال مشروبات چار ہیں جبکہ ان کے پینے کا مقصد قوت حاصل کرنا، غذا ہضم کرنا اور علاج ہو وہ درج ذیل ہیں:

۱..... کھجور اور انگور کی بنیڈ میں سے اگر ایک کو تھوڑا سا پکایا جائے تو اس کا پینا حلال ہے اور اگر وہ قوت پکڑے بڑھے اور نشہ کی حد تک نہ جائے اور وہ بغیر مستی کے اسے پیئے لیکن اگر اتنا پیا کہ اس کے نشہ آور ہونے کا گمان ہو تو آخری پیالہ جس کے پینے سے نشہ آئے وہ حرام ہے اس لیے کہ ہر مشروب کا نشہ حرام ہے۔

۲..... انگور اور کھجور کا مخلوط شیرہ کو جب تھوڑا پکایا جائے اور وہ پختہ ہو جائے تو اسے قوت اور غذا کے ہضم کے لیے پینا جائز ہے۔

۳..... شہد، انجیر، گندم اور چاول کی بنیڈ حلال ہے چاہے پکائی جائے یا نہ بغیر مستی کے پیئے۔ نیز غسل اگر مسکر ہو جائے تو اسے ”البعیج“ اور گندم اور جو اگر نشہ آور ہو جائیں اسے ”الحجۃ“ اور چاول کی بنیڈ جب نشہ دے تو اسے ”المرز“ کہتے ہیں اور یہ بنیڈیں اگر نشہ آور نہ ہوں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں احلال ہیں ان کی تفصیل آ رہی ہے۔

۴..... طلاء اور مثلث انگور کے جب انہیں پکایا جائے دوثلث ختم ہو جائے اور ایک ثلث باقی رہ جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قوت و طاقت اور علاج کے طور پر اسے استعمال کرنا حلال ہے ضعیفہ کے ہاں مختار اور مفتی بہ رائے ان چار مشروبات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ سب حرام ہیں امام محمد کے قول کے مطابق۔ ❶

تیسری بحث..... شراب کے احکام

شراب سے متعلق درج ذیل احکام ہیں:

۱..... شراب کا پینا حرام ہے تھوڑی ہو یا زیادہ، کیونکہ یہ نجس العین ہے اور اس کی ذات ہی حرام ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأُزْلَامُ يَرْجُسُ مِّنْ عِندِ الشَّيْطَانِ..... المائدہ ۹۰

اے ایمان والو! جو ہے شراب اور جوا اور بت اور بانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں شراب کا وصف ”رجس“ بیان فرمایا ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ یہ ذاتی اعتبار سے حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، شراب ذات کے اعتبار سے حرام ہے، تھوڑی ہو یا زیادہ اور باقی تمام مشروبات میں نشہ حرام ہے ❷ صرف اتنی بات ہے کہ ضرورت حاجت کے موقع پر اس کے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۰۶ اسلام میں دنیوی سزائیں

پینے کی اجازت ہے جیسے پیاس، اگر اہک کی صورت میں جتنی سی ضرورت پوری ہو اور اس کے علاج اور بطور دوائی اسے استعمال کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں بیماری کی شفاء نہیں رکھی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا اس چیز میں نہیں رکھی جو تم پر حرام ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حرام چیز سے علاج کرنا حرام ہے اور یہ کہ حرام چیز میں شفاء نہیں ہے اس وجہ سے کہ شراب حرام سے علاج کرنا بھی حرام ہے۔ ❶ اور آدمی پر حرام ہے کہ وہ بچوں کو شراب پلائے اگر بچوں کو شراب پلائی تو اس کا گناہ اس پر ہوگا نہ کہ بچوں پر، اس لیے کہ حرام ہونے کا خطاب اس کی طرف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”شراب (پلانے والا) پینے والا بتوں کی عبادت کرنے والے کی طرح بنے“ ❷ اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد ہے: شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے ❸ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے شراب پینے والے پر اور پلانے والے پر، اسے فروخت کرنے والے پر، خریدنے والے پر، بخورنے والے پر، نخورنے والے پر، اسے اٹھانے والے پر، جس کے لیے پلائی جائے اس پر، اور اس کی آمدنی کھانے والے پر۔ ❹

۲..... اسے حلال سمجھنے والا کافر ہے، اس لیے کہ اس کی حرمت قرن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْدَامُ مَرْجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ❶ المائدہ: ۹۰/۵

۳..... مسلمان کا اسباب ملک مثلاً بیع شراہ اور ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا مالک بننا حرام ہے، اس لیے کہ ان سب چیزوں کے ذریعہ شراب سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور مسلمان کے لیے اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اے اہل مدینہ! اللہ تبارک تعالیٰ نے شراب کی حرمت نازل فرمائی ہے بس جو شخص ان آیات کو لکھے اور اس کے پاس شراب میں سے کچھ ہو تو وہ نہ اسے پیئے نہ اسے فروخت کرے۔ تو انہوں نے اسے مدینہ کی گلیوں اور راستوں میں بھادیا ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس ذات نے شراب حرام قرار دی اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام قرار دی ❸ البتہ اتنی بات ہے کہ اس میں وراثت جاری ہوگی اس لیے کہ موروث میں ملکیت شرعاً ثابت ہے یہ تسلیم نہیں یہ الگ بات ہے کہ شراب مقوم نہیں لیکن فی الجملہ یہ قابل ملک مال ہے۔

۴..... اگر مسلمان کی ہو تو اسے تلف کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مسلمان کے حق میں اگر چہ مال تو ہے لیکن مال مقوم نہیں۔

۵..... یہ نجس ہے نجاست غلیظہ کے طور پر، حقیقہ کے نزدیک اگر یہ درہم سے زیادہ مقدار میں کپڑے کو لگ جائے تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ”رجس“ کا نام دیا ہے۔ اور فرمایا:

مَرَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ..... المائدہ: ۹۰/۵

اور ظاہر ہے کہ ”رجس“ کے لفظ سے شرعی نجاست مراد ہے ❶ اور شراب سے بچنے کا حکم اس سے بہت دور رہنے کے لیے ہے، جمہور کے ہاں شراب اور تمام نشہ آور مائع چیز نجس ہیں ان کے پینے سے بھی زیادہ اس سے نفرت دلانے اور غتلیظاً اور اس کے قریب جانے سے روکنے کے لیے۔ ❷ شراب کے نجس ہونے پر ابو ثعلبہ الحُثنی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! ہم اہل کتب کی زمین میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھاپی سکتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے برتنوں کے علاوہ تم برتن پاتے ہو تو ان میں نہ کھاؤ، لیکن اور برتن نہیں تو انہیں دھو کر ان میں کھایا کرو۔ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے ”ہم اہل کتاب کے پڑوسی ہیں اور وہ اپنے برتنوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور ان میں شراب پیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے علاوہ وہ تمہارے پاس برتن ہوں تو ان میں مت کھاؤ پیو، اگر برتن نہ ہوں تو پھر انہیں دھو کر ان میں کھاؤ پیو ❸ شوکانی نے کہا کہ ابو ثعلبہ کی حدیث میں برتن دھونے کا حکم ان کے تلوٹ کی وجہ سے نہیں بلکہ سور پکانے اور شراب پینے کی وجہ سے ہے۔ اگر کسی جانور کو شراب پلائی گئی اور پھر اسے ذبح کیا گیا تو اگر اس کو

❶..... أخرجه البيهقي ❶ نصب الرأية: ۲۹۸/۴ النسائي ❷ ابو داؤد ❸ نصب الرأية: ۲۹۶/۴، مجمع الزوائد: ۵۱/۵۔

❹ مسند ❶ المنار: ۵۸/۸۔ الفقه علی المذاهب الأربعة ص ۱۸/۱ ❷ نصب الرأية: ۹/۱

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۰۷ اسلام میں دنیوی سزائیں
اسی وقت ذبح کیا گیا تو وہ جانور حلال ہے، اس لیے کہ شراب ابھی آنت میں ہے جو دھونے سے صاف ہو جائیں گی، لیکن اگر ایک دن یا زیادہ
گزرنے کے بعد ذبح کیا گیا تو حنفیہ کے ہاں کراہت کے ساتھ حلال ہے اس لیے کہ رگوں اور پٹھوں میں اس کے پھیل جانے کا احتمال ہے۔
اگر شراب میں گندم ڈالی گئی پھر اسے دھویا گیا اور شراب کا ذائقہ اور بواس سے دور ہو گئی تو اس کا کھانا حلال ہے اگر شراب کا ذائقہ اور بوز اکل نہ
ہوئی تو کھانا حلال نہیں۔

۶..... شراب پینے والے کو حد لگائی جائے گی تھوڑی پینے سے یا زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس چیز کا زیادہ حصہ نشہ
دلانے تو اس کا کم حصہ بھی حرام ہے۔“ ① نیز اس بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ ②

اگر کسی نے پانی میں ملا کر شراب پی اگر اس میں شراب زیادہ ہے تو حد واجب ہے اور اگر پانی زیادہ ہے کہ شراب کا ذائقہ اور بونہیں ہے تو
حد واجب نہیں، البتہ شراب ملا پانی پینا حرام ہے۔ اس لیے کہ اس میں شراب کا اجزاء حقیقی کے اعتبار سے موجود ہیں۔

۷..... آزاد آدمی کے لیے شراب اور نشہ آور اشیاء کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی حد لگائی
ہے اور اسے حد قذف پر قیاس کیا ہے یہ جمہور کی رائے ہے۔ شوافع کے ہاں شراب اور نشہ آور اشیاء کی حد چالیس کوڑے ہیں، اس لیے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو چالیس کوڑے لگائے تھے، اور حضرت علی کا ارشاد ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب
میں چالیس کوڑے لگائے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگائے عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے لگائے اور ہر ایک ان میں
سے سنت ہے۔ ③

۸..... اگر شراب سرکہ بن جائے تو سرکہ کا استعمال بغیر کسی اختلاف کے حلال ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”بہترین
سالن سرکہ ہے“ ④ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سرکہ کی پہچان یہ ہے کڑواہٹ ختم ہو جائے اور اس میں کھٹاس آ جائے اور کڑواہٹ بالکل
ختم ہونی چاہیے اگر اس کچھ کڑواہٹ بھی اس میں باقی رہی تو اس کا استعمال حلال نہیں اس لیے کہ شراب جب تک مکمل سرکہ نہ بن جائے تو وہ
سرکہ نہیں کہلائے گی۔ صاحبین کے ہاں تھوڑی کھٹاس بھی باقی رہ جائے تو سرکہ بن جائے گی سرکہ کا اظہار ہی کافی ہے۔ اگر شراب والا اس میں
کوئی چیز ملا کر مثلاً سرکہ، نمک وغیرہ ڈال کر خود اسے سرکہ بنائے کہ اس میں کھٹاس آ جائے تو جمہور کے ہاں اس کا پینا حلال ہے اور جمہور کے
ہاں خود سرکہ بنانا جائز ہے یہ جلد کھال، کو پاک کرنے پر قیاس ہے۔ اس لیے دباغت سے کھال پاک ہو جاتی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے ”تمہارا سب سے بہتر سرکہ شراب کا سرکہ ہے۔“ ⑤

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے، ”اچھا سالن سرکہ ہے“ اس میں آپ نے شراب کے خود سرکہ بن جانے یا بنانے میں تفصیل ذکر
نہیں فرمائی، نیز اس لیے بھی فاسد و صف کو تخلیل ختم کر دیتی ہے اور شراب میں درنگی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور درنگی کرنا مباح ہے۔ اور جب
شراب سرکہ بن جائے تو اس کے ساتھ ملا ہوا برتن پاک ہو جائے اور اگر اس سے اوپر والا حصہ اس سے تر ہو گیا تو وہ بھی پاک ہوگا اور یہ بھی کہا گیا
ہے کہ تبعاً پاک ہونا یہ مفتی بقول ہے۔ ⑥

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خود سرکہ بنانے سے شراب کا سرکہ حلال نہیں ہوگا اور نہ ہی اس طرح شراب پاک ہوگی اس لیے کہ ہم کو
اس سے بچنے کا حکم ہے اور سرکہ بنانا شراب کے قریب ہونا ہے اور یہ اجتناب کے حکم کے خلاف ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ شراب میں ڈالی جانے
والی چیز اس سے ملتے ہی ناپاک ہو جائے گی لہذا سرکہ بننے کے بعد بھی وہ نجس رہے گی۔ ⑦ جب شراب سائے سے سورج کی روشنی میں رکھی
جائے یا اس کے برعکس اور وہ سرکہ بن جائے تو جمہور اور شوافع کے ہاں وہ حلال ہے۔

①..... نصب الرایۃ: ۴/۳۰۱ ②..... تفسیر المنار: ۷/۷۷ ③..... اخرجه البيهقي ومسلم ④..... نصب الرایۃ: ۴/۱۳۰ ⑤..... نصب الرایۃ

⑥..... ۳۱۱/۴ الميسوط ۷/۷۷ ⑦..... حاشیة قیلوبی و عمیرہ

چوتھی بحث..... شراب کے علاوہ نشہ آور اشیاء کے احکام

یہ مشروبات اور شرابیں تین قسم کی ہیں پہلی قسم: جو پکائی نہ گئی ہو، اور وہ مسکر، نصیح، باذنق نقع زیب اور نقع التمر: جب جوش مارے جھاگ پھینکے یا انگور کے شیرہ سے جو پکایا جائے اور دوثلث سے کم ختم ہو جانے اور بغیر پکانے اس میں شدت آجائے تو اس قسم کے متعلق درج ذیل احکام ہیں۔ ①

۱..... تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا پینا حرام ہے تمام علماء کے ہاں بالاتفاق کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے ② اور آپ نے کھجور اور انگور کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر قسم یا تو کھجور سے ہے یا انگور سے اور جب پکانے کی وجہ سے دوثلث سے کم وہ ختم ہو جائے تو حرام اس میں باقی ہے یعنی جوثلث سے زیادہ ہے۔

۲..... اسے حلال سمجھنے والا کافر نہیں البتہ گمراہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کا حرام ہونا شراب کے حرام ہونے سے کم ہے اور بہ اخبار احاد غیر قطعی دلائل سے ثابت ہے اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔

۳۔ حنفیہ کے ہاں کم پینے والے پر حد نہیں ہوگی اور حد نشہ آنے کی وجہ سے واجب ہوگی کیونکہ سابقہ حدیث میں تصریح ہے کہ:

السکر من کل شراب

تمام مشروبات میں نشہ حرام ہے۔

نشہ کو آپ نے حرام قرار دیا اور اس کی حرمت کو شراب کی حرمت کی طرح قرار دیا اور وہ چیزیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ③ المائدہ ۹۱/۵

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوائے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں اور معانی ہر نشہ آور چیز میں پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نبیذ میں سے جو نشہ دلائے تو اس میں اتنی (۸۰) کوڑے ہیں اور شراب تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں بھی اتنی (۸۰) کوڑے ہیں۔“

۴: حد کی مقدار..... جمہور کے ہاں اتنی (۸۰) کوڑے ہیں اور شوافع کے ہاں چالیس کوڑے ہیں۔

۵..... ان سے علاج معالجہ کرنا حرام ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نشہ آور چیز سے علاج کے سلسلہ میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی۔ ④

۶..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اسے فروخت کرنا جائز ہے کراہت کے ساتھ اور اسے تلف کرنے والا ضامن ہوگا اس لیے کہ بیع نام ہے مرغوب چیز کو مرغوب کے بدلے فروخت کرنا اور مشروبات مرغوب ہیں اس لیے کہ شراب اگرچہ مرغوب ہے لیکن حدیث کی تصریح کی وجہ سے اسے فروخت کرنا جائز نہیں ”اے اہل مدینہ: اللہ تبارک تعالیٰ نے شراب کی حرمت نازل فرمائی ہے، جس نے یہ آیت لکھی ہے اور اس کے پاس شراب میں سے کچھ ہو تو وہ نہ اسے پئے اور نہ فروخت کرے“ بس یہ نص شراب کے بارے میں ہے لہذا اپنے مورد پر ہی خاص رہے گی اور اس لیے بھی کہ ان مشروبات کے سلسلہ میں احادیث متعارض ہیں حلال، حرام ہونے کے بارے میں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے احتیاطاً ان کے حرام ہونے کا فرمایا ہے، لیکن احتیاط کی وجہ سے ان کی مالیت باطل نہیں ہوتی، اس لیے لوگوں کے حقوق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
تیسری قسم حلال مشروبات..... انگور، کھجور، مخلوط، اور ان کے علاوہ چیزوں میں سے بنائی گئی مشروبات چار حلال مشروبات جن کا
ماقبل میں ذکر ہوا خلیطین، مزر، جعد، تبع، مثالث وغیرہ دوائی علاج وغیرہ کی غرض سے پینا حلال ہے تھوڑا ہوا یا زیادہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے، لیکن
اسے پینے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی اگرچہ اس سے نشہ ہی کیوں نہ آئے یہ حکم تخمین کے ہاں ہے اس لیے کہ ان مشروبات میں شراب کا
معنی نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ اس میں شدت نہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خمر (شراب) ان دودرختوں سے ہوتی ہے یعنی
کھجور اور انگور، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”الخمر“ فرمایا اس میں الف لام جنس کے لیے ہے اس کا تقاضا ہے کہ خمریت انہیں دودرختوں سے
بنائی جانے والی چیز کے ساتھ خاص ہو۔ اور حد اس لیے واجب نہیں اگرچہ اس سے نشہ آئے اس لیے کہ مباح چیز سے نشہ آیا ہے لہذا حد
واجب نہیں، جیسے بھنگ سے نشہ کی صورت میں بخلاف مثالث کے پینے سے اس میں حد واجب ہے کیونکہ ممنوع چیز کے استعمال سے اس میں
نشہ آیا ہے وہ آخری پیالہ ہے۔

ان تینوں میں فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ، پہلی قسم کی قلیل مقدار اور کثیر مقدار دونوں حرام ہیں، اور ان سے نشہ آنے کی صورت میں حد واجب
ہے، اور دوسری قسم میں صرف نشہ حرام ہے اور نشہ کی وجہ سے اس میں حد واجب ہے، اور تیسری قسم کو بطور دوائی اور تقویت کے لیے پینا حلال ہے
اگرچہ اس سے نشہ ہی کیوں نہ آئے، اور شیخ کے ہاں اس میں باوجود نشہ آنے کے حد نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ چاروں مشروبات حرام
ہیں۔ یعنی جوشہد اور انجیر وغیرہ سے بنائی گئی ہیں اور اس سے پینے والے پر نشہ کی وجہ سے حد جاری ہوگی، اور حنفی مذہب میں اسی پر
فتویٰ ہے، اور آئمہ ثلاثہ کے ہاں بھی کم یا زیادہ دونوں صورتوں میں حد واجب ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر نشہ آور چیز
شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے، اور آپ کا ارشاد ہے ”جس کا کثیر نشہ دے اس کی قلیل بھی حرام ہے“ اور آپ کا ارشاد ہے: ہر وہ شراب جو نشہ
آور ہے وہ حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے: شراب انگور سے، شہد سے، کشش سے، گندم سے، کھجور سے بنتی ہے اور میں تمہیں
ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ ①

حشیش، افیون اور بھنگ..... مائع مشروبات کے علاوہ ہر وہ چیز جو عقل کو زائل کرے حرام ہے جیسے بھگ حشیش اور افیون وغیرہ،
اس لیے کہ ان کا نقصان ثابت ہے اور اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرر اتنی بات ہے کہ ان میں حد نہیں اس لیے کہ اس میں نہ لذت ہے نہ مستی اور
اس کی کم مقدار کثیر کی طرف واسطی بھی نہیں البتہ اس کے ضرر کی وجہ سے تعزیر ہے۔ ابو داؤد میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور ہر ست کرنے والی چیز سے منع فرمایا، ”بھگ اور اس کی طرح کی دوسری نشہ آور اشیاء تھوڑی مقدار میں
استعمال کرنا بطور علاج جائز ہے اس لیے کہ ان کی حرمت ذاتی نہیں بلکہ نقصان کی وجہ سے۔ ②

کافی اور تمباکو..... ”صاحب عباب“ شافعی سے کافی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا وسائل کے لیے مقاصد والا حکم ہے
اگر ارادہ کسی نیک کام پر مدد کا ہو تو وہ قربت ہے اور اگر کسی مباح کا ہو تو مباح ہے اگر کسی مکروہ کام کا ہو تو مکروہ ہے اگر حرام کا ارادہ ہو تو اس کا
استعمال حرام ہے۔ بعض حنابلہ نے بھی ان کی اس تفصیل کی تائید کی ہے مصنف ”غایۃ المنتہی“ شیخ مرغی بن یوسف حنبلی نے فرمایا: تمباکو اور کافی
کا استعمال حلال تو ہے لیکن ہر باشعور انسان کے لیے ان کو استعمال نہ کرنا اولیٰ ہے ③ حقیقت یہ ہے کہ سگریٹ نوشی (تمباکو) کا درجہ کراہت
تہذیبی یا تحریمی سے کم نہیں اور کبھی سگریٹ نوشی حرام ہوتی ہے جب اس کا نقصان مثلاً جانی، مالی ظاہر ہو یا سگریٹ نوشی کرنے والے کو مال کی
ضرورت ہو جیسے وہ قوت طاقت یا اسے اہل عیال کے لباس خوراک کے لیے استعمال کرتا ہو۔ اباضیہ نے تمباکو کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ
خبیث چیزوں میں سے ہے، ایرانی حکومت نے ۱۹۹۱ء میں اس سے روک دیا اور اس کی حرمت کا حکم جاری کیا ہے اور تمباکو نوشوں کو فروخت کی

لفظہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۱ اسلام میں دنیوی سزائیں، اجازت نہیں دی شیخ محمد بن جعفر الکثانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ: آئمہ اربعہ اور دوسرے حضرات کے ہاں تمباکو نوشی کی حرمت پر سترہ دلیلیں ہیں اور انہوں نے تمباکو نوشی کے بہت سے مفاسد واضح کئے ہیں اور علماء اسلام کے فتاویٰ کی نقل کے لیے ہیں اس کی حرمت پر اور اس کے مباح ہونے کے تائید سے مناقشہ کیا ہے، بالاختصار وہ دلائل یہ ہیں:

۱..... تمباکو خباثت میں سے ہے جن کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے خباثت ہر وہ چیز ہے جسے انسان پسند نہ کرتا ہو اور اس سے نفرت کرے۔

۲..... تمباکو انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کا نقصان ظاہر و واضح ہے جس میں کوئی شک شبہ کی گنجائش نہیں حکماء کے قول میں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دل کے کینسر اور دوسری بڑی بیماریوں کا ذریعہ ہے۔

۳..... تمباکو نوشی (سگریٹ نوشی) کے دھوئیں سے ان لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے جو اسے استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً بیوی، شوہر اور دوست وغیرہ۔

۴..... تمباکو نوشی کی گندی بد بو سے فرشتوں اور کراما کا تہن کو تکلیف ہوتی ہے۔

۵..... تمباکو نوشی دین کے لیے بھی مضر ہے جو قصوف و سلوک کی منازل طے کر رہا ہو۔

۶..... تمباکو نوشی کی وجہ سے جسم و بدن کا انتہائی نقصان ہے۔

۷..... تمباکو نوشی سستی پیدا کرتا ہے لہذا کبھی کبھی ابتداء پینے والوں کو نشہ دیتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نشہ آور چیز استعمال کرنے والی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

۸..... اس میں فضول خرچی ہے کیونکہ اس میں مال کو بغیر دینی یا دنیوی فائدہ کے ضائع کرنا ہے۔

۹..... یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے اس کی وجہ سے دل بے چین اور مضطرب ہوتا ہے اور یہ مشکوک اور مشتبہ ہے اور جو شخص مشکوک اور مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا، اور نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو۔

۱۰..... اس کی وجہ سے انسان جلی ہوئی چیزیں کھاتا ہے اور اس کا جلا ہوا رکھ حلق میں جل جاتا ہے۔

۱۱..... اس کی وجہ سے انسان آگ کھا رہا ہوتا ہے جو اس کے پتوں سے جل کر پیٹ میں جاتی ہے۔

۱۲..... اس کی وجہ سے عناصر اربعہ میں سے سودا و صفراء میں خرابی پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ بدنی رطوبات کو کم کرتا ہے اور انہیں

جلاتا ہے۔ ❶

۱۳..... اس میں فضول اور لہو ہے جو کہ حنفیہ کے ہاں حرام ہے۔

۱۴..... اس سے تمام حکمران جو مسلمان ہیں مثلاً ترکی، مغرب کے اور سوڈان کے بلکہ امریکہ کے حکمران بھی اس سے منع کرتے ہیں۔

۱۵..... یہ بدعات میں سے ہے اور قرون ثلاثہ جن کی خیریت اور فضیلت کی خبر کے بعد کی ایجاد ہے کہ دس قرون کے بعد کی ابوداؤد میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: تم نئی نئی ایجادوں سے بچو اس لیے کہ ہر نوع ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔

۱۶..... اس میں ہلاکت ہے کیونکہ پینے والا اگر اسے چھوڑے تو اس کو قلق و اضطراب ہوتا ہے، اس کا عقل اور مزاج اور حواس تباہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ اسے شروع کر دیتا ہے اور اسے چھوڑ نہیں سکتا، اور ہر چیز جس میں ہلاکت ہو اور وہ عقل کو زائل اور ارادہ کو کمزور کر دے تو اس سے منع کیا جائے گا دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کی صفت بیان کی ہے کہ ”لَا فِيهَا غَوْلٌ“۔ (الصفات: ۷۳/۷۴)

❶..... توزیع : مکتبۃ الغزالی بدمشق

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۱۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
۱۔ جو چیز مشکوک ہو وہ حلال ہے یا حرام؟ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح نہیں۔ لہذا اہل تقویٰ و ورع اور مشتبہ چیزوں سے بچنے کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔

پانچویں بحث..... شرابِ خمر کے اثبات کا حکم

جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شراب وغیرہ پینے کا ثبوت دو مسلمان عادل آدمیوں کو گواہی سے ہو گا وہ دونوں یہ گواہی دیں کہ یہ نشہ میں ہے یا وہ خود ایک دفعہ اقرار کرے اور اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں اور اقرار یا شہادت میں اتنا کہنا کہ فلاں نے شراب پی ہے یہ کافی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اقرار کے لیے مجلس میں دو مرتبہ ہونا شرط ہے جیسا کہ چوری میں ہوتا ہے اور اقرار کو گواہوں کی مقدار پر قیاس کرتے ہوئے۔ امام بو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بد بو اور وقت زیادہ گزرنے کے بعد اقرار اور شہادت کا کوئی اعتبار نہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: بد بو ختم ہونے کے بعد بھی ایک مہینہ سے کم مدت میں گواہی کی صورت میں اور اقرار میں حد لگائی جائے گی۔

بد بو سے شراب کے اثبات میں اختلاف..... مالکیہ کے ہاں: دو عادل آدمی جب کے اس کے منہ سے بد بو سونگیں یا وہ تے کریں اور اس کی گواہی حاکم کے پاس دیں تو حد واجب ہے، اس لیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حد لگائی تھی جس کے منہ سے بد بو شراب کی آ رہی تھی۔ ❶ حنیفہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: شراب کی بد بو یا تے کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اس لیے کہ ہو سکتا ہے اسے اس نے چپایا ہو یا اسے پانی سمجھا ہو پھر منہ میں پہنچے کے بعد اس نے تھوک دیا ہو یا اس کا خیال ہو کہ اس میں نشہ نہیں آیا۔ اسے کسی نے زبردستی پلائی ہو یا مجبور ہو یا غلطی پر ہو یا اس نے سبب کا شراب پیا ہو اس لیے کہ اس کی بد بو بھی شراب کی طرح ہوتی ہے جب اس میں اتنے احتمال ہیں تو اس میں شک کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، اور اسی طرح اپنے علم پر بھی قاضی حد نہیں لگائے گا۔ ❷

یہ بات یاد رہے کہ نشہ کی حالت میں حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق درست ہونے تک مؤخر کی جائے گی تاکہ حد کا مقصد زجر حاصل ہو سکے۔

چھٹی بحث..... نشہ آور اشیاء کے نقصانات اور اسلام میں ان کے احکام

تمام آسمانی اللہ تعالیٰ کی شریعتیں اور خاص کر آخری شریعت اسلام کی تشریع کا مقصد لوگوں کی زندگی کے نظم، ان کے حالات کی مصلحت اور حقیقی بشری منافع کو مضبوط کرنا ہے اور مختلف قسم کے نقصانات مفاسد، تکالیف اور شر کو دور کرنا دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جتنے ہی احکام، عبادات، معاملات جنابات اور اجتماعی خاص و عام تعلقات ہیں ان سب کو شریعت شامل ہے، اور ہم کوئی ایسا فرض، سنت اور مستحب نہیں پاتے ہیں جس میں افراد، اشخاص، جماعت اور امت کے لیے خیر نہ ہو، اور وہ شرعاً مطلوب نہ ہو، اور کوئی حرام مکروہ جو ممنوع ہے اس میں شر ہی شر ہے انسان اور تمام لوگوں کے لیے۔ اور صرف عقل جو خواہشات سے متاثر نہ ہو یا جس میں وقتی یا دائمی نفع ہو اور اس کی مصلحت یا مضرت کو سمجھ لیتی ہے اور آسمانی شریعت کی وہ تائید کرتی ہے، اس لیے کہ کسی عاقل پر یہ بات مخفی نہیں کہ خالص منافع حاصل کرنا یا دائمی منافع حاصل کرنا اور خالص مفاسد کو دور کرنا یا وقتی تا ثیر والے مفاسد انسان وغیرہ سے دور کرنا پسندیدہ ہے جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں کہ مفاسد اور ضرر کو دور کرنا، رائج

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۲۱۳ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

ہے مصالح مروجہ پر جیسا کہ عز بن عبد السلام نے اپنی کتاب ”قواعد الاحکام فی مصالح الانام“ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ وہ بات ہے جس پر تمام حکماء متفق اور شریعت کا اس پر اجماع ہے۔ خون، ناموس، مال اور عزت حرام ہے اور تمام ملتیں دین اس بات پر متفق ہیں کہ ضروری اور کُلّی پانچ مقاصد کی حفاظت ضروری ہے، یعنی، دین عقل، نفس، نسب، عزت اور مال اور تمام ادیان نے اقوال، افعال، آداب اور اخلاق میں سے افضل کو حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور تمام اطباء بڑے مرضوں (بیماریوں) کو دور کرتے ہیں، چھوٹی بیماریاں باقی رکھتے ہوئے۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے تمام نشأ وراشیاء کے استعمال کو حرام قرار دیا اور ان سے دور بھاگنے کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ اس میں بالکل واضح نقصان ہے انسان کی صحت عقل، بزرگی، شرافت اور ادبی اعتبار کا، ابن ماجہ اور دارقطنی میں مسند اور مؤطا مالک میں مسند ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”لا ضرر ولا ضرار“۔ نہ نقصان پہنچنے نہ نقصان پہنچایا جائے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کے لیے دوسرے کو ضرر پہنچانا جائز نہیں اور کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یا دوسرے کو بغیر حق یا کسی سابق جنایت کے نقصان پہنچائے اور ضرر کا بدلہ ضرر سے دینا جائز نہیں، بس اگر آپ کو کوئی گالی دے یا برا بھلا کہے تو آپ اسے برا بھلا نہ کہیں، اور جو تمہیں مارے تو تم اسے مت مارو بلکہ حاکم کے پاس اسے آپ اپنا حق مانگو۔

آج کل موجود، انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل ہے: نشر کرنے والے اور زانی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ جیسا نشر اور زنا اپنے نقصان اور قباحتوں کی وجہ سے ممنوع ہیں تو تمام منشیات جو عقل، نفس و جدان اور ضمیر کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں وہ بھی ممنوع ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ نشأ وراشیاء اور منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والا نقصان مختلف جہتوں سے ہے اس شخص کا ذاتی نقصان، اس کے خاندان، اولاد، اس کے دوستوں اور ساری امت کا نقصان ہے۔ ذاتی نقصان اس طرح ہے کہ یہ جلد جسم اور عقل میں برا اثر کرتے ہیں اس لیے کہ نشأ وراشیاء اور منشیات میں صحت کی بربادی، اعصاب، عقل، فکر نظام، ہضم وغیرہ کی تباہی اور مختلف قسم کے نقصانات اور مفسد ہیں جو پورے بدن میں سرایت کر جاتے ہیں بلکہ انسان کے آداب اور شرافت انسانی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ شخص مسخرہ اور مضحکہ بن کر رہ جاتا ہے اور کئی امراض کا مجموعہ۔ خاندانی نقصان اس طرح کہ اس کی بیوی اور اولاد کی طرف اس کی نافرمانی اور سارا گھر پریشانیوں، گالی گلوچ، طلاق، توڑ پھوڑ، الجھن، بیوی کے حقوق کی عدم ادائیگی گھر بلیو اخراجات میں کوتاہی کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اور یہ نشأ وراشیاء اور منشیات اولاد کو عقلی طور پر فارغ کر دیتی ہے اور ایسے لوگوں کی اولادوں کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

اور اس کا عمومی نقصان..... بالکل واضح ہے، کہ بغیر کسی نفع کے مال کو ضائع کرنا، اعمال کا معطل ہونا، واجبات کی دائیگی میں کوتاہی کرنا، عام امانتوں میں خلل چاہے وہ حکومتی ہوں عام افراد اور اداروں کی۔ اور یہ نقصانات کے علاوہ ہیں جو نشر کرنے والا لوگوں کے ساتھ جرائم کرتا ہے ان کے مال، عزتیں پامال کرنا وغیرہ اور منشیات کا نقصان، نشأ و مسکرات سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ یہ خلقی نظام کو تباہ کر دیتا ہے۔

منشیات کی احکام اور ان کا شرعی حکم..... منشیات وغیرہ کی کئی اقسام ہیں ان کے استعمال میں تقفن کی وجہ سے ان کے کئی نام ہیں اور ان میں سے بعض عقل پر پروہ ڈالنے میں برابر ہیں اور یہ ساری ایک ہی حکم یعنی مشترک ہیں یعنی حرام ہونا اس لیے کہ ان سے یقینی نقصان ہوتا ہے۔

منشیات کی مشہور اقسام..... الخشیشہ (ہٹ سن کی ایک قسم جس سے بھنگ بنائی جاتی ہے) افیون (مشہور زہریلی اور نشلی چیز جو پوست کے دودھ کو نمجد کر کے بنائی جاتی ہے)۔ الکوکائین (کوئین COCAINE ایک نشأ وراور بے حس کر دینے والی دوا) حورفین بھنگ، جوزۃ الطیب (جائفل)، ابرش (افیون اور بھنگ کا مرکب) القات (نشأ ورا بناتا ہے اسے شای العرب بھی کہتے ہیں) اور اس کے علاوہ دوسری چیز جو انجکشن لگانے، چبانے یا سگریٹ کے ذریعہ سے استعمال ہوتی ہیں یہ ساری چیزیں عقل کو ختم، صحت کو برباد اور اخلاق کو تباہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۱۴ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

کردیتی ہیں۔

منشیات کے استعمال کا حکم شرعی یہ ہے کہ دوائی علاج کے علاوہ انہیں استعمال کرنا حرام ہے اور اسی طرح ان میں سے کچھ کم مقدار کی چیز کو درنگی وغیرہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ منشیات کی حرمت مسکرات کی طرح شریعت کی نصوص قرآن سنت نبوی وغیرہ میں قطعی طور پر ہے۔ منشیات کے حرام ہونے کی بہت سے دلیلیں ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱..... منشیات کا استعمال بہت بڑے نقصانات کا ذریعہ ہے اور بسا اوقات ان کا نقصان مسکرات کے نقصان سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ اجتماعی اخلاق کو بر بار کردیتی ہیں اور امت کو اقتصادی اور عملی طور پر بہت بڑا نقصان پہنچاتی ہیں، عقل ختم، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہیں ان میں عقلی، بدلی، دینی اور اخلاقی نقصانات ہیں اور ہر وہ چیز جس کا انجام نقصان ہو یا اس کی ذات اور عین نقصان ہو تو وہ حرام ہے، ضرر پہنچانے والی چیزیں مشہور حرام ہیں۔

۲..... امام احمد نے مسند میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور مفتر سے منع فرمایا، ”مفتر ہر وہ چیز جو فتور پیدا کرے“ اعضاء ڈھیلے کرے اور اطراف میں نشہ پیدا کرے کن کر دے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث میں حشیش کی حرمت پر خاص طور پر دلیل ہے۔ کیونکہ یہ نشہ پیدا کرتی ہے، سن کرتی اور فتور پیدا کرتی ہے۔ اور ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: ہر شراب اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور شراب سے مراد جو عقل کو ڈھانپ لے۔

۳..... قرآن فی اور ابن تیمیہ نے حشیش (بھنگ) کے حرام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، ابن تیمیہ نے کہا جو حشیش کو حلال سمجھے وہ کافر ہے، باقی آئمہ اربعہ نے اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا کیونکہ یہ ان کے زمانہ میں نہ تھی یہ تو چھ سو ہجری کے آخر اور سات سو کے شروع میں تاتاریوں کی حکومت کے وقت پیدا ہوئی۔

۴..... ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ میں فرمایا: ہر وہ چیز جو عقل کو غیب کر دے وہ حرام ہے، اگرچہ اس سے نشہ اور مستی نہ بھی آئے اس لیے کہ عقل کو مآؤف کرنا حرام ہے تمام مسلمانوں کے اجماع سے لایہ کر شرعاً کوئی مقصد ہو جو معتبر بھی ہو۔ اسی طرح ابن تیمیہ نے اپنی کتاب سیاست شرعیہ میں فرمایا: حشیش حرام ہے اسے استعمال کرنے والے کو حد لگائی جائے گی جیسا کہ شراب پینے والے کو حد لگائی جاتی ہے اور یہ شراب سے بھی زیادہ خبیث ہے اس طور پر کہ یہ عقل اور مزاج دونوں کو تباہ بر باد کردیتی ہے، حتیٰ کے آدمی کو یہ خشکی اور دیوث بنا دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور خمر اور مسکر جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیئے ہیں ان کے تحت یہ لفظاً معنی داخل ہے۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں کئی جگہ یہ مکرر ذکر ہے کہ یہ حشیشہ ملعونہ ہے اس کے استعمال کرنے والے کو اس کو حلال سمجھنے والے سب لعنتی ہیں یہ اللہ کے ناراضگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور مؤمن بندوں کی ناراضگی کا ذریعہ ہے، یہ پینے والے کو اللہ تعالیٰ کی سزا بر لاتی ہے، یہ آدمی کے ذہن، عقل، خلقت، طبیعت کو نقصان پہنچاتی ہے، اور مزاجوں کو فاسد کرتی ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگ پاگل بن گئے ہیں اور اس کے استعمال کی وجہ سے ذلت اور رسوائی ہوتی ہے جو کہ شراب میں نہیں اس میں ایسے مفاسد ہیں جو شراب میں بھی نہیں پائے جاتے لہذا یہ حرام ہونے کے زیادہ لائق ہے، اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس سے نشہ حرام ہے، اور جو اسے حلال سمجھے تو اسے توبہ پر مجبور کیا جائے گا اگر توبہ کر لی تو ٹھیک ورنہ اسے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، اور اس کی کم مقدار ہی اسی طرح حرام ہے ان نصوص کی وجہ سے جو شراب اور تمام نشہ آور اشیاء کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ابن قیم نے اپنے استاذ ابن تیمیہ کی اس بارے میں تائید کی ہے اور زاد المعاد میں فرمایا: خمر کے تحت تمام نشہ آور داخل ہیں، چاہے مانع ہوں یا جاد، شیرہ ہو یا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۵ اسلام میں دنیوی سزائیں
پکا ہوا، اور فسق فجر کا لقمہ یعنی ”بھنگ“ اس میں داخل ہے اس لیے کہ یہ ساری چیزیں خمر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا صحیح صریح حدیث
سے ثابت ہے جس کی سند میں کلام ہے نہ متن میں اجمال کہ کل مسکر خمیر ”ہر نشہ خمر شراب ہے“ اور آپ کے صحابہ جو اس امت میں
سے زیادہ علم رکھتے ہوں یہاں ان کے ہاں خمر سے مراد جو عقل کو زائل کر دے، اس کے باوجود اگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ
کل مسکر شامل نہ بھی ہوں تو قیاس صحیح صریح جس میں اصل اور فرع ہر اعتبار سے برابر ہیں تو تمام مسکر اشیاء کی انواع میں برابری کا فیصلہ
دیتا ہے تو دو احکام میں تفریق کرنا یہ دو مماثل میں تفریق کرنے کے مترادف احکام اعتبار سے۔

صناعی رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں فرمایا: ہر چیز کا نشہ حرام ہے اگرچہ وہ مشروب نہ بھی ہو جیسے خشیشہ (بھنگ) اور بعض خفی علماء کے
ہاں: جو خشیشہ کے حلال ہونے کا قائل ہے وہ زندیق اور بدعتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: جو کہتے ہیں چرس نشہ نہیں دیتی بلکہ صرف مخدر ہے تو یہ
مکابر ہے اس لیے کہ خشیش (چرس) سے وہی نشہ پیدا ہوتا ہے اور وہی مستی آتی ہے جو شراب سے ہوتا ہے۔ ابن بیطار نے ذکر کیا ہے کہ اس کی
قباحتیں بہت زیادہ ہیں اور بعض علماء نے اس کے ایک سو بیس دینی و دنیاوی نقصانات شمار کرائے ہیں اور فرمایا کہ اس کی قباحتیں ایفون میں بھی
ہیں اور اس میں زیادہ ہیں۔ القات بھی حرام ہے اگرچہ بعض اہل یمن کے گمان کے مطابق یہ نشہ آور نہیں بلکہ یہ نشاط، چشتی اور قوت ذکرہ کو
بیدار کرنے والی ہے کو یہ صرف وہم ہے جو صحیح نہیں، اس لیے کہ اعتبار نتائج کا ہوتا ہے جنہیں ذاکروں نے ثابت کیا ہے، یونیسکو میں اقوام متحدہ
کی قرارداد میں اسے نشہ آور اور نقصان دہ قرار دیا گیا ہے، اور اس کے واضح نقصانات میں سے یمن والوں کا پیچھے رہ جانا، اور ان کی اقتصادی اور
معاشی حالت کا معطل ہو کر رہ جانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا آدھے دن سے آدھی رات تک، اور اس کی کاشت پر مال ضائع کرنا اور دوسری
مزدوری کو چھوڑ دینا وغیرہ ہیں۔
www.KitaboSunnat.com

ابو بکر المقتری الشافعی نے القات کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا: میں نے اس کے استعمال میں دینی اور جسمانی نقصان پایا ہے لہذا اس کا
استعمال میں نے چھوڑ دیا اور علماء نے ذکر کیا ہے نقصان مشہور حرام ہے، اس کے نقصانات میں سے یہ کہ اس کے کھانے والے کو تھوڑی دیر
آرام، مستی اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کا غم ختم ہو جاتا ہے، پھر کچھ دیر بعد اس کو پے در پے غم اور فکر لاحق ہوتی ہے اور اس کے اخلاق خراب
ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح فقہی حمزہ ناشری نے اسے حرام قرار دیا ہے حضرت ام سلمہ کی سابقہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسکر اور مفتر سے منع فرمایا اور یہ ”القات“ بھی جسم میں فتور ضعف اور کمزوری پیدا کرتی ہے۔

خلاصہ..... یہ کہ وہ تمام منشیات جو پہلے چھ سو سالوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں وہ شراب کی طرح حرام ہیں کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی
ہیں، اور ان کے اند شراب والے مفاسد اور نقصانات ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ منشیات شراب سے زیادہ نقصان دہ اور زیادہ فاسدہ ہیں، اس
لیے کہ یہ پوری امت کو نقصان پہنچا رہے ہیں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر، مادی طور پر اور ادبی طور پر اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت
اسلام نے مفاسد و مضار کو حرام قرار دیا ہے اور حقیقی مصالح کو جائز قرار دیا ہے جو خالص اور رائج ہوں اور وہ مصالح جن کا یہ گمان کرتے
ہیں تو وہ صرف وہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم منشیات کے خلاف متفق ہے، اور ہم کسی چیز کے بارے میں اس طرح کا اجماع نہیں پاتے۔

منشیات کی تجارت..... جس طرح منشیات کا استعمال حرام ہے اسی طرح منشیات کی تجارت بیع و شراء، ان کی دیکھ بھال، ان کی تیاری
بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں وسائل، مقاصد کا حکم رکھتے ہیں اور حرام چیزوں کے ذرائع کو بند کرنا اور روکنا بقدر امکان اور بقدر طاقت
واجب ہے۔ اس لیے کہ تاجر تو منشیات کے رواج دینے اور اس کے استعمال کو آسان کرتا ہے۔ پس اس کے ثمن حرام ہیں اور مال حرام ہے اور
اس کا کام گمراہی ہے اور اس کی تجارت، معصیت پر تعاون ہے اور بیع باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ المائدہ: ۲/۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۶ اسلام میں دنیوی سزائیں

شراب کی بیع کی نہیں، اس کے بطلان کا حکم تمام منشیات کو شامل ہے کیونکہ اس میں معصیت پر اعانت و تعاون ہے اور یہ امت کی تباہی اور ان کے اخلاق اور قیمت کی تباہی اور ان کی اقتصادی حالت کا تباہ ہونا اور لوگوں کے سامنے کمزوری اور اس کے تجارتی منافع کا ہونا واضح سبب ہے جو اجرامت کے ضعف اور بیمار اولادوں کی خیانت اور ان کے دور ہونے کا سبب ہے

حشیش، خشخاش، القات، افیون، بنانا، کوکین اور ہیروئن کی زراعت..... ہر وہ چیز جو حرام کی طرف لے جائے وہ حرام ہے اور ہر وہ چیز جو معصیت اور گناہوں میں معاون ہو وہ گناہ ہے بس حشیش وغیرہ کی زراعت۔ ان سے منشیات کا مواد نکالنا ان میں تعاون کرنا حفاظت، دیکھ بھال، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا درج ذیل اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں حرام ہے۔
۱..... جس چیز کی زراعت حرام کی طرف لے جائے اور اس میں واضح نقصان ہو لوگوں کے استعمال اور تجارت کی وجہ سے اور منکر اور معصیت پر راضی رہنا منکر اور معصیت ہے۔

۲..... مذکورہ بالا وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ معصیت پر اعانت بھی معصیت ہے بس منشیات کا وسیلہ زراعت ہے لہذا یہ معصیت ہے۔
۳..... ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پھل توڑنے کے موسم میں انگوڑو کے رکھے اور اسے فروخت کیا جو ان سے شراب بناتا ہے وہ آگ میں کود پڑا۔ یہ حشیش اور القات کی زراعت کی حرمت پر واضح دلیل ہے اور ہر وہ چیز جس کے شیرہ سے افیون، ہیروئن اور کوکین تیار ہوتی ہے وہ حرام ہیں۔

۴..... اصحاب سنن اربعہ اور امام احمد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے کھلانے والے، اس کے گواہوں اور لکھنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، اور نسائی کے الفاظ ہیں: سود کھانے والے کھلانے والے گواہ اور لکھنے والے اگر وہ اس کو جانتے ہوں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وہ قیامت کے دن ملعون ہیں بس یہ چاروں سود کی وجہ سے ملعون ٹھہرے۔ ابوداؤد اور حاکم نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی شراب کی اور اس کے پینے والے پر اس کے پلانے والے پر، فروخت کرنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، نچروانے والے پر، اٹھانے والے پر، جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جارہی ہو اس پر اور اس کے تمکن کھانے والے پر، اور یہ سب شراب کے استعمال کی وجہ سے ملعون ہیں۔ اب ذہن میں تو یہ بات آتی ہے کہ ملعون صرف سود کھانے والے اور شراب پینے والے ہی ہونے چاہیے نہ دوسرے جن کا ذکر ہوا لیکن شریعت نے سود میں دوسرے تین آدمیوں کے کام کو بھی حرام قرار دیا اور شراب میں باقی ساتھ کے کام کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ یہ معصیت کا سبب ہیں اور حرام کاری کے مددگار ہیں بس سبب بننے والے، مددگار اور تعاون کرنے والے کے لیے بھی قائل کا حکم ہے۔ اس بناء پر منشیات کی تجارت کرنے والا، اسمگلنگ کرنے والا اور منتقل کرنے والا اور ہر جو اس میں تعاون کرے وہ گناہ گار ہیں اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہیں اور حرام اور منکر کے مرتکب ہیں۔

منشیات کا نفع..... منشیات سے حاصل ہونے والی آمدنی جو تجارت کو حاصل ہوتی ہے وہ حرام ہے۔
۱..... فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ..... البقرة: ۱۸۸/۲

ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

باطل طریقہ سے مال کھانا، تمام جرائم کو شامل ہے چوری، خیانت، ظلم، غصب، جوا، بیع و شراء اور تجارت کے حرام عقد اور وہ تمام خدمات جو گناہ میں کی جاتی ہیں، اور وہ تمام منکرات اور ہر وہ چیز جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگرچہ مالک اس پر راضی ہی کیوں نہ ہو۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۷ اسلام میں دنیوی سزائیں۔

۲..... حدیث نبوی ہے جو ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں تو اس کے ثمن (قیمت) کو بھی حرام کرتے ہیں۔“ بس ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تو اس کے عوض اور ثمن سے بھی نفع اٹھانا حرام ہے دلیل یہ ہے کہ احمد، مسلم اور نسائی میں ابن عباس سے اور حمیدی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے شراب کی بیع میں روایت کی ہے کہ ”جس ذات نے شراب پینا حرام قرار دیا ہے اس نے اس کی بیع بھی حرام قرار دی ہے“ مسلم وغیرہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور جس تک یہ آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْبَيْسُ (المائدہ: ۹۰) پہنچی اور اس کے پاس شراب میں سے کوئی چیز ہے تو نہ اسے پیئے نہ اسے فروخت کرے، فرماتے ہیں کہ لوگوں کے پاس جو شراب تھی انہوں نے اسے مدینہ کی گلیوں اور راستوں میں بہا دیا“ اور ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ شراب اور اس کے ثمن، مردار، اس کے ثمن اور خنزیر اور اس کے ثمن کو حرام قرار دیا ہے۔“

منشیات استعمال کرنے والے کی سزا..... جیسا کہ پہلے گذرا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے شراب کی حد حشیش (بھنگ اور چرس) سے نشہ آنے پر واجب کی ہے، اس لیے کہ اس کی چاہت اور طلب ہوتی ہے، ان کے ہاں حکم نفسانی چاہت پر موقوف ہے۔ شوائع کے ہاں افیون وغیرہ کو جب رکھا جائے وہ جوش مارے اور جھاگ چھینکے تو اس کے لیے نجاست اور حد کے اعتبار سے شراب والا حکم ہے جیسے روٹی اگر ایسی ہو جائے بلکہ اس سے بدرجہ اولیٰ۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر کسی عذر کے منشیات استعمال کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی، اور تعزیر قاضی اور حاکم کی مرضی کے مطابق، ڈانٹ ڈپٹ، مارنا، قید کرنا، تشہیر کرنا، مالی جرمانہ لینا وغیرہ ہو سکتی ہے یہ بطور جزا لوگوں کو جرائم اور منکرات سے روکنے کے لیے ہے۔

خفی اور مالکی فقہاء نے تعزیر میں قتل کی بھی اجازت دی ہے اور اسے سیاسی قتل کا نام دیا ہے یعنی جب حاکم یہ سمجھے کہ قتل کرنے ہی میں مصلحت ہے اور اس جرم کی جس کی سزا قتل ہی ہو سکتی ہے جیسے بار بار حرم کرنا، ہمیشہ نشہ آوراشیاء اور منشیات کے استعمال کرنا، بار بار لواطت کرنا، یا پتھر اور لکڑی سے قتل کرنا وغیرہ یہ چیز ان معاصرین مفتیوں کے لیے دلیل اور استناد بن سکتی ہے، جنہوں نے قانون شرعی میں بار بار منشیات کے استعمال کرنے والے کے لیے قتل کا فیصلہ اور فتویٰ دیا ہے۔ اور اس میں بادشاہ اور حکمران کے لیے تائید ہے کہ وہ بار بار منشیات کے استعمال کرنے والے اور اسمگلنگ کرنے والے کو یہ سزا دے سکتا ہے۔

اور اسمگلنگ گروہ اور منشیات فروشوں نے مختلف ملکوں کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، بس ان کے لیے سخت قسم کی سزا سے کم سزا دینا درست نہیں کیونکہ اس سے منشیات کے نقصانات اور مناسد کی حمایت ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ منشیات کو تلف کرنا جن پر حکومت نے پابندی لگائی ہوئی ہے شرعاً واجب ہے، اس لیے کہ جو چیز ذاتی طور پر نقصان دہ ہے اس سے چھکارا حاصل کرنے تلف کے وسائل استعمال کرے اور اس کام کو کرنے والوں کو سزا دینا ضروری ہے۔

میرا خیال ہے کہ حکومت ایسے معاہدے تیار کرے جن کی رو سے منشیات کی تجارت، اس کی اسمگلنگ ممنوع قرار دی جائے اور اس کے تاجروں، دلالوں اور واسطوں کو سزا دی جائے، جیسا کہ میری رائے ہے کہ ایک ایسا قانون ہر جو تمام عرب ممالک اور اسلامی ممالک کا متحدہ قانون ہو جس میں منشیات، اسمگلنگ کرنے والوں اس کے استعمال کرنے والوں اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والوں چاہے بینکوں، جہازوں گاڑیوں کے ذریعہ ہو کو سزا متعین کی جائے۔

حدود سے ملحق: پہلی بات: حدود کا تذکرہ..... جب ایک شخص پر مختلف حدیں مجتمع ہو جائیں جب وہ یا تو خالص اللہ کی حدود ہوں گی یا خالص آدمی کی، یا اللہ تعالیٰ اور آدمیوں کی حدود جمع ہوں گی۔ ①

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۱۸ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں پہلی قسم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اس میں قتل ہو..... مثلاً ایک شخص نے چوری کی شادی شدہ ہے زنا کیا، شراب پی، اور ڈاکہ ڈالا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: حدود میں تداعل ہوگا اور اس شخص کو قتل کیا جائے گا، اور باقی تمام حدود ساقط ہو جائیں گی، دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جب دو حدیں جمع ہو جائیں اور ان میں ایک قتل ہو تو قتل کیا جائے گا، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں قتل کافی ہے اس لیے کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کی حدود اور ان کا مقصد زجر ہے اور قتل کے ساتھ مرید زجر کی ضرورت نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تمام حدود لگائی جائیں گی اس لیے کہ جو چیز قتل کے بغیر واجب ہے وہ قتل کے ساتھ ہی واجب ہوگی جیسے قصاصاً ہاتھ کاٹنا، یہ حدود مختلف اسباب کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں لہذا ان میں تداعل نہ ہوگا۔

۲۔ اس میں قتل نہ ہو..... جیسے چوری کرے، زنا کرے، اور شراب پیئے تو تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدود میں تداعل نہ ہو گا بلکہ علیحدہ علیحدہ لی جائیں گی سب شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہلکی حد سے شروع کیا جائے گا، پہلے شراب کی حد لگائی جائے گی پھر زنا کی، پھر چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے اور ڈاکہ سے ہاتھ کاٹنے میں تداعل ہوگا کیونکہ قطع ید کا محل ایک ہی ہے۔ مالکیہ کہ ہاں..... پہلے ہاتھ کاٹا جائے گا پھر کوڑے لگائے جائیں گے۔ حنفیہ کے ہاں امام کو ابتداء کرنے میں اختیار ہے چاہے تو زنا کی حد سے ابتداء کرے یا چوری کی حد سے اور شراب کی حد ان کے بعد لگائے، اس لیے کہ حد زنا اور حد سرقہ (چوری) نص قرآنی سے ثابت ہیں، اور شراب کی حد اجتہاد سے ثابت ہے، اور یہ تمام حدیں ایک ہی وقت میں نہیں لگائی جائیں گی، بلکہ ہر حد پہلی کے ٹھیک ہونے کے بعد لگائی جائے گی تاکہ حد کی وجہ سے وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

دوسری قسم..... یعنی جو خالص آدمی کی حد ہے اور وہ قصاص اور حد قذف ہے جمہور کے ہاں۔ اور حنفیہ کے ہاں حد قذف میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور بندے کا بھی البتہ اللہ تعالیٰ کا حق اس میں غالب ہے ”کما عرفنا“ پس اس وقت یہ ان کے ہاں پہلی قسم میں داخل ہے اسے باقی حدود پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ اس میں بندے کا حق بھی ہے۔

مالکیہ کے ہاں..... ہر وہ حد جو قتل میں داخل ہو سکے جیسے مرتد، قصاص، اور ڈاکہ سوائے قذف کے کہ قذف کی حد پہلے لگائی جائے تو پھر قتل کیا جائے گا، اور اگر حد زنا، حد شراب اور حد سرقہ جمع ہو جائیں تو پھر یہ حدود ساقط ہو جائیں گی اور قتل کے تحت داخل ہوں گی۔ حنابلہ اور شوافع کے ہاں: ہر حد کو لگایا جائے گا اور کم سے شروع کیا جائے گا، پہلے حد قذف، پھر ہاتھ کاٹنا، پھر قتل، اس لیے کہ یہ آدمی کے حقوق ہیں اور ان کا وصول کرنا ممکن ہے، لہذا تمام حقوق کی طرح یہ بھی واجب ہیں اس لیے کہ قتل کے علاوہ آدمی کے حق میں وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ حنفیہ کے ہاں قتل سے کم والی حدیث قتل میں داخل ہوں گی ان کا استدلال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا سابقہ ارشاد اور قیاس سے حدود اللہ پر۔

تیسری قسم..... یعنی حدود اللہ، اور آدمی کی حدود جمع ہو جائیں تو ان کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم..... کہ اس میں قتل نہ ہو تو جمہور کے ہاں سب حدود لگائی جائیں گی البتہ مالکیہ کے ہاں حد شراب اور حد قذف میں تداعل ہوگا۔ اس لیے کہ دونوں سزاؤں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی انزواء جھوٹ سے روکنا۔

دوسری قسم..... کہ قتل ہو، تو جمہور کے ہاں حدود اللہ میں تو تداعل ہوگا اور صرف قتل ہوگا جبکہ آدمیوں کے حقوق اور حدود سب لگائی جائیں گی۔ امام شافعی کے ہاں: تمام حدود لگائی جائیں گی تداعل نہیں ہوگا اس لیے کہ حدود اسباب کی وجہ سے واجب ہے۔

تیسری قسم..... کہ دونوں حق ایک محل میں جمع ہوں، اگر دو حق جمع ہوئے ایک اللہ تعالیٰ کا دوسرا آدمی کا۔ جیسے قصاص اور زنا میں رجم تو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۱۹ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 علماء کے ہاں قصاص مقدم ہوگی کیونکہ آدمی کا حق مقدم ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا حق متحقق ہوگا۔

دوسری بات: توبہ کی وجہ سے حد ساقط نہ ہونا..... مجارمین کے علاوہ باقی گناہ گار مثلاً شرابی، زانی، چور توبہ کریں تو حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے ہاں حد ساقط نہ ہوگی، چاہے توبہ معاملہ قاضی اور حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماز سے حد ساقط نہیں کی جب وہ آئے انہوں نے زنا کا اقرار کیا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ توبہ کر کے آئے تھے بس حد ساقط ہونے کے لیے کوئی نص نہیں۔ علامہ کاسانی نے بدائع میں عادی سرقت کی حد کو مستثنیٰ کیا ہے، کہ حاکم کے پاس معاملہ پہنچنے سے پہلے سارق (چور) کی توبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، جبکہ مال مالک کو واپس کر دیا جائے، اور ابن عابدین فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ حاکم کے پاس معاملہ پہنچ جانے کے بعد توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی، البتہ اس سے پہلے توبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ڈاکہ ڈالنے والوں کی بھی چاہیے جنایت کرنے سے پہلے توبہ کریں یا بعد میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اظہر یہ ہے کہ توبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے وقت گزرنے کی شرط کے بغیر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں ❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: توبہ ما قبل کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے ❷ نیز حد ساقط کرنے میں توبہ کی ترغیب ہے، اور یہ حد قذف کے علاوہ کا حکم ہے، البتہ حد قذف ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ آدمی کا حق ہے اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں کوئی اجماع نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ دنیا میں توبہ حد کو ساقط نہیں کرتی۔ اور رہ گئی برسر بیکار فریق کی حد تو علماء میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ڈاکہ زنی کرنے والے ان پر قدرت سے پہلے اگر توبہ کر لیں تو ان سے اللہ تعالیٰ کی حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ مجارمین کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ۝ المائدہ: ۳۴

سوائے ان کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کر لیں، ہاں: جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

شوافع کی رائے یہ ہے کہ جب دنیا میں حدود قائم ہو گئی تو آخرت میں حد قائم نہیں ہوگی حدیث میں ہے ”کہ اللہ تعالیٰ زیادہ عدل فرمانے والے ہیں اس بات سے کہ آخرت میں ہر بندے کو حدیں اور سزا دیں ❸ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حدود اپنے اہل کے لیے کفارہ ہیں ❹ تارک نماز اور مرتد کی حد توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

محدود فی القذف کی توبہ کے بعد شہادت قبول ہے یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حنیفہ کے ہاں..... محدود فی القذف کی گواہی ساری زندگی کے لیے قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ بھی کرے اور اپنی اصلاح بھی، بس ان کے ہاں اس کی توبہ ایک باطنی عمل ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے ہمارا اس پر مطلع ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ اس توبہ پر مرتب ہونے والا کوئی عمل حکم نہیں۔

جمہور کے ہاں..... جب محدود فی القذف توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول ہوگی اور قاذف کی توبہ اپنے آپ کو جھٹلانا ہے، شوافع میں سے اصطغری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جو کچھ میں نے کیا میں اس میں جھوٹا ہوں۔ اس طرح کے کام کو دوبارہ نہیں کروں گا، اور شوافع میں سے ابواسحاق المرزوی نے کہا وہ ”کذبت“ نہ کہے، اس لیے کہ بسا اوقات وہ سچا ہوتا ہے اور اس کا یہ کہنا کذبیت جھوٹ ہے۔ اور جھوٹ معصیت ہے اور معصیت اور گناہ کرنا دوسری معصیت کے لیے توبہ نہیں بن سکتا، بلکہ وہ کہے قذف باطل ہے۔ جو کچھ میں نے کہا میں اس پر نادم ہوں اور اس سے رجوع کرتا ہوں اور اس کی طرف دوبارہ نہیں آؤں گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قاذف کی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۰ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
توبہ میں زبان سے تلفظ کو شرط قرار دیا ہے، باوجود توبہ قلبی عمل ہے۔ کہ اس پر شرعی حکم مرتب ہے یعنی محدود کی گواہی کا توبہ کے بعد قبول ہونا، لہذا
حاکم کو اس کی توبہ کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس کی گواہی قبول کرے۔

حنفیہ اور جمہور کے ہاں منشاء اختلاف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود اشتناء کی وجہ سے ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:
وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ شَمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدًا وَلَا تَقْبَلُوا
لَهُمْ شَهَادَةً أَوَّاءَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۰﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا..... النور: ۲۴-۲۵
اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اتنی (۸۰) درے مارے۔

اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکاری ہیں، ہاں جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی حالت) سنواریں تو اللہ (یعنی) بخشنے والا
مہربان ہے۔ اب یہ ”الا الذین تابوا“ والا اشتناء پہلے تمام جملوں کی طرف رائج ہے کہ رد شہادت بھی ختم ہو جائے جیسے فسق ختم ہوتا ہے۔ یا
صرف آخری جملے کی طرف رائج ہے جو فسق ہے۔ یہ اختلاف ایک مشہور اصولی مسئلہ کی طرف رائج ہے کہ معطوف جملوں کے بعد آنے والا
اشتناء تمام کی طرف رائج ہوتا ہے یا صرف آخری جملہ کی طرف؟ تو حنفیہ کے ہاں: محدود فی القذف کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کیونکہ اشتناء
آخری جملہ سے ہے کیونکہ یہ نیا جملہ ہو جو خبر کے صیغہ سے شروع ہو رہا ہے اور پہلے جملوں سے الگ ہے اور اسے اس لیے لایا گیا ہے کہ دل میں
یہ بات آ سکتی تھی کہ قذف پر یہ سزا نہ ہونی چاہئے اس وہم کو دور کرنے کے لیے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ اس سزا میں علت فسق ہے، اور فسق ہی
شہادت قبول نہ کرنے کی بھی علت ہے جب توبہ سے فسق ختم ہو گیا تو رد شہادت بھی اٹھانا چاہیے جو کہ معلول ہے۔ اس لیے کہ علت کے زائل
ہونے سے معلول بھی زائل ہو جاتا ہے۔

جمہور کے ہاں..... توبہ بعد محدود فی القذف کی شہادت قبول ہے، اس لیے کہ اشتناء واؤ عاطفہ کے ذریعہ لائے گئے تینوں جملوں کی
طرف رائج ہے، جس طرح توبہ سے فسق ختم ہو گیا اس طرح رد شہادت بھی ختم ہو گیا، لیکن توبہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ اس بات پر اجماع
ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں بندے کا حق ہے لہذا اس کی وصولی ساقط نہ ہوگی، اور نہ ہی صیغہ میں اشتناء کے خلل کی وجہ
سے، جو تمام جملوں کو شامل ہے۔ لہذا ظاہراً اشتناء رد شہادت اور فسق کے لیے باقی ہے۔ اور زنجیری نے لکھا ہے یہی اکثر تابعین اور فقہاء کی
رائے ہے حنفیہ کے علاوہ۔ ①

قاذف کی گواہی اور شہادت قبول نہ ہونے کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں کوڑے اور درے لگنے کے بعد
شہادت رد ہوگی، واؤ اگرچہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن ظاہری طور پر ترتیب سے ذکر حکم میں ترتیب کی طرح ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے
ہاں شہادت قبول نہ ہونا حد قذف پر موقوف نہیں، اس لیے کہ ظاہر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب اس نے تہمت لگائی پھر گواہ نہ پیش کر سکا، تو
تین سزاؤں کا مستحق ہوگا، حد کا، رد شہادت اور فسق۔

کیا توبہ قصاص اور دیت کو ساقط کرتی ہے؟..... جب قتل ثابت ہو گیا تو قاتل کے ذمہ یا تو قصاص ہے یا دیت واجب ہے اور
قصاص صرف مقتول کے اولیاء کے معاف کرنے سے معاف ہوتی ہے۔ بایں طور کہ وہ اس سے دیت (خون بہا) لے لیں یا بغیر کچھ لینے کے
معاف کر دیں۔ قصاص اور دیت توبہ سے معاف نہیں ہوتی کیونکہ اولیاء مقتول کا شخص حق ان کے ساتھ متعلق ہے اسی وجہ سے قاتل کی توبہ اس
وقت تک صحیح نہیں جب تک وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش نہ کر دے یا معافی کی صورت میں دیت، قتل خطا کی صورت میں دیت ادا
کر دے۔ اور قاتل کی توبہ و استغفار اور ندامت ہی نہیں، بلکہ مقتول کے اولیاء کی رضا پر موقوف ہے اگر قتل عمد ہے تو اس کے لیے ضروری ہے

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۲۲۱ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

کہ وہ قصاص حاصل کرنے کی انہیں قدرت دے دے۔ وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو مفت میں معاف کر دیں اگر وہ معاف کر دیں تو اس کی توبہ کے لیے یہ کافی ہے۔ اور معاف کرنے کی وجہ سے وہ دنیاوی سزا سے بچ جائے گا لیکن اللہ کے ہاں بھی بری ہوگا؟ ابن عابدین (علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ پہلا ظلم مقدم ظلم توبہ سے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ مقتول کا اس کے ساتھ حق متعلق ہے۔ وہ قیامت کے دن قاتل کے ساتھ خاصہ کرے گا، رہ گیا قاتل کا اپنے اوپر گناہ کا اقدام توبہ سے معاف اور ساقط ہو جائے گا۔ ❶

امام نووی اور اکثر علماء کے ہاں: جب قاتل توبہ کر لے تو ظاہری شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت میں قاتل کو سزا نہ ہو اور احادیث نبویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس سے مطالبہ نہ ہو ان میں سے مشہور حدیث جو صحیحین میں مذکور ہے اس میں قاتل کی توبہ کا ذکر ہے، جس نے سابقہ امتوں میں سے سوا دمی قتل کیے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ ❷

توبہ سے تعزیر کا ساقط ہونا..... مقررہ سزائیں حدود قصاص پر توبہ کے اثر کی بحث کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقرر سزائیں تعزیر وغیرہ پر توبہ کے اثر کا ذکر کر دیا جائے: فقہاء نے جو توبہ سے حدود ساقط ہونے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے تو تعزیرات میں بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فرق ضروری ہے ❸ اس لیے کہ تعزیر کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ: ہر شخص جو کسی منکر کا ارتکاب کرے، یا کسی کو بغیر حق کے قتل، فعل یا اشارہ سے تکلیف پہنچائے تو یہ تعزیر اللہ کے لیے ہے یا انسان کا حق ہو یا اس میں دوق ہوں اور ایک دوسرے پر غالب ہو، اگر تعزیر پر خالص انسان کا حق ہو یا اس میں انسان کا حق غالب ہو جیسے گالی گلوچ، حملہ کرنا، بغیر حق کے مارنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا وغیرہ جو شخصی دعویٰ پر موقوف ہیں تو یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں، جیسے کہ قاضی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتیں، البتہ یہ کہ جن کے ساتھ یہ معاملہ ہو وہ معاف کر دے۔

اور تعزیر اگر صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے بغیر عذر رمضان کا روزہ کھانا، نماز چھوڑ دینا، اور سود کھانا، شراب خانوں اور فاسقوں کی مجلسوں میں حاضر ہونا، یا جس میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہو جیسے جنسی عورت سے جماع کے علاوہ مباشرت مثلاً بوسہ دینا، گلے لگانا اور اس سے خلوت اختیار کرنا، توبہ سے ساقط ہو جائیں گے جیسے قاضی کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں، حقیقت میں تفصیل حنفیہ اور شوافع کے ہاں ہے۔ لیکن میں بعض فقہاء کی عبارتیں پیش کروں گا جن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق تعزیر توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے: قرانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تعزیر توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں کسی کے اختلاف کو نہیں جانتا ❹ المحرر الزخار زیدی نے کہا: تعزیر توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور اس پر تقریباً تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ آپس میں غلطیاں بہت شروع ہو گئی ہیں۔ اور جس نے عذر کر دیا اور معافی چاہی اس سے کسی نے بھی تعزیر طلب نہیں کی، اور جس نے صغیرہ گناہ کا اقرار کیا پر اس سے توبہ کی اور اکثر فضلاء نے تعزیر کو ان پر لازم نہیں کیا۔

اس لیے کہ اکثر لوگ گناہ سے خالی نہیں، اور اس کا اظہار قول فعل سے ہوتا ہے۔ شاید اس عبارت سے مراد یہ ہو کہ تعزیر اللہ تعالیٰ سے حق کے طور پر واجب ہے اس لیے کہ تعزیر اور حد میں اختلاف اللہ کے حقوق میں سے ہے رہ گئے شخصی حقوق تو وہ چشم پوشی اور صاحب حق کے ساقط کرنے ہی سے معاف ہو سکتے ہیں جیسا کہ معروف ہے، اور فقہاء نے ہر بات لکھی ہے کہ انسانوں کے حقوق توبہ سے معاف نہیں ہوتے جب تک ان کے مالک سے معافی نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کے معاف کرنے پر ہی معاف فرماتے ہیں ورنہ نہیں، اور صاحب حق کے ساقط کرنے ہی سے یہ ساقط ہوتے ہیں۔ اور مزید تفصیل ”استقاط العقوبات بالتوبہ“ کے موضوع میں آرہی ہے۔

تیسری بات: حدود و جازر ہیں یا جوابر..... حدود و تعزیرات کے قانون اور تشریع کا مقصد لوگوں کو مومنوعات سے روکنا اور مامورات

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

چھوڑنے سے روکنا ہے زمین سے فساد دور کرنے اور لوگوں کو نقصان پہنچانے سے بچانا ہے، لیکن فقہاء کا ایک اور بات میں اختلاف ہے کہ آیا غلطی کرنے والے کو آخرت میں بھی سزا ملے گی یا صرف دنیا کی سزا کافی ہے؟

حنفیہ کے ہاں..... حدود اور تعزیرات صرف زواجر اور روکنے کے لیے مشروع ہیں کہ جرائم پیشہ افراد جو فساد ڈالتے ہیں میاں بیوی کے تعلقات نسب تباہ کرنا، عزت اور مال ضائع کرتے ہیں اور لوگوں کی جانیں ضائع کرتے ہیں انہیں روکنا ہے۔ اور گناہ کرنے والے کو آخرت کی معافی توبہ کے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ ان کا استدلال سزا کے متعلق عمومی آیات سے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ گار جہنم کے عذاب کا مستحق ہے۔ مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَوَجَزَ آدُكُ جَهَنَّمَ خُلْدًا فِيهَا..... (النساء: ۹۳)

اسی اللہ تعالیٰ ڈاکہ ڈالنے والوں کے متعلق عذاب کے ذکر کے بعد فرمان:

ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۵۳﴾ المائدہ: ۵۳

اللہ تعالیٰ۔ زخردی کہ ان لوگوں کے لیے دنیا میں بھی سزا ہے اور آخرت میں بھی ہاں اگر توبہ کر لیں تو پھر اس کی وجہ سے آخرت کی سزا ختم ہو جائے گی۔ ❶ اکثر علماء کے ہاں شرعی سزائیں اس کے باوجود کے دنیا میں تو زواجر ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کی بنسبت تبعاً اخروی سزا کو بھی ساقط کر دیتی ہیں جبکہ دنیا میں سزا دی جائے، اور کافر کے حق میں زواجر ہیں جب کسی مسلمان کو شرعی سزا دی گئی دنیا میں یہ تو اس کی وجہ سے وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا، پس ان سزاؤں کا ہدف ایک تیر سے دو شکار والا معاملہ ہے۔ سابقہ حدیث کی وجہ سے ”اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں کہ وہ آخرت میں دوبارہ بندے کو سزا دیں، اور ایک روایت میں ہے جس نے کوئی گناہ کیا پھر اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو آخرت میں اب اسے سزا نہیں ملے گی“ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں ہے کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا میرے ہاتھ یہ بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، زنا نہ کرو گے، چوری نہیں کرو گے، اور کسی کی جان ضائع نہیں کرو گے یعنی قتل نہیں کرو گے سوائے حق کے، جس نے اس کو نبھایا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے یہ گناہ کیے اور پھر ان کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہیں، اور جس نے یہ گناہ کئے اللہ تعالیٰ نے ان پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو عذاب دے دے۔ ❷

شریعت میں زواجر و جوابر کا قاعدہ..... عز بن عبد السلام، قرانی اور تہذیب القروق کے مؤلف کے ہاں: جوابر مشروع ہیں فوت شدہ مصالح کے حصول کے لیے اور زواجر مشروع ہیں مفسد ختم کرنے کے لیے، اور جوابر سے غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے جو مصلحتیں فوت ہو گئی ہیں انہیں پورا کرنا اور اس میں یہ شرط نہیں جس کا جبر کیا جا رہا ہے وہ گناہ گار بھی ہو۔ ان دونوں میں چار طرح کا فرق ہے۔ ۱۔ زواجر مشروع ہیں متوقع مفسد ختم کرنے کے لیے اور جوابر مشروع ہیں فوت شدہ مصالح حاصل کرنے اور پانے کے لیے۔

۲۔ زواجر کی ایک بڑی تعداد جرائم پیشہ کے لیے مقرر ہے تاکہ وہ جرائم سے باز آجائیں اور اس شخص کو باز رکھنے کے لیے جو ان کے بعد ان جرائم کا ارتکاب کرے، اور کبھی زجر جرائم کے بغیر بھی ہوتا ہے جیسے بچوں اور پاگلوں کی تادیب کے لیے سزا ہم انہیں زجر کرتے ہیں اور تادیب سکھاتے ہیں ان کے جرائم اور کجی کی وجہ سے نہیں بلکہ مفسد دور کرنے اور ان کی اصلاح کے لیے، جیسے باغیوں سے قتال، بغاوت اور ہمت میں تفریق کی وجہ سے باوجودیکہ ان کا کوئی گناہ نہ ہوں کیونکہ وہ تاویل کرتے ہیں۔ جوابر کا ایک بڑا حصہ ان لوگوں کے لیے مقرر ہے جو گناہ گار نہیں دلیل یہ ہے کہ جبر مشروع ہے خطا، عمد، جہالت، علم، نسیان، یاد دہانی کی صورتوں اور مجنون، بچوں وغیرہ کے لیے، برخلاف زواجر کے ان کا بڑا حصہ صرف جرائم پیشہ کے لیے انہیں جرائم سے باز رکھنے کے لیے ہے۔

۳۔ زواج کا ایک بڑا حصہ یا تو مقررہ حدود میں سے ہے، یا تعزیرات غیر مقررہ میں سے اور یہ زواج کرنے والوں کا فعل نہیں بلکہ آئہ انہیں انجام دیں گے، اور جو اہر بخاطب کے اعتبار سے ہے۔ البتہ بعض کفاروں میں اختلاف ہے، آیا وہ زواج ہیں یا جو اہر کیونکہ ان میں اموال والا کی برداشت کی مشق ہے یا پھر یہ عبادت ہیں کیونکہ نیت کے بغیر درست نہیں اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا زجر نہیں، برخلاف حدود و تعزیرات کے کہ یہ قربت اور نیکی نہیں کیونکہ جن پر زجر ہو رہا ہے یہ ان کا فعل نہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ جو اہر ہیں اس لئے کہ کفارات عبادات اور نیکیاں ہیں نیت کے بغیر درست نہیں۔

۴۔ جو اہر جان، اعضاء، اعضاء کے منافع، عبادات، مال منافع وغیرہ میں ہوتے ہیں برخلاف زواج کے یہ صرف جنایت اور مخالفت کی صورت میں ہوتے ہیں، ابن راشد کی ”بدلیۃ المجتہد“ میں ہے کہ وہ جنایات جن کے لیے حدود کا قانون ہے وہ پانچ ہیں:

ایک..... بدن، جان، اعضاء وغیرہ پر جنایت اسے قتل اور زخم کا نام دیا جاتا ہے۔

دوسرے..... فروج پر جنایت اسے زنا کا نام دیا گیا ہے۔

تیسرے..... مال پر جنایت اور یہ مال اگر ڈاکہ زنی کے طور پر بغیر تاویل کے لیا ہو تو اسے جرابہ اور ڈاکہ کی زنی کہتے ہیں اور اگر تاویل کرتے ہیں تو اسے بغاوت کہا جاتا ہے، اور جو مال اچانک کسی سے لے لیا حفاظت کی جگہ سے تو اسے چوری کہا جاتا ہے، اور جو مال زبردستی لیا جاتا ہے اسے غصب کہتے ہیں۔

چوتھے..... عزت پر جنایت اسے قذف کا نام دیا گیا ہے۔

پانچویں..... ماکول و مشروب میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے حرام قرار دیا ہے اسے استعمال کرنا شریعت میں اس میں سے صرف شراب پر حد ہے، جو مفق علیہ ہے۔

جو اہر کے مثالیں درج ذیل ہیں:

عبادات میں جو اہر..... مثلاً وضو کے لیے تیمم، واجبات چھوٹنے کے لیے سجدہ سہو، دوران سفر نماز کے نوافل کی معافی کے وہ جس طرف رخ ہو بغیر قبلہ رخ بھی نفل پڑھ سکتا ہے، اور نماز خوف میں نمازی کا ادھر ادھر جانا، اور بڑے بوڑھے کے حق میں روزوں کے بدلے فدیہ دینا، حج اور عمرہ کے ممنوعات کے ارتکاب پر روزہ، کھانا اور بکری صبح کر کے اسے پورا کرنا، یاد رہے کہ نماز صرف بدنی عمل ہی سے پوری ہوگی اور مال میں مالی جبر کے علاوہ کوئی چیز نہیں، حج عمرہ کبھی تو بدنی عمل مثلاً روزہ سے پورے ہوتے ہیں، اور کبھی مالی عمل مثلاً بکری ذبح کرنا، کھانا کھانا سے پورے ہوتے ہیں، اور روزہ کبھی اس کے شل سے پورا ہوتا ہے اور کبھی مال کے ذریعہ۔

جو اہر مالی..... میں اصل تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اصل چیز ہی واپس کی جائے، اگر اس نے تمام اوصاف کے ساتھ واپس کیا تو ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، اگر اس نے کم صفات کے ساتھ واپس کیا تو انہیں قیمت کے ساتھ پورا کیا جائے گا کیونکہ اوصاف مالی مثلی نہیں۔ منافع کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک حرام نفع جیسے ڈھول، باجے، شرم گاہیں، بوس و کنار، وغیرہ تو ان کا جبر نہیں حقارت کی وجہ سے جیسا کہ نجس چیزوں کا حقارت کی وجہ سے اجبار نہیں۔

دوسری صورت..... نفع مباح اور قیمتی ہو، تو فاسد اور صحیح عقود میں انہیں تلف کی صورت میں پورا کیا جائے گا جیسے غصب میں اس لیے کہ شریعت نے انہیں قیمتی قرار دیا اور انہیں مال کی درجہ میں رکھا ہے لہذا اس میں کوئی فرق نہیں کہ انہیں عقود کے ذریعہ پورا کیا جائے جیسے اجارہ میں، یا انہیں تلف کی صورت میں کیا جائے اس لیے کہ تمام مالوں کی اصلی غرض منافع ہی ہے۔

جس نے کسی ہستی یا گھر کو غصب کیا تو مدت غصب کی منفعت کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور حنفیہ کے ہاں سے شے مغصوب کے منافع کا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۲ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
 ضامن نہ ہوگا صرف یتیم کے مال، مال وقف، اور وہ مال جو سرمایہ کاری کے لیے رکھے گئے ہیں جب متاخرین کی رائے میں جان، اعضاء کے
 منافع اور زخم تو شریعت نے جو دیت کفار یا عدل آدمی کا فیصلہ اس میں دیا ہے وہ جوابدہ ہیں، اور جن پر قصاص، مارنا، قید اور تادیب کا حکم دیا وہ
 زواجر ہیں۔

حدود میں پردہ پوشی اور معافی..... حاکم کے پاس معاملہ پہنچے سے پہلے ایسا جرم جو قابل حد ہے اس پر پردہ ڈالنا مستحب ہے، ترمذی
 اور حاکم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کریں گے، اور
 ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس نے کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب
 پر پردہ ڈال دیں گے، اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ دری کی تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری کریں گے اور اس کو اس کے گھر میں رسوا کریں
 گے۔ (مزید دلائل شہادت کی بحث میں ہیں)

حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حدود اللہ میں سفارش کرنا اور اسے قبول کرنا حرام ہے البتہ اس سے پہلے جائز ہے۔ نبی کریم صلی
 اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس کا مقابل بنا، اور آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: زمین پر جو ایک حد جاری کی جائے کہ وہ اہل زمین کے لیے چالیس دن بارش برسنے سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اور نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تھا اور منع کر دیا تھا حد میں سفارش کرنے والے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بنو مخزوم کی ایک
 عورت تھی اس نے کسی سے عارت پر سامان لیا اور پھر واپس دینے سے انکار کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا،
 اس کے لوگ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے سفارش کروانے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ نے
 فرمایا: اے اسامہ! میں تمہیں اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش دیکھتا ہوں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی وجہ
 سے ہلاک ہو گئے اگر ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے، اس ذات
 کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی اس کی جگہ پر ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا پھر آپ نے اس مخزومی
 عورت کا ہاتھ کاٹا۔ ①

توبہ کا نظام اور سزاؤں میں اس کا اثر

بحث کا خاکہ: پہلا مقصد..... توبہ کا طریقہ، قاعدہ۔

پہلی بات..... توبہ کا سبب و علت۔

دوسری بات..... توبہ کی تعریف۔

تیسری بات..... توبہ کی شرائط۔

چوتھی بات..... توبہ کا شرعی حکم۔

(الف)..... فوراً توبہ کرنے کا وجوب۔

(ب)..... کس سے توبہ واجب ہے اور اس کی قبولیت کا وقت۔

(ج)..... قبول توبہ کا وعدہ۔

(د)..... مشیت الہی اور گناہوں کی مغفرت کا اختیار،

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۵ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

پانچویں بات..... توبہ اور سزا

(الف)..... سزا اور عفو توبہ کی اسلام میں اقسام۔

(ب)..... سزا کا ہدف۔

(ج)..... سزا کی ضرورت۔

(د)..... توبہ کا فلسفہ یا آیا توبہ سزا کے مقصد پر مؤثر ہے۔

(ه)..... وہ جرائم اور گناہ جن سے توبہ کی جائے، اور ان کی توبہ کی کیفیت۔

پہلے تقسیم..... گناہ کی تقسیم صغیرہ اور کبیرہ کی طرف۔

دوسری تقسیم..... گناہ کی تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعتبار سے۔

دوسرا مقصد..... سزا کی توبہ کا آخری سزا پر اثر (۱) کافر کی توبہ (۲) منافق کی توبہ (۳) زندیق کی توبہ (۴) بدعتی کی توبہ۔

تیسرا مقصد: دنیوی سزا پر توبہ کا اثر..... تمہید سزاؤں کی اقسام کے متعلق پہلی بات: توبہ کے ذریعہ حدود ساقط ہونے میں فقہاء کی آراء،

ارد اور بغاوت کی سزا، قذف کی سزا، لوگوں کے شخصی حقوق، زنا، چوری اور شراب کی سزا، دوسری بات: کیا توبہ قصاص اور دیت کو ساقط کر دیتی

ہے۔ تیسری بات: توبہ کے ذریعہ تعزیرات کا ساقط ہونا، خاتمہ۔

پہلا مقصد: توبہ کا طریقہ کار اور نظام:

پہلی بات توبہ کا سبب..... انسان فطری اعتبار سے اپنی سیرت کی درستگی کی طرف جلدی کرتا ہے داخلی شعور کی وجہ سے اور رنج و الم،

کے احساس اور ضمیر کی آواز اور گناہ پر ندامت کی وجہ سے اور دینی اور فطری تاثر کی وجہ سے جو انسانی نفس میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی

لاج اور انسان یا حاکم کی سزا کی وجہ سے یہ الگ بات ہے کہ وہ شر، گناہ کرنے، جرائم وغیرہ کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

اس کا توبہ کے ذریعہ گناہ سے چھٹکارہ پانا اس کی قوت ازادی، بعد نظر اور عقل وسعت کی دلیل ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کے انحراف پر

ابھارنے والی شہوت کی تاثیر کی قوت خاص کر جب بار بار انسان اس کو کرے اور اس کی عادت طبیعت ثانیہ بن جائے اور لوگوں کو اپنی عادات

سے ہٹانا حرج ہے۔ اور اس لیے بھی انسان عادات کاموں میں جلدی کرتا ہے، اور مؤجل کا انتظار کم ہی کرتا ہے۔ الایہ کہ صبر سمجھ وغیرہ کی وجہ سے

ایسا نہیں کرتا، اسی وجہ سے قرآن کریم نے لوگوں کی نظر ان کی طبیعت کی طرف مبذول کرائی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

مگر لوگو! تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأُنْفِی ۝۱۶۸۷۱۷

مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو بلکہ آخرت بہت بہتر اور پائیدار تر ہے۔

دوسری بات توبہ کی تعریف..... توبہ نام ہے ایسی ندامت اور پشیمانی کا جس سے آئندہ گناہ نہ کرے کا مصمم اور پختہ ارادہ ہو، اور یہ

تحقق ہوتی ہے گناہ کرنے والے کے اس شرعی اور عقلی طرز پر قبیح کام و گناہ کو چھوڑنے سے یا کسی واجب میں فی الحال خلل پیدا کرنے اور

گزرے ہوئے پر ندامت کرنے۔ اور مستقبل میں نہ کرنے کا مکمل ارادہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ندامت توبہ ہے“ ❶ اور

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۲۶ اسلام میں دنیوی سزائیں

حقیقت یہی ہے کہ لغوی اعتبار سے توبہ رجوع کرنے کا نام ہے اور گناہ سے رجوع ہونا ضروری نہیں اور شرعی طور پر، کبھی اور کبھی رجوع کی سیدھے راستہ کی طرف لوٹ آنا۔ رہ گئی ندامت اور مصمم ارادہ تو یہ دونوں رجوع صحیح کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں جنہیں جرائم اور گناہوں سے کبھی طرح میں شمار کیا جاتا ہے، اور (توبہ) رجوع کا سبب ندامت، عزم و ارادہ، دینی شخصی یا ذاتی معاملہ کے ساتھ ساتھ خالص قدرت اور ارادہ بھی ہونا چاہئے اگر توبہ کسی اور سبب کی وجہ سے ہو مثلاً ضعف بدن، یا مالی تاوان، یا قید کی دھمکی یا حکومت کی دھمکی سے زبردستی ہو تو یہ توبہ نہیں ہوگی جس سے دینی نتائج ثابت ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے آخرت میں بھی گناہ معاف ہو، اس سے تو صرف حکومتی اور شہری سطح پر جرائم کا انسداد اور امن و امان بحال ہوگا۔

تیسری بات: توبہ کی شرائط..... علماء نے توبہ کی صحت کے لیے چند متعین شرائط رکھی ہیں ❶ جو گناہ کے اللہ اور بندے کے درمیان یا حقوق العباد ہونے کے اعتبار سے مختلف ہیں اگر گناہ ایسا ہو جو صرف بندے اور رب کے درمیان ہو اور اس کے ساتھ کسی انسان کا حق متعلق نہ ہو، یعنی حقوق اللہ میں سے ہو تو اس کی توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں:

ان میں سے ایک: فی الحال گناہ کو چھوڑنا، دوسری: معصیت جرم اور مخالفت پر ندامت اور پیشانی تیسری: یہ مصمم ارادہ آئندہ کبھی بھی اس طرح کے گناہ نہیں کروں گا۔ بس توبہ کے تین ارکان ہیں: چھوڑنا، ندامت اور عزم و ارادہ اگر ان تین ارکان میں سے ایک بھی نہ پایا گیا تو توبہ صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ جو شخص عزم اور چھوڑنے سے عاجز ہو جیسے اندھے کی توبہ کرنا کہ وہ غیر محرم کو نہ دیکھے گا، اور خسی کی زنا سے توبہ، ان کی توبہ تو صرف ندامت ہے، کیونکہ آسانی اور سہولت عجز سے ساقط نہیں ہوتی یعنی جس پر قدرت ہے وہ اس کی وجہ سے جس پر قدرت نہیں ساقط نہیں ہوتی، جسے ارکان نماز میں سے جن کی ادائیگی کی قدرت ہے۔ وہ جن کی ادائیگی کی قدرت نہیں ان کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے۔ ”جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو بقدراستطاعت تم اسے بجالاؤ۔“ ❷

اور اگر جرم اور گناہ کا تعلق کسی انسان کے شخصی حق سے متعلق ہو تو اس کے لیے چار شرطیں ہیں تین تو سابقہ اور چوتھی یہ کہ صاحب حق کو اس کا حق دے کر ظلم سے چھٹکارا پانا، اگر کسی کا مال وغیرہ بغیر حق کے ہو تو اسے واپس کرے اور اگر قذف (تہمت) لگائی ہے تو پھر مقذوف علیہ سے معاف کروائے یا اسے قدرت دے حد کے لیے، اگر کسی کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگے۔

توبہ کی مکمل اقسام وہ ہیں جنہیں علی رضی اللہ عنہ مقرر فرمایا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (مسجد نبوی) میں آیا اور دعا کرتے ہوئے کہنے لگا۔ اللھم انی استغفرک..... الخ۔ اے اللہ میں آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں پھر تکبیر کہی اور نماز شروع کر دی جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: زبان سے جلدی جلدی استغفار کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے، آپ کی توبہ خود توبہ کی محتاج ہے۔ تو اس نے کہا اے امیر المؤمنین توبہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توبہ چھ معافی کے لیے آتی ہے ماضی میں کیے ہوئے گناہوں پر ندامت، جو فرض ضائع کیے ہیں ان کا اعادہ، جو ظلم کیے ہیں انہیں واپس کرنے، نفس کو اطاعت میں لگانا جیسے گناہوں میں لگایا ہوا تھا، اور نفس کو اطاعت کی حلاوت چکھنا جیسے گناہ کی لذت چکھائی اور ہر ہنسنے کے بدلے میں رونا“ ❸ جس توبہ میں تمام شرائط پائی جائیں وہ توبہ خالص ہے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ آخریم: ۸/۶۶

نیز اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے رستے چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔ (طہ: ۸۲/۲۰) اس خالص اور صاف دل سے توبہ کی تحدید کے متعلق تیس (۲۳) قول ہیں اور ان میں ظاہر عبارت ہی کا اختلاف ہے، ان اقوال میں سے ایک وہ ہے جو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۷ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
 قرطبی نے کہا: توبہ نصوح چار چیزوں کو جامع ہے زبان سے استغفار، بدن سے چھوڑنا، اور دل میں دوبارہ نہ کرنے کا عزم، اور برے دوستوں
 اور بری صحبت کو چھوڑنا۔ ①

چوتھی بات: توبہ کا شرعی حکم: ۱..... فوراً توبہ کرنا واجب ہے: شریعت کے تمام ماخذ قرآن کریم، سنت اور اجماع امت، گناہ ہوتے
 ہی توبہ کرنے کے وجوب پر متفق ہیں، اور جو توبہ کو مؤخر کرے گا تو وہ اس تاخیر کی وجہ سے مزید گناہ گار اور مجرم ہوگا اور یہ چیز اس وقت ہے کہ جب
 اس کا کامل مقصد یعنی گناہوں کو چھوڑنا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور دنیا میں انسان سے رضا مندی اور تمام جرائم سے پاکی اور انحراف
 میں نہ رہنا تاکہ آئندہ کبھی بھی اس گناہ کی طرف نہ آئے اس کے علاوہ توبہ پر مرتب ہونے والی مصلحت کی وجہ ہیں جن کا سمجھنا قرآن کریم اور
 احادیث نبوی سے آسان ہے، قرآن کریم آیات درج ذیل ہیں:

”اور مؤمنو: سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔“ النور: ۳۱/۲۴

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو، وہ تم کو متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا۔ ہود: ۱۱/۳
 مؤمنو: اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ التحریم: ۸/۶۶

اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھے ہیں پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ النساء: ۱۷/۴
 ”تو اگر توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا۔“ التوبہ: ۴۳/۹

اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔

النساء: ۱۱/۴

اور احادیث نبویہ جو قرآن کریم کی تاکید اور اس کے بعد احکام کو واضح کرنے والی ہیں، ان میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
 ”بخدا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں دن میں ستر (۷۰) سے زیادہ مرتبہ ②“ اے لوگوں: توبہ کرو، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو
 میں دن، میں سو مرتبہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ ③

ان دونوں حدیثوں سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ توبہ کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جس گناہ سے توبہ کی ہو وہ جب یاد آئے تو
 اس پر توبہ کرے، اور اس کے کرنے پر ندامت کا اظہار کرے، اور دوبارہ نہ کرنے کا ارادہ کرے بلکہ یہ ضروری اور لازماً نہیں ہے صرف گناہ ہی کی
 وجہ سے توبہ کرے بلکہ ویسے بھی توبہ کرتا رہے ان حدیثوں کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دن ستر (۷۰) سو (۱۰۰)
 مرتبہ گناہ کرتے تھے، بلکہ معنی و مطلب یہ کہ تجدید توبہ اور بار بار کی جائے اگرچہ ایک صغیرہ گناہ ہی کیوں نہ کیا ہو ④ کوتاہی اور تفریط کا بڑا ہونا اور
 کسی بھی گناہ کا ارتکاب چاہے وہ چھوٹا ہی ہو اس کے لیے توبہ ضروری ہے۔ اور امت کی تعلیم اور لوگوں کی رہنمائی، اور امت کے لیے توبہ کا
 دروازہ کھولنے کے لیے آپ ایسا کرتے تھے۔ ہر ایک علوم مرتبہ اور عام با خاص سولت کی وجہ سے اس میں شامل ہے، رہ گئے نبی علیہ السلام تو اللہ
 تعالیٰ نے ان کی ہر چیز معاف فرمادی تھی۔ اور توبہ کی رغبت دلانے والی احادیث میں سے ”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے زیادہ خوش ہونے
 اس شخص سے بھی جس کا اونٹ صحراء میں یا جنگل میں گم ہو جائے اور پھر اس کے ملنے پر اسے جتنی خوشی ہوتی ہے۔ ⑤

کس چیز سے توبہ کرنا واجب ہے اور اس کی قبولیت کا وقت..... تمام گناہوں اور جرائم سے توبہ کرنا واجب ہے اگر کسی نے
 کچھ گناہوں سے توبہ کی تو ان گناہوں کے سلسلہ میں اس کی توبہ صحیح اور باقیوں کی توبہ اس کے ذمہ باقی ہے اہل سنت والجماعت کے ہاں
 ① گناہ۔ ہر وہ کام جو اللہ کے حکم کے خلاف کیا یا چھوڑا جائے وہ گناہ کہلاتا ہے اور اسلام کے کسی بھی حکم کی مخالفت پر توبہ کے جواز پر اللہ تعالیٰ کا
 یہ ارشاد دلیل ہے:

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۲۸ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھے ہیں۔ النساء: ۱۷۳

یہ آیت کفر اور تمام گناہوں، جرائم کو شامل ہے ہر وہ شخص جو اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ جاہل ہے جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے اور قنادر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ معصیت اور گناہ جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے چاہے وہ عملاً ہو یا جہل کی وجہ سے ❶ توبہ کافی الفور واجب ہونا اصل اور عام ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی وجہ سے پوری زندگی قبولیت توبہ کے لیے عام ہے اللہ کی طرف سے آسانی اور عطیہ کے طور اور امید قائم رکھنے کے لیے۔ اور نفس کو نہ امید کی سے دور رکھنے کے لیے اس لیے کہ ”ہر ابن آدم گناہ گار ہے اور بہترین گناہ گار وہ ہیں جو توبہ کر لیں“ اور اس چیز کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد راہنمائی کرتا ہے ”کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو قبول کرتے ہیں جب تک نزع کا وقت نہ آجائے“، یعنی جب تک اس کی روح حلقوم تک نہ پہنچ جائے، اور عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ثُمَّ يَتُوبُ مِنْ قُرْبٍ (النساء: ۱۷۴) کی تفسیر کی ہے کہ اس سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ دنیا ہی قریب ہے، اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو وقت موت سے پہلے ہے وہ قریب ہے، اور ایک حدیث میں ہے، جو بھی مؤمن بندہ موت سے ایک ماہ پہلے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کم بھی قبول فرماتے ہیں اور موت سے ایک دن ایک ساعت پہلے بھی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور اخلاص کو جانتے ہیں اور اسے قبول فرماتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ: توبہ موت سے پہلے درست اور صحیح ہے اگرچہ ایک دن ہی پہلے کیوں نہ ہو اس لیے کہ انسان کی اصلاح کی امید باقی ہے، اور اس کی طرف سے ندامت اور ارادہ، برے کام ترک کرنے کا درست ہے، لیکن جو شخص ناامیدی کی حالت میں زندگی گزار گیا جیسے فرعون جو پانی کی موجوں میں غرق ہونے لگا تو اس وقت ایمان لانے لگا تو اس حالت کی توبہ قابل قبول نہیں اور نہ ہی نفع دیتی ہے، اور نہ ہی اس وقت ایمان کا اظہار کرنا درست ہے، اس لیے کہ یہ حالت شرعی احکام کے اختتام کی ہے اللہ تعالیٰ فرعون کے قصہ میں بیان فرماتے ہیں:

وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُوْدُهُ بَعْثًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَاكَ الْعُرَىٰ

قَالَ اٰمَنْتُ اِنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْ اٰمَنْتُ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ❶

اَللَّنَّ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ❷ یونس: ۹۰/۹۱

اور اس کی تاکید و تائید ایک دوسری آیت کرتی ہے :

وَ كَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ اِذَا حَصَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ ثُبْتُ النَّنَّ

وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارًا ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ❸ النساء: ۱۸/۳

پردہوں آیتیں اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں جب زندگی کی امید ختم ہو جائے اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی، یہی رائے ہے کہ ابن عباس، اور ابن زید اور جمہور مفسرین کی لیکن حنفیہ میں سے ایک گروہ کے ہاں، ناامیدی کی حالت کی توبہ قبول ہے البتہ اس حالت کا ایمان قابل قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ الشوری: ۲۵/۲۵

۱..... شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں قریب سے مراد وہ وقت ہے جس میں شہوت نفسانی کا انقلاب یا غضب کا انقلاب ٹھہر سکے اور برائی کرنے والے کو حطم مل سکے اور اس کا دین اور عقل اس کی طرف لوٹ آئے، بس آیت سے ظاہر مراد یہ ہے کہ اس میں وہ وقت بیان کیا گیا ہے جس میں ہر گناہ کار کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اور یہ آیت ”وَ كَيْسَتِ التَّوْبَةُ“ (النساء: ۱۸/۳) اس میں وہ وقت بیان کیا گیا ہے جس میں کبھی بھی کسی کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی اور ان دونوں کے درمیان جو وقت ہے وہ مسکوت عنہ ہے اور یہ امید و خوف کا مقام ہے بس جب بھی توبہ گناہ کے ساتھ ہوگی

تو اس میں امید قوی ہے، اور جب بھی وقت کے بعد اس پر اصرار اور اس کی پروا نہ ہوگی تو عدم قبولیت کا خوف رائج ہے۔ ❶

۳۔ قبول توبہ پر وعدہ..... اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے لیے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ مُكْفَرٌ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

جن کبیرہ گناہوں سے تمہیں روکا ہوا ہے اگر تم ان سے بچو تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دے اور تمہیں جنت میں داخل کریں گے یہ بدلہ کبیرہ گناہوں سے رکنے پر ہے، اور ان پر صبر کرنے کے صلہ میں ہے اور ہمیشہ استقامت پر ابھارنا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ میں سچے ہیں کہ وہ اپنے گناہگار بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ..... التوبہ: ۱۰۴

کہ وہ یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ نیز:

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ﴿٢٠﴾ طہ: ۸۲

اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستہ پر چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔

قرطبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ان چیزوں کے بارے میں جو اپنے اوپر واجب کی ہیں خبر دینا ان اشیاء کے وجوب کا تقاضا ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً کوئی چیز واجب نہیں اور رہ گئی سمعی دلیل تو اس کا ظاہر یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ آیات اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو متضمن ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں وعدہ خلافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں جب وہ تمام شرائط کے ساتھ ہو اور وہ چار ہیں جن کا ذکر ہو چکا اور عقل اللہ تعالیٰ پر توبہ قبول کرنا واجب قرار نہیں دیتی برخلاف معتزلہ کے، اس لیے کہ موجب کی شرط یہ ہے کہ وہ واجب کرنے والے سے اعلیٰ رتبہ کا ہو، اور اللہ تعالیٰ تو تمام مخلوق کو پیدا کرنے والے، ان کے مالک اور انہیں مکلف بنانے والے ہیں لہذا ان پر کسی چیز کو واجب کرنا درست نہیں وہ اس سے بلند ہیں۔ ❶

۴۔ مشیت الہی اور معاف کرنے میں آزادی..... اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں بہت سارے صغیرہ اور کبیرہ گناہ بغیر کسی شرط کے جیسے کبیرہ سے توبہ اور صغیرہ سے بچنا، فرمان باری تعالیٰ ہے: وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور وہ گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم کام کرتے ہو۔“ (الشوریٰ: ۲/۴۲)

یعنی اللہ تعالیٰ مستقبل میں توبہ قبول کرتے ہیں اور ماضی کے گناہوں کو مطلقاً معاف کرتے جس کو چاہیں اور وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کی حکمت کے موافق ہے۔ اور اس کی سنت اور طریقہ کے مطابق جاری ہے اور شرک ان سے مستثنیٰ ہے اور شرک مطلقاً کفر کو شامل ہے چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کفر سے تمام رزائل پیدا ہوتے ہیں جو افراد اور اجتماعوں کو ختم کر کے رکھ دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ..... النساء: ۴۸/۴۳

اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔

یعنی گناہوں کی معافی تمام لوگوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایمان توبہ اور نیک اعمال والے بندوں میں سے جس کو چاہیں گے معاف فرمائیں گے:

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۳۰ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ سورہ: ۱۱۴
کچھ شک نہیں کرنیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

نیز:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۖ سورة الزمر ۵۳
(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو: جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں مغفرت توبہ کے ساتھ مقید ہے، کہ قرآن سے گناہوں پر جری ہونا نہ سمجھا جائے، حقیقت یہ ہے کہ آیت اس سے اوپر ہے شرک اور دوسری چیزوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شرک کا انجام نفوس بشریہ کو فاسد کرنا ہے اور اس کے علاوہ گناہوں میں مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اس لیے گناہ لوگوں میں فساد کے اعتبار سے شرک کے درجہ میں نہیں ہیں، اور گناہوں کے مٹانے اور معاف کرنے کے سلسلہ میں آخری جملہ اور آخرت میں اس پر مؤاخذہ ہونا یہ نفس کے مقاصد سے متعلق ہے قوت ایمانی اور دل کے اعتبار سے یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور ان ہی کی اتباع کی ہے استاذ محمد عبدہ نے پس جس کا ایمان صحیح ہوا اور اس کا ارادہ اپنے آپ کو گناہوں سے الگ کرنے کا ہوا تو وہ مغفرت اور اللہ کی رضا کا مستحق ہے۔

رہ گیا لوگوں کے مالی جانی نقصانات کرنا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی طرح ہیں کہ ان کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک صاحب حق اپنا شخصی حق ساقط نہ کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دفتر اللہ تعالیٰ کے ہاں تین ہیں: ایک دفتر ہے جس کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں، ایک دیوان وہ جس میں اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے اور ایک وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائیں گے، یہ دفتر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ النساء ۴۸
اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔

نیز فرمایا:

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ المائدہ ۷۲

(اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر بہشت (جنت) حرام کر دے گا۔

اور رہ گیا وہ دیوان اور دفتر جس کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں وہ بندے اور اس کے رب کے درمیان یعنی حقوق اللہ کو ضائع کرنا ہے مثلاً روزہ یا نماز چھوڑ دینا، اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو معاف فرما دیں گے، اور رہ گیا وہ دیوان جس میں اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑیں گے تو وہ حقوق العباد ہیں جسے قصاص خاص کرے۔

پانچویں بات: توبہ اور سزا

۱..... اسلام میں سزا کی اقسام: ہر بات معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جرائم پر سزا کی دو قسمیں ہیں اور وہ دنیاوی سزا اور آخری سزا، دنیاوی سزا وہ ہے جو دنیا میں حاکم جاری کرے گا، اور آخری سزا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں جرائم اور گناہوں پر دے گا جیسے جہنم کا عذاب وغیرہ۔ اور دنیا میں وہ جرائم جن پر سزا ہے وہ مقرر ہیں جیسے پہلے گندراوہ تیرہ (۱۳) میں قتل، زخم، زنا، قذف، (تہمت) شراب نوشی، چوری، بغاوت، ڈاکہ زنی، ارتداد، زندقہ، اللہ، رسول، اور فرشتوں کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا، جادو کرنا، نماز روزہ چھوڑنا۔ اور اسلام میں سزا کا کئی قسم کا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۳۱ اسلام میں دنیوی سزائیں ہونے کی وجہ عقلی بات ہے کہ اخلاق و فضائل منظم رہیں، رزائل ختم ہوں اور یہ فیصلہ ہو، اور جو شخص دنیا میں حاکم کی سزا سے اس کی غفلت کی وجہ سے بچ گیا، یا اس نے حیلہ سازی کی، یا مطلوبہ وسائل اثبات کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کے جرم پر کوئی قانون مقرر نہ ہو جیسے جھوٹ، وعدہ، خلائی، کینہ، حسد، نفیست، چغل خوری، وغیرہ تو ان کی سزا وہ آخرت میں پائے احکم الحاکمین کے سامنے، جس پر کوئی چیز آسمان و زمین کی پوشیدہ نہیں۔

جیسا کہ اخروی سزا ممتاز ہے، نیک لوگوں کے بدلے کے لیے ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے انہیں ابھارنے اور فضیلت کی وجہ سے، اور استقامت پر ابھارنے اور دنیا میں نیک اعمال کے لیے، اور خالص توبہ بھی تو بڑھ جاتی ہے دنیا میں سزا سے، مثلاً قاضی کے سامنے جرم کا اقرار اور کبھی اخروی سزا ساقط ہو جاتی ہے، مجرم کے ساتھ نرمی، اور اسے لغزشوں سے بچانے کی وجہ سے، اور اسے نیک بندوں میں سے بنادیا جاتا ہے، پس عقوبات کے قانون سے مقصد اور ہدف وہ دائمی صفات ہیں۔

۲۔ سزا کا ہدف..... فقہ اسلامی عام بنیاد کی طرح ہے افضل مبادی اور نظم کے اعتبار سے جس کی طرف تقلیدی اور وضعی دونوں مدارس نے مواصلت کی ہے سزا اور سزا کی دیت کے قانون کے سلسلہ میں۔ تقلیدی مدرسہ کے پیش نظر سزا کا حق اجتماعی منفعت کی بنیاد پر قائم کرنا ہے اس کے انسداد اور مستقبل میں بچاؤ کی خاطر ہمارے فقہاء کے ہاں سزائوں کی بنیاد شرعاً مقرر ہے اور یہ عام لوگوں کی مصلحت اور سعادت کی وجہ سے ہے اور ہر وہ چیز جو انسانی صالح لمحہ کو محقق کرے وہ شرعاً مطلوب ہے، اس لیے کہ حدود اور تعزیرات کی قانون سازی اور مشروعیت کا مقصد اصلی لوگوں کو ممنوعات کے ارتکاب یا مامورات کے ترک سے زمین میں واقع ہونے والے فساد کو دور کرنے اور لوگوں اور افراد کو پیش آنے والے ضرر کا انسداد کرنا، ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شریعت کا مدار ایمان کے قواعد پر فساد کے مادہ کو کلیہ طور پر ختم کرنا اور عالم کی بقاء ہے۔ اور جس نے شریعت کی تحریص کی سزائوں کی مصلحت کی تحقیق پر کہ وہ روکتی ہے ہر ذریعہ کو جو جرائم کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے نشہ آور اشیاء کا استعمال، منشیات کا استعمال، بلکہ شریعت نے ذاتی جرائم کا بھی اعتبار کیا ہے، اور اس کے ذرائع کے انسداد کی تاکید کی ہے، مثلاً نشہ حرام ہے، اجنبی عورت کے ستر کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ زنا کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔

پھر جدید تقلیدی مدارس کے ہاں..... سزا کے حق کی بنیاد اور اساس وہ مطلقاً عدالت ہے جو منفعت کے فکر سے خالی ہو۔ ہمارے فقہاء نے جرم اور تعزیر کے درمیان تناسب کے وجود کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن ہر چیز عدالت اور مصلحت کی مراعات کے علاوہ ہے، اور سزا کا ہدف عدل و انصاف کی فراہمی، اور اجتماعی مصالح کی حمایت ہے۔

اور وضعی مدارس جو تقلیدی مدارس کے ساتھ منفعت کے اعتبار سے متفق ہیں اور یہ مجرم کے لیے اس کے ممنوع درجہ میں عنایت اور اس کی قابلیت کے اعتبار سے اصلاح کے طلب گار ہیں۔ ہم نے اپنے فقہاء کو دیکھا ہے کہ وہ صراحتاً اس بات کو ذکر کرتے ہیں کہ قاضی تقریری سزائوں میں جرم کی بقدر سزا دینے کا حقدار ہے۔ جیسا کہ ہمارے فقہاء حدود اور تعزیرات میں بنیادی طور پر فرق کرتے ہیں توبہ کے دروازہ کو کھلا رکھتے ہوئے تاکہ جرم کرنے والا اپنے نفس کی اصلاح کی طرف ذاتی طور پر جلدی کرے اور یہ اصلاح اس سے اپنے اختیار اور آزادی فکر کے ساتھ ہو۔

۳۔ سزا کی ضرورت..... ہر انسان میں شر اور خیر دونوں ہم دست و گریباں ہیں اور یہ بات کہ خیر اصلاح تقدم اور سعادت کا راستہ ہے، تو انسان میں خیر کے سلسلہ کی تقویت واجب ہے، اور اس کے نفس میں موجود شر کے عامل کو ضعیف کرنا ہے، تو اس کے روک تھام کے لیے سزائوں کا قانون ضروری ہے، اس لیے کہ یہ شر کی طرف میلان سے روکنے کے لیے معاون ہیں اور ان سے خیر کی ترغیب ہوتی ہے، پس اس وجہ سے سزائوں کو جرائم کی بقدر ہونا رحمت عامہ کے لیے ضروری ہے، اور رحمت عامہ حقیقت میں عدل و انصاف ہے، اور حقیقی انصاف حقیقی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۳۲ اسلام میں دنیوی سزائیں رحمت ہے، یعنی شریعت کی رو سے رحمت اور انصاف لازم ملزوم ہیں، پس رحمت عدل و انصاف سے اوپر نہیں اور نہ ہی عدل رحمت اور قانون سے اوپر ہے، اس کی دلیل قرآن کریم کی صریح آیت ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبْتُمْ لَاعْجَلَ لَكُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجْعَلُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِلًا ۝۵۱ اور تمہارا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے، وہ ان کو ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے،

مگر ان کے لیے ایک وقت (مقرر کر رکھا) ہے کہ اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ الکہف ۵۸/۱۸

بس اگر عدل و انصاف دنیا میں جلدی عذاب کا تقاضا کرتا ہے تو رحمت اس کی تاخیر چاہتی ہے تاکہ امیر توبہ اور مخالفت چھوڑنا ہر انسان کے لیے زندگی میں عام ہو اسی وجہ سے توبہ رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے جس کی رعایت سزا کے قانون کے لیے انصاف کے ساتھ واجب ہے۔ یہی اسلام کی رسالت کا جوہر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، ابن قیم نے فرمایا شریعت کی بنیاد اور اساس حکمتوں اور بندوں کی معاش (دنیا) اور معاد (آخرت) کی مصلحت پر ہے اور یہ سارے کا سارا عدل، رحمت ہے اور سارے مصالح اور حکمت ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت ہی میں سے ہے کہ اس نے سزاؤں کا قانون بنایا لوگوں کے درمیان ہونے والے جرائم کے لیے جو وہ ایک دوسرے کی جانوں، اعضاء، عزتوں، مالوں، قتل، زخم، تہمت اور چوری کے ضائع کرنے پر کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان جنایات اور جرائم سے روکنے کے لیے مضبوط احکام نازل فرمائے ہیں، اور انہیں کامل و اکمل طور پر مشروع کیا، جو روک تھام کی مصلحت کی متضمن ہیں اور مجرم جس کا مستحق ہے اس سے زیادہ اسے سزا نہ ہو اور عز بن عبد السلام نے جرائم کے مفاسد جن کے لیے حدود اور تعزیرات سے مشروع ہیں کو بڑی دقیق عبارتوں اور گہری تحلیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شاطبی نے موافقات میں فرمایا: شریعت کے تمام احکام لوگوں کی مصلحت کی خاطر مشروع ہیں جو نبی مصلحت پائی جائے گی تو یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہی ہوگی۔

۴۔ توبہ کا فلسفہ..... شریعت اسلامیہ کے احکام کا ہدف دنیا کے مصالح کی حمایت ہے اور آخرت کے مقاصد کی حفاظت ہے، بلکہ جیسا کہ حدیث میں ہے حقیقت میں دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اس بناء پر تصور نہیں کیا جاسکتا کہ توبہ لوگوں کی مصلحت کے ضائع کرنے کا سبب ہے، اور نہ ہی گناہوں پر ابھارنے اور جری ہونے کا ذریعہ ہے یا ان کا اس کی وجہ سے ارتکاب آسان ہو، بلکہ اس کے برعکس توبہ تو جرائم کے استیصال و انسداد کے لیے معاون و مدد ہے، اس لیے کہ سزا کا انتہائی مقصد وہ مجرم کی اصلاح ہے تو توبہ اس مقصد کے لیے سب سے قوی ذریعہ ہے جو انسان کے اندر نجی نقل ہو تو اس صورت میں یہ گناہ گاروں کے لیے امیدوں کا دروازہ کھولتی ہے، اور انہیں ایک نئی متحرک اور ایجابی روح عطا کرتی ہے۔

پھر توبہ کا وقت: بھی باتفاق فقہاء اس صورت میں ہے جب اس جرم کا مقدمہ حاکم اور قاضی کی عالمت میں پیش نہ ہوا ہو، لیکن اگر مقدمہ قاضی کی عدالت میں پہنچ گیا تو پھر سزا ختم کرنے میں اس کی کوئی تاخیر نہیں اور اگر وہ جرم کسی شخصی حق میں ہو جس پر حد نہیں تو وہ بھی توبہ اور معاف وغیرہ کرنے سے معاف نہیں ہوگا اس صورت میں۔

۵۔ جن گناہوں کی توبہ کی جائے اور ان کی توبہ کی کیفیت..... یہ موضوع دو چیزوں کو شامل ہے، گناہوں کی تقسیم صغیرہ اور کبیرہ کی طرف اور گناہوں کی تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی طرف۔

پہلی تقسیم..... گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم کرنا۔ اسلام میں ہر گناہ سے توبہ صحیح ہے چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ، کفر اور شرک سے ابتداء

الغفہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم

کی جائے گی کم سے کم گناہ کی طرف، اور صغیرہ گناہ سے مراد جو کسی موجودہ وجہ سے ہو جیسے غصہ وغیرہ یا کسی نا سمجھی یا کم عقلی کی وجہ سے ہو پھر اس کے بعد ندامت ہو تو یہ اصرار کی صفت کو ختم کر دیتا ہے جیسے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا، اور خادم کو بغیر غلطی کے مارنا، گانے وغیرہ سننا، نزدیکی، شرابی، اور چور قسم کے لوگوں کی مجلس کرنا، اور اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرنا، کبیرہ کی تحدید میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر وہ گناہ جس سے روکا گیا ہو وہ کبیرہ ہے، ایک اور صحابی فرماتے ہیں: ہر وہ گناہ جس پر اللہ کی طرف سے جہنم کی وعید ہے وہ کبیرہ ہے اور بعض سلف کے ہاں: ہر وہ گناہ جس پر دنیا میں حدود واجب ہے وہ کبیرہ ہے اور صحابہ کے علاوہ وہابی کے ہاں: ہر وہ گناہ جس سے اللہ اور اس کے رسول نے قرآن یا حدیث میں یا صحابہ اور سلف صالحین کے اثر میں منع کیا گیا ہو۔ اور انہوں نے اپنی کتاب ”الکبائر“ میں ستر کبیرہ گناہ شمار کرائے ہیں ان میں سے اہم کچھ یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، کسی کو بغیر حق کے قتل کرنا، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، دوران جنگ پیٹھ دے کر بھاگنا، مومن پا کداس عورتوں پر تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، ظلم، دھوکا، وعدہ پورا نہ کرنا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، رشوت لینا، دینا، جوا، زنا، چوری، شراب پینا، غصہ اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا اور گالیاں دینا، مفسرین نے گناہ کبیرہ کی تفسیر میں کئی رائے ذکر کی ہیں ان میں سے چار اہم ہیں:

ایک..... وہ گناہ جرم جس پر حدود واجب ہو۔

دو..... وہ گناہ جس کے کرنے پر قرآن وحدیث میں سخت وعید ہو۔

تین..... امام حرمین نے فرمایا: ہر وہ گناہ جو لاپرواہی کی بنیاد پر ہو تو اس کا مرتکب جس سے دین اور دیانت کا معاملہ کرنے والے کی عدالت ختم ہو جاتی ہے۔

چار..... ابو سعید الصردی القاضی نے ذکر کیا ہے کہ: ہر وہ کام جس کی حرمت پر قرآن میں تصریح ہو۔ اور ہر وہ گناہ جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو اور ہر وہ فریضہ ترک کر دے جو فی الفور کرنے چاہیے تھا، جھوٹی گواہی اور قسم میں جھوٹ بولنا، دوسرا قول مفسرین کا ہے، اور تیسری رائے قبولیت کے اعتبار سے عام ہے۔ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند کیا ہے پس کبیرہ ہر وہ گناہ جس سے دین کی بے حرمتی ہوتی ہو اور اس کی کسی کو پرواہ نہ ہو۔

دوسری تقسیم..... گناہوں کی تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی طرف گناہ، بندے اور رب کے درمیان اور جن کا تعلق بندوں سے ہے کی طرف تقسیم ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے جیسے، نماز اور روزہ وغیرہ چھوڑ دینا اور ان سے اس وقت تک توبہ درست نہیں جب تک ندامت نہ ہو اور قضاء نہ ہو۔ اور جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسے زکوٰۃ نہ دینا کسی کو قتل کرنا، مال غضب کرنا، گالیاں دینا وغیرہ اور توبہ صاحب حق کو اس کا حق واپس کرنا یہ توبہ ہے، اور زکوٰۃ کی صورت میں قضاء واجب ہے اور قتل کی صورت میں قصاص کی قدرت دینا، اور قضاء وہ مطلوب بھی ہو اور قذف میں اگر مطالبہ ہو تو حد کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا، اگر اسے معاف کر دیا اور قتل سے بھی مفت میں معاف کر دیا تو اس پر ندامت اور عزم آئندہ نہ کرنے کی ہو، اگر قتل میں مال لے کر معاف کر رہا، تو اس پر ادا کرنا واجب ہے، اگر اس کے پاس ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءً فَاتَّبِعْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدِّ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ

اسی طرح شراب پینا چوری کرنا، اور زنا وغیرہ جب اصلاح کی اور توبہ کی بعض علماء کے ہاں اس کی حد ساقط ہو جائے گی۔ اگر گناہ کے مصالح میں سے ہو تو اس سے توبہ حق واپس کیے بغیر نہیں ہوتی، چاہے عین ہو چاہے غیر، اگر اس کی ادائیگی کی قدرت نہ ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جب بھی ممکن ہو دینے کا عزم و ارادہ کرنا اگر اس نے کسی دوسرے کو نقصان پہنچایا تو اس کے نقصان کو دور کرے، پھر اس سے معافی طلب کرے اور

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۳۴ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
اس کے لیے استغفار کرے اگر اس نے معاف کر دیا تو اس سے گناہ ختم ہو جائے گا، اگر کسی نے دوسرے کے ساتھ ناروا معاملہ کیا مثلاً بغیر حق کے اسے ڈرایا اسے غم میں مبتلا کیا، یا اسے طمانچہ مارا یا اسے گھونسا مارا، یا اسے کوڑا مارا یا اسے گالی دی تو اس پر حد نہیں پھر اس نے ندامت اختیار کی اور معافی طلب کی اس سے اور آئندہ کے لیے عزم کیا کہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کا یہ گناہ ختم ہو جائے گا۔

دوسرا مقصد: سچی توبہ کا اخروی سزا میں اثر..... صدق دل سے کی گئی توبہ پر مرتب ہوتا ہے معصیت کی عقوبت کا ختم ہونا قطعی طور پر بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان، اس لیے کہ توبہ گناہ کے اثر کو ساقط کر دیتی ہے، اگرچہ وہ سب سے بڑے جرائم اور گناہوں میں سے ہی کیوں نہ ہو جیسے کفر اور شرک، اس لیے کہ بندے کے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں سوائے ان کے جن پر وہ اصرار کرے وہ معاف نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ..... غافر: ۳۰
اللہ گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِلَّهِ يَنْتَهُوْا يُعْصِرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُوْذُوْا فَقَدْ مَصَّصْتُ اَلْاَوَّلِيْنَ ۝۸۸ الانفال: ۳۸
اے پیغمبر: کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔
نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُعْفِىُ الذُّنُوْبَ جَبِيْعًا..... الزمر ۳۹

اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے میں توبہ کی شرط کے ساتھ، مسلم میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایمان داسلام ڈال دیا، تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے کہا: کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں بیعت کر دوں گا تو آپ نے دایاں ہاتھ پھیلا دیا میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا تو آپ نے فرمایا کیا ہے تجھے؟ میں نے کہا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا جو چاہو شرط لگاؤ تو میں نے کہا میرے گناہ معاف کر دیے جائیں، تو آپ نے فرمایا اے عمرو: کیا آپ اس بات کو نہیں جانتے کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، اور حج پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اس بات کی تاکید کئی احادیث نبویہ کرتی ہیں ان میں سے ”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں، اگر تم اتنے گناہ کرو کہ اس سے وہ آسمان کی بلند یوں تک پہنچ جائیں پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادیں گے“ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر دیں پھر ایک ایسی قوم لائیں جو گنہ گارے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے ❶ توبہ پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ ❷ میں گناہ گاروں کی توبہ کا نمونہ ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ کافر کی توبہ..... کفر و شرک یا تو اللہ رب العزت کی الوہیت میں ہوگا یا ربوبیت میں، الوہیت میں شرک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے بادشاہی اور اسباب کی تاثیر اور ہونے والی تبدیلیاں منسوب کی جائیں، اور ہر وہ قول عمل جو اس شعور سے پیدا ہو اور ربوبیت میں شرک یہ کہ دین کے احکام میں سے حلال، حرام اور دوسری چیزیں کسی انسان سے لی جائیں وحی کے بغیر۔

مشرک اور کافر کی توبہ یہ ہے کہ وہ اسلام کا اعلان کرے، اور توحید کا اقرار کرے (یعنی الوہیت اور ربوبیت کی توحید کا) چاہے اس پر حاکم قادر ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ کفار کی توبہ مشروط نہیں، اور وہ توحید ہے جو شرک کے مناقض ہے کہ انسان آزاد ہو انسانوں اور تمام زمینی اور آسمانی اشیاء کی عبادت سے، اور وہ صرف کریم عزیز رب کی عبادت کرے اور کسی کے سامنے خشوع و خضوع اختیار نہ کرے سوائے اس کے جس کے

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۲۳۵ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
لیے تمام کائنات جھکتی ہے، اس کے ذریعہ اسباب اور مسببات کا نظام قائم ہے پس اس کی حکمت والی سنت کے سامنے خضوع اختیار کرے، اور
اس کی عادل شریعت کے تابع ہو، اور اس کا یہ خضوع عبادت اس کے عقل اور وجدان کے مطابق ہے نہ کہ اس کے ہم مثل انسانوں کے لیے اور
کافر کی توبہ بالاتفاق قبول ہے اس کی ترغیب سے اور باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ الانفال: ۳۸/۸

اے پیغمبر: کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو پہلے کا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

۲۔ منافق کی توبہ: نفاق اور منافقت..... یہ ہے کہ زبان سے تو ایمان کا اظہار ہو، اور دل میں کفر چھپا ہوا ہو ❶ منافق وہ ہے جو
کفر کو چھپا کر اور اسلام ظاہر کرے، یہ کفار سے بھی زیادہ خطرناک ہیں مسلمانوں کے لیے، اس لیے کہ یہ کفر اور دھوکے کو مسلمانوں سے چھپاتے
ہیں اور یہ ان کے درمیان ہی ٹھہرے رہتے ہیں اور اس نفاق ظاہری اور باطنی خباثت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں یہ عذاب کے دو مرتبہ مستحق ہیں
اور جہنم کے سب سے نچلے گھڑے میں ہوں گے۔ اور منافق کی توبہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ اور بقدر وسعت طاقت مجاہدہ اور ریاضت کرے،
اور جس کی وسعت نہیں اس سے معافی مانگے اور ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی کفر کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
کا اعلان کرے اور منافق کی توبہ کا قبول ہونا ممکن ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان پر مہربانی کرے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ احزاب: ۳۳/۲۴

اور کچھ لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دیا تھا۔ قریب ہے کہ اللہ ان پر
مہربانی سے توجہ فرمائے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ التوبہ: ۱۰۲/۹
اور کچھ لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے۔ التوبہ: ۱۰۶/۹

۳۔ زندیق کی توبہ..... زندیق وہ دھری ہیں جو اللہ رب العزت کے وجود کے منکر ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جہاں اتفاقی طور پر
وجود میں آ گیا ہے، مالکیہ کے ہاں: جو اسلام کا اظہار کرے اور کفر چھپائے۔ ❷

حنیفہ کے ہاں..... زندیق وہ ہے جو کسی بھی دین پر چلنے والا نہ ہو ❸ زندیق کی توبہ میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ، محمد
شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زندیق کی توبہ قبول کی جائے گی اور انہیں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ الانفال: ۳۸/۸

امام مالک، امام ابو یوسف اور جصاص رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جب بھی زندیق پکڑا گیا تو اسے قتل کر دیا
جائے گا اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کی توبہ کے دعویٰ کا اعتبار نہ ہوگا جبکہ وہ تقیہ کرے جان بچانا چاہتا ہو، البتہ امام مالک کے ہاں
اگر گرفتاری سے پہلے وہ تائب ہو کر اسے توبہ قبول ہے، اور حنفیہ کے ہاں مفتی قبول یہ ہے کہ اگر زندیق توبہ سے پہلے گرفتار ہو گیا پھر وہ
توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا، اگر توبہ کے بعد گرفتار ہو تو اس کی توبہ قبول ہے ❹ بحر الخاروالے کے ہاں اقرب یہ
ہے کہ ظاہر پر عمل کیا جائے، اگرچہ باطن ملتبس ہی کیوں نہ ہو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: اس کے بارے میں جس نے منافق کے قتل
کی اجازت لی۔ آپ نے فرمایا کیا وہ ”لا الہ الا اللہ“ گواہی نہیں دیتا۔“

۴۔ بدعتی کی توبہ..... بدعتی وہ جو اسلام اور دین میں دین کے نام پر ایسا عمل جاری کرے جو نہ تو اسلام میں ہونہ ہی صحابہ اور تابعین

❶..... التعریفات للجرجانی۔ ص: ۲۱۹، رد المحتار: ۳/۳۲۴۔ ❷ القوانین الفقہیہ: ص: ۳۶۵۔ ❸ شامی، ۳/۲۰۱۔ ۳۲۴۔

❹ رد المحتار: ۳/۳۲۴۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۳۶ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
 نے وہ کام کیا وہ اور نہ ہی اس پر کوئی شرعی دلیل ہو، یا ہر وہ بات جو اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے خلاف ہو ❶ اگر بدعت کی وجہ سے
 ضروریات دین کا منکر ہو تو یہ کافر ہے اس بدعت کی وجہ سے جیسے مجسمہ اور شبتہ جو اپنے معبود کو انسان سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا جسم ہو اور سات
 بالشت ہو یا وہ لوگ جو انسانوں میں سے کسی کو خدا ماننے ہیں اور اگر بدعتی ایسا ہو کہ اس کی بدعت کی وجہ سے وہ کافر نہ ہو تو وہ گمراہ اور فاسق ہے
 جیسے کہ وہ اہل بدعت جو اہلسنت اور سلف صالحین کی سیرت کے اور بعض اعتقادی مسائل کے منکر ہیں مثلاً قدر یہ جو انسان کے افعال کی تخلیق
 کے قائل ہیں۔ خوارج جو حضرت علی، معاویہ اور عبدالرحمن بن عوف صحابہ وغیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ مبتدع اور بدعتی کی توبہ یہ ہے کہ اس بدعت کو
 چھوڑ دے اور حق عقیدہ کا التزام کرے۔ اور اس کی توبہ کی قبولیت سے کوئی چیز مانع نہیں اگرچہ یہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ عقل اس کو جائز
 قرار دیتی ہے، ظاہر شریعت اور قرآن کریم کی عمومی آیات کفار اور مشرکین کی توبہ کے قبول ہونے کے امکان پر دلالت کرتے ہیں۔
 خلاصہ یہ کہ آخرت میں قبولیت توبہ مشروط ہے گناہ پر اصرار نہ کرنے پر اور اسلام کا مذاق نہ اڑانے پر اور موت سے پہلے کفر پر باقی نہ رہنے
 پر، اسی کی طرف قرآن کریم کی تین آیتیں اشارہ کرتی ہیں:

۱- وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ
 وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ

اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ اپنے حق میں یا کوئی اور برائی کر بیٹھے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں
 اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔

۲- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَدَّادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ❷

النساء: ۱۳۷

جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کو اللہ نہ توبہ بخشے گا اور نہ سیدھا راستہ دکھائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَذَّادُوا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ❸..... آل عمران: ۹۰

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے، ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ گمراہ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ إِلَّا مُرْسٌ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ ❹..... آل عمران: ۹۱/۳

جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنے چاہیں اور) بدلے میں زمین میں بھر کر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

تیسرا مقصد: دنیاوی سزا میں توبہ کا اثر: تمہید..... سزاؤں کی اقسام: دنیاوی اعتبار سے سزاؤں کی تین قسمیں ہیں: ۱- حدود:
 وہ سزائیں ہیں جو شرعاً مقرر ہیں اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہیں یعنی جن میں عام مصلحت کی رعایت ہے اور وہ لوگوں سے فساد
 دور کرنا، اور ان کی سلامتی و حفاظت کا ہونا، اور یہ سات جرائم اور گناہوں پر ہیں، زنا، قذف، نشہ آ وراشیاء کا استعمال، چوری، ڈاکہ زنی، ارتداد
 اور بغاوت۔

۲- قصاص اور دیت..... قصاص تو قتل کی صورت میں جرم کرنے والے کی سزا ہے یا اعضاء کاٹنے یا زخم لگانے پر عہد ہیں اور دیت
 وہ مالی عوض ہے جو جان کے بدلے دینا واجب ہے، اور قصاص دو حقوق کی رعایت کے لیے مشروع ہے ایک عام لوگوں کا حق اور ایک خاص جرم
 کرنے والے کا۔

۳- تعزیرات..... یہ وہ سزائیں ہیں جو گناہ اور جرم کے لیے مشروع ہے جن میں نہ حد ہے نہ کفارہ ہے وہ جرم حقوق اللہ میں سے ہو جیسے

لفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۳۷ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
رمضان میں دن دھاڑے کھانا، نماز چھوڑنا، اور لوگوں کے راستے میں گندگی پھیلانا یا وہ حقوق العباد میں سے ہے جسے گالی گلوچ مارنا، اور کسی بھی
طرح سے تکلیف پہنچانا اور اس کی طرح کے دوسری مختلف قسم کے گناہ وہ جرائم جو لوگوں کے مالوں اور جانوں پر ہوں اور ان میں حد نہ ہو۔
مصر اور شام میں قانون سزائیں اکثر جرائم کی تعزیر شرعی کے تحت شمار کیا گیا ہے چاہے وہ جنائتیں ہوں یا عام لوگوں کے نقصان کی چیز یا
کسی ایک شخص کے لیے ہو، یا عادی فی تقصیر ہوں میں یہاں ان سزاؤں میں توبہ کے اثر کے متعلق بات کروں گا۔

پہلی بات فقہاء کی آراء توبہ سے حدود ساقط ہونے کے متعلق..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مقدمہ حاکم یا
قاضی کی عدالت میں پیش ہو جائے پھر اس کے بعد گناہ و جرم کرنے والا توبہ کرے تو اس سے حد ساقط نہیں ہوتی، جبکہ حد لگانا واجب ہے
اگرچہ مجرم اس وقت توبہ ہی کیوں نہ کرے، چاہے وہ ڈاکو ہو، چور ہو زانی ہو، یا تہمت لگانے والا ہو۔ اس لیے کہ حد کو معطل کرنا جائز نہیں نہ
معاف کرنے سے نہ سفارش کرنے وغیرہ سے ❶ اس لیے کہ جرم پوری جماعت کی مصلحت کو لاحق ہے۔ اور رعیت و عوام کے معاملات میں
تصرف عام لوگوں کی مصلحت کے ساتھ مشروط ہے، اور اس کی طرف ہماری راہنمائی سنت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان
بن امیہ کی چادر چوری کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی اور صفوان سے کہا میرے پاس لانے سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا، پھر آپ نے اس کا
ہاتھ کاٹ ڈالا ❷ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر میرے پاس لانے سے پہلے آپ اسے معاف فرما دیتے تو یہ
معافی درست اور جائز ہوتی۔

اور موطا میں عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حدود سلطان اور حاکم تک پہنچ جائیں تو پھر سفارش کرنے والے
اور کروانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، سنن ابوداؤد اور نسائی میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کو حدود معاف کر دو لیکن جو حد مجھ تک پہنچی وہ واجب ہے، فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ڈاکہ زنی کرنے
والے کی توبہ اس کی گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔ حاکم کے پاس مطیع ہو کر اپنے اختیار سے آئے اور اس کے سامنے توبہ کا اظہار کرے اور اس
سے قید ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ قید کرنا توبہ کے لیے ہے اور وہ توبہ کر چکا، لہذا اگر قید کرنے اور قید کرنے کا اب کوئی مقصد نہیں ❸ اور ان
کی دلیل ڈاکہ زنی کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح کارشاد ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝ المائدہ: ۳۴

ہاں: جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آ جائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد توبہ سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ اس سے پہلے توبہ اخلاص
کے ساتھ ہوگی اور اسے توبہ کی ترغیب ہے اور اس کے بعد ظاہر ہے وہ حد لگانے سے بچنے کے لیے تقیہ کر کے توبہ کر رہا ہے اور اس کے بعد توبہ
کی ترغیب کی بھی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ فساد اور ڈاکہ زنی سے آپ عاجز ہے۔ اور جو توبہ سے ساقط ہوتے ہیں اس میں فقہاء کا اختلاف
ہے، حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنبلیہ کے ہاں: حقوق اللہ میں مثلاً حد زنا، لواطت، چوری، شراب خوری وغیرہ کی حدود ساقط ہو جائیں گے توبہ سے
اس لیے کہ یہ حدود اللہ ہیں تو یہ توبہ سے ساقط ہو جائیں گی جیسے ڈاکہ زنی کرنے والے کی حد ساقط ہو جاتی ہے، نیز ان کے ساقط کرنے میں توبہ
کی ترغیب ہے۔ لیکن حقوق العباد اس سے ساقط نہیں ہوتے جیسے حد زانیہ، مال وغیرہ کا ضمان، اس لیے کہ ان کے اسقاط پر کوئی دلیل
نہیں یہاں اور رائے بھی ہیں ہادی زید یہ میں سے اور اباضیہ کے ہاں جو چیز اس سے تلف ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی چاہے وہ آدمی کا حق ہو اس
کے مال یا قتل کی صورت میں کیونکہ آیت عام ہے:

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۳۸ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ المائدہ: ۵۰/۳۳

اور بعض کے ہاں: تو تمام حقوق اللہ کو ختم کر دیتی ہے، لیکن خون بہانے میں اس سے مواخذہ ہوگا، اور اموال میں سے جو چیز بعینہ پائی جائے تو واپس لی جائے گی اور اس کے ذمہ میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ یہ ایک قول ہے مالک کا ہے اور بعض کے ہاں: توبہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کو ساقط کر دیتی ہے البتہ اگر مال میں سے کچھ بعینہ موجود تو الگ بات ہے یہ لیث بن سعد کا قول ہے اسی کو ابن جریر طبری نے ترجیح دی ہے۔

اور بعض نے بہت سختی کی ہے اور یہ شوافع کا بھی قول ہے اور امام مالک کا بھی کہ توبہ سے ڈاکہ زنی والے سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا سوائے ڈاکہ زنی کی حد کے باقی تمام حقوق چاہے حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ان سے وصول کیئے جائیں گے۔

ارتداد بغاوت کی سزا..... ارتداد: اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسے چھوڑ دیا، اور بغاوت حاکم کی اطاعت کو چھوڑ دینا مسلح ہو کر یا امام پر غلبہ کر کے خروج کرنا، فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ باغی کی سزا یعنی قتل توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کہ سزاء کا مقصد اطاعت قبول کرنا اور بغاوت چھوڑنا ہے۔ ❶

جیسا کہ مرتد کی سزا (قتل اور اس کے مال کو لینا) توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے، بایں طور وہ اسلام کے سوا دوسرے تمام ادیان سے برأت کا اظہار کرے یا وہ جس مذہب کی طرف منتقل ہوا ہے اس سے برأت کا اظہار کرے، اس لیے کہ اصل مقصد اسلام کی طرف رجوع ہے، اسی وجہ سے حنفیہ نے اس کی توبہ کو مستحب قرار دیا ہے اور قتل سے پہلے اس پر اسلام پیش کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اسلام قبول کر لے اور جمہور فقہاء نے توبہ سے پہلے تین مرتبہ توبہ کی ترغیب کو واجب قرار دیا ہے ❶ اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو اس پر قتل واجب ہے، آئمہ مذاہب کے ہاں یہ اضافہ بھی ہے کہ جو بار بار ارتداد اختیار کرے اور اسلام کو اس کی توبہ بھی قبول ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”يُعَذِّبُهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ“ (الانفال: ۳۸/۸) کی وجہ سے اور اس نص میں اس بات کا ذکر نہیں کہ اس کی جانب سے تکرار ہو یا نہ ہو، نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی تھے جو اسلام لائے پھر انہوں نے ارتداد اختیار کیا، اور مشرکین سے جا ملے پھر انہیں ندامت ہوئی انہوں نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں پوچھو، کیا میرے لیے توبہ ہے؟ تو ان کی قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے عرض کی: کیا اس کے لیے توبہ ہے تو سورت آل عمران کی آخر کی آیات:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ أَعْدَائِهِمْ وَأَصْلَحُوا، فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آدمی کی طرف پیغام بھیجا گیا تو وہ دوبارہ اسلام لے آیا۔

قذف کی سزا..... علماء کا اتفاق ہے کہ توبہ سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ آدمی کا حق ہے لوگوں کے شخصی حقوق: مذکورہ بالا باتوں سے ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوتے جب تک ان مظالم کو ان کے مالکوں کی طرف واپس نہ کرے، جیسا کہ باری تعالیٰ مالک کے معاف فرمانے کے بغیر معاف نہیں فرماتے اور یہ مالک کے ساقط کیے بغیر ساقط نہیں ہوں گے۔

چوری، زنا اور شراب خوری کی سزاء: ان حدود کے توبہ سے ساقط ہونے کے بارے میں فقہاء کی دورائے ہیں۔

پہلی رائے..... حنفیہ، ❷ مالکیہ شوافع کے ہاں: توبہ حدود کو ساقط نہیں کرتی جو حقوق اللہ میں سے ہیں جیسے زنا، چوری اور شراب نوشی کی حد چاہے مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ چکا ہو یا پہلے ان کے دلائل درج ذیل قرآنی آیات کا عموم جن میں ان مجرموں کے لیے سزا مقرر ہے مثلاً

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۳۹ اسلام میں دنیوی سزائیں
فرمان باری تعالیٰ:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًا..... النور: ۲۴/۲

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) درے مارو۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا..... المائدہ: ۳۸/۵

اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ دونوں نص عام ہیں تو بہ کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے لیے، اور صرف ڈاکہ زنی والوں کا استثناء ہے، اور تارک نماز کی حد اگر وہ تو بہ کرے تو اس کا قتل قطعی طور پر ساقط ہو جاتا ہے، اگر مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ بھی جائے اس لیے کہ اس کی سزا ترک پر اصرار کی وجہ سے ہے، نہ کہ صرف ماضی میں ترک کی وجہ سے، اسی طرح اگر زنا کرے پھر مسلمان ہو جائے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

۲..... جو شخص تو بہ کر کے آیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد قائم کی تھی کہ آپ نے حضرت ماعز اور غامدیہ کو رحم کیا، اور جس نے چوری کا اقرار کیا تھا اس کا ہاتھ کاٹا جبکہ یہ لوگ تائب ہو کر آئے تھے حد قائم کروا کر پاکی چاہتے تھے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تو بہ کا نام دیا ہے، آپ نے عورت کے حق میں فرمایا: اس نے ایسی تو بہ کی ہے اگر اسے اہل مدینہ سے سزا افراد پر تقسیم کیا جائے تو ان کے لیے کافی ہو۔ اور عمرو بن سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے بنو فلاں کا اونٹ چوری کیا ہے، مجھے پاک کیجئے تو آپ نے اس پر حد لگائی۔

۳..... حد کفارہ ہے لہذا یہ تو بہ سے ساقط نہیں ہوگی جیسا کفارہ قسم اور فعل ساقط نہیں ہوتے، اگر تو بہ سے حد ساقط کرنا جائز ہوتا تو پھر ہر ایک مجرم تو بہ کا دعویٰ کر کے حد ساقط کروالیتا اور اس میں تو جرم اور فساد کی طرف ابھارنا ہے۔

۴۔ باقی حدود کو ڈاکہ کی حد پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کے ارتکاب کرنے والے کے لیے یہی مقرر ہے اور اس سے مقرر حد ساقط نہیں ہوتی جیسے ڈاکہ زنی والے سے گرفتاری کے بعد۔

دوسری رائے..... حنابلہ کے ہاں اور بعض حنفیہ، مالکیہ اور بعض شوافع کے ہاں: تو بہ سے حد زنا، حد چوری اور حد شراب ساقط ہو جاتی ہے بغیر کسی شرط کے چاہے مقدمہ حاکم کے پاس پہنچا ہو یا نہ وغیرہ۔ ان کا استدلال درج ذیل طریقہ سے ہے۔

۱..... صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حد کو پہنچ چکا ہوں میرے اوپر حد قائم کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ نہ پوچھا اور نماز کا وقت ہو گیا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے دوبارہ اپنی بات دہرائی، تو آپ نے فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ تو وہ بولا جی ہاں پڑھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کا گناہ معاف فرمادیا ہے، اس حدیث میں دلیل ہے کہ تائب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں اور جب وہ اعتراف کرے تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی۔

۲..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: گناہوں سے تو بہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور جس پر گناہ نہ ہو اس پر حد نہیں اور ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے فرمایا جب وہ بھاگ گئے تھے، تم نے اسے کیوں نہ چھوڑا تو وہ کہہ لیتا اس کی تو بہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے، اور ان پر حد قائم کرنا باوجود اس کے کہ انہوں نے تو بہ کر لی تھی یہ ان کا اپنا اختیار کردہ فعل ہے جیسے غامدیہ نے کیا۔ ابن تیمیہ نے فرمایا: حد پاک کرنے والی ہے، اور تو بہ بھی پاک کرنے والی ہے، تو ان دونوں نے حد کے ذریعہ پاکی حاصل کی بجائے تو بہ کے حاصل کرنے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۴۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
کے اور دونوں نے حد ہی کا اقرار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا۔

۳..... قرآن کریم میں توبہ کے ذریعہ حدزنا ساقط ہونے کی تصریح ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاَدْوُهُمَا ۖ فَان تَابَا وَ اَصْلَحَا ۖ فَاعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۚ..... النساء ۱۶/۴

اور جو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دے دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکو کار ہو جائیں ان کا پیچھا چھوڑ دو۔

۴..... ڈاکہ زنی کی حدود دوسری حدود میں کوئی فرق نہیں، جب ڈاکہ زنی کی حد جو کہ شدید نقصان دہ ہونے اور ڈاکہ زنی والے کی حد تعدی کے معاف ہو سکتی اور ساقط ہو سکتی ہے تو دوسری حدود توبہ سے ساقط ہو جائیں یہ تو اس کے زیادہ لائق ہیں۔ حالانکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِلّٰهِ يَنْ كُفْرًا ۚ اِنْ يُّنْتَهَوْا يُعْطٰ لَهُمْ مَا قَدْ سَكَفَ ۚ..... الانفال: ۳۸/۸

(اے پیغمبر) کفار سے کہہ دو اگر اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو وہ چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

ابن قیم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حدود کو جرائم اور گناہ کرنے والوں کے لیے سزا بنایا ہے، اور تاب سے شرعاً بھی اور اخلاقاً بھی سزا ختم ہو جانا ثابت ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور قدرت میں تاب کے لیے قطعی طور پر سزا نہیں ہے۔

آخری کلمہ..... قرآن کریم اور سنت کا ظاہری حکم اور اسلام میں پردہ پوشی کا عمل دوسری رائے کی تائید کرتا ہے کہ توبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں جبکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہوں اور ان حدود کے ساتھ شخصی حق متعلق نہ ہو اور اس رائے میں اجتماعی مصالح کے اعتبار سے خلل نہیں، اس لیے کہ توبہ کی وجہ سے تاب مصلحت کا مستحق ہے اور خاص کر اس صورت میں جبکہ توبہ خالص ہو۔ حنا بلہ کے ہاں: جب ہم یہ کہیں کہ توبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہے تو آیا صرف توبہ سے یا ان دونوں اور عمل کی اصلاح کے ساتھ بھی ساقط ہوتی ہے اس میں دورائے ہیں: ایک یہ کہ صرف توبہ ہی سے حدود ساقط ہو جاتی، اس لیے کہ توبہ حد کو ساقط کرنے والی ہے، یہ ڈاکہ زنی کرنے والی کی اس توبہ کے مشابہ ہوگی جو گرفتاری سے پہلے ہو۔ اور دوسری رائے عمل کی اصلاح و درستگی کا بھی لحاظ ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا ۖ فَاعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۚ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکو کار ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو۔

بس اس قول کے مطابق اتنی مدت کا گزنا ضروری ہے جس میں اس کی توبہ کی سچائی اور اصلاح نیت کا علم ہو سکے اور اس کے لیے معلوم مدت مقرر نہیں۔

دوسری بات..... کیا توبہ سے قصاص و دیت ساقط ہو جاتے ہیں؟ جب قتل ثابت ہو جائے تو قتل برپا ہو تو قصاص واجب ہے یا دیت اور قصاص اولیاء مقتول کے معاف کرنے ہی سے ساقط ہوگی چاہے وہ دیت لے لیں یا بغیر کچھ لیے معاف کر دیں، لہذا قصاص اور دیت توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ شخصی حق متعلق ہے اسی وجہ سے قاتل کی توبہ اس وقت تک صحیح نہیں جب تک وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش نہ کر دے یا معافی کی صورت اور قتل خطا کی صورت میں دیت نہ دے دے اور قاتل کی توبہ استغفار اور صرف ندامت سے نہیں بلکہ مقتول کے اولیاء کی رضامندی پر موقوف ہے اگر قتل عمد ہے تو قصاص کی قدرت دینا ضروری ہے چاہے تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو معاف کر دیں اگر وہ معاف کر دیں تو اس کی یہی توبہ کافی ہے۔

کیا وہ اللہ کے ہاں بری ہوگا..... نیز تیسری بات تعزیرات کا توبہ سے معاف ہونا ان دونوں کو گزشتہ عنوان توبہ سے تعزیرات کا ساقط ہو جانے کے تحت دیکھ لیں دوبارے۔

خاتمہ..... اس بحث سے ظاہر ہوا شریعت اسلامیہ میں توبہ کے لیے ایک انتہائی دقیق طریقہ اور نظام ہے، اس لیے کہ کبھی تو جرائم

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۴۱ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

منکشف ہوتے ہیں تو جرم کرنے والا قاضی کے سامنے جرم کے اقرار میں جلدی کرتا ہے اس صورت میں قاضی کے ذمہ سزا دینا ضروری ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے اقرار والے کے سامنے کیا یہی رائے ابن تیمیہ اور ابن قیم کی ہے، اور کبھی تو بہ جرائم کی اصلاح اور جرائم کی کمی میں مددگار ہوتی ہے۔ تو جرم کرنے والا اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور صاحب حق کو اس کا حق ادا کرتا ہے تو اس کی تو بہ شرط کے ساتھ سچی اور خالص ہوگی، پھر کبھی تو بہ دلیل ہوتی ہے ولایت اور اطاعت حاکم کی جس سے بہت سارے لوگوں کے خون محفوظ ہوتے ہیں اور انسانی کرامت ضائع نہیں ہوتی۔ لہذا امت بڑے شر اور فساد عظیم سے بچ جاتی ہے۔ اور کبھی تو بہ عقیدہ اور اسلامی نظام کے اعتراف کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ منافقین، مرتدین اور زنادقہ کی تو بہ میں۔ انہی وجوہات کی وجہ سے تو بہ کے ذریعہ حدود اور تعزیرات کے اسقاط کی رائے مناسب ہے جبکہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو لیکن اگر جرم شخصی نوعیت کا ہو کہ کسی فرد کا حق ہو۔ اور وہ عادلانہ اور منصفانہ طور پر اس سزا کا ختم نہ ہونا ہی صحیح ہے، اور جس پر جرم ہوا اس کے ضرر کو دور کرنے اور جسے تکلیف پہنچی ہے اور جرائم کے استیصال کے لیے کوئی اور دوسروں کے حقوق پر جری نہیں ہوگا۔ یہ حنا بلد اور بعض دوسرے مذاہب کے فقہاء کی رائے ہے حد زنا، چوری کی حد اور شراب کی حد میں۔ اس میں مؤمنین کی مصلحت ہے اور حدود کی تعطیل کے وقت مؤمن صادق کے سامنے سوائے تو بہ کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والے ہیں۔ ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم: تو مجھے پکارتا اور مجھ سے رجوع اور تو بہ کرتا ہے تو میں تیرے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اے ابن آدم: اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھ کو معاف کر دوں گا اور اس کی مجھے کوئی پروا نہیں، اے ابن آدم: اگر تیرے مجھ سے اس حالت میں ملاقات ہو کہ زمین کی مٹی جتنے تیرے گناہ ہوں اور تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں تیری اس مقدار میں مغفرت کر دوں گا۔

چھٹی فصل..... ارتداد کی حد اور مرتدوں کے احکام

یہاں ردۃ کے معنی، اس کی شرائط اور مرتدوں کے احکام، مرتد کے قتل کا حکم اور مرتد کے مال کے مالک بننے اور اس میں تصرفات اور اس کی میراث کے سلسلہ میں بات ہوگی۔

ارتداد اور ردۃ کے معنی..... لغوی اعتبار سے ردۃ کسی چیز سے دوسری چیز کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں اور یہ کفر کی سب سے فحش ترین اور حکم کے اعتبار سے غلیظ اور سخت ترین قسم ہے، اور شوافع کے ہاں اگر موت تک مرتد رہا تو اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور حنفیہ کے ہاں صرف مرتد ہونے ہی سے اس کے سارے اعمال ضائع ختم و باطل ہو جاتے ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَتَدَبَّدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ البقرہ ۲/۲۱۷

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر (کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو اسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور شرعاً ارتداد اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا، چاہے نیت کے اعتبار سے ہو یا بالفعل یا بالقول اور چاہے مذاق سے یہ بات کہی ہو یا عمداً اور اعتقاد سے۔ اس طور پر مرتد ہے جو اس دین کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرے مثلاً جو صالح اور خالق کے وجود کا منکر ہو یا رسولوں کی نفی کرے، یا رسولوں کو جھٹلائے، یا حرام کو حلال قرار دے جیسے زنا، لواطت، شراب خوری، اور ظلم کو، یا حلال کو حرام قرار دے جیسے بیع و شراء، نکاح وغیرہ یا کسی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۴۳ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 بالغ ہونا تو یہ حنفیہ کے ہاں شرط نہیں نیز مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی لہذا سمجھدار بچے کا ارتداد صحیح ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں
 نہ اسے قتل کیا جائے گا نہ اسے مارا جائے گا نیز بالغ ہونے کے بعد اس پر جبراً اسلام پیش کیا جائے گا اور پھر اسے قید بھی کیا جائے گا اور مارا بھی
 جائے گا، جب اس کے ارتداد کے صحیح ہونے کا حکم لگ گیا تو پھر اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اور اس پر مرتد مقرر سزا جاری نہیں ہوگی،
 اس لیے کہ دنیا میں وہ اس سزاؤں کا اہل نہیں۔

امام شافعی اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں..... بلوغ شرط ہے لہذا سمجھدار بچے کا ارتداد صحیح نہیں اور نہ ہی مجنون کا، کیونکہ یہ
 دونوں مکلف نہیں، ان کے قول اور اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں یعنی ان دونوں کے ہاں بچے کے اسلام کا بھی کوئی اعتبار نہیں چونکہ حدیث میں ہے
 ”تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ اور ابام ابوحنیفہ نے بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی طرف
 رجوع کر لیا ہے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں سمجھدار بچے کا اسلام صحیح ہے حدیث کی وجہ سے ”ہر بچہ فطرت پر
 پیدا ہوتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا، خلاصہ یہ کہ جمہور کے ہاں سمجھدار بچے کا
 اسلام اور ارتداد صحیح ہے اور شوافع کے ہاں صحیح نہیں۔ اور جمہور کی رائے رائج ہے اور اس کی دلیل علی رضی اللہ عنہ کچھن میں اسلام قبول کرنا ہے۔
 اور ارتداد میں امام شافعی اور ابو یوسف کی رائے لینا رائج ہے اس لیے کہ مکلف بلوغ سے پہلے نہیں۔ اور نہ کہ ہونا بالاتفاق شرط نہیں عورت کا
 ارتداد صحیح ہے۔

دوسری شرط..... اپنے اختیار سے طوعاً ہو لہذا، بالاتفاق مکہ کا ارتداد صحیح نہیں۔ جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو جیسا کہ اگر احکام کی بحث
 میں ذکر ہوا۔

مرتد کے احکام..... مرتد کے لیے کئی احکام ہیں ان میں سے

۱۔ مرتد کا قتل..... مرتد کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک وہ عاقل بالغ نہ ہو، اور اس نے ارتداد سے توبہ نہ کی ہو اس کا
 ارتداد اقرار یا گواہی سے ثابت ہوگا اور علمائے مرتد کے قتل کے وجوب پر اتفاق کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ ①

جو اپنے دین کو تبدیل کر دے اسے قتل کر دو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مسلمان کا خون تین صورتوں کے علاوہ حلال نہیں، ایک شادی شدہ زانی کا دوسرا قتل کے بدلے قتل، تیسرے دین کو چھوڑنے والے اور
 جماعت میں تفریق کرنے والا کا۔“ ②

اور اہل علم کا مرتد کے قتل کے واجب ہونے پر اجماع ہے، اور حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا، دلیل یہ ہے
 کہ عورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ام مروان مرتدہ ہو گئی تھی، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ وہ توبہ
 کرے اگر اس نے توبہ کر لی تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے، اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے ”کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
 انہیں یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں فرمایا: جو بھی مرد مرتد ہو جائے اسے واپس بلاؤ اگر لوٹ آیا تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن اڑا دو اور جو بھی
 عورت مرتد ہو جائے، اسے اسلام میں واپس لائے اگر آگئی تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن اڑا دو“ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس کی سند حسن اور یہ
 نزاع کے موقع پر نص ہے لہذا اس کی طرف آنا واجب ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۴۴ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

حنفیہ کے ہاں..... مردہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور اس کا مجبور کرنا اس طرح ہے کہ اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرے یا پھر مر جائے، اس لیے کہ اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اسے ہر تین دن میں اسلام پر مجبور کرنے کے لیے مارا جائے گا۔ اگر کسی قاتل نے اسے قتل کر دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ شبہ کی وجہ سے اور ان کی دلیل عورت کو قتل کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”عورت کو قتل نہ کرو“ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا نیز قتل کرنا لڑائی کے شر سے بچنا ہے نہ کہ نفرت کی وجہ سے، اس لیے کہ کفر کا بدلہ تو اللہ کے ہاں قتل سے بھی زیادہ ہے، لہذا قتل اس کے ساتھ خاص ہوگا جس کی طرف سے محاربہ ہو اور وہ مرد ہے نہ کہ عورت کیونکہ اسے لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اور وہ گیا قتل سے پہلے توبہ کرنا تو حنفیہ کے ہاں مستحب ہے کہ مردہ کو توبہ کرانی جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے، ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے، لیکن توبہ کرنا واجب نہیں، اس لیے کہ اسلام کی دعوت اسے پہنچ چکی ہے، اگر اسلام لے آیا تو اس کے لیے خوش آمدید اگر اس نے انکار کر دیا تو حاکم اس کے معاملہ میں غور کرے اگر اس کی توبہ میں تاہل ہو یا وہ مدت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے اگر توبہ تاہل نہیں کرتا یا وہ مہلت نہیں مانگتا تو اسے اسی وقت قتل کر دیا جائے گا دلیل وہ روایت ہے جو عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ مسلمانوں کے لشکر کے پاس گئے آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی نئی خبر ہے، تو انہوں نے عرض کی، جی ہاں: ایک شخص نے اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کیا ہے ہم نے اسے قتل کر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے کیوں اسے تین دن تک اپنے گھر میں قید نہ کیا اور تم اسے ایک روٹی روزانہ دیتے تاکہ وہ توبہ کر لیتا، پھر فرمایا: اے اللہ میں نہ حاضر تھا نہ میں نے حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ ❶ کمال ابن ہمام فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا برأت ظاہر کرنا اس کے وجوب کا مقتضی ہے، اور اس کی توبہ کی کیفیت یہ کہ مرد اسلام کے علاوہ تمام دیون سے برأت کا اعلان کرے، لیکن اگر اس نے صرف اسے برأت ظاہر کی جس کی طرف منتقل ہوا تھا تو بھی کافی ہے۔ کیونکہ مقصود اس سے حاصل ہو رہا ہے، اور مرد کی توبہ اور ہر کافر کی توبہ شہادتین پڑھنے سے حاصل ہوگی۔ جمہور علماء کے ہاں مرد اور مردہ عورت کو توبہ کرنا واجب ہے قتل سے پہلے تین مرتبہ، ام مروان کی سابقہ حدیث کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ سے بھی توبہ کرانے کا واجب ہونا ثابت ہے اور یہ اس کے معارض نہیں۔ جو حنفیہ نے عورتوں کے قتل کے سلسلہ میں استدلال کیا اس لیے کہ وہ حربیہ عورتوں پر محمول ہے اور یہ مردہ عورتوں پر محمول ہے۔

خلاصہ یہ کہ: حنفیہ کے ہاں اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور باقیوں کے ہاں واجب ہے۔ اگر اسے کوئی شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے گا، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ ارتداد کسی شبہ کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں تین دن تک قید رکھنا مندوب ہے اور ہر دن اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اسلام قبول کر لیا تو بہتر اور اگر اسلام قبول نہ کیا تو قتل کیا جائے گا، حدیث کی وجہ سے ”مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ“ اور مردہ کو صرف امام یا اس کا نائب ہی قتل کرے گا اگر کسی نے اسے ان کی اجازت کے بغیر قتل کر دیا تو اس نے نافرمانی کی اسے تعزیر لگائی جائے گی لیکن اس کے قتل کا ضمان نہیں اگرچہ قتل توبہ کرانے سے پہلے ہی کیوں نہ کیا ہو، یا وہ مجتہز ہو۔ الا یہ کہ دار الحرب میں چلا جائے تو اسے ہر کوئی قتل کر سکتا ہے۔

۲۔ مرد کے مال کا حکم اور اس کے تصرفات کا حکم..... اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مرد اسلام قبول کر لے تو اس کا مال مالک سابق کے اعتبار سے اسی کا ہوگا، اور نہ ہی اس میں اختلاف ہے کہ اگر وہ مر گیا یا اس کو قتل کیا گیا یا وہ دار الحرب میں چلا گیا تو مال سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ اب اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی ملکیت مال سے ارتداد کے وقت سے ختم ہو جاتی ہے یا کہ موت سے قبل اور دار الحرب میں جانے کے وقت سے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں (اور ان کے مذہب میں یہی صحیح قول ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تین قولوں میں سے اظہر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں راجح قول اور امام احمد کے ظاہر کلام میں ہے کہ صرف ارتداد ہی کی

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۴۵ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں۔
 وجہ سے مرتد کے اموال سے ملکیت ختم ہو جائے گی البتہ اتنی دیر تک وہ موقوف رہے گی کہ ارتداد کی وجہ سے اس پر پابندی ہوگی اگر اسلام قبول کر لیا تو مال اس کی ملکیت میں چلا جائے گا اور مرگیا یا ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا تو پھر صرف اس کی ردت ہی سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اسلام کی حالت میں جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا، کیونکہ اس کا ارتداد موت کی طرح ہے لہذا مسلم کا مسلمان سے وارث ہونا پایا گیا اور جو مال اس نے اس ارتداد کی حالت میں کمایا وہ مسلمانوں کے لیے فنی ہوگا، اسے بیت المال میں رکھ دیا جائے گا۔ اس لیے کہ ارتداد کی حالت کی کمائی مباح الدم کی کمائی ہے اس میں کسی ایک کا کوئی حق نہیں۔ حربی کے مال کی طرح فنی ہوگا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ارتداد کی حالت کے اس کے تصرفات، بیع، شراء، ہبہ اور وصیت وغیرہ موقوف ہوں گے اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ تصرفات صحیح ہوں گے، اور اگر قتل کر دیا گیا اور ارتداد کی حالت میں تو اس کے تصرفات باطل ہوں گے البتہ شوافع کے ہاں اگر تصرف ایسا ہے جو موقوف ہو سکتا ہے جیسے وصیت تو وہ موقوف رہے گا لیکن اگر وہ موقوف نہیں ہو سکتا جیسے بیع ہبہ رہن وغیرہ تو یہ تصرفات باطل ہوں گے اس لیے کہ ان کے ہاں حقوق کا موقوف ہونا باطل ہے۔

شوافع کی دلیل یہ ہے کہ مرتد کی عزت نفس ارتداد کی وجہ سے ختم ہوگئی، اس کا قتل واجب ہے۔ اسی طرح اس کے مال سے عصمت بھی ختم ہوگئی کیونکہ یہ عصمت نفس کے تابع ہے، لہذا اس کی ملکیت اس کے مال سے زائل ہو جائے گی، نیز اس لیے بھی کہ وہ قتل کے قریب ہے قتل اُسے موت کی طرف لے جائے گا اور موت سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے اس اثر کی وجہ سے جو ماضی کی طرف منسوب ہے اور یہ اس سبب تک پہنچے گا جو اسے موت کی طرف لے گیا ہے اور وہ ارتداد ہے، سوائے اس کے کہ وہ اسلام کا داعی تھا اور اس کے اس دعویٰ اسلام کی طرف دیکھتے ہوئے ہم اس کی ملکیت کے فی الحال زائل ہونے کو موقوف رکھیں گے اگر اسلام لے آیا تو ظاہر ہوگی کہ ارتداد زوال ملک کا سبب نہیں لیکن اگر قتل وغیرہ کر دیا گیا تو ظاہر ہوگا کہ ارتداد کے وقت ہی سے اس کی ملکیت زائل ہوگئی تھی، اور حکم سبب سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

صاحبین اور حنابلہ رحمہم اللہ کے ہاں..... صرف ارتداد کی وجہ سے مرتد کی ملکیت زائل اور ختم نہیں ہوگی بلکہ موت یا قتل سے زائل ہوگی اس لیے کہ ردت کی تاثیر اس کے خون مباح ہونے میں ظاہر ہوگی، نہ کہ اس کی ملکیت کے زائل ہونے میں جیسے رجم اور قصاص کے فیصلہ میں نیز مکلف ہے، لہذا اس کی اہلیت کامل ہے، لہذا اس کی ملکیت کی بقاء کا فیصلہ دیا جائے گا، اور نفس کی عظمت کے زائل ہونے سے ملکیت کے زوال کا حکم نہیں دیا جائے گا رجم کے فیصلہ والے کی طرح۔ البتہ حنابلہ کے ہاں: اگر مرتد دارالحرب چلا جائے تو اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی اور اس کا قتل ہر ایک کے لیے مباح ہوگا بغیر توبہ کی ترغیب دئے اور جو اس پر قادر ہو اس کے لیے اس کا مال لینا مباح ہے، کیونکہ وہ حربی بن گیا ہے۔ اور اس کا حکم حربیوں والا ہوگا، اور اس وقت مرتد کے تصرفات موقوف ہوں گے، ابن مفلح حنبلی نے فرمایا: المبدع میں، مرتد کے تصرفات، بیع، ہبہ، وقف وغیرہ موقوف ہوں گے جیسے مریض کا تبرع کرنا اور مذہب یہ ہے کہ اسے تصرفات سے روکا جائے گا، اگر اسلام قبول لیا تو اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اگر وہ تصرفات صحیح ہوں ورنہ باطل یعنی اگر مرگیا یا قتل کر دیا گیا، تو اس کے تصرفات باطل ہوں گے تعلیقاً توبہ نہ ہونے کی وجہ سے برخلاف مریض کے۔ اور صاحبین کے ہاں دارالحرب میں چلے جانے کی وجہ سے مرتد کی ملکیت اپنے احوال سے ختم ہو جائے گی اور اس کے سارے مال ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور اس کے تصرفات نافذ ہو جائیں گے، البتہ امام ابو یوسف کے ہاں: اس کے تصرفات نافذ ہوں گے جیسے ایک صحیح اور تندرست انسان کے ہوتے ہیں اس لیے کہ اس کا اسلام کی طرف رجوع ممکن ہے، اور وہ قتل سے بچ سکتا ہے۔ اور رہ گیا مریض تو اسے اپنے سے مرض دور کرنا ممکن نہیں لہذا ان میں کوئی مشابہت نہیں۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اس کے تصرفات سے مرض الموت میں مریض کی طرح کے ہوں گے یعنی وارث کی نسبت تبرعات نافذ نہیں ہوں گے صرف ثلث میں، اس لیے کہ مرتد

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۴۶ اسلام میں دنیوی سزائیں
موت کی کٹکٹ میں ہے لہذا یہ مریض مرض الموت کے مشابہ ہو گیا، اور یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبین کے ساتھ اختلاف مرتد کے بارے میں ہے رہ گئی مرتدہ عورت تو اس کی ملکیت اپنے اموال سے ختم نہیں ہوگی اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں، اور اس کے تصرفات اس کے مال میں نافذ ہوں گے، اس لیے کہ ان کے ہاں اسے قتل نہیں کیا جائے گا اس کا ارتد ادملکت کے زوال کا سبب نہیں۔ ❶

۳۔ مرتد کی میراث کا حکم..... اگر مرتد مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو پہلے اس کے قرض ادا کیے جائیں گے اور اس کی جنایت کا ضمان اس کی بیوی اور قریب کے رشتہ داروں کا نفقہ، اس لیے کہ یہ ایسے حقوق ہیں جن کو معطل رکھنا جائز نہیں۔ اور ان کے بعد مال میں جو کچھ باقی بچ جائے گا اسے بیت المال میں رکھ دیا جائے گا یہی مالکیہ شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمان کا فرکا وارث نہیں ہوتا البتہ کافر مسلمان کا وارث ہے۔ ❷

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب مرتد ہو جائے یا قتل کر دیا جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے اور دارالسلام میں مال چھوڑ جائے تو جو کچھ اس نے اسلام کی حالت میں کمایا ہے وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا اور جو کچھ ارتد ادکی حالت میں کمایا وہ مسلمانوں کے لیے بیت المال میں رکھا جائے گا اس لیے کہ وراثت کا ایک اثر ہے جو ماضی کی طرف لوٹنا ہے، پس جو کچھ اسلام کی حالت میں کمایا تو اس میں وراثت جاری ہوگی کیونکہ کمائی ارتد اد سے پہلے کی ہے، لہذا مسلمان کا مسلمان سے وارث ہونا پایا گیا، اور جو کچھ ارتد ادکی حالت میں کمایا تو وہ فحی ہوگا، اس لیے کہ ارتد اد کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہوگئی لہذا کمائی کسی مالک کی نہیں اس میں وراثت بھی جاری نہ ہوگی اس لیے کہ یہاں وراثت کا رجعی اثر نہیں پایا گیا ردت کی کمائی کی طرف نسبت کرے ہوئے، کیونکہ ارتد اد سے پہلے کمائی نہیں۔

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں..... مرتد کے تمام مال کے ورثاء مالک ہوں گے چاہے کمائی ارتد ادکی ہو یا بعد کی، اس لیے کہ ان کے ہاں قاعدہ ہے کہ مرتد کی ملکیت اس کے اموال سے زائل نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ملکیت باقی ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ملکیت کا اصل ہے جب اس کی ملکیت ثابت ہوگئی تو اس کے اموال موت یا جو اس کے معنی میں ہے اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور وراثت کا اثر ارتد اد سے پہلے تک مانا جائے گا تو گویا اس نے اسلام کی حالت میں کمائی کی ہے لہذا اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے حالت اسلام میں، لہذا مسلمان سے مسلمان کی وراثت والی شرائط منطبق ہوں گی اہلیت وراثت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ اختلاف ہے آیا وارث کی وراثت کی اہلیت ردت کے وقت سے یا موت کے وقت سے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وراثت کی اہلیت موت یا قتل کے وقت سے معتبر ہوگی، اس لیے کہ ان کے ہاں مرتد کی ملکیت موت وغیرہ سے زائل ہوتی ہے، اگر وارث مسلمان اور آزاد ہو تو وارث ہوگا، ورنہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں صرف ردت کی حالت کا اعتبار ہے، اگر اس وقت وراثت کا اہل ہو تو وارث ہوگا اگرچہ بعد میں اہلیت زائل ہو جائے اور ایک روایت میں موت کے وقت یا قتل کے وقت تک حالت ردت میں اہلیت کا اعتبار ہے، پس جو ارتد ادکی حالت میں وارث ہے یا اس طور کہ مسلمان اور آزاد ہے اور موت یا دارالحرب میں چلے جانے تک اسی طرح باقی ہے تو یہ وارث ہوگا۔ اور اصح وہی ہے جو مبسوط میں ذکر کیا کہ وارث کے مال کے اعتبار موت یا قتل وغیرہ کے وقت سے ہوگا، اس لیے کہ سبب ملکیت کے انعقاد کے بعد پیدا ہونے والی چیز ایسی ہے جیسے اصل مسبب کے وقت پائی گئی مثلاً بیع سے پیدا شدہ زیادتی اور مشتری کے قبضہ سے پہلے کے پھل بیع کے لیے تو انہیں بیع میں ملحق مانا جائے گا لہذا یہ معقولہ علیہ ہوں گے گویا یہ ابتداء عقد ہی سے موجود تھے، اور ثمن اصلی اور اضافہ دونوں کے لیے تسلیم کئے جائیں گے ❸ اور اگر مرتد دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس الحاق کا حکم دے دیا تو اس کے مؤجل دیون فی الحال ہوں گے اور اسلام کی کمائی ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۷۲۷ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں

کیا قاضی کا فیصلہ دارالحرب جانے کا شرط ہے؟ حنفیہ کے ہاں اس بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں قاضی کا فیصلہ دارالحرب کے الحاق کا ضروری ہے کیونکہ اس کا دار اسلام میں واپس آنا ممکن ہے، اور ظاہر روایت یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہیں۔ الا یہ کہ صاحبین کے ہاں الحاق کے فیصلہ کی صورت میں وراثت کی اہلیت میں اختلاف ہے آیا فیصلہ کے وقت سے اہلیت معتبر ہوگی یا الحاق کے وقت سے؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: فیصلہ کے وقت کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ ملکیت قضاء ہی سے زائل ہوتی ہے۔ اور صرف الحاق کو کافی نہیں مانا جائے گا یہی راجح ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: الحاق کے وقت کا اعتبار ہے اس لیے اس کا الحاق ہی زوال ملک کا سبب ہے۔ پس اس سے ملکیت زائل ہو جائے گی، اور قضاء تو اس الحاق کے اثبات کے لیے ہے تاکہ مرتد ہمارے طرف واپس نہ آجائے جب ہم نے فرض کر لیا کہ مرتد دارالحرب کے الحاق کے بعد اگر مسلمان ہو کر دار اسلام میں آجائے گا اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے آیا تو اس کا حال اسی مال پر ہوگا اور اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد آیا تو ورثاء کے پاس جو مال پایا جائے گا اس کا یہ زیادہ مستحق ہے اور ان سے قاضی کے فیصلہ سے وہ لے گا، اس لیے کہ قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے وہ مال مرتد کے ورثاء کی ملکیت میں پلا گیا، اور اس کی ملکیت قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس نہیں آئے گی یا دونوں کی رضا مندی ہو۔

اور اگر مال وارث کی ملکیت سے تملیک کے ذریعہ نکل گیا یا اس نے دیا تو مرتد کو اس مال کے سلسلہ میں وارث سے رجوع کرنے کا حق نہیں۔ ❶

رہ گئے مرتد کے دیون جو حالت اسلام میں کمائی گئی ہے اس سے حالت اسلام کے قرض ادا کیے جائیں گے اور جو ارتداد کی حالت میں اس نے کمائے ہیں اس سے ارتداد والے قرض ادا کیے جائیں گے یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دوسرا باب..... تعزیر

حدود کے احکام کے بعد جو کہ شرعاً مقرر شدہ سزائیں ہیں ان جرائم کی سزائیں بیان کروں گا جن کے لیے اسلام میں شریعت میں تو کوئی حد مقرر نہیں اور انہیں تعزیر سے جانا جاتا ہے میں مختصر اس کی تعریف، شرائط و وجوب، مقدار و صفت اور اثبات کے طرق اور معزرت کی موت کے ضمان سے بات کروں گا۔

تعزیر کی تعریف، موجب، نافذ کرنے والے اور اس کی کیفیت..... لغوی اعتبار سے تعزیر کا معنی، روکنا اور منع کرنا ہے اور مدد کے معنی میں بھی آتا ہے، اس لیے کہ دشمن کو تکلیف پہنچانے سے روکا جاتا ہے، پھر تعزیر کا معنی ادب سکھانا، ابانت اور تنگ عزت کے لیے مشہور ہو گیا اس لیے کہ جنایت کرنے والے کو گناہ سے روکا جاتا ہے۔ اور شرعی اعتبار سے ایسی سزا جو گناہ اور جرائم کے لیے مقرر ہے لیکن اس میں نہ حد ہے نہ کفارہ، چاہے جرم حقوق اللہ میں ہو جیسے رمضان میں بغیر کسی عذر کے دن کو کھانا اور جمہور کی رائے میں نماز چھوڑنا، سوکھانا، لوگوں کے راستے میں نجاست ڈالنا، یا وہ جرائم جو حقوق العباد میں ہو جیسے فرج کے علاوہ لہتیم سے مباشرت نصاب سے کم کی چوری، یا غیر محفوظ جگہ سے چوری، امانت میں خیانت، رشوت، زنا کے علاوہ تہمت، گالی گلوچ، مار پیٹ اور کسی بھی طرح ایذا پہنچانا مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے اے فاسق، اے خبیث، اے چور، اے فاجر، اے کافر، اے سوکھانے والے، اے شراب پینے والے وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو دوسرے کو کہتا ہے اے فاسق اے خبیث تو آپ نے فرمایا: یہ فواحش میں سے ہیں ان میں تعزیر ہے ان میں حد نہیں اور تعزیر ثابت کرنے والی اشیاء میں سے وہ جنایت اور جرم ہے جس میں قصاص نہ ہو یا بیوی سے دبر میں جماع کرنا، یا دوران حیض جماع کرنا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جاسکتا ہو، اسی بناء پر اکثر حنفی فقہاء نے اہل ذمہ میں سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے اگرچہ وہ گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے اور کہتے ہیں اسے سیاست قتل کیا جائے گا، اور تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے الشفاء میں ذکر کیا کہ جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اسے قتل کرنا واجب ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (الاحزاب: ۵۷/۳۳)

اور یہ کہتے ہیں: حاکم کو اجازت ہے بار بار چوری کرنے والے کو وہ سیاست قتل کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح جو شر میں لگے کھوئے سے بھی قتل کر سکتا ہے کیونکہ وہ زمین میں فساد برپا کر رہا ہے اور اسی طرح ہر وہ شخص جس کا شر قتل کے علاوہ ختم نہیں ہو سکتا اسے سیاست قتل کیا جاسکتا ہے، اور اکثر علماء کے ہاں جادوگر کو قتل کیا جائے گا۔ اور زندیق جو اپنے زندقہ کا دعویٰ ہوا سے بھی جب وہ گرفتار ہو جائے اگرچہ وہ توبہ بھی کرے اور ترمذی میں حضرت جنبد رضی اللہ عنہ سے موقف اور مرفوع روایت ہے کہ جادوگر کی حد اسے تلوار سے قتل کرنا ہے اور مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ نے ایسے مسلمان جاسوس کے قتل کی اجازت دی ہے جو دشمنوں کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی کرتا ہو۔ البتہ امام ابو حنیفہ اور شافعی نے اس قتل کی اجازت نہیں دی اور امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے بدعتی جو بدعت کی ترویج کرتا ہو اس کے قتل کی اجازت بھی دی ہے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حربی کا فر جاسوس کو قتل کیا جائے گا اور وہ گیا معاہدہ اور ذمی تو امام مالک اور اوزاعی نے فرمایا: اس سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور امام شافعی کا اختلاف ہے اور سنت جاسوس کے قتل کے جواز کا حکم ہے اگر وہ مستامن یا ذمی ہو مسلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جاسوس آیا اور آپ سفر میں تھے وہ بعض صحابہ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگا پھر وہاں سے کھسک گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پکڑو اور قتل کر دو تو میں نے اسے پالیا اور قتل کر دیا، تو آپ نے اس کا سامان مجھے دے دیا ❶ اور جس شخص کا فساد قتل کے علاوہ ختم نہ ہو وہ قتل کیا جائے گا جیسے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کرنے والا اور دین میں بدعتیں ایجاد کرنے والا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ أَجْلٍ ذَلِكْ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا..... المائدہ ۳۲/۵

اور صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو اور مسلم شریف میں حضرت عرفجہ انجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو آپ کے پاس آئے حالانکہ تمہارا معاملہ ایک شخص سے چل رہا ہے اور وہ تمہارے اتفاق کو توڑنا چاہیے یا تمہاری جماعت میں تفریق کرنا چاہیے تو اسے قتل کر دو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے قتل کا حکم صادر فرمایا جس نے جان بوجھ کر آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیلم امیری نے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو چوتھی مرتبہ شراب بھی نہ چھوڑے تو آپ نے فرمایا اگر وہ نہ چھوڑے تو اسے قتل کر دو، خلاصہ یہ کہ سیاست عادی مجرموں، شراب کے عادی فساد پھیلانے والوں اور ملک کے امن کو تباہ کرنے والوں کو قتل کرنا جائز ہے۔

تعزیر بالمال..... آئمہ کے ہاں راجح قول کے مطابق مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ❷ کیونکہ اس سے تو خالِم لوگ لوگوں کا مال لے کر کھائیں گے اور ابن تیمیہ اور ابن قیم نے یہ بات ثابت کی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مذہب کے مطابق مخصوص جگہوں پر مالی جرمانہ جائز و مشروع ہے جیسا کہ اس پر سنت دلائل کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلق پھلوں اور کھجور کے متعلق ذیل جرمانہ لینے کا حکم فرمایا اور نافعین زکوٰۃ سے ان کے مال کا نصف حصہ لینے کا، جو اللہ تبارک تعالیٰ کے واجب حقوق میں سے ہے، اور حضرت عمرو بنی اللہ عنہما کا اس

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۰ اسلام میں دنیوی سزائیں
جگہ کو جلا دینا جہاں شراب فروخت ہوتی تھی اور اس کے مثل کثیر واقعات ہیں اور جنہوں نے کہا ان میں سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ
مالی جرمانے منسوخ ہیں اور انہیں مطلق رکھا تو مذہب آئمہ نقل کرنے میں اور اس کے استدلال میں ان سے غلطی واقع ہوتی ہے۔ ❶

مالی جرمانے کا معنی..... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سلطان کے لیے مالی جرمانہ لینا جائز ہے اور اس کا معنی یہ ہے
کہ جرم کرنے والے اس کے مال سے کچھ اتنی مدت تک روک لیا جائے تاکہ وہ اپنے فعل سے باز آجائے پھر حاکم اسے واپس کر دے نہ کہ حاکم
اپنے لیے بایبیت المال کے لیے رکھے، جیسا کہ ظالم لوگوں کا وہم ہے، اس لیے کہ بغیر شرعی سبب کے کسی بھی مسلمان کا مال لینا جائز نہیں۔
ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ حاکم جرم کرنے والے کا مال لے پھر اسے اپنے پاس روکے رکھے اگر اس کی
توبہ سے مایوس ہو جائے تو پھر اسے جس چیز میں مصلحت دیکھے اس میں خرچ کر دے اور رہ گیا بادشاہ کا لوگوں کے مال لینا
فیکس کے طور پر تو یہ جائز نہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے مال لیا تھا جس کے پاس کفایت سے زیادہ تھا لیکن کمائی سے فیکس لینا
جائز نہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مالی جرمانے کی اقسام..... ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق مالی جرمانے کی
تین قسمیں ہیں اختلاف تغییر اور تملیک۔

۱۔ اتلاف..... منکرات کی جگہ کو تلف کرنا عین اور صفات سمیت، مثلاً بتوں کے مادہ کو توڑ کر اور جلا کر ختم کرنا اور اکثر فقہاء کے ہاں
آلات لہو لعب (ٹی وی، وی سی آر وغیرہ) شراب کے برتنوں کو جلا کر اور توڑ کر ختم کرنا اور اس دکان کو جلانا جس میں شراب فروخت ہوتی ہے،
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے شراب کی دکانوں کو جلا یا تھا، اور اسی طرح اس بستی کو جلانا جس میں شراب
فروخت ہو رہی ہو اس لیے کہ فروخت کی جگہ برتنوں کی طرح ہے۔ اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پانی ملے دودھ کو گرانا، اسی پر فقہاء نے
فتویٰ دیا ہے اور اسی کی مثل فیکس ریوں میں دو نمبر مال کو ضائع کرنا جیسے بے کار قسم کے کپڑے جلانا۔

۲۔ تغییر..... کبھی مالی جرمانہ اس چیز کو تبدیل کرنے پر مختصر ہوتا ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان جائز
سکوں کے توڑنے سے منع فرمایا ہے جیسے درہم اور دینار ہاں اگر اس میں کوئی حرج ہو تو پھر انہیں توڑا جاسکتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ
فعل جو آپ نے گھر میں موجود مثل تصویر سے کیا تھا اور وہ پردہ جس پر تصویریں تھیں کہ آپ نے تصویر کے سر کے کاٹنے کا حکم فرمایا تو وہ درخت
کی طرح ہو گئی اور پردہ کو کاٹ کر دو ٹکے بنا دیے۔ اسی طرح علماء کا اتفاق ہے کہ ہر وہ عین یا تالیف جو حرام ہے اس کی تغییر اور ازالہ ضروری ہے
جیسے لہو والے آلات (ٹی وی، وی سی آر) وغیرہ کو توڑنا اور تصویروں کی صورتوں کو مٹانا۔ البتہ ان اشیاء کے تلف کے ساتھ اس جگہ کے تلف کرنے
میں علماء کا اتفاق ہے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں درست بات یہ ہے کہ ان کو بھی ساتھ تلف کرنا جائز ہے جیسا کہ قرآن کریم، سنت اور اجماع
سے ظاہر ہے اور یہی مالکیہ اور احمد وغیرہ کا ظاہر مذہب ہے۔

۳۔ تملیک..... مثلاً جو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں جو لگے ہوئے پھل
چوری کرے، اسے اتار کر منکلوں میں ڈالنے سے پہلے، کہ اس پر سزائے کوڑے ہیں اور اس کا تاوان ہے دو مرتبہ اور بکریوں کو باڑے میں آنے
سے پہلے جو چوری کرے تو اس پر بھی سزائے کوڑے ہیں اور اس کا تاوان ڈبل ہے۔ اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے فیصلہ فرمایا بد کے
ہوئے جانور کی چوری میں کہ اس کا تاوان دگنا ہے چھپانے والے پر۔

اسی کے قائل ہیں امام احمد اور علماء کا ایک گروہ۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کی اونٹنی کے تاوان میں دگنے کا فیصلہ دیا اس کے بردار سے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۵۱ ----- اسلام میں دنیوی سزائیں
دگنا تاوان لیا اور ان سے قطعید کو دور کیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کا تاوان دگنا کیا جس نے ذمی کو عملاً قتل کیا اس پر دگنی دیت تھی، اور اس پر دیت کاملہ واجب کی، اس لیے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے اسی کو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور مالکیہ نے اجازت دی ہے۔ مال کی سزا میں جب کے جنایت و جرم مال میں ہو یا اس کے عوض میں ہو۔ وہ زعفران کو مساکین پر صدقہ کرے گا۔ اور جب کوئی مسلمان کسی نصرانی سے شراب خریدے تو مسلمان کے ان برتنوں کو توڑ دیا جائے گا اور ثمن صدقہ کیے جائیں گے یہ نصرانی کی تادیب کے لیے ہے جبکہ اس نے اسے سپرد کیا ہوا ہو۔

مالی جرمانہ کی دو قسمیں منضبط، غیر منضبط..... جیسا کہ ابن قیم نے وضاحت کی مالی جرمانے کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم منضبط اور دوسری غیر منضبط۔ پس منضبط کی قسم یہ ہے جو تلف شدہ چیز کے مقابل ہو چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے حالت احرام میں شکار یا کسی آدمی کا حق ہو جسے کسی کا مال ضائع کرنا، اور اللہ رب العزت نے خبر دی ہے کہ شکار کا ضمان عقوبت و سزا کے طور پر ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيُّدُوقُ وَبَالَ أَمْرِهٖ..... المائدہ: ۹۵/۵

اور اسی میں سے ہے حرمان کے قصد سے جانی نقصان جیسے وارث کو قتل کرنے والے کا میراث سے محروم ہونا، اور موصلی لہ کی سزا وصیت کے باطل ہونے کے ساتھ، اور نافرمان بیوی کی سزا اس کا نفقہ اور کسود ختم کرنے کے ساتھ۔ اور غیر منضبط قسم جو مقرر نہیں اور اجتہاد آئمہ مصلحت کے لیے چھوڑ دی گئی ہے اسی وجہ سے اس بارے میں شریعت میں کوئی عام حکم نہیں اور حدود مقرر ہیں اور ان کی تحدید میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا ان کا حکم منسوخ ہے یا ثابت ہے؟ درست بات یہ ہے کہ مصلحت کے مختلف ہونے سے یہ بھی مختلف ہیں، اور ہر زمانہ و مکان کے اعتبار سے یہ آئمہ کے اجتہاد کی طرف لوٹتے ہیں، اس لیے کہ نسخ پر کوئی دلیل نہیں، حالانکہ ایسا خلفاء راشدین کے بعد آئمہ نے کیا ہے۔

وجوب تعزیر کی شرائط..... وجوب تعزیر کے لیے صرف عقل شرط ہے ایسی جنایت اور جرم پر جس کے لیے شرع میں کوئی حد مقرر نہیں، بس ہر عاقل کو تعزیر لگائی جائے گی چاہے وہ مذکورہ یا مونث، مسلمان ہو یا کافر بالغ ہو یا سمجھدار بچہ۔ اس لیے کہ بچے کے علاوہ باقی سزاء کے اہل ہیں اور رہ گیا بچہ تو اسے تادیباً تعزیر لگائی جائے گی۔

اور ایجاب تعزیر کا ضابطہ یہ ہے کہ: ہر وہ شخص جو کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرے یا کسی دوسرے کو بغیر حق کے تکلیف دے بات کے ساتھ یا فعل و اشارہ کے ساتھ اور جس کو کوئی تکلیف دی گئی، وہ مسلمان ہو یا کافر جو بھی ہو تعزیر لگے گی۔ ❶

تعزیر کی مقدار..... تعزیر جرم کی بقدر ہوگی اور جرم کرنے والے کے مرتبہ کے اعتبار سے حاکم کے اجتہاد کے مطابق یا تو وہ باتوں میں سختی سے یا قید کرنے یا مارنے یا برا بھلا کہنے سے یا پھر قتل کرنے سے ہوگی جیسا کہ مالکیہ کے ہاں فرج کے علاوہ کسی جگہ جماع کی صورت میں یا ولایت سے معزول کرنا یا مجلس سے اٹھا دینا یا اسے عزت کے اعتبار سے اے ظالم: اے تعدی کرنے والے، اسی طرح چہرہ سیاہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور اس کے گناہ کا اعلان، اور مارتے ہوئے اسے بازاروں میں پھیرنا، اس کی کسر ٹیڑھی کرنا اور اسے کھانے اور وضو سے نہیں روکا جائے گا اور وہ اشارہ سے نماز پڑھے اور اس کا اعادہ نہ کرے، اور داڑھی منڈانا بطور تعزیر حرام ہے، اور اس کے اطراف کو کاٹنا اور زخمی کرنا بھی حرام ہے اور اسی طرح اس کا مال لینا یا ضائع کرنا بھی حرام ہے اور جو عورتوں مردوں میں فساد پھیلانے سے سخت قسم کی تعزیر لگائی جائے اور یہ تعزیر ایک مہینہ تک ہوتا کہ لوگوں کو بھی اس کی خبر ہو، اور مارنے میں کم سے کم تعزیر تین کوڑے اور کچھ زیادہ ہیں اور تین سے کم بھی ہو سکتے ہیں لوگوں کے اعتبار سے، پس کم سے کم تعزیر کے لیے کوئی حد متعین نہیں اور زیادہ سے زیادہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، محمد شافعی اور حنابلہ کے ہاں: شرعی سزاؤں اور حدود کی کم سے کم مقدار تک تعزیر نہیں پہنچنی چاہیے، اس سے ایک کوڑا کم ہونا چاہئے۔ اور شوافع کے ہاں آزاد

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۲ اسلام میں دنیوی سزائیں۔
آدمی کی کم سے کم حد چالیس کوڑے ہیں جو کہ شراب کی حد ہے۔

اور باقیوں کے ہاں یہ غلاموں کی حد ہے کہ چالیس کوڑے جو کہ غلاموں کے لیے حد قذف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو حدود کے علاوہ حد تک پہنچ جائے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں، نیز اس لیے بھی کہ سزا بقدر جرم اور گناہ ہوا کرتی ہے اور وہ گناہ جن کی حدود مقرر ہیں وہ بڑے ہیں ان گناہوں سے جو ان کے علاوہ ہیں پس جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے کم ترین کی سزا سخت ترین کے برابر ہو، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اسی کوڑیوں سے زیادہ حد نہیں ہونی چاہئے اور اس سے بھی پانچ کوڑے کم کرنے چاہیے اس لیے کہ مذکورہ، حد حدیث سابق پر محمول ہے، اور یہ بھی آزاد آدمیوں کے لیے ہے اس لیے کہ خطاب سے مقصود بھی آزاد ہی ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ انہیں سے ملحق ہوتے ہیں اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو لیا ہے کہ پانچ کوڑے کم ہو چالیس مالکیہ کے ہاں ہیں۔ امام اور حاکم اپنے اجتہاد سے جتنے چاہے کوڑے مارے حتیٰ کہ وہ حدود سے تجاوز بھی کر جائے تو کوئی حرج نہیں بس حدود کے مثل ان سے کیا زیادہ کے لیے تعزیر ہو جائز ہے اجتہاد کے مطابق روایت ہے کہ معن بن اوس رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی انگوٹھی پر نقش بنایا پھر مالک بیت المال آیا اس نے اس سے مال لیا یہ بات عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی آپ نے انہیں سو کوڑے لگائے۔ انہوں نے اس بارے میں بات کی تو ایک نے سوار لگائے پھر بھی انہوں نے بات کی تو آپ نے انہیں مارا اور جلا وطن کر دیا۔ ❶

اور عمر رضی اللہ عنہ نے معن کو کوئی جرائم پر کوڑے لگائے، اور وہ انگوٹھی پر نقش بنانا، بیت المال سے مال لینا، اور اس کا دروازہ کھولنا مالکیہ کی رائے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جسے ایک عورت کے ساتھ پایا ۹۸ کوڑے لگائے۔

تعزیر کی صفات..... تعزیر کی کئی صفات ہیں۔

پہلی صفت..... یہ کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ حق واجب ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جب امام کی رائے ہو حاکم کے لیے تعزیر ترک کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ زجر ہے اور اللہ کے حق کے طور پر مشروع ہے لہذا حد کی طرح واجب ہے۔ شوافع کے ہاں تعزیر واجب نہیں، سلطان کے لیے اسے ترک کرنا بھی جائز ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کسی آدمی کا حق متعلق نہ ہو بس یہ حنفیہ کی طرح ہیں دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے ”شرفاء کی لغزشوں سے درگزر کرنے والا یہ کہ حد ہو، نیز اس لیے بھی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کیا میں ایک عورت کے ساتھ وطی کے علاوہ سب کچھ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی تو اس نے کہا جی ہاں: تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورہ: ۱۱۳/۱۱) اسی طرح ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں اس تقسیم کو اللہ کی رضا مندی والی تقسیم نہیں سمجھتا۔ تو آپ نے اسے تعزیر نہیں لگائی اگر تعزیر ترک کرنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تعزیر لگاتے۔ اور ان کی تائید ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: ایک شخص کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پانی گزارنے کے سلسلہ میں جھگڑا ہو گیا جس سے کھجوروں کی سیراب کیا کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: پہلے اپنی زمین کو پانی سے سیراب کرو پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑو، تو انصاری کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اس لیے کہ یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا آپ نے فرمایا: اے زبیر! اپنی زمین کو پانی سے سیراب کرو پھر پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ دیواروں کو پہنچ جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا میرے خیال میں یہ آیت اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ..... النساء: ۲۵/۴

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۳ اسلام میں دنیوی سزائیں

پس (دیکھو) تمہارا پروردگار اس بات پر گواہ ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایسا نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں، قضاویوں میں تمہیں حاکم بنائیں۔ اگر تعزیر ترک کرنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتوں پر اسے ضرور تعزیر لگاتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر تعزیر حقوق اللہ میں سے ہو جیسا کہ دینی حرمتوں کی پردہ دری تو اسے نافذ کرنا واجب نہیں لیکن اگر وہ حقوق العباد میں سے ہو اور اسے اس نے معاف نہ کیا ہو تو اسے نافذ کرنا واجب ہے، اور حنفیہ کے ہاں: اگر تعزیر حق شخصی ہو کسی انسان کا تو وہ واجب ہے اس میں معافی نہیں، اس لیے کہ حقوق العباد کو ساقط کرنا، قاضی کے لیے جائز نہیں اور اگر حقوق اللہ میں سے ہو تو وہ حاکم کی رائے پر مبنی ہے اگر اس کو قائم کرنے میں مصلحت ہے تو اسے قائم کرے اور اگر مصلحت نہیں یا اس کے بغیر بھی جانی کا انزجار ہو سکتا ہے تو اسے چھوڑ دے، اور کمال بن ہمام کی عبارت سے اس سلسلہ میں یہ ہے۔ حقوق اللہ میں سے جو تعزیر واجب ہے تو امام اور حاکم پر واجب ہے اسے قائم کرے اور اس کا ترک کرنا اس کے لیے حلال نہیں الا یہ کہ اسے معلوم ہو کہ فاعل اس سے رک گیا ہے۔ ❶

اور شوافع کے ہاں تعزیر حقوق العباد ہونے کی صورت میں یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اسے معاف بھی کیا جاسکتا ہے اس کی صلح بھی ہو سکتی ہے اور ابراء بھی اور اس میں قصاص وغیرہ دوسرے حقوق کی طرح میراث بھی جاری ہوگی نیز یہ کہ اس میں تدخل نہیں ہوگی اس لیے کہ حقوق العباد تدخل کے تحمل نہیں، اس میں کفالت بھی ہو سکتی ہے۔

اس لیے کہ کفایت توثیق کے لیے اور تعزیر بندے کا حق ہے۔ لہذا توثیق اس کے مماثل ہے برخلاف حدود کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کے مطابق دوسری صفت: تعزیر مار کے اعتبار سے سخت ہے، اس لیے اس میں عدد کے اعتبار سے تخفیف ہے لہذا وصف کے اعتبار سے اس میں تخفیف نہیں ہوگی تاکہ اس کا مقصود زجر و نوبت نہ ہو جائے، پھر اس کے ساتھ حد زنا ہے پھر حد شراب پھر حد زندقہ۔ ❷

تعزیر کا جرم ثابت کرنے کا طریقہ..... حنفیہ کے ہاں تعزیر کا جرم ان تمام چیزوں سے ثابت ہوگا جن سے دوسرے حقوق العباد ثابت ہوتے ہیں یعنی اقرار، گواہ، انکار، قاضی کا علم وغیرہ سے اور اس میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ قبول ہے اور گواہی پر گواہی بھی اور قاضی کا خط قاضی کی طرف اور قضاء کی بحث میں آئے گا کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ قاضی اس زمانے میں شخصی حقوق میں اپنے علم سے فیصلہ نہیں دے سکتا، تہمت سے بچنے ہوئے اور اس زمانے کے قاضیوں (ججوں) کے فساد کی وجہ سے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی علامہ کا سانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحیح پہلا قول ہے اس لیے کہ یہ خالص بندے کا حق ہے، یہ ظاہر ہوگا ان چیزوں سے جن سے حقوق العباد ظاہر ہوتے ہیں۔ ❸

دوران تعزیر میر جانے یا دوران حد مر جانے والے کا ضمان..... حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: جب حاکم کسی شخص کو تعزیر لگائے، یا حد لگائے اور وہ اس کی وجہ سے مر جائے تو حاکم پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ تعزیر سزا سے جو تنبیہ اور باز رکھنے کے لیے مشروع ہے، لہذا حد کی طرح تلف کی صورت میں اس میں بھی ضامن نہ ہوگی، نیز اس لیے بھی کہ امام حد اور تعزیر لگانے کے لیے مقرر ہے اور مامور کا فعل سلامتی کی قید سے مقید نہیں ہوتا۔ ❹

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: حاکم اور امام پر محدود کی موت کا ضمان نہیں، اس لیے کہ حق اس کا قتل کرنا ہے، چاہے یہ کوڑوں کی صورت میں ہو یا قطع کی صورت میں اور چاہے گرمی میں ہو یا سردی میں، افراط ہو یا نہ ہو۔ اور چاہے کوڑے ایسی بیماری میں لگے ہوں جس میں صحت کی امید ہو یا نہ ہو۔ الا یہ کہ عورت اگر حاملہ ہو اور بچہ مر جائے تو ضمان واجب ہے، اس لیے کہ وہ مضمون ہے لہذا غیر کی جنایت سے اس کا ضمان ساقط نہیں ہوگا، اور تعزیر والے کی موت پر ضمان واجب ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جس شخص پر

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۴ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

بھی حد قائم کروں وہ مر جائے، تو اس پر کوئی دیت نہیں، الا یہ کہ شراب کی حد ہو اس میں اگر مر گیا تو اس کی دیت ہوگی کیونکہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حد مقرر نہیں۔ ❶ یعنی شراب کی حد میں کوئی متعین مقدار مسنون نہیں بلکہ آپ نے اس میں مختلف صورتیں اختیار کی ہیں انہیں جمع کرنا جائز ہے ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب میں چالیس کوڑے حد لگائی جیسا کہ آپ سے مختلف روایت ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے اور فقہاء میں اختلاف چالیس سے زیادہ میں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مراد نہیں کہ وہ شخص دوران حد مر گیا اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب میں حد لگائی ہے کہ کماذکرت، تو پتہ چلا کہ ان کی مراد اس قول سے کہ اگر وہ مر گیا تو اس کی دیت سے یہ ہے کہ چالیس سے زیادہ کی صورت میں کیونکہ یہ تعزیر ہے اس لیے کہ تعزیر وہ مار ہے جو امام کے اجتہاد کے سپرد ہے، جب وہ تلف تک پہنچ جائے تو اس کا ضامن ہوگا جیسے شوہر کا بیوی کو مارنا اس لیے کہ تعزیر میں انجام کے اعتبار سے سلامتی شرط ہے، اس اعتبار سے کہ مقصود اصلاح اور ادب سکھانا ہے نہ کہ ہلاک کرنا، جب اسی سے ہلاکت ہوگی تو ظاہر ہوگا کہ اس نے مشروع حد سے تجاوز کیا، اور ہلاکت بھی ایسی مار سے ہوتی ہے جس سے غالباً آدمی قتل ہو جاتا ہے بس اس میں قصاص واجب ہے جبکہ مارنے والا اس کا باپ یا دادا نہ ہو، اور غالباً مار قتل کرنے والی بھی نہ ہو تو اس صورت میں عاقلہ پر شبہ عمد کی دیت واجب ہوگی۔

حق تادیب (اصلاح)..... جب والد اپنے بیٹے کو ادب سکھانے اور اصلاح کے لیے مارے یا شوہر بیوی کو یا استاذ بچے کو اصلاح کی غرض سے مارے اور وہ مشروع تادیب سے ہلاک ہو جائے، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان حالات میں ضمان واجب ہے اور ان کی دلیل ہم پہلے جان چکے ہیں، نیز اس لیے بھی یہ کہ تادیب مباح ہے، لہذا سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہوگی جیسے راستے وغیرہ سے گزرنا امام مالک، احمد اور صاحبین کے ہاں: ان حالات میں کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ باز رکھنے کے لیے تادیب مشروع ہے حدود کی طرح ہلاک کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

حاکم کے لیے تعزیر..... حدود کی طرح تعزیر بھی حاکم کے ساتھ وابستہ ہے تین آدمیوں کے علاوہ کسی کو بھی تعزیر کا حق نہیں یعنی باپ آقا، (استاذ) اور شوہر۔ والد اور باپ کو اپنے چھوٹے بچوں کو تعلیم اور عمدہ اخلاق سے آراستہ کرنے اور برے اخلاق چھوڑنے کے لیے تادیب کا حق ہے، نیز نماز کا حکم دینے اور ضرورت پر اس کے مارنے کے لیے اجازت ہے اور دوران پرورش والدہ بھی والد کی طرح ہے تادیب میں اور والد کو جوان اور بالغ اولاد پر تعزیر کا حق نہیں۔ اور آقا اپنے غلام کو حقوق اللہ اور اپنے حق میں تعزیر لگا سکتا ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو نافرمانی، حقوق اللہ کی دایگی مثلاً نماز پڑھنے روزہ رکھنے کے لیے تعزیر لگا سکتا ہے جو مناسب سمجھے، اس لیے کہ یہ تمام چیزیں منکر کے باب میں سے ہیں اور شوہر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مکلفین میں سے ہے۔ ❷

تیسرا باب..... جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

خاکہ بحث..... جرائم جنایات سے متعلق طویل کلام ہے جس کی متعدد فروع اور منتشر تفصیلات میں ان کا احاطہ اور ضبط درج ذیل خاکہ کے مطابق پانچ فصلوں میں ممکن ہے۔

پہلی فصل..... نفس و جان پر جنایت یعنی قتل کی تمام اقسام اور سزائیں قصاص و دیت۔

دوسری فصل..... نفس و جان سے کم جنایت یعنی سر کے زخم اور دوسرے زخم دیت اور ارش۔

تیسری فصل..... نامکمل نفس پر جنایت، یعنی جنین، بچہ وغیرہ کو جو رحم مادر میں ہے مارنا۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۵ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

چوتھی فصل..... کسی سبب کی وجہ سے پیش آنے والی جنایت یعنی جانوروں کی اور ٹیڑھی دیواری کی جنایت۔

پانچویں فصل..... جنایت و جرم ثابت کرنے کے طریقے یعنی گواہی، اقرار اور قسامت وغیرہ۔

تمہید: جنایت کی تعریف..... جنایت یا جرم لغوی اعتبار سے گناہ اور معصیت کو کہتے ہیں یا ہر وہ چیز جس کا انسان ارتکاب جرم کرتا ہے اور شریعت اس کے عام خاص معافی ہیں۔ عام معنی یہ کہ ہر وہ کام کرنا جو شرعاً حرام ہے چاہے وہ فعل کسی کی جان پر ہو یا مال پر یا ان کے علاوہ اور ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ جرائم: وہ شرعی ممنوع چیزیں ہیں جن سے باز رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حد یا تعزیر مقرر فرمائی ہے، اور ممنوع سے مراد یہ ہے کہ یا تو جس چیز سے روکا گیا ہے اسے اختیار کرنا یا جس چیز کے کرنے کا حکم ہے اسے نہ کرنا، اور دوسرا معنی جو کہ فقہاء کی خاص اصلاح ہے اور اس جنایت کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی جان یا اعضاء پر ظلم کرنا یعنی قتل کرنا یا زخمی کرنا اور مارنا، اور اس سلسلہ میں فقہاء یا تو ”کتاب الجنایات کے عنوان سے بحث کرتے ہیں جیسے حنفیہ یا کتاب الجراح کے عنوان سے جیسے شوافع اور حنابلہ چونکہ زخم و جرح کو ہی یہ لوگ ظلم و اعتداء کا سبب قرار دیتے ہیں اور شرح نے ان پر تنقید کی ہے کہ جنایات کا باب باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ زخم اور قتل دونوں کو شامل ہے اور پھر قتل چاہے کسی بھاری چیز سے ہو جیسے عصا یا پتھر یا کسی زہریلی چیز اور جادو وغیرہ سے ہو۔ یا پھر باب الدماء کے عنوان سے کرتے ہیں جیسے مالکیہ، یہ جرم کے نتیجہ کی طرف دیکھتے ہیں۔

جرائم کی اقسام..... جرم عام صفت کے اعتبار سے دو قسم پر ہے ایک جانوروں اور جمادات پر جنایت اور اس سلسلہ میں عادیہ غصب اور اتلاف کے باب میں بحث ہوئی ہے اور دوسری: انسان پر جنایت اور یہی یہاں محل بحث ہے اور انسان پر جنایت اہم ہونے کے اعتبار سے تین قسم پر ہے، ایک نفس پر جنایت جو کہ قتل ہے اور دوسری نفس سے کم جنایت جو کہ مارنا اور زخمی کرنا ہے اور تیسری جرم و جہ نفس پر ہے اور من وجہ نفس پر نہیں جو کہ مال کے رحم میں بچہ ہے (جنین) یا اسے قانون دانوں کی اصطلاح میں اجہاض کہتے ہیں، اس لیے کہ جنین مال کا جزو شمار ہوتا ہے اور واقعہ اس سے مستقل نہیں علیحدہ نہیں ہوتا اور ایک دوسرے اعتبار سے اسے مستقل نفس تصور کیا جاتا ہے مستقبل کے اعتبار سے اس لیے کہ اس کی کسب خاص زندگی ہے اور وہ ایک مدت کے بعد اس سے الگ ہونے کے لیے تیار ہے اور پھر مستقل وجود رکھتا ہے۔ اور پھر نفس پر جنایت ارادہ اور عدم ارادہ کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں عمد، شبہ عمد، اور خطاء جب جرم کرنے والا جرم کا ارادہ کرے اس لیے اس کے اس فعل پر مقصود اثر مرتب ہو تو یہ جرم عمد ہے اگر ظلم کا ارادہ کرے لیکن نتیجہ کا ارادہ نہیں تو یہ جرم شبہ عمد ہے لیکن اگر باطل کا ارادہ، نہ ہو تو یہ خطاء ہے۔

پہلی فصل..... نفس انسانی پر جنایت (قتل اور اس کی سزا)

اس میں چار بحثیں ہیں:

پہلی بحث..... قتل کا معنی، اس کا حرام ہونا اور اس کی اقسام۔

دوسری بحث..... قتل عمد اور اس کی سزا۔

تیسری بحث..... قتل شبہ عمد اور اس کی سزا۔

چوتھی بحث..... خطاء اور اس کی سزا۔

پہلی بحث: قتل کی تعریف، اس کی حرمت اور اقسام

قتل کی تعریف..... قتل قاتل کا وہ فعل جو کسی نفس کو ختم کر دے، جس سے زندگی ختم ہو جائے، یعنی انسانی بنیاد ختم ہو جائے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۶ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

قتل کا حرام ہونا..... قتل جب عمد اور دشمنی کی بنیاد پر ہو تو یہ بھاری جرم ہے اور یہ ان سات ہلاک کردینے والا گناہوں میں سے ہے جن پر دنیا اور آخرت میں سزا ہے اور یہ قصاص اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہتا اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور تخلیق پر ظلم اور اجتماعی امن و زندگی کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ قتل کے حرام ہونے پر قرآن کریم میں بہت سی آیات مبارکہ ہیں ان میں سے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا

فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُنْصُورًا ﴿۱۸۸﴾ الاسراء ۱۸۸

اور جس جاندار کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی بقتوی شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور فتح یاب ہے۔ اور آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کا جرم بھی اس بات کو ظاہر کرتا ہے ظلم کسی کو مارنا انسانیت کا قتل ہے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ اِنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

أَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ۚ..... المائدہ ۳۲/۵

اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے) اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اور قصاص کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۚ الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۚ ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۰﴾ البقرة: ۱۷۹-۱۸۰

مومنو: تم کو قتل و قتل کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جا رہا ہے (اس طرح یہ کہ) آزاد کے بدلے آزاد

(مارا جائے اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے

کچھ معاف کر دیا جائے تو دو وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) بیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو)

خوش خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے آسانی اور مہربانی ہے جو اس کے بعد زیادتی کرے

اس کے لیے کچھ عذاب ہے۔ اور اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔

قصاص کا حکم سابقہ شریعتوں میں تھا جیسے یہودیوں کے لیے دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۚ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ۚ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ ۚ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ ۚ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۚ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِهَا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۷۹﴾

اور ہم ان لوگوں کے لیے تو رات میں یہ حکم لکھ دیا تھا، کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے

بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے، لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا

اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ بے انصاف (ظالم) ہیں۔ المائدہ ۳۵/۵

اور قرآن کریم میں جان بوجھ کر قتل کرنے پر اخروی عذاب کی تصریح ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَبِدًا ۖ فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ ۖ وَكَعَبَهُ ۖ وَآَعَدَ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۱۷۹﴾

اور جو شخص مسلمان کو قصد مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۷ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ النساء: ۹۳/۴
اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس قتل کی شرعاً اجازت ہے اس کی وضاحت موجود ہے کہ حاکم کے لیے قتل مباح ہیں نہ کے عام افراد کے لیے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مسلمان کا خون تین وجہوں کے علاوہ حلال نہیں بوڑھا زنا کار جان کے بدلے جان، اور دین چھوڑنے والا اور جماعت میں تفریق کرنے والا“ اور ایک روایت میں ہے ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا، شادی کے بعد زنا اور کسی شخص کو بغیر حق کے قتل کرنے کی صورت میں۔ اور بہت ساری احادیث میں قتل کے حرام ہونے اور مالوں اور عزتوں کے حرام ہونے پر ان میں سے ایک یہ کہ ”مسلمان کا قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا ختم ہونے سے بھی بڑا ہے۔“ اور ایک یہ کہ تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اس مہینے کی اور اس شہر کی اور ایک یہ کہ ”سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، جادو، اور جس جان کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کے قتل سے الایہ حق کے ساتھ ہوا الحدیث“ اور سنت نبوی میں قتل عمد کی سزا مقرر ہے آپ کا ارشاد ہے قتل عمد میں قصاص ہے الایہ کہ مقتول کا ولی معاف کر دے۔“

اور علماء کا قتل کے حرام ہونے پر اجماع ہے اگر کسی انسان نے جان بوجھ کے قصداً قتل کیا تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے اور اکثر علماء کے ہاں اس کی توبہ قابل قبول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس سے اختلاف ہے ان کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتے اور اس کے علاوہ جس کو چاہیں معاف فرمائیں۔ (النساء: ۱۱۶/۴) پس قتل اور دوسرے گناہوں کی توبہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

اور سب بندوں کو قتل کرنے والے کی توبہ کی حدیث تو مشہور و معروف ہے جو کہ توبہ قبول کرنے میں صریح و واضح ہے اور قاتل کے ہمیشہ جہنم میں رہنے والی آیت وہ اس صورت پر محمول ہے جب توبہ نہ کی ہو یا اس بات پر کہ یہ اس کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ چاہیں تو لے لیں چاہیں تو معاف فرمادیں۔ اور یہ بات یاد رہے کہ قتل حرام ہے ظلماً قتل ہونے کی صورت میں برخلاف اس صورت کہ قتل حق پر ہو ظلماً نہ ہو جیسے قاتل کا قتل، مرتد کا قتل۔

قتل کی عموماً دو قسمیں ہیں ایک حرام قتل اور وہ ہر وہ قتل ہے جو دشمنی کی بنیاد پر ہو اور دوسرا حق پر قتل، شوافع کے ہاں قتل کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، حرام، مکروہ، مندوب، اور مباح۔ قتل واجب: وہ مرتد کا قتل ہے جبکہ وہ توبہ نہ کرے اور حربی کافر کا قتل جب وہ تسلیم نہ ہو یا جزیہ نہ دے۔ قتل حرام: جو معصوم خون کا بغیر حق کے کیا جائے، یعنی ظلماً اسے قتل کیا جائے، یعنی مقتول یا تو مؤمن ہو یا امان لے کر رہ رہا ہو۔

اس لیے کہ عصمت یا تو ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے یا امان کی وجہ سے اور یہ مخصوص عصمت ہے۔

مکروہ قتل..... مجاہد کا اپنے قریب کے اس کافر کو قتل کرنا جو اللہ اور اس کے رسول کو سب و شتم نہیں کرتا۔

قتل مندوب..... مجاہد کا اپنے قریب کے اس کافر کو قتل کرنا جو اللہ اور اس کے رسول کو سب و شتم کرتا ہو۔

قتل مباح..... قصاص کا قتل یا حاکم کا قیدی کو قتل کرنا اس لیے کہ اسے مصلحت کے تحت قتل کرنے کی اجازت ہے اور اسی مباح میں سے ہے دفاعاً قتل کرنا۔

اور حنفیہ نے درج ذیل کو بھی مباح قتل میں شمار کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو اور اس نے اپنی بیوی یا اپنی

کسی محرم کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے پایا اور اس کو اس نے قتل کر دیا تو یہ قتل کرنا اس کے لیے حلال ہے اس پر کسی قسم کی قصاص نہیں۔ یہی رائے حنابلہ، شوافع اور مالکیہ کی بھی ہے، اگر یہ زنا دونوں کی رضا مندی سے ہو تو پھر حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ان دونوں کو قتل کرنا جائز ہے لیکن، اور عورت پر زبردستی کی گئی ہو تو پھر صرف مرد کو قتل کرنا جائز ہے اور اس کا خون رائیگاں ہے جبکہ اس سے بچنا اس عورت کے لیے چیخ کر یا مار کر ممکن نہ ہو اور اگر کسی ایسی عورت کے ساتھ کسی مرد کو پایا جو اس کے لیے حلال نہ تھی اور اسے معلوم ہے کہ وہ مارنے اور چیخ سے اسے نہیں چھوڑتا تو اسے قتل کرنا جائز ہے لیکن اگر چیخ وغیرہ سے چھوڑ سکتا ہے تو پھر اسے قتل کرنا حلال نہیں۔

قتل کی اقسام: پہلی بات..... حنفیہ کے ہاں ❶ قتل کی پانچ قسمیں ہیں: قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل جاری مجری خطا، اور قتل سبب قتل عمد: وہ قتل ہے جس میں قاتل دوسرے کو جان بوجھ کر اسلحہ سے قتل کرے جیسے، تلوار، چھری، نیزہ، تیر، یا ایسی چیز سے جو اسلحہ کے قائم مقام ہو اور اجزاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے جیسے دھاری دار پتھر، لکڑی، آگ اور قتل گاہ میں سوئی۔ اور یہ اس لیے کہ عمد کا معنی ہے ارادہ اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے اس کی اطلاع اور پہچان ممکن نہیں۔ الا یہ کہ اس پر کوئی دلیل دلالت کرے۔ اور وہ دلیل آلہ قتل کا استعمال ہے اب اس آلہ قتل کو ارادہ کی دلیل بنادیا ہے اور اس کے قائم مقام بنادیا ہے ارادہ کے پائے جانے کے گمان کی وجہ سے جیسا کہ سفر مشقت کے قائم مقام ہے۔

شبہ عمد..... امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کہ اسلحہ کے علاوہ کسی اور چیز سے یا ایسی چیز سے جو اسلحہ کے قائم مقام ہے قصداً مارے یعنی اس چیز سے اجزاء جسم کے ٹکڑے نہ ہوں، جیسے عصا، پتھر، لکڑی جو بڑے ہوں ان سے مارے یعنی مشعل چیز سے قتل کرنا شبہ عمد ہے اس لیے کہ اس سے غالباً قتل نہیں کیا جاتا اور اس سے تادیب مقصود ہوتی ہے فتویٰ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں..... مشعل چیز سے قتل جیسے بڑے پتھر، بڑی لکڑی سے مارنا قتل عمد ہے اور شبہ عمد ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرنا جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا جیسے چھوٹا پتھر، چھوٹی لکڑی، چھوٹی لٹھی اور ٹمانچہ وغیرہ سے قتل کرنا۔

اسی بناء پر ایسی چیز مارنا جس سے غالباً ہلاکت نہیں ہوتی جیسے عصا، چھوٹا پتھر، لکڑی، کوڑا، ٹمانچہ وغیرہ یہ خفیہ تینوں آئمہ کے ہاں شبہ عمد ہے اتفاقی طور پر، بڑے پتھر بڑے عصا، اور ان کی طرح کی چیزیں جیسے سٹ سے پھٹکنا، پہاڑ سے پھینکا جس سے بچنے کی امید نہ ہو تو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شبہ عمد ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں عمد ہے۔

قتل خطا..... وہ قتل ہے جس میں مارنے اور قتل کرنے کا ارادہ نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں: قتل کرنے والے کے ارادہ اور ظن میں خطا ہو مثلاً کسی چیز کو شکار سمجھتے ہوئے تیر پھینکا اور وہ آگ سے انسان نکلا یا وہ اسے حربی کا فر سمجھ رہا تھا جبکہ وہ مسلمان نکلا، یعنی خطا یہاں دل کے فعل یعنی ارادہ کی طرف راجع ہے۔

فعل میں خطا..... کہ وہ نشانہ اور ہدف کی طرف تیر پھینکتے یا شکار کی طرف اور وہ کسی انسان کو جا لگے یا وہ کسی انسان کو مارنا چاہے لیکن وہ جا کر کسی اور کو لگ جائے یعنی یہاں پر خطا اور غلطی آلہ قتل کی طرف ہے۔

قتل قائم مقام خطا..... وہ قتل ہے جو کسی شرعی قابل قبول عذر کی بنیاد پر ہو جیسے سوئے ہوئے شخص کا کروٹ لینا اور اس کے نیچے کسی کا آ کر قتل ہو جانا۔

قتل سبب..... وہ قتل جو کسی واسطہ کی وجہ سے ہو، مثلاً کسی نے غیر کی ملکیت میں کنواں کھودیا عام راستے میں حاکم کی اجازت کے بغیر اب اس میں کوئی انسان گر کر مر گیا یا اس نے راستے میں کوئی پتھر یا لکڑی رکھی اس سے پھسل کر کوئی انسان مر گیا اور اسی طرح قصاص کے گواہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۵۹ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیات۔
جب اپنی شہادت سے رجوع کر لیں مشہود علیہ کے قتل کے بعد۔

دوسری بات..... اکثر علماء کے ہاں ان میں شوافع اور حنابلہ بھی ہیں قتل کی تین قسمیں ہیں قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطاء۔

قتل عمد..... ظلماً اور دشمنی کی بنیاد پر اپنے ارادہ سے کسی شخص کو ایسی چیز سے مارنا جس سے غالباً آدمی مرجاتا ہو چاہے وہ زخمی کرنے والا ہو یا قتل خود کرے یا سبب بنے جیسے لوہا، اسلحہ، بڑی لکڑی، سوئی میدان قتل میں یا ران وغیرہ میں داخل کرنا جس کے ورم سے وہ مرجائے یا کسی انسان کی انگلی کاٹی اور اس کی زخم جسم کی طرف سرایت کر گئی اور وہ مر گیا۔

قتل شبہ عمد..... ظلماً اور دشمنی کی بنیاد پر اپنے ارادہ سے کسی شخص کو ایسی چیز سے مارنا جس سے غالباً آدمی نہیں قتل ہوتا جیسے چھوٹے پتھر سے یا ہاتھ سے یا کوڑے سے یا ہلکے اور چھوٹے عصا سے مارنا اور دونوں ضربوں کے درمیان پے در پے نہ ہو اور ضرب ایسی جگہ پر نہ ہو جن سے قتل ہو جاتا ہے یا جس سے مار رہا ہو وہ چھوٹی اور کمزور چیز ہو، اور اس وقت گرمی یا سردی اس کی ہلاکت کا سبب نہ ہو اور تکلیف سخت نہ ہو جو موت تک پہنچا دے، اگر ان میں سے کوئی ایسی چیز ہوئی تو وہ قتل عمد ہے کیونکہ اس سے غالباً قتل ہوتا ہے اور شبہ عمد میں قصاص نہیں بلکہ اس میں دیات مغلظ ہے اس کو دیات کی بحث میں واضح کروں گا۔

قتل خطاء..... بغیر ظلم کے ارادہ کے قتل ہو جانا مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے پر گرا اور وہ مر گیا، یا اس نے درخت یا جانور کو تیر مارا وہ تیر کسی انسان کو لگ گیا اور وہ مر گیا یا اس نے ایک آدمی کو مارا لیکن لگا جا کر دوسرے کو اور وہ مر گیا۔ یہ تقسیم مشہور تقسیم ہے میں قتل کی اقسام اور سزائیں میں اسی پر اعتماد کرتے ہوئے بحث کروں گا۔

تیسری بات..... مشہور مالکی مذہب میں قتل کی دو قسمیں ہیں: قتل عمد اور قتل خطاء۔ اس لیے کہ یہی دو قرآن کریم میں مذکور ہیں قتل کی قسموں کا حکم بیان ہوا، پس جو تیسری یا چوتھی قسم کا اضافہ کر رہا ہے وہ نص پر اضافہ کر رہا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شبہ عمد کا انکار کیا ہے۔

قتل عمد..... یہ کہ قاتل بنفسہ خود قتل کا ارادہ کرے کسی دھاری دار چیز یا مشعل چیز سے یا وہ سبب بنے جلانے، غرق کرنے، گلا گھونٹنے یا زہر وغیرہ دینے کا، مثلاً کھانا روک لینا، پانی نہ دینا اور اس کی موت کا قصد کرتے ہوئے اور وہ مر بھی جائے، یا صرف عذاب اور دکھ کا ارادہ کرے چاہے اسی چیز سے جس سے غالباً موت واقع ہوتی ہے یا ایسی چیز کے ذریعہ جس سے موت واقع نہیں ہوتی جبکہ یہ کام وہ دشمنی اور غصہ کی وجہ سے کرے نہ کہ تادیب کے طور پر اگر قتل ہوا ہو مذاق مذاق میں مارتے ہوئے تادیب و اصطلاح کی وجہ سے تو یہ قتل خطاء ہے جبکہ بانس وغیرہ سے مارا ہونہ کہ تلوار سے۔

قتل خطاء..... نہ تو مارنے کا ارادہ ہو نہ قتل کا جیسے کوئی آدمی دوسرے پر گرا اور اسے قتل کر دیا یا تیر مارا شکار کو وہ کسی انسان کو جا لگا۔

شبہ عمد..... مارنے کا ارادہ ہو قتل کا ارادہ نہ ہو اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عمد کی طرح ہے۔ یاد رہے مذکورہ وضاحت سے کہ فقہاء کا قتل عمد کے سلسلہ میں بعض حالات میں اتفاق ہے جیسے اسلحہ سے قتل کرنا اور حالت قتل خطاء میں اور تین حالتوں میں اختلاف ہے قتل شبہ عمد، جاری مجری خطاء اور قتل سبب میں۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ فقہاء قتل عمد اور شبہ خطاء جیسے اثبات میں اعتماد کرتے ہیں اس آئینہ قتل کا مادی اور حسی دلیل کے اعتبار سے قصد و ارادہ کا نہ ہونے ہمارے اس زمانے میں جیسے قتل کے طریقے بہت ہو گئے ہیں تو مناسب ہے کہ قتل کے آلات اور ان کے سبب سے بحث کی جائے، اور حالات کے قرائن وغیرہ اور قاتل کی نیت کہ آیا وہ عمد ہے یا خطاء۔

دوسری بحث..... قتل عمد اور اس کی سزا

اس میں دو مقصد ہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۰ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

پہلا مقصد..... قتل عمد کے ارکان۔

دوسرا مقصد..... قتل عمد کی سزائیں۔

پہلا مقصد: قتل عمد کے ارکان..... قتل عمد کے تین ارکان ہیں وہ یہ کہ مقتول آدمی ہوزندہ ہو اور معصوم الدم ہو اور قاتل قاتل کے فعل سے ہوا ہو، اور قاتل نے اس کی موت کا ارادہ کیا ہو۔

پہلا رکن: مقتول آدمی زندہ اور معصوم الدم ہو..... وہ قتل عمد جس سے قصاص واجب ہوتی ہے وہ ہے جو کسی زندہ معصوم الدم آدمی پر ظلم ہو، لہذا انسان کے علاوہ پر ظلم سے قصاص نہیں یا ایسے مردہ پر ظلم جن کی زندگی ختم ہوگئی ہو یا دائمی معصوم الدم نہ ہو جیسے مرتد یا حربی کا فریا مستامن کافر دار اسلام میں اس لیے کہ مستامن کے لیے عصمت ثابت دائمی نہیں بلکہ اس کی عصمت تو دار اسلام میں دوران قیام موقت ہے، اور اصل میں وہ حربی ہے اور دار اسلام میں وہ عارضی حاجت کی بنا پر داخل ہوا ہے پھر وہ اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹنے کا، پس دار الحرب میں واپس لوٹنے کی وجہ سے اس کے خون میں اباحت کا شبہ ہے بس اسے قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اسے تعزیر لگائی جائے گی حاکم کی مصلحت کے مطابق۔ اسی طرح جمہور کے ہاں باغی کے قتل میں بھی قصاص نہیں کیونکہ وہ معصوم نہیں اور اہل عدل کا اعتقاد اس کے خون کی اباحت کا ہے، اور یہ اباحت حنفیہ کے علاوہ حضرات کے ہاں ہے، اور وہ بھی اس حالت میں منحصر ہے جب اہل عدل اور باغیوں کے درمیان لڑائی جاری ہو اور حنفیہ کے ہاں باغی کی عصمت کسی حال میں بھی نہیں اور حنفیہ کے ہاں عصمت کی بنیاد دار السلام میں موجود ہونا ہے۔ بس مسلمان، ذمی اور مستامن دار اسلام میں ہونے کی وجہ سے معصوم الدم شمار ہوں گے رہ گیا حربی یا مسلمان دار الحرب میں یہ معصوم نہیں اور ان کے قاتل پر کوئی سزا نہیں کیونکہ یہ دار الحرب میں ہیں۔ اور جمہور کے ہاں عصمت کی اساس و بنیاد اسلام یا امان ہے بس مسلمان ذمی، مستامن اور مہادت معصوم شمار ہوں گے مسلمان تو اسلام کی وجہ سے اگرچہ وہ دار الحرب ہی میں کیوں نہ ہو اور مسلمان کے علاوہ باقی امان اور عہد کی وجہ سے معصوم شمار ہوں گے، نہ کے خون مباح ہیں نہ ان کے مال، اور قتل عمد کی صورت میں ان کے قاتل کو سزا دی جائے گی البتہ ان کے ہاں مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی اور مسلمان کو قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اگرچہ وہ دار الحرب میں کیوں نہ ہوں اور اس اختلاف کا اثر مسلمان کو دار الحرب میں قتل سے دویائیوں میں ظاہر ہوگا۔ اور حنفیہ کے ہاں عصمت کا وقت صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور امام صاحب کے درمیان مختلف فیہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قاتل کے قتل کا وقت نہ کے اس کے علاوہ پس جس نے کسی مسلمان کو تیر مار کر زخمی کر دیا پھر وہ اس حالت میں مرتد ہو گیا اور مرتد مر اتواس کی قصاص نہیں اس لیے کہ قاتل کا فعل قتل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مقتول مرے نہ اور اس کی زندگی اس وقت ختم ہوئی جب یہ معصوم نہیں تھا بس اس کا خون رائیگاں جائے گا البتہ امام صاحب کے ہاں قاتل پر مقتول کی دیت ہے اس لیے کہ اس سے اس زخم کا سوا حل ہوگا جو معصوم حالت میں اس سے ہوا۔

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں..... عصمت کا وقت قاتل کے قتل اور موت دونوں کا وقت ہے اس لیے اس فعل کا تعلق قاتل اور مقتول دونوں سے ہے بس یہ قاتل کا فعل ہے۔ اور اس کا اثر مقتول کی زندگی ختم پر ظاہر ہوگا، لہذا دونوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے بس مثال سابق میں قاتل پر کوئی قصاص نہیں اور نہ ہی اس پر دیت ہے ان کے ہاں بس امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین قصاص نہ ہونے پر متفق ہیں اور دیت میں اختلاف ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عصمت کا وقت وہ موت کا وقت صرف۔ اسی طرح ان میں وقت عصمت میں تیر پھینکنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مارنے کے وقت کا اعتبار ہے نہ کہ تیر وغیرہ پہنچنے کے وقت کا، اس لیے کہ انسان سے اس کے فعل کے متعلق سوال ہوگا اور مارنے کے علاوہ اس کا کوئی فعل نہیں اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں لگنے کے وقت کا اعتبار ہے نہ کہ مارنے کے وقت کا، اس لیے کہ وقت تلف کا اعتبار ہے اور تلف کا وقت وہ تیر پہنچنے کا وقت ہے، اگر کسی نے دوسرے کو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۶۱ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 رصاص سے مارا اور تیر پہنچے سے پہلے اور نکلنے کے بعد مرتد ہو گیا تو امام صاحب کے ہاں قاتل پر دیت ہے اس لیے کے مارنے کے وقت
 مقتول معصوم تھا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دیت نہیں اس لیے کہ مقتول تیر لگنے وقت معصوم نہیں تھا، مالک، شافعی اور امام احمد صاحبین
 رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے ساتھ متفق ہیں وقت عصمت کی تحدید میں اور وہ وقت فعل اور موت دونوں ہیں یعنی ابتداء اور انتہاء دونوں حالتیں
 مقتول کا مارنے کے وقت سے موت کے وقت تک معصوم ہونا شرط ہے اگر کسی شخص نے مسلمان کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر وہ مرتد ہو گیا، پھر اس زخم
 کی سرایت سے وہ مر گیا تو اس کا خون رازیگاں ہے یعنی قاتل پر نہ قصاص ہے نہ دیت اور نہ کفارہ اس لیے کہ یہ مرتد نفس ہے جو نہ معصوم ہے نہ
 مضمون۔ البتہ حنفیہ کے علاوہ باقی آئمہ کا حالت رمی میں وقت عصمت کی تحدید میں اختلاف ہے، مالکیہ اور شوافع کے ہاں مارنے کا وقت اور
 حنا بلہ کے ہاں لگنے کا وقت ہے۔

دوسرا رکن: قاتل قاتل کے فعل کا نتیجہ ہو..... اس وقت تک جرم قتل شمار نہیں کیا جائے گا جب تک کہ قاتل ایسا فعل نہ کرے جس
 سے موت واقع ہوتی ہے اگر ایسے فعل سے موت واقع ہو جیسے قاتل کا فعل قرار دینا ممکن نہ ہو، یا اس کا فعل ایسا نہ ہو جس سے موت واقع ہوتی
 ہے تو قاتل شمار نہیں ہوگا۔ اور قاتل کا مقصد ضرب، ذبح، جلانا، گلا گھوننا، یا داغ وغیرہ لگانا ہوں گے، اس رکن میں دو چیزوں سے بحث ہوگی ایک
 آلہ قتل، اور قتل عمد بننے والے افعال: آلہ قتل: جسم میں تاثیر اور اثر کے اعتبار سے قوی اور ضعیف ہوتے ہیں آلات قتل مختلف ہیں اسی وجہ سے
 فقہاء نے ان میں سے ہر ایک کے لیے حکم اور متعین اثر بیان کیا ہے۔ اور ان کی ترتیب میں ان کا اختلاف ہے۔

پہلی بات، حنفیہ کی رائے..... قتل عمد کے آلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرط لگائی ہے کہ وہ ایسا ہو جس سے عام طور پر قتل ہو
 جاتا ہو اور جسے قتل کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اور وہ ہر وہ آلہ ہے جو زخمی کرے یا جسم میں داخل ہو جائے تیز دھار ہونے کی وجہ سے، یعنی اجزاء جسم کو
 تفرق کر دے، چاہے لوہا ہو یا سیسہ ہو، تیر، لکڑی اور پتھر ہو یا تلوار، بندوق، چھری، نیزہ وغیرہ یا آگ، شیشہ یا بانس کا چھلکا یا چقماق کا پتھر تیر، یا
 برجمی وغیرہ اور چاہے وہ لوہا ہو یا اس کے مشابہ کوئی معدنیات ہو لیکن ہونا ایسا چاہئے جو تیز دھار ہو۔ وہ جلد اور گوشت کو پھاڑ دے یا وہ بھاری ہو
 اوٹس کی دھار نہ ہو جیسے ستون اور ترازو کی لکڑ اور کلہاڑی کی پٹھ وغیرہ۔ اور قتل شبہ عمد کا آلہ ہر وہ آلہ جو غالباً قتل کرتا ہو لیکن وہ زخمی کرنے والا نہ ہو
 اور جسم میں گھسنے والا نہ ہو، جیسے بڑی لکڑ اور بڑا پتھر، اور اس سے ارادہ قتل کا نہ ہو بلکہ اصلاح اور تنبیہ مقصود ہو لیکن اس سے تلف کرنے کا ارادہ کیا تو
 وہ قتل عمد ہوگا۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سنو: خبر دار ہو! مقتول خطا اور شبہ عمد کا مقتول وہ ہے جو
 کوڑے اور عصا سے قتل ہوا ہو اس میں سواوٹ ہیں ان میں سے چالیس ایسے کہ وہ حاملہ ہوں امام ابو حنیفہ کا صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ
 اتفاق ہے کہ قتل شبہ عمد دو حالتوں میں ہوتا ہے۔

۱..... قاتل چھوٹے عصا، چھوٹے پتھر یا طمانچہ، یا کوڑے وغیرہ سے قتل کا ارادہ کرے یا ایسی چیز جو غالباً آلہ قتل نہ ہو۔
 ۲..... چھوٹے کوڑے سے پے درپے مارنا حتیٰ کہ وہ مر جائے اور اس دوسری صورت کے بارے میں صاحبین کے ہاں یہ قتل عمد ہے اور
 امام صاحب کا صاحبین سے دو حالتوں میں اختلاف ہے۔ بڑا عصا استعمال کرنے، بڑا پتھر استعمال کرنے وغیرہ۔
 ۳..... کنویں میں ڈالنا یا سطح اور پہاڑ سے گرانا جس سے نجات کی امید نہ ہو۔ امام صاحب کے ہاں یہ شبہ عمد ہیں اور صاحبین رحمۃ اللہ
 علیہ کے ہاں عمد، حنفیہ کے ہاں امام صاحب کا قول صحیح ہے اور شبہ عمد میں اسی پر فتویٰ ہے۔ رہ گیا تھوڑے پانی میں غرق کرنا اور غرق ہونے والے
 کا مرتد نہ ہونا یہ قتل عمد ہے نہ شبہ عمد حنفیہ کے ہاں بالاتفاق۔

دوسری بات: شوافع اور حنا بلہ کا مذہب..... قتل عمد کے آلہ کی تحدید میں شوافع اور حنا بلہ نے اس بات پر اکتفاء کیا ہے کہ وہ ایسا ہو
 جس سے غالباً قتل ہوتا ہو، چاہے دھاری دار سے قتل ہو یا مشعل سے۔ دھاری دار: وہ جو کاٹے اور بدن میں داخل ہو جائے جیسے تلوار، چھری

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۲ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

وغیرہ اور جس معدنیات سے بھی ہو جیسے لوہا، سیسہ، پیتل، سونا چاندی یا معدنیات میں سے نہ ہو جیسے شیشہ، پتھر، بانس، دھاری دار لکڑ، وغیرہ اور دھاری دار میں قتل ہونے کا غلبہ ظن معتبر نہیں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے کان کی لویا انگلی کاٹ ڈالی اس سے وہ مر گیا تو وہ عمدہ ہے۔

مشقل..... وہ چیز جس کی کاٹنے والی دھاری نہ ہو اور چبنے والے دانت جیسے عصا، پتھر، اگر مشقل ایسا ہے جس سے غالباً قتل ہو جاتا ہے یعنی استعمال پر موت کا ظن غالب ہو تو یہ قتل عمدہ ہوگا جو موجب قصاص ہے اور اگر مشقل ایسا ہے جس سے غالباً قتل نہیں ہوتا تو یہ قتل شبہ عمدہ ہے جو دیت کا موجب ہے۔

اسی بناء پر اگر جانی (قاتل) آگ والا اسلحہ یا ایض اسلحہ استعمال کرے تو یہ قتل عمدہ ہوگا جیسے تلوار یا معدنیات میں سے ہو یا نہ ہو اور اس کی دھاری ہو جو جلد گوشت کو کاٹ ڈالے یا وہ اجزاء جسم کو ٹکڑے کر دے، یا ایسی چیز استعمال کرے جس سے غالباً قتل ہوتا ہو، جیسے بڑا عصا، ستون، بڑی لکڑی اور پتھر یا ایسا آلہ ہو جس سے عام طور پر قتل ہوتا ہو جسے عصا، کوڑا، چھوٹا پتھر، طمانچہ، جبکہ اتنا مارے کے وہ مر جائے، یا بعض برتنوں سے کبھی کبھی قتل ہو جاتا ہو، جب مقتول مریض کے ہاتھ یا سخت گرمی اور سردی میں یا تکلیف اتنی ہو کہ موت تک باقی رہے، اگر قاتل نے ایسا آلہ استعمال کیا جس سے عام طور پر قتل ہوتا ہو جیسے کوڑے سے مارا، یا ہلکے عصاء، سے اور پے در پے مارا بھی نہیں اور مرنے کی جگہ پر بھی نہیں مارا یا مقتول بچہ ہے یا ضعیف ہے اور گرمی سردی بھی ہلاکت میں داخل نہیں اور تکلیف بھی نہیں بڑھی موت تک تو یہ قتل شبہ عمدہ ہے۔ شوافع اور حنابلہ کی دلیل وہی حدیث ہے جس سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے۔ وہ یہ کہ قتل شبہ عمدہ میں اور قتل خطاء میں سواوٹ ہیں، اور کہتے ہیں کہ حدیث محمول ہے مشقل صغیر پر، اس لیے کہ آپ نے عصا اور سوط کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ پتھر کو ذکر کیا یہ اس بات کی دلالت ہے کہ آپ نے اس مشابہت کا ارادہ فرمایا ہے، اور یہ ایک اور حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، ایک جاریہ پائی گئی اس کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر چلا گیا تھا اس سے پوچھا گیا اس طرح آپ کے ساتھ کس نے کیا فلاں نے یا فلاں نے حتیٰ ایک یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا، تو اس یہودی کو پکڑا گیا اس نے اعتراف کیا تو آپ نے اس کے سر کو پتھر سے کچلنے کا حکم فرمایا تو یہ حضرات کہتے ہیں مشقل میں بھی قصاص اس حدیث سے ثابت ہو گیا باقیوں کو اس پر قیاس کیا جائے، جو قتل بالمشقل سے قصاص کی مشروعیت پر دلالت کرتی رہیں۔

تیسری بات: مالکی مذہب..... مالکیہ کے ہاں آلات قتل عمدہ ہر وہ آلہ ہے جس سے غالباً قتل ہو جاتا ہو جیسے تیز دھار والا مثلاً اسلحہ مشقل جیسے پتھر یا وہ ایسا ہو کہ غالباً اس سے قتل نہ ہوتا ہو جیسے عصا، کوڑا وغیرہ چاہے قاتل مقتول کے قتل کا ارادہ کرے یا نہ کرے اور صرف مارنے کا ارادہ کرے یا وہ کسی خاص شخص مثلاً زید کو قتل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ عمر ہو۔ جبکہ یہ مار غصہ کی حالت میں ہو تا دیب و اصلاح مقصود نہ ہو ان تمام اور صوتوں میں قصاص ہے۔ اور مارنے کی طرح ہی جلانا، غرق کرنا، گلوٹھنا اور داغنا ہے۔ نیز کھانا، پانی روکنا اور چاہے اس سے مارنے کا ارادہ ہو یا صرف عذاب دینا اور تکلیف دینا ہو۔ اور اگر مارنا بطور لہو لعب اور اصلاح کے ہو تو یہ قتل خطاء ہے جبکہ وہ عصا وغیرہ سے ہو نہ کہ تلوار سے یا جیسے کسی دوسرے پر گرے اور مر گیا یا اس نے شکار کو تیر مارا اور وہ کسی انسان کو جا لگا۔ اور یہ بھی والد کے علاوہ ہے اور والد تو اپنے بیٹے کے قتل کا ارادہ نہیں کرتا جب تک کہ اس کی روح کو ختم کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ مثلاً اسے لٹا کر ذبح کرنا۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ امام مالک کے ہاں قتل کی صرف دو قسمیں ہیں عمدہ اور خطاء اور شبہ عمدہ کو قسم نہیں امام مالک نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں صرف قتل عمدہ اور خطاء کا تذکرہ ہے اور شبہ عمدہ پر ہمارے ہاں عمل نہیں کیا جائے گا اور یہ اسے عمدہ ہی کی قسم قرار دیتے ہیں۔

قتل عمدہ کے افعال..... وہ قتل عمدہ جو موجب قصاص ہے بعض، انواع میں فقہاء کے اختلاف کے ساتھ نو قسم پر ہے۔ میں ان کے سلسلہ میں بحث کروں گا اور اس زمانے میں رائج رائے بھی بیان کروں گا۔

۱۔ تیز دھار سے قتل..... محمد ہر وہ آلہ زخمی کرنے والا یا بدن میں گھسنے والا اور اجزاء جسم کو الگ الگ کرنے والا جیسے جدید آتشیں

فقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۶۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 ہتھیار، لکڑیاں اور پتھر تیز دھار والے شیشہ اور بڈی وغیرہ۔ اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تیز دھار چیز سے قتل، قتل عمد ہی ہے اور اس میں قصاص واجب ہے، اور اس میں وہ مضوابط جو سابقہ بحث میں بیان ہوئے وہ بھی نظر میں رکھتے ہوئے کہ حنفیہ کے ہاں غالباً اس سے قتل ہوتا ہو یا وہ قتل کے لیے تیار ہوں، شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف تیز دھار ہونا ہی کافی ہے۔ اور مالکیہ نے آلہ قتل میں کوئی شرط نہیں لگائی اسی بناء پر اگر قاتل نے بڑا زخم لگایا تو یہ بالاتفاق قتل عمد ہے اور اگر زخم چھوٹا ہے لیکن ہے جائے قتل میں ہے مثلاً آنکھ دل کو کھ وغیرہ میں سوئی، کانٹا وغیرہ لگا کر کیا تو یہ بھی قتل عمد ہے بالاتفاق، لیکن اگر اس نے سوئی جائے قتل کے علاوہ میں استعمال کی مثلاً دان وغیرہ میں تو حنفیہ کے ہاں یہ شبہ عمد ہے، اس لیے کہ سوئی تو سلائے کے لیے بنائی گئی ہے اور عادات قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتی، اور شوافع کے ہاں اگر وہ جہاں لگائی گئی ہے وہاں ورم کرے یا اس سے تکلیف ہو تو اور اس سے وہ مر جائے تو یہ قتل عمد ہے اگر سوئی چھانے سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو یا کہ اس سے تکلیف نہ ہو لیکن وہ فوری طور پر مر جائے تو یہ قتل شبہ عمد ہے اور کہا گیا ہے کہ قتل عمد اور حنابلہ کے ہاں سوئی چھانا جائے قتل کے علاوہ میں قتل عمد ہے اگر سوئی بدن میں داخل کرنے میں مبالغہ کرے، اس لیے کہ اس سے تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ قتل تک پہنچاتی ہے، اور اسی طرح اگر سوئی کم چھائی ہو یا زخم تھوڑا ہو اور اسی میں وہ مر جائے تو یہ بھی عمد ہے تو اس میں قصاص ہے اور اگر فوری طور پر مر جائے تو اس میں دو قتل ہیں ایک یہ کہ اس میں قصاص نہیں، دوسرا یہ کہ اس میں قصاص ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں سوئی کے استعمال میں اتفاق ہے۔ اور امام مالک کے ہاں یہ قتل عمد ہے چاہے قتل میں ہو یا کسی اور جگہ جبکہ یہ فعل بطور لہو لعب اور تادیب ہے۔

۲۔ مشقل کے ساتھ قتل..... مشقل وہ آلہ جس کی دھار نہ ہو جیسے، عصا پتھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس میں قصاص ہے یا دیت۔
 امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مشقل سے قتل سوائے لوہے کہ اور اس کے معنی میں جو پیتل، سیسہ وغیرہ ہے یہ شبہ عمد ہے اور لوہے کو مشقی کیا ہے کیونکہ یہ اسلحہ کے لیے استعمال ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ..... الحدید: ۲۵/۷۷

اور ان کی دلیل حدیث ہے کہ خبر دار قتل خطا اور کوڑے عصا اور پتھر کے مقتول میں سو کوڑے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دیت واجب کی ہے لہذا یہ شبہ عمد ہے قتل عمد نہیں، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: شقی مشقل سے قتل کرنا جیسے بڑا پتھر، یا بڑی لکڑی اگر غالباً ان سے قتل ہو جاتا ہو تو پھر قتل، قتل عمد ہے اس لیے کہ جب یہ غالباً قتل کر رہا ہے تو گویا یہ آلہ قتل کی طرح ہو گیا لیکن اگر مشقل غالباً قتل نہ کرتا ہو تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا اگرچہ پے در پے ہی مارا ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... مشقل سے قتل جس سے غالباً قتل ہو جاتا ہو جیسے وہ بڑا ہو یا چھوٹا اور چاہے جائے قتل میں ہو یا مرض اور گرمی سردی میں پے در پے وار کے ذریعہ ہو تو یہ قتل عمد ہے، اس لیے کہ اس سے غالباً قتل ہوتا ہے اور قصاص کے وجوب پر عمومی آیات دلالت کرتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے قصاص لیا جس نے ایک عورت کو پتھر سے قتل کیا اور آپ کا ارشاد ہے جس کا کوئی شخص قتل ہو گیا اسے دوا جاز میں ہیں چاہے تو دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ اور جس حدیث سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے وہ مشقل صغیر پر محمول ہے، اس لیے کہ آپ نے عصا اور کوڑے کو پتھر کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی مراد اس کے مشابہ کی ہے کما تقدم۔

مالکیہ کے ہاں..... مشقل سے قتل بھی قتل عمد ہے، جبکہ وہ فعل دشمنی کی وجہ سے ہونہ کر مذاق ہو اور حقیقت یہ ہے کہ جو قتل عمد کے حالت میں دشمنی، غیظ، کینہ اور عصبیت کو دیکھے گا وہ قتل محدود اور مشقل میں سے مالکیہ کی رائے کو ترجیح دے گا۔

۳۔ خود قتل کو انجام دینا، براہ راست قتل کرنا..... براہ راست فعل انجام دینے والا وہ ہے جس کا اثر تلف میں ہو اور وہ بغیر کسی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۶۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت واسطے کے حاصل ہوا اور یہی موت کا سبب ہوا اور براہ راست قتل یہ کہ جرم کرنے والا (قاتل) مقتول کے قتل کا ارادہ کرے جو اسے ہلاک کر دے بغیر کسی واسطے کے، جیسے زخمی کرنا، ذبح کرنا، چھری سے یا گلا گھونسا اس لیے کہ یہ چیز بذات خود موت تک پہنچاتی ہیں اور اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ براہ راست قتل کرنا موجب قصاص ہے، اور حنفیہ نے شرط لگائی ہے کہ قتل براہ راست ہو واسطے سے نہ ہو سے اور براہ راست قتل کبھی ایک قاتل سے ہوتا ہے یا ایک گروہ کے ذریعہ ایک ایک ہی شخص سے قتل ہوا ہو، تو قاتل پر قصاص واجب ہے اور اگر ایک جماعت اور گروہ قتل میں شریک ہو تو اب ان کا شریک آگے پیچھے ہو گا یا ایک ہی وقت میں۔

ایک گروہ کا ایک شخص قتل کرنا..... آئمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق اگر کوئی جماعت مل کر ایک کو قتل کرے تو اس جماعت کو اس ایک کے بدلے قتل کرنا واجب ہے ان ذرائع کی روک تھام کے لیے، اگر ان سب کو قتل نہ کیا گیا تو قصاص لینا ممکن نہ ہوگا، اس لیے کہ ان کا شرکت کرنا قصاص کے لیے ضروری ہے پھر اس لیے بھی کہ قتل عام طور پر سب ہی کے عمل سے ہوتا ہے اور عام طور پر قتل تعاون اور اجتماع کی صورت ہی میں ہوتا ہے۔ اور صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا ہے اور آپ نے سب کے قصاص کا فتویٰ دیا ہے، اور سب سے پہلا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا ہے، اور وہ اس طرح کہ ایک عورت تھی صنعاء یمن میں اس کا شوہر اس سے غائب ہو گیا اور اس کا ایک بچہ بھی تھا جو اس کے پاس چھوڑ گیا اس عورت نے اپنا ایک دوست بنالیا اس نے اسے کہا یہ غلام (بچہ) ہمیں رسوا کرتا ہے اسے قتل کر دو دوست نے انکار کیا۔ اور اس سے رک گیا اس نے دوست کو بھلا پھسلا لیا بس اس بچے کے قتل میں ایک اس عورت کا دوست اور ایک آدمی دونوں مل گئے اور عورت اور اس کی خادمہ، انہوں نے اس کے اعضاء کاٹ ڈالے اور ایک کنویں میں ڈال دیا، پھر واقعہ ظاہر ہوا اور لوگوں کے درمیان پھیل گیا، امیر یمن نے اس عورت کے دوست کو پکڑا اس نے اعتراف کر لیا پھر باقیوں نے بھی اعتراف کر لیا، امیر یمن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو حضرت عمر نے انہیں جواب لکھا کہ ان سب کو قتل کر دو اور نیز فرمایا اگر اہل صنعاء سارے اس کے قتل میں شامل ہوتے تو میں سب کو قتل کرتا ❶ اور مشرک طور پر قتل کرنے کا حکم درج ذیل صورتوں میں ظاہر ہوگا۔ ❷

پہلی بات..... براہ راست پے در پے قتل کرنا: مثلاً ایک شخص دوسرے کے پیٹ کو چاک کرے۔ پھر دوسرا آئے اور اس کی گردن الگ کر دے اب قصاص دوسرے پر ہے اگر عمدہ قتل کیا ہو اور اگر خطاء ہے تو اس کی عاقبت پر دیت ہے اس لیے کہ قاتل یہی ہے نہ کہ پہلا، اس پر صرف تعزیر ہے اور یہ انفرادی حالت مشترک لوگوں میں سے آخری پر ختم ہوگی نہ کہ اجتماعی طور پر سب پر اور ان کے درمیان توافق نہیں ہوگا۔

دوسری بات براہ راست اجتماعی طور پر قتل کرنا..... مثلاً چند لوگ اکٹھے زخم لگائیں اور ان میں سے ہر ایک کا زخم مہلک ہو یا ان میں سے ہر ایک آتشیں مادہ پھینکے اور اس سے مقتول قتل ہو جائے تو حنفیہ کے ہاں تمام قصاص واجب ہے جو بنفسہ اس میں شریک ہوئے ہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک قاتل عمدہ شمار ہوتا ہے، اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حنفیہ توافق یعنی قتل کے ارادہ اور تعاون یعنی قتل کے ارادہ اور پہلے کسی جرم میں فرق نہیں کرتے، اور اہم چیز فعلی طور پر قتل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ عمدہ کے سلسلہ میں ان کے ہاں، ہر ایک کا براہ راست قتل کرنا شرط، بایں طور کہ ہر ایک سرایت کرنے والا زخم لگائے اور تراتاشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گروہ کو ایک کے قتل پر قتل کیا جائے گا اگر ان میں سے ہر ایک زخم لگائے ورنہ نہیں یعنی ان کے ہاں اہم بات یہ ہے کہ سب براہ راست قتل میں شریک ہوں۔ اور جمہور کے ہاں ایک گروہ اور جماعت کو اس صورت میں قتل کیا جائے گا جبکہ وہ پہلے متفق نہ ہوں جبکہ ان میں سے ہر ایک کا وار قتل کے لیے کافی ہو اس صورت میں کہ ایک جنایت کرے اور مقتول مر جائے اور پھر وہ عملاً اور دشمنی کی بنیاد پر اسے ماریں یعنی گروہ اور جماعت میں سے ہر فرد کا فعل قاتل ہو اور اس حالت میں جمہور بھی حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں، اور اسی طرح جمہور کے ہاں پے در پے قتل کرنے والے گروہ کو بھی قتل کیا جائے گا جبکہ ان کا ارادہ قتل کا ہو۔ اگر چنانچہ

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

میں سے ہر ایک کا فعل قتل کی صلاحیت نہ بھی رکھتا ہو مثلاً وہ اسے کوڑوں اور چھوٹے پتھروں سے ماریں اور وہ مر جائے تاکہ اتفاق قصاص ختم کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ یہی شوافع اور حنابلہ کے ہاں اصح ہے، الا یہ کہ مالکیہ کے ساتھ ان کا اختلاف ہے اس شرط میں کہ ہر ایک کا اس کے قتل کا جرم ہے اور مالکیہ کے ہاں سب کا حاضر ہونا کافی ہے اگرچہ قتل صرف ایک ہی کرے جبکہ قتل کرنے والے کے علاوہ اس کے قتل کے درپے ہوں اگرچہ اسے نہ ماریں وہ صرف دشمن ہوں۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور حنفیہ کے ساتھ اس حالت میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن جمہور کا مذہب رائج ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل صنعاء سے سات کو قتل کروایا تھا ایک شخص کے بدلے اور صحابہ کا اجماع ہے ان کے فعل پر، خلاصہ یہ کہ جب سب مل کر قتل کریں تو ان سب کو قتل کیا جائے گا تمام مذاہب کے ہاں بالاتفاق اور وہ گیا وہ شریک جو فعل قتل میں شریک نہیں ہوا اور اس نے صرف قتل پر اتفاق کیا ہے یا اس کے لیے ابھارا ہے یا اس نے قتل میں معاونت اور مدد کی ہے تو اسے تعزیر پر لگائی جائے گی، اور اسے مالکیہ کے علاوہ باقی آئمہ کے ہاں حاکم قتل بھی کر سکتا ہے۔ تملو: کا معنی فقہاء کا اس کے معنی کی تحدید میں اختلاف ہے۔ حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں تملو اصطلاح میں جرم کرنے والوں کا ارادہ ایک ہو اس فعل پر اگرچہ ان کے درمیان کوئی سابقہ اتفاق نہ بھی ہو بایں حیثیت کے وہ براہ راست جنایت میں شریک ہو یعنی ”ارتکاب فعل میں وہ ایک دم جمع ہوں اگرچہ پہلے کوئی تدبیر یا اتفاق ان میں نہ بھی ہو۔ مالکیہ کے ہاں تملو: تعاقب اور اتفاق کو کہتے ہیں وہ یہ کہ دو یا زیادہ آدمی کسی شخص کے قتل کا ارادہ کر لیں۔ پس تملو میں سابقہ اتفاق ہونا ارتکاب فعل کے لیے ضروری ہے لیکن اتفاقی طور پر ظلم میں جمع ہو جانا تملو شمار نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی سب کو قتل کیا جائے اگر وہ سارے قتل کا ارادہ کریں اور جرم میں حاضر ہوں اگرچہ ان میں سے صرف ایک ہی قتل کرے اور دوسرا انتظار میں اس عہد اشرط کے ساتھ کہ اگر وہ ان سے مدد چاہتا تو وہ اس کی ضرورت دہ کرتے اور مالکیہ کے ہاں ان سب لوگوں کو بھی قتل کیا جائے گا جو ایک شخص کو عملاً اور دشمنی کی بنیاد پر قتل کریں جو غیر ممانعین ہوں، اور ان کی ضربیں ممتاز نہ ہوں یا ممتاز تو ہوں لیکن مارنے اور قتل کرنے والی ضرب معلوم نہ ہو۔

ایک کو کئی مقتولوں کے بدلے قتل کرنا..... جب ایک شخص کئی لوگوں کو قتل کر دے تو اسے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قصاص کے ساتھ کچھ بھی مال وغیرہ اس پر واجب نہ ہو گا بس جماعت اور گروہ کی طرف سے صرف اس پر قصاص ہے اس لیے کہ ایک گروہ اور جماعت اگر کسی ایک کو قتل کرتی تو ان سب کو اس کے بدلے قتل کیا جاتا، تو جب ایک ان سب کو قتل کرے تو بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ایک ایک کو قتل کرے اور مقتول کے اولیاء کا حق قتل میں استفتاء اور وصولی ممکن ہے اگر ہم اس کے ساتھ مال لازم کریں تو یہ قتل پر زیادتی اور اضافہ ہے، اور یہ جائز نہیں اور میں اس رائے کی طرف مائل ہوں۔

شوافع کے ہاں..... اسے صرف ایک کی طرف سے قتل کیا جائے گا چاہے مقتولوں کے اولیاء طلب قصاص میں متفق ہوں یا نہ ہوں اس لیے کہ قصاص میں برابری شرط ہے۔ ایک اور جماعت میں کوئی برابری نہیں لہذا ایک کو ایک جماعت کے بدلے قتل کرنا جائز نہیں بلکہ ایک کو صرف ایک کے بدلے قتل کیا جائے گا، اور باقیوں کے لیے دیت واجب ہوگی، اور اولیاء مقتول قصاص کے مطالبہ میں مشترک ہیں ان کے حقوق میں تدخل واجب نہیں جیسے کہ باقی تمام حقوق میں، اسی بناء پر اگر ایک شخص نے ایک جماعت کو بالترتیب قتل کر دیا تو ان سے پہلے کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا اگر انہوں نے معاف نہ کیا کیونکہ اس کا سابق ہے۔ اور اگر اس نے سب کو ایک ہی وار میں قتل کیا مثلاً سب کو زخم لگا دیا یا ان پر دیوار گرا دی (کلاشن سے فائر کر دیا) اور وہ سارے ایک ہی وقت میں مر گئے یا ان کے مرنے میں ترتیب اور بیک وقت مرنا مشکل ہوا تو قرعہ کے ذریعہ ایک کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جائے گا جو باوجود باقیوں کی طرف سے دیت دی جائے گی اس لیے کہ اس پر قصاص معذور ہے جیسے قاتل خود مر جائے۔

حنابلہ کے ہاں..... اگر اولیاء مقتول قاتل کے قصاص پر متفق ہو جائیں تو ان سب کی طرف سے اسے قتل کیا جائے گا، اور اگر ان میں

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۶ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت سے ایک قصاص طلب کرے اور دوسرا دیت جو قصاص چاہتے ہیں ان کی طرف سے اسے قتل کیا جائے گا اور باقیوں کو قاتل کے مال سے دیت ادا کی جائے گی چاہے اس نے انہیں بیک وقت قتل کیا ہو یا آگے پیچھے اور ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ”اگر کسی کا مقتول ہو تو اہل مقتول کو دو چیزوں میں اختیار ہے اگر چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت لے لیں“ نیز اس لیے بھی کہ متعدد جنایات میں حالت خطا میں مدخل نہیں تو حالت عمد میں بھی مدخل نہ ہوگا۔

۴۔ قتل یا سبب..... سبب: وہ ہوتا ہے جو ہلاکت میں مؤثر ہو اور اس سے ہلاکت نہ ہو یعنی موت میں مؤثر ہونہ کہ خود اس سے ہو، لیکن وہ واسطہ ہو موت کا، جسے عام راستہ میں حاکم کی اجازت کے بغیر کنواں کھودنا اور اسے اس طرح اوپر سے بند کرنا کہ گزرنے والا اس میں گر کر مر جائے۔ اسی طرح قتل سے بری شخص پر جھوٹی گواہی دینا ایک شخص کا دوسرے شخص کو قتل پر مجبور کرنا اور ظالم حاکم کا کسی کو قتل کرنے کا حکم دینا۔ سبب کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم..... حسی سبب جیسے کسی کو قتل پر مجبور کرنا۔

دوسری قسم..... شرعی سبب جیسے قتل پر جھوٹی گواہی دینا اور حاکم کا کسی شخص کے قتل کا حکم دینا جھوٹا یا تہمت کے علم کے ساتھ جان بوجھ کر۔

تیسری قسم..... عرفی سبب جیسے زہر آلود کھانا، کنواں کھودنا عام راستے میں۔

قتل باسبب کا اجمالی حکم..... حنفیہ کے ہاں اس میں قصاص واجب نہیں، اس لیے کہ قتل باسبب قتل براہ راست (مباشرت) کے برابر نہیں اور قتل مباشرہ کی عقوبت کے، پس جس نے عام راستے میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی انسان گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی قصاص نہیں اس لیے کہ کنواں کھودنا قتل کا سبب تو ہے لیکن براہ راست قتل نہیں، جیسا کہ جھوٹے گواہ اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان پر قصاص نہیں اور اگر اکرہ کی صورت میں حنفیہ کے ہاں مکہ پر قصاص واجب ہے۔ اس لیے کہ اس نے براہ راست قتل کیا ہے اور اگر اکرہ مکہ کا آلہ قرار دیا جائے گا اور آلہ پر قصاص نہیں ہوتا، جمہور کے ہاں قتل سبب کی وجہ سے بھی قصاص واجب ہے جبکہ سبب بننے والا ضرر کا ارادہ کرے اور اس سبب کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جیسا کہ کنواں کھودنے، گواہوں کا گواہی سے انکار کرنا، اکرہ کی صورت میں قصاص واجب ہے قتل پر اگر اکرہ اور زہر کی وضاحت ضروری ہے۔

قتل پر مجبور کرنا..... جب کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل پر مجبور کرے بایں طور کہ وہ اسے دھمکی ہے اس کی جان یا مال ضائع کرنے کی دے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکہ پر قصاص واجب ہے اس پر نہیں جسے براہ راست قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت کو خطا انسان اور جس چیز پر انہیں مجبور کیا جائے وہ معاف کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ مستکرہ تو آلہ ہے مکہ کا اور قاتل معنا مجبور کرنے والا ہے اور مستکرہ (جس کو مجبور کیا گیا ہے) اس سے صرف قتل کی صورت پائی گئی ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کسی ایک پر بھی قصاص نہیں شبہ کی وجہ سے اس لیے کہ مکہ تو براہ راست قتل کرنے والا نہیں وہ صرف قتل کا سبب ہے اور قاتل تو مستکرہ ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قصاص مستکرہ پر ہے، اس لیے کہ حقیقت اور واقع میں قتل اسی کی طرف سے پایا گیا ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہوا کہ حنفی مذہب میں تین رائے ہیں جن میں سے اول رائج ہے۔ اور جمہور کے ہاں: قصاص مکہ اور مستکرہ دونوں پر ہے، اس لیے کہ مکہ تو قتل کا سبب بنا ہے اور مستکرہ نے براہ راست قتل کیا ہے عمداً اور دشمنی کی بنیاد پر اور اس کا فعل اس کے نفس کے باقی رہنے میں مؤثر ہے۔ میں اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اگر مکہ مستکرہ سے کہے قتل کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا تو اس صورت میں شوافع کے ہاں قصاص نہیں اس لیے کہ آلہ شبہ ہے اس سے حد ختم ہوتی ہے لیکن اگر وہ کہے تم اپنے آپ کو قتل کرو ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا۔ اور اس نے قتل کر دیا تو اس صورت میں قصاص واجب

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۷ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
نہیں اس لیے کہ یہ اکراہ نہیں گویا وہ مختار شوافع کے ہاں: یاد رہے کہ قتل پر مجبور کرنے سے قتل کرنا مباح نہیں بلکہ بالاتفاق اکراہ گناہ گار ہے اسی طرح اکراہ سے زنا کرنا بھی مباح نہیں۔

قتل کا حکم..... فقہاء نے قتل پر مجبور اور قتل کا حکم دینے میں فرق کیا ہے اس لیے کہ دونوں حالتوں میں طبعی طور پر فرق ہے۔ حالت اکراہ میں مباشر اس فعل کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور امر و حکم کی حالت میں مباشر مختار ہوتا ہے اس جرم کے ارتکاب میں اسی وجہ سے اس کے حکم میں تفصیل ہے۔

۱..... اگر مامور سمجھ ہے جیسے بچہ اور مجنون، تو حنفیہ کے ہاں اس صورت میں آمر (حکم دینے والے پر) قصاص نہیں، اس لیے کہ اس نے قتل کا سبب کیا ہے اور قتل کا سبب بننے سے قصاص نہیں، بلکہ اس میں دیت ہے۔ اور جمہور کے ہاں حکم دینے والے سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ وہ قتل کا سبب ہے اور وہ گیا مباشرہ تو وہ صرف آلہ ہے آمر اسے جس طرح چاہے حرکت دے سکتا ہے۔

۲..... اگر مامور سمجھدار ہے یا عاقل بالغ تو بڑا ہے اب حکم دینے والے کا اپنے اوپر غلبہ نہیں ہوگا اگر آمر کا مامور پر کوئی غلبہ نہیں تو امام مالک، شافعی اور احمد کے ہاں مامور سے قصاص اور امر پر تعزیر ہوگی، اور اگر امر کو غلبہ و شوکت حاصل ہے مامور پر جیسے باپ کا غلبہ بیٹے پر اور حاکم کا ماتحت پر اس طور پر کہ مامور کو آمر سے قتل کا خوف ہو تو امام مالک کے ہاں آمر مامور دونوں سے قصاص لی جائے گی اس لیے کہ اس حالت میں امر اکراہ ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... اگر مامور کو معلوم ہے کہ قتل ناحق ہے تو مامور سے قصاص لیا جائے، اس لیے کہ وہ اپنے اس فعل میں معذور نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں“ اور آمر کو ظلماً قتل کی وجہ سے تعزیر لگائی جائے گی اگر مامور کو معلوم نہیں کہ قتل ناحق ہے تو اس صورت میں قصاص امر پر ہے اس لیے کہ مامور مجبور ہے اس پر امام و حاکم کی اطاعت واجب ہے اس کام میں جو معصیت نہ ہو اور ظاہری یہی ہے کہ وہ صرف حق حکم دیتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اکراہ کے علاوہ آمر پر قصاص نہیں جیسا کہ مامور پر اس صورت میں قصاص نہیں جبکہ حکم اس کے مالک کی طرف سے ہو اس لیے کہ اس حکم اور اجازت میں شبہ سے جس سے قصاص ختم ہو جاتی ہے اگر حکم اس کی طرف سے ہو جس کا مامور پر کوئی حق نہیں تو مامور پر قصاص ہے۔

زہر دینا..... زہر نفس کے قتل کا سبب ہے تو حنفیہ کے ہاں اس میں قصاص واجب نہیں ❶ اگر کسی شخص نے کھانے یا پانی میں زہر ملا کر دوسرے شخص کو دے دی اس نے اسے کھایا یا پیا اور اسے اس کا علم نہیں اور وہ اس سے مر گیا تو اس پر قصاص نہیں اور نہ دیت البتہ اس پر استغفار کرنا لازم ہے اور قتل کا سبب بننے کی وجہ سے اسے قید کرنا اور اس پر تعزیر لگانا ضروری ہے۔ اور وہ گئی اکراہ کی صورت کہ زہر کھانے پر کسی کو مجبور کرنا جیسے ایک شخص دوسرے شخص کے حلق میں زہر دستی زہر ڈالے یا اسے زہر والا پانی پلائے تو یہ قتل شبہ عمد ہے اس لیے کہ ایسی چیز سے حاصل ہوا ہے جس میں زخم نہیں آیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں قصاص نہیں بلکہ اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔

زہر کھلانا یا زہر آمیز پیش کرنا مالکیہ کے ہاں موجب قصاص ہے جبکہ اسے استعمال کرنے والا امر جائے، اور اسے پیش کرنے والے کو اس کے زہر آلود ہونے کا علم ہو ورنہ اس پر کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ معذور ہے، جیسا کہ پیش کرنے والے پر اس صورت میں کچھ بھی نہیں جبکہ کھانے والے کو اس کے زہر آلود ہونے کا علم ہو اس لیے اس صورت میں وہ اپنے آپ کو خود قتل کرنے والا ہے۔

حنابلہ کے ہاں بھی زہر دینا اسی طرح موجب قصاص ہے جبکہ اس کے قتل سے غالباً آدمی قتل ہو جاتا ہو اس لیے کہ عام طور پر زہر قتل کے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۸ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

لیے تیار کی جاتی ہے لہذا قصاص واجب ہے اس دلیل سے کہ ایک یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زہر ملائے ہوئی بکری لائی تو اس میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بشر بن براء بن معرور نے کھایا جب بشر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف پیغام بھیجا اس نے اعتراف کیا تو آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

اور شوافع کے ہاں..... ناسمجھ اور پاگل کا زہر دینا قتل عمد موجب قصاص شمار ہوگا اور اسی طرح عاقل بالغ جب زہر ملا دے وہ بھی موجب قصاص ہے جبکہ اگر اہر ہو کیونکہ یہ بھی قتل کا سبب ہے، اگر کسی عاقل بالغ نے بغیر زبردستی اسے زہر پلایا اور استعمال کرنے والے کو طعام کی حالت کا علم نہیں تو اس قول کے مطابق یہ قتل شبہ عمد ہے اس سے صرف دیت واجب ہوتی نہ کہ قصاص اس لیے کہ اس کا استعمال کرنے والا اپنی مرضی سے استعمال کر رہا ہے بغیر اکراہ کیے۔

خلاصہ یہ کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں زہر دینا قتل عمد ہے اور اکراہ کی صورت میں شوافع کے ہاں بھی قتل عمد ہے اور حالت اکراہ میں حنفیہ کے ہاں شبہ عمد ہے اور شوافع کے ہاں اکراہ نہ ہونے کی صورت میں شبہ عمد ہے اور حالت اکراہ کے علاوہ کی صورت میں حنفیہ کے ہاں صرف تعزیر ہے۔

متسبب اور مباشر کا اشتراک قتل میں..... سابقہ بیان کیا گیا ہے کہ دیو یا زیادہ کا براہ راست قتل میں شریک ہونا کا بیان جماعت کا ایک کو قتل کی بحث میں بیان ہو گیا ہے اور میں یہاں متسبب اور مباشر کے اشتراک کی حالت بیان کروں گا جیسا کہ میں آنے والی بحث میں ان کے اشتراک کو بیان کروں گا جن پر قصاص واجب ہے اور جن پر قصاص واجب نہیں۔ متسبب کا مباشر کے ساتھ قتل میں شریک ہونا ان کا حکم فقہاء نے عام قواعد فقہی میں ضمان کی بحث میں بیان فرمایا ہے، اور میں مسک کے قاتل کے ساتھ شریک ہونے اور دال کے مدلول کے ساتھ اور کنواں کھودنے والے کے کرنے والے کے ساتھ اور کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ ساتھ ہو۔

پہلی بات: مباشر کا ضمان..... مباشر وہ ہوتا ہے جس کے فعل سے براہ راست نقصان ہوا ہو بغیر کسی دوسرے مختار شخص کے فعل کے تو یہ حنفیہ کے ہاں دو قاعدوں کی روشنی میں مسئول ہوگا۔

۱..... مباشر ضامن ہوگا اگرچہ اس نے جان بوجھ کر نہ بھی کیا ہو۔
۲..... جس شخص نے قتل کیا ہو براہ راست اسلحہ کے ساتھ تو اگر قتل عمد ہے تو اس میں اس پر قصاص واجب ہے، اور جس نے قتل کیا ہو بغیر اسلحہ کے جیسے پتھر اور لکڑ وغیرہ سے یا اس نے کوئی آتشیں اسلحہ استعمال کیا اور وہ کسی انسان کو لگ گیا یا سویا ہوا کسی دوسرے انسان پر لگ گیا اور اس سے وہ قتل ہو گیا یا راستہ کی دیوار سے کسی انسان پر گرا اور وہ قتل ہو گیا تو ان سب صورتوں میں قتل شبہ عمد ہے اور اس میں دیت واجب ہے اور قاعدہ، میں صحیح یہ ہے کہ کیا جائے اگر اس نے اور تعدی نہ کی ہو۔

۳..... جب مباشر اور متسبب جمع ہو جائیں تو حکم مباشر کی طرف منسوب ہوگا، اگر مباشر زیادتی کرنے میں زیادہ اثر ہو تو پھر اسی پر ضمان ہوگا اور اسی سے مسئولیت ہوگی، اور سبب کا وار ضعیف ہو اور انفرادی طور پر وہ ہلاکت کا سبب نہ بن سکتا ہو جیسے کوئی شخص کنواں یا گھڑا وغیرہ عام راستے میں سلطان کی اجازت کے بغیر کھودے اور ایک دوسرے شخص آ کر اس کو کنوئیں میں گرادے یا اس میں کوئی جانور گرے تو یہ گرانے والا ضامن ہوگا، اسی پر دیت واجب ہوگی اور عوض اس لیے کہ وہ براہ راست تلف کرنے والا ہے۔ اور کنواں کھودنے والا تو صرف سبب بنا ہے اگرچہ اس کا کنواں کھودنا تلف تک لے گیا ہے لیکن انفرادی طور پر اس میں اتلاف نہیں پایا گیا جب تک دھکیلنے والے کا فعل نہیں۔ اسی کی مثل ہے وہ شخص جو کسی دوسرے کی رہنمائی کرے کسی کے قتل کرنے کی اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مسئول ہوگا، اور شافع اور حنابلہ نے اس قاعدے کی مثال یہ دی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو پکڑ کر رکھے اور دوسرا اس کو قتل کرے یا وہ کنواں کھودے اور اس میں کوئی گر کر مر جائے، تو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۶۹ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 قصاص صرف قاتل اور گرانے والے وغیرہ پر ہے۔

اسی بناء پر اگر کسی نے دوسرے کو اس لیے پکڑا کہ کوئی دوسرا شخص اس کو قتل کر دے تو حنفیہ کے ہاں صرف قاتل ضامن ہوگا اگر اس نے اسے اسلحہ سے قتل کیا تو اس سے قصاص لی جائے گی اس لیے کہ قتل اسی نے کیا ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر ہوگی۔

شواہد رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں..... قاتل کو قتل کیا جائے گا اور شواہد کے ہاں پکڑنے والے کو حاکم حنفی مدت چاہے تعزیر دے، اور احمد کے ہاں پکڑنے والے کو قید کیا جائے مرنے تک۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس شخص نے دوسرے کو پکڑے رکھا یہاں تک کہ دوسرے نے آکر اسے قتل کر دیا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید“۔ نیز آپ کا ارشاد ہے: اللہ رب العزت کے ہاں سب سے زیادہ سرکش و نافرمان وہ ہے جو قاتل کو چھوڑ کر دوسرے کو قتل کرے، یا جاہلیت کے خون کا مطالبہ اسلام میں کرے یا نیند کی حالت میں کسی کی آنکھیں کھولے جبکہ اس نے ایسا نہ کیا ہوا ہو۔ لیکن مالکیہ کے ہاں: جب مباشر اور سبب بننے والا جمع ہو جائیں تو ان دونوں پر قصاص ہوگی ضمان اور قصاص میں دونوں شریک ہو گئے اس لیے کہ پکڑنے والا سبب بنا ہے اور مباشر قاتل ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے رہنمائی کرنے والے اور قتل کرنے والے کا، پکڑنے والا پر قیاس کرتے ہوئے، اسی طرح ان کے کنواں کھودنے والے اور گرانے والے دونوں کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ مباشر ضامن ہوگا جبکہ اس کا سبب پر غلبہ ہو۔

دوسری بات: سبب بننے والے کا ضمان..... متسبب وہ ہے جو ایسی کام کرے جس سے کوئی چیز تلف ہو جائے عادتاً لایہ کہ مباشرۃ تلف اس میں نہ ہوا ہو اور متسبب ضامن ہوگا اکیلا جبکہ وہ متعدی اور ظلم کرنے والا ہو، اس قاعدے پر عمل کرتے ہوئے ”المتسبب لایضمن الا بالتعدی“ چاہے تعدی اس کے قصد و ارادہ سے ہو یا نہ ہو یا اس قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے ”یضاف الفعل الی المتسبب ان لم یتخلل واسطۃ“ یہ اسی وقت ہے جب مباشر کو ضامن بنانا ممکن نہ ہو یا اس کی وجہ سے کہ وہ مسئول نہیں یا موجود نہیں یا معروف مشہور نہیں یا متسبب کا فعل مباشر سے قوی ہو، بس جس شخص نے بچے کو چھری دی یا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھے، وہ چھری اس پر لگی اور اسے زخمی کر دیا تو دیت دینے والے پر ہوگی اس لیے کہ سبب یہاں تعدی ہے اس لیے کہ بچہ متعین فعل نہیں کر سکتا، اور وہ مسئول بھی نہیں اور چھری طبعی اعتبار سے زخمی کرنے والا آلہ ہے۔ اگر کسی شخص نے عام راستہ کے درمیان سانپ پھینکا صرف پھینکتے ہی سے اس نے کسی انسان کو ڈس لیا اور وہ مر گیا تو یہ شخص اس کی دیت کا ضامن ہوگا، اس لیے کہ اس سبب میں وہ متعدی ہے۔

اور اسی کی مثل ہے اگر کسی نے بچھو یا بھیڑ یا ان کی طرح کی چیز کسی انسان یا حیوان پر چھوڑی، اس نے اسے ضائع کر دیا، تو چھوڑنے اور ڈالنے والے صامن ہوگا اور جھوٹے گواہ قتل انسان میں حنفیہ کے ہاں دیت کا ضامن ہوگا اور حنفیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں اس پر قصاص واجب ہے، اس لیے کہ وہ مشہود علیہ کی موت کا سبب بنے ہیں اگرچہ حاکم مباشر ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو کسی پر گرایا اور وہ مر گیا تو دیت گرانے والے پر ہوگی اس لیے کہ جسے گرایا ہے وہ ایک الہ کی طرح ہے اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ”المدفوع کالالة فی الضمان“۔

اگر کوئی شخص کسی پتھر سے پھسل کر گرے اور پتھر رکھنے والے کو معلوم نہ ہو اور وہ کنویں میں جا گرے تو کنواں والا دیت کا ضامن ہوگا۔ اس لیے کہ مباشر کی معرفت معذور ہے، اور کنویں والا سبب بنا ہے۔ اگر کسی نے اپنے گھر میں کنواں کھودا اور سے ڈھکن دے دیا اپنے دروازے کے قریب کتا ہاندا پھر کسی شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی وہ کنویں میں گر کر مر گیا یا اسے کتے نے کاٹ دیا اور وہ مر گیا تو حنفیہ کے ہاں اور شواہد کے ہاں اصح قول کے مطابق اس پر دیت واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ متسبب ضامن ہوگا اگر سبب کا غلبہ ہو مباشر پر۔

تیسری بات: متسبب اور مباشر دونوں کا ضامن ہونا..... متسبب: مباشر کے ساتھ ضامن ہوگا جب اس کے سبب میں اتنا اثر

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۷۰ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت ہو کہ انفرادی طور پر بھی اس سے تلف ہو سکتا ہو، یعنی جب سبب اور مباشر کی قوت کو برابر کیا جائے تو دونوں کے فعل کا اثر برابر ہو تو سبب بننے والا اور مباشر دونوں قتل کے مسئول ہوں گے جیسے دونوں ایک جانور کو ہانکنے والے اور کھینچنے میں اکٹھے ہوں پھر اس جانور سے کوئی ضائع ہو جائے تو دونوں پر ضمان ہوگا، اس لیے کہ جانور کو صرف ہانکنا بھی تلف کا سبب ہے اگرچہ اس پر کوئی سوار نہ بھی ہو، اسی طرح اگر کسی نے سوار کے کہنے پر جانور کو ڈرایا تو دونوں پر ضمان ہوگا کیونکہ بدکانے والا بمنزلہ ہانکنے والے کے ہے۔ اور جمہور کے ہاں حالت اکراہ میں مکروہ اور مستکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا اس لیے کہ مکروہ متسبب ہے ”مستکرہ مباشر“ کما بیان سابقاً، اور مالکیہ کے ہاں تمام مذاہب کے برخلاف پکڑنے والا اور قاتل دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔ ”کا اوضاحت سابقاً“۔

ان دونوں کا اشتراک جن میں سے ایک پر قصاص واجب ہوتا ہو اور ایک پر نہ ہوتی ہو: حنفیہ کے ہاں اس حالت میں قاعدہ ہے کہ قصاص کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ اگر دو شخص ایک کے قتل میں شریک ہوں ان میں سے ایک ایسا ہو کہ اس پر قصاص واجب ہوتا ہو اور اگر وہ تھا یہ جرم کرے اور دوسرا وہ جس پر قصاص واجب نہ ہوتی ہو، اگر وہ انفرادی طور پر یہ جرم کرتا، کہ اس پر قصاص کی شرائط منطبق نہ ہوتی ہوں۔ مثلاً بچہ بالغ کے ساتھ شریک ہو، اور مجنون عقلمند کے ساتھ، اور عمد اور خطا ایک شخص کے قتل میں شریک ہونے والے یا والد کا کسی اجنبی کے ساتھ اپنے بیٹے کے قتل میں شریک ہونا، شوہر کا کسی اجنبی سے مل کر اپنی بیوی کو قتل کرنا اور اس سے اسے اولاد بھی ہو یا کسی شخص کا درندے اور سانپ کے ساتھ انسان کے مرنے میں شریک ہونا۔ مثلاً سانپ وغیرہ اسے زخمی کرے اور پھر انسان اسے عمد قتل کرے اور اس وجہ سے وہ مرجائے تو ان تمام صورتوں میں حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں کسی ایک پر بھی قصاص نہیں۔ چاہے شرائط قصاص پوری پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ کسی شرعی مانع کی وجہ سے قصاص اس لیے نہیں کہ دونوں کے فعل میں شبہ موجود ہے اور شبہ کے ساتھ قصاص نہیں لی جاسکتی، البتہ ان دونوں پر دیت واجب ہوئی البتہ قصاص کے فعل یعنی بالغ پر تو اس کے مال میں دیت ہوگی اور جس پر قصاص نہیں تو اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں جب والد اور اجنبی دونوں شریک ہوں بیٹے کے قتل میں تو ان دونوں کے مال میں دیت واجب ہے، اس لیے کہ باپ اگر انفرادی طور پر بھی قتل کرتا تو اس کے مال میں دیت واجب ہوئی اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ بچے اور خطا قتل کرنے والے کے عاقلہ پر نصف دیت ہے، اور بالغ اور عمد قتل کرنے والے کے مال میں نصف دیت ہے، درندے وغیرہ کو شریک اور اپنے آپ کو خود زخمی کرنے والے پر قصاص واجب کرنے میں دو وجہیں ہیں ان میں سے ایک جو کہ اصح ہے، کہ اس پر قصاص نہیں اور دوسری یہ کہ اس پر قصاص ہے، البتہ باپ کے ساتھ شریک پر قصاص ہے جیسا کہ اجنبی شریک میں شوافع کے ہاں: دوسری تفصیل ہے: کہ خطا کرنے والے شریک کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور شبہ عمد میں شبہ کی وجہ سے قصاص ہے اور دیت دونوں پر واجب ہوگی، البتہ عمد کرنے والے پر اس کے مال میں نصف دیت مغلط ہے اور رہ گیا دوسرا تو اس پر نصف دیت محقق ہے، اور والد کے ساتھ شریک کو بیٹے کے قتل میں قتل کیا جائے گا اور اپنے آپ کو زخمی کرنے میں شریک کو بھی مثلاً کوئی شخص اپنے آپ کو زخمی کرے اور کوئی دوسرا بھی اسے زخمی کرے اور ان دونوں زخموں سے وہ مرجائے۔ اسی طرح حد کو روکنے والے کے شریک کو بھی قتل کیا جائے گا، اور سمجھدار بچے اور مجنون کے شریک کو بھی درندے اور سانپ کے شریک کو بھی کیونکہ جرم اس سے صادر ہوا ہے۔ اور وہ قتل عمد ہے، اور دوسرے پر قصاص کا نہ ہونا یہ عذر کی وجہ سے یا کسی خاص مانع کی وجہ سے ہے۔ جو دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوگا، اور اس پر اس کے فعل کے بدلے میں قصاص واجب ہے، شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کو غرق کرنے والے پانی میں پھینک دے جیسے سمندر میں اور اسے کسی مچھلی نے نگل لیا تو اس پر قصاص واجب ہے، کیونکہ اسی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ لیکن اگر پانی غرق کرنے والا نہیں تھا تو اس پر قصاص نہیں۔

مالکیہ کے ہاں..... اگر قتل میں عمد اور خطا یا مکلف اور غیر مکلف جمع ہو جائیں جیسے عمد قتل کرنے والا شخص اور بچہ یا عمد اور مجنون اگر دونوں نے اکٹھے قتل کیا تو عمد قتل کرنے والے پر قصاص ہے۔ اور بچے مجنون وغیرہ کی عاقلہ پر نصف دیت ہے، اس لیے کہ بچے کا عمد

قتل کرنا خطا کی طرح ہے، مصلحت کی وجہ سے اور خون کی حفاظت کی وجہ سے، گویا دونوں نے انفرادی طور پر جرم کیا ہے۔ لیکن اگر ان دونوں نے تمالو سے قتل نہیں کیا بلکہ دو آدمیوں نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کیا یا بڑے نے جان بوجھ کر ایسا کیا تو بڑے پر نصف نادیث ہے اس کے مال میں اور بچے کی عاقلہ پر نصف دیت ہے ”کما قال الحنفیة“۔ اگر دونوں نے اسے خطا قتل کیا یا بڑے سے خطا ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر نصف دیت ہے اور عدم تعاون کی حالت میں یہاں پر دو قول ہیں چار مسائل ہیں: درندے کے شریک خود اپنے آپ کو زخمی کرنے والے کے شریک، حربی کے شریک، اور زخم کے بعد مرض کے شریک یا طور کہ ایک شخص نے دوسرے کو زخمی کیا، پھر مجروح کو ایسا مرض لاحق ہوا کہ اس سے غالباً موت واقع ہوتی ہے۔ پھر وہ مر گیا اور معلوم نہیں کہ وہ مرض کی وجہ سے مر یا زخم کی وجہ سے۔ اب دونوں قول یہ ہیں کہ ایک قول شریک سے قصاص نہ لینے کا، البتہ شریک پر نصف دیت ہوگی، اور اسے سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال تک اسے قید کیا جائے گا اور ایک قول قصاص کا ہے اور مرض میں شریک پر قصاص رائج ہے قتل عمد کی صورت میں اور خطا کی صورت میں دیت لیکن قسامت کی پچاس قسمیں لینے کے بعد، اور رہ گئے باقی تین مسائل ان میں دونوں قول برابر ہیں شافیہ مالکیہ کی رائے خون کی حفاظت میں دوسری آراء سے رائج ہے۔

۵۔ جائے ہلاکت میں ڈالنا..... جب کوئی شخص کسی آدمی اور شیر کے یا چیتے کے درمیان آ جائے کسی تنگ جگہ جیسے شیر کی کچا وغیرہ کے پاس یا وہ شخص اسے کتے کے سامنے ڈالے او وہ اسے نوچ لے یا اس پر کوئی سانپ یا بچھو ڈالے وہ اسے ڈس لے تو آیا اس آدمی کا فعل قتل عمد شمار ہوگا یا نہ اور وہ مسئول ہے یا نہ؟ یہاں پر مذاہب میں تین آراء ہیں: حنفیہ کے ہاں: ان صورتوں میں نہ قصاص ہے نہ دیت، بلکہ تعزیر لگائی جائے گی مارا جائے گا اور اسے مرتے دم تک قید رکھا جائے گا، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس پر دیت ہوگی، اور اگر یہ کام اس نے کسی بچے کے ساتھ کیا تو اس پر دیت ہے۔ اور اگر کسی نے بچے کو باندھ کر دھوپ یا سردی میں ڈال دیا کہ وہ مر گیا تو اس کی عاقلہ پر دیت ہے اور مالکیہ کے ہاں: اس حالت میں یہ فعل دشمنی اور ظلم ہے اور یہ قتل عمد ہے اس میں قصاص ہے چاہے اس حیوان کا فعل انسان کے ساتھ ایسا ہو جس سے غالباً وہ قتل ہوتا ہے جیسے نوچنا، یا ایسا ہو جس سے غالباً قتل نہیں ہوتا، اور آدمی خوف سے مر گیا ہو، اور اس کا یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا کہ بطور وکیل اس نے یہ کام کیا ہے، حنا بلکہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ یہ فعل قتل عمد ہے اور موجب قصاص ہے جبکہ شیر یا کسی ایسی جانور سے ہو کہ انسان اس سے وحشت محسوس کرتا ہو اور غالباً وہ انسان کو مار دے یا ایسا فعل کرے جس سے انسان مر جاتا ہے۔ اگر ایسا فعل کیا کہ اگر کوئی آدمی کرتا تو وہ قتل عمد نہ ہوتا تو پھر قصاص واجب نہیں اس لیے کہ درندے آدمی کے لیے آلہ کی طرح ہے تو اس کا فعل آدمی کا فعل ہوگا۔

اسی بناء پر اگر اس نے اسے کسی شیر یا چیتے کے سامنے ڈال دیا اور اس نے اسے مار دیا تو قتل عمد ہے، اسی طرح اگر سانپ کو اور آدمی کو کسی تنگ جگہ پر اکٹھا کر دیا اس نے اسے ڈس لیا اور وہ مر گیا تو یہ بھی قتل عمد ہے، اگر بچھو نے اسے ڈسا تو بھی قتل عمد ہے، میرے خیال میں حنا بلکہ اور مالکیہ کی رائے اولیٰ ہے۔

شواغف کے ہاں: درندے اور آدمی کو کسی تنگ جگہ مثلاً کچا، یا چھوٹے گھر میں بند کیا یا شیر وغیرہ کو اس پر بھڑکا یا اسے پکڑا اور اس کے سامنے کسی پاگل کو لایا اور وہ قتل ہو گیا تو ان صورتوں میں قصاص واجب ہے اس لیے تنگ جگہ میں جب درندہ کسی آدمی کے ساتھ اکٹھا ہو جائے تو وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ لیکن اگر اس نے اس کے مونڈھوں کو باندھ کر کسی درندوں والی جگہ یا کسی درندے کے ساتھ وسیع جگہ پر ڈال دیا اور درندے نے اسے قتل کر دیا تو قصاص واجب نہیں کیونکہ یہ غیر ملکی سبب ہے اور اگر اسے باندھ کر سانپوں والی جگہ پر ڈال دیا انہوں نے اسے ڈس لیا تو قصاص واجب نہیں چاہے جگہ تنگ ہو یا وسیع اس سے کہ عادتاً سانپ آدمی سے بھاگ جاتا ہے، لہذا اس کے ساتھ چھوڑنا قتل کی طرف ملکی نہیں بخلاف درندے کے۔ اور اگر کسی درندے یا سانپ نے اسے ڈس لیا کہ جس سے آدمی عام طور پر قتل ہو جاتا ہے وہ مر گیا تو اس پر

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۷۲ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 قصاص واجب ہے کیونکہ اس نے قتل کی طرف مجبور نہیں۔

۶۔ غرق کرنا اور جلانا..... حنفیہ نے آگ میں جلانے اور پانی میں غرق کرنے میں تفریق کی ہے، آگ میں جلانا ان کے ہاں قتل عمد ہے اس لیے کہ آگ اجزاء جسم کو ٹکڑے کرنے میں اسلحہ کی طرح ہے، پس یہ جلد کو پھاڑتی ہے اور ذبح والا عمل کرتی ہے، اور آگ ہی میں شمار کیا ہے گرم کھولتے پانی کو اور تنور وغیرہ کو۔ اور وہ گویا زیادہ پانی غرق کرنا، ڈبونا تو امام ابو حنیفہ کے ہاں یہ قتل شبہ عمد ہے اس لیے کہ یہ مشغل کے ساتھ قتل کی طرح اور صاحبین کے ہاں یہ قتل عمد ہے جو موجب قصاص ہے، اس لیے کہ اس سے غالباً قتل ہوتا ہے اور اس کا استعمال عدم کی دلیل ہے، اور ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو غرق کرے ہم اسے غرق کریں گے“ اور یہ اس وقت ہے کہ جب پانی اتنا زیادہ ہو کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو اگر پانی کم ہے اور غالباً اس سے بندہ مرتا نہیں یا زیادہ تو ہے لیکن اس سے تیر کر بچنا ممکن ہے اور پانی میں ڈالے جانے والا تیرنا بھی جانتا ہے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق شبہ عمد نہیں۔ مالکیہ کے ہاں غرق کرنا اور آگ میں جلانا قتل عمد اور موجب قصاص ہے، جبکہ غرق کرنا دشمنی کی وجہ سے یا کھیل کود کی وجہ سے ہو عام طور پر آدمی ٹھنڈک وغیرہ کی وجہ سے بچ نہ سکتا ہو یا مسافت زیادہ اور آدمی غرق ہو جائے اگر غرق ہو جانا ویسے ہی ہودشمنی کی بنیاد پر نہ ہو تو اس پر دیت مخففہ ہے نہ کہ مغفلہ۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب کوئی کسی کو آگ یا پانی میں ڈال دے کہ پانی کے زیادہ ہونے یا آگ کی زیادتی کے باعث اس سے بچنا ممکن نہ ہو تیرا کی نہ جانے یا جاننے کے ساتھ ضعیف، مریض یا بچہ ہونے کی وجہ سے اور وہ مر گیا تو یہ قتل عمد ہے اور اس میں قصاص ہے، اور اگر اسے غرق کرنے والا پانی ڈالا گیا اور اسے مچھلی نے نگل لیا تو شوافع کے ہاں اظہر قول کے مطابق قصاص واجب ہے اس لیے کہ اس نے اسے جائے ہلاکت میں ڈالا ہے اور حنابلہ کے ہاں اس میں دو وجہیں ہیں اصح یہ کہ قصاص واجب ہے اور اگر پانی ٹھوڑا ہو غرق کرنے والا نہ ہو اور اسے مچھلی نگل لے تو اس میں قصاص نہیں بلکہ اس پر شبہ عمد کی دیت ہے۔ اور اگر تیر کر یا کسی رسی سے انک کر جان بچانا ممکن ہو اور وہ اسے چھوڑ دے تو نہ قصاص نہ دیت یعنی اس کا خون رایگاں ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا ہے، اسی طرح شوافع کے ہاں اگر ایسی آگ میں ڈالا گیا کہ اس سے بچنا ممکن تھا اور وہ اس میں ٹھہرا ہوا تو کوئی دیت نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں دیت واجب ہونے کے سلسلہ میں دو وجہیں ہیں اور درست دیت واجب کرنا ہے۔ اس لیے کہ ہلاک کرنے والی چیز میں ڈالنے کی وجہ سے اس نے جرم کا ارتکاب کیا شوافع اور حنابلہ کی رائے اتباع کے اعتبار سے اولیٰ ہے اور ان کے قریب مالکیہ کی رائے ہے کہ تحریق تفریق والا فعل کرنے والا تعدی اور ظلم کر رہا ہے اور غالباً اس سے قتل ہی ہوتا ہے۔

۷۔ گلہ گھوٹنا..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گلا گھوٹنا قتل شبہ عمد ہے اس سے دیت واجب ہوتی ہے اس لیے کہ یہ قتل کا وسیلہ نہیں اور قتل عمد میں شرط یہ ہے کہ قاتل آلہ استعمال کیا جائے، اور وہ قتل کے لیے تیار کیا جاتا ہو اور صاحبین کے ہاں یہ قتل عمد ہے جس سے قصاص واجب ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کی رائے میں قتل کا وسیلہ ہے اور قتل کے لیے تیار ہے، اور ان کے ہاں یہ اس شرط کے ساتھ جرم کرنے والا اتنی دیر تک گلہ دبائے رکھے کہ اس سے عام طور پر انسان مر جاتا ہو، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق قصاص نہیں۔ مالکیہ کے ہاں گلا گھوٹنا قتل عمد ہے چاہے جرم کرنے والا اس سے اس کی موت کا ارادہ کرے یا نہ کرے جب تک کہ دشمنی پائی جاتی ہو لیکن اگر بطور کھیل کود کے گلہ گھوٹنا تو یہ قتل خطاء ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں گلا گھوٹنا قتل عمد ہے اور اس میں قصاص ہے۔ جبکہ اتنی مدت کرے کہ اس میں اس کی موت واقع ہو جائے جیسا کہ صاحبین کے ہاں ہے، اور اگر اتنی دیر تک اس نے اس کا گلا گھوٹنا جس میں غالباً موت واقع نہیں ہوتی تو یہ قتل شبہ عمد ہے، اس لیے کہ عادت میں ایسا نہ ہوا ہے جس سے موت کا وہم نہ ہو تو اس میں ضمان نہ ہوگا اس لیے کہ یہ بمنزلہ چھوٹنے کے لیے۔ اگر اس کا گلا گھوٹنا اور تکلیف کی حالت میں چھوڑ دیا کہ وہ مر گیا تو اس میں قصاص ہے، اس لیے کہ جنایت کی وجہ سے وہ مرا ہے۔ اگر اس نے سانس لیا اور اس کے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۷۴ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 لیے کہ فاعل اپنے فعل کا مسئول ہے جب تک وہ اسے موت تک لے جائے اور بالغ غفلت کی حالت میں چیخ سے گھبراتا ہے جیسے بچہ گھبراتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ کہ دیت واجب نہیں اس لیے کہ بالغ عاقل جس طرح اعصاب پر کٹرول کر سکتا ہے تو وہ غفلت کی حالت میں گھبراتا نہیں اگرچہ شاذ و نادر وہ گھبرائے اور شاذ و نادر کے لیے کوئی حکم نہیں اس لیے کہ ان دونوں مذہبوں کے مطابق گھبراہٹ سے بچہ گر جانے کی خوف میں اختلاف ہے۔ اگر عورت خود حمل ساقط کرے تو عورت پر جینین کا ضمان ہے دونوں مذہبوں میں بالاتفاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصہ کی وجہ سے لیکن اگر عورت خوف سے گھبرائے اور بچہ گر جائے اور وہ مردہ ہو تو شوافع کے ہاں اس کی دیت کی ضمان نہیں اس لیے کہ ایسے سبب کی وجہ سے ہلاکت نہیں ہوتی۔ حنابلہ کے ہاں اس صورت میں دیت واجب ہے اس لیے کہ حاکم نے اسے ڈرایا ہے اور وہ اس کی موت کا سبب ہے رہ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ وہ یہ کہ ایک عورت جس کا شوہر موجود نہیں تھا آپ نے اسے بلایا جب وہ حاضر ہونے کے لیے آئی تو اس نے کہا ہائے ہلاکت اسے عمر کے ساتھ کیا نسبت راستے میں چلتے ہوئے گھبرائی تو اسے درزہ ہوا اور بچہ گر گیا اس بچے نے دو چیخیں ماری اور مر گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا بعض نے مشورہ دیا کہ آپ پر کچھ بھی نہیں چونکہ آپ حاکم ہیں اور تادیب سکھانے والے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا اے ابوالحسن آپ کیا کہتے ہیں تو حضرت علی نے فرمایا اگر یہ لوگ اپنی رائے سے کہتے ہیں تو یہ ان کی خطا ہے۔ اور اگر اپنی خواہش سے کہہ رہے ہیں تو یہ آپ کو نصیحت نہیں کر سکتے، لہذا اس کی دیت آپ پر ہے اس لیے کہ آپ نے اسے خوف زدہ کیا اس نے بچہ گر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کو قسم دلاتا ہوں آپ اس وقت تک یہاں سے نہ جائیں جب تک تمام قریش کو بتا نہ دیں۔

تیسرا رکن: جرم کرنے والے کا ارادہ..... جمہور کے ہاں قتل عمد اسی وقت شمار ہوگا جب قاتل نے مقتول کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہو یا ایسا فعل جو دشمنی کی بنیاد پر ہو، اگر ارادہ مکمل طور پر نہ پایا گیا تو پھر قتل عمد شمار نہیں ہوگا اگر قاتل نے صرف دشمنی اور ظلم کا ارادہ کیا لیکن اس کی روح نکالنے کے ارادہ کے بغیر تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا۔

اب بات یہ ہے کہ قصد و ارادہ اور نیت باطنی چیز ہے اس پر مطلع ہونا ممکن نہیں، تو فقہاء نے قتل عمد کے حکم کو ظاہر وصف کے ساتھ مشروط کر دیا جس کی معرفت ممکن ہے اور وہ آلہ قتل کا استعمال ہے اس لیے کہ جرم کرنے والا عام طور پر اپنے ارادہ کو پورا کرنے کے لیے اس کے مناسب آلات استعمال کرتا ہے پس قتل کرنے والا آلہ استعمال کرنا اس کی نیت ظاہر کرنے کے لیے خارجی مظہر ہے اور مادی دلیل ہے جس کی غالباً تکذیب نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ جرم کرنے والے کی طرف سے ہے نہ کہ کسی غیر کی طرف سے اسی وجہ سے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ غالب اعتبار سے آلہ قتل ہو کیونکہ وہ جانی کے قصد کی دلیل ہے۔

مالکیہ کے ہاں..... قصاص کے لیے دشمنی اور ظلم کا پایا جانا شرط ہے اس میں قتل کی نیت اور ارادہ ان کے ہاں شرط نہیں چاہے وہ مقتول کے قتل کا ارادہ کرے یا نہ کرے وہ قتل عمد ہی ہے جبکہ ظلماً ہو اور اگر ویسے مذاق یا تادیب کی غرض سے وہ فعل ہو تو پھر قتل خطا ہے۔

محدود اور غیر محدود قصد..... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں محدود اور غیر محدود کے قصد اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں، چاہے جرم کرنے والا کسی متعین شخص کے قتل کا ارادہ کرے یا ایک جماعت اور گروہ کے قتل کا، وہ قاتل عمد ہے۔ شوافع اور مالکیہ نے محدود اور غیر محدود قصد کی دونوں قسموں میں فرق کیا ہے، اگر متعین قصد ہے تو یہ قتل عمد ہے اگر غیر متعین قصد تو یہ قتل شبہ عمد ہے، اور مالکیہ کے ہاں قتل خطا ہے۔

قتل پر راضی ہونا یا قتل کی اجازت دینا..... بعض فقہاء کے ہاں قتل پر رضا مندی اور قتل کی اجازت سے قتل مباح نہیں ہوتا، اس لیے کہ انسان اپنے نفس کا مالک نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کا مملوک ہے، لہذا شریعت کی حدود کے علاوہ عصمت نفس مباح نہیں اور دوسرے فقہاء کی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۷۵ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

رائے یہ ہے کہ اجازت سے قتل مباح ہو جاتا ہے اسی بناء پر فقہاء کا اس قاتل کی سزا میں اختلاف ہو گیا جس نے قتل کی اجازت دے دی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہے مجھے قتل کرو اور وہ اسے قتل کر دے امام زفر کے علاوہ حنفیہ کے ہاں: یہ قتل شبہ عمدہ ہے اس میں دیت واجب ہے اس لیے کہ قتل کی اجازت سے شبہ پیدا ہو گیا حدود اور انہیں میں سے قصاص بھی ہے شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں اور امام زفر کے ہاں: اجازت شبہ کے لیے کافی نہیں لہذا قصاص ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی تنفیذ واجب ہے، مالکیہ کے ہاں قتل کی اجازت قصاص کے لیے مانع نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... نہ قصاص ہے نہ دیت، مقتول کا خون یا زخم رازگاہ ہے اس لیے کہ اس میں اس کا حق تھا اور اس نے اس کی اسے اجازت دے دی کہ تلف کر دو جیسا کہ وہ اپنے مال کے تلف کی اجازت دے دے۔

دوسرا مقصد: قتل عمد کی سزائیں..... قتل عمد کی سزا وہ بدلہ ہے جو کسی نفس پر ظلم کے بدلے میں مرتب ہوتا ہے اور قتل عمد کے لیے کئی سزائیں ہیں۔ ایک اصلی، ایک بدل، اور تبعی۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمد قتل کرنے والے پر تین چیزیں واجب ہیں۔ پہلی چیز گناہ عظیم کیونکہ قرآن کریم میں اس کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا تذکرہ ہے اور دوسری چیز قصاص۔ اور تیسری چیز میراث سے محروم ہونا حدیث میں ہے قاتل کسی چیز کا وارث نہیں۔“

پہلی قسم: اصلی سزا..... شریعت نے قتل عمد کی اصلی سزا کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ قصاص ہے یہ ایسی سزا ہے کہ فقہاء کا اس میں اتفاق ہے حنفیہ نے فرمایا: قتل عمد کی سزا وہ بعینہ قصاص ہے اس سے مال کی طرف رضامندی کے علاوہ رجوع جائز نہیں۔ شوافع نے قتل کی سزا کے ساتھ ایک اور سزا کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ کفارہ ہے قتل خطا پر قیاس کرتے ہوئے جس کی تصریح قرآن کریم میں موجود ہے۔

پہلی سزا اصلی جو متفق علیہ ہے وہ قصاص ہے..... قصاص کے متعلق کلام اس کے معنی اس کی مشروعیت اس اور دوسری سزاؤں میں فرق ہے، اس کی شرائط، موانع، وجوب کی کیفیت، اس میں صاحب حق، وصولی کی ولایت وصولی کا طریقہ، اور اسے ساقط کرنے والی چیزوں کے متعلق بحث ہوگی۔

پہلی بات: قصاص کا معنی..... قصاص اور قصص لغوی اعتبار سے پیچھے چلنے کو کہتے ہیں، اور اس کا استعمال عقوبت اور سزا کے معنی میں ہونے لگا، اس لیے کہ قصاص لینے والا قاتل کے جرم کے پیچھے چلتا ہے اسے بھی اسی کے مثل زخمی کرتا ہے اور یہی مماثلت۔ اسی معنی سے قصاص کی سزا شرعی گئی ہے۔ یعنی جرم کرنے والے کو اس کے فعل کی طرح کا بڑا دینا۔ اور وہ قتل ہے۔ اور قصاص لازم ہے چاہے قتل عمد جس طرح بھی ہوا ہو۔

دوسری بات: قصاص کی مشروعیت..... قصاص کی مشروعیت قرآن کریم سنت، اجماع اور معقول سے ثابت ہے قرآن کریم میں تو بہت سی آیات ہیں جیسے پہلے ذکر ہوا ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ..... البقرة: ۱۷۸/۲
اے ایمان والو تمہارے اوپر قصاص فرض ہے مقتولوں کے بارے میں۔

اسی طرح:

وَكُتِبَ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ..... المائدة: ۳۵/۵

نیز

وَكُلُّكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ..... البقرة: ۱۷۹/۲

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۷۶ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت اور سنت میں بھی بہت سی احادیث ہیں: مثلاً یہ ہیں: ایسے مسلمان کا خون حلال نہیں جو کلمہ شہادت اور میری رسالت کی گواہی دے الا یہ کہ تین چیزوں میں: شادی شدہ زنا کار، نفس کے بدلے نفس دین چھوڑنے اور جماعت میں تفریق کرنے والا، انہی میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: قتل عمد میں قصاص ہے اور جو اس کے درمیان رکاوٹ ڈالے اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہو نہ اس کا کوئی فرض مقبول ہے نہ نفل۔ اور امت کا اجماع ہے قصاص واجب ہونے میں۔ اور عقل بھی قصاص کی مشروعیت اور قانون سازی کا تقاضا کرتی ہے:

انصاف کے اعتبار سے قتل کے ساتھ اس کی جنایت کی مثل پیش آنا چاہیے، یا مصلحت کے طور پر کہ امن عامہ اور خونریزی سے بچاؤں، اور جانوروں کی حمایت، اور جرائم پیشہ افراد کو روکنا اور یہ سب کچھ صرف قصاص ہی سے ہو سکتا ہے اور ان پر روشن خیال لوگوں (جو درحقیقت تاریک خیال ہیں) کے دعووں اور زعموں کی طرف نہیں جایا جائے گا کہ اس سے تو انسانیت کی تخریب ہے۔ اس لیے کہ قصاص کی مشروعیت میں تمام لوگوں کی زندگی کی حفاظت ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاُولِیْ الْاَلْبَابِ..... البقرة: ۱۷۹/۲

اے علممندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

کیا قصاص قتل کے گناہ کو مٹا دیتی ہے..... اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسے کہ ان کا حدود میں اختلاف ہے زواجر ہیں یا جواہر، جمہور کے ہاں قاتل سے قصاص لینا یا اسے معاف کرنا اس کے قتل کے گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ حدود ان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔ یہ عام ہے اس سے قتل کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ امام نووی نے فرمایا: ظاہری شریعت دنیاوی سزا سے آخری سزا کے ساقط ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں: قصاص یا معافی قتل کے گناہ کو ختم نہیں کرتے اس لیے کہ مقتول مظلوم ہے۔ قصاص میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں قصاص تو زندوں کے لیے نفع بخش چیز ہے تاکہ لوگ قتل سے بچ سکیں۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ..... البقرة: ۱۷۹/۲

کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

تیسری بات: قصاص اور دوسری حدود میں فرق..... جیسے حد زنا، حد شراب، یہ خالص حقوق اللہ میں سے ہیں یعنی ایک جماعت کے ہیں۔ اور قصاص شخصی حق ہے حقوق العباد میں سے اور اس میں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے یعنی جماعت کا، اور حد قذف و حصوں پر مشتمل ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد اسی وجہ سے حنفیہ نے حدود اور قصاص میں سات فرق ذکر فرماتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱..... قصاص میں وراثت ہے اور حدود میں نہیں۔

۲..... قصاص معاف کی جاسکتی ہے حدود معاف نہیں کی جاسکتی۔

۳..... قتل کی شہادت کی قبولیت میں پہلے ہونا مانع شہادت نہیں برخلاف حدود کے سوائے حد قذف کے اس لیے کہ بقیہ حدود میں کافی وقت گزر جانا مانع قبول شہادت ہے۔ شراب میں وقت کا گزرنہ بوزائل ہونا ہے اور باقی حدود میں ایک ماہ گزرنا ہے۔

۴..... قصاص میں سفارش کرنا جائز ہے۔ جبکہ حاکم کے پاس معاملہ پہنچنے کے بعد حدود میں سفارش جائز نہیں البتہ حاکم تک پہنچنے سے پہلے اس میں سفارش جائز ہے۔

۵..... قصاص میں ولی مقتول کا دعویٰ پیش کرنا حاکم کے ہاں ضروری ہے، رہ گئی حدود تو حد قذف اور چوری کے علاوہ میں کسی خاص شخص کا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۷۷۲ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت، دعویٰ کرنا شرط نہیں۔

۶..... گوئے کہ اشارہ اور لکھنے سے بھی قصاص ثابت ہو جائے گی رہ گئی حد تو وہ ان سے ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ شبہ پر مشتمل ہے۔
۷..... قاضی کا اپنے علم اور معلومات کے مطابق قصاص جاری کرنا جائز ہے جبکہ حدود میں یہ جائز نہیں اور یہ متقدمین حنفیہ کے ہاں ہے اور متاخرین نے مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے برے حکام کے سامنے اپنے علم پر قصاص کا سد الذرائع چاہیے قصاص ہو یا حدود اموال ہوں یا کچھ اور۔

۸..... حدود و صرف امام کے واسطے سے جاری ہو سکتی ہیں جبکہ قصاص میں ولی مقتول قصاص لے سکتا ہے حاکم موجود ہونا شرط ہے۔
۹۔ قصاص میں عوض لینا جائز ہے برخلاف حدود کے بمعہ حد قذف کے شوافع نے معاوضہ لینے کی اجازت دی ہے حد قذف میں۔
۱۰۔ حد کے اقرار سے رجوع جائز ہے قصاص میں جائز نہیں۔

چوتھی بات : قصاص کی شرائط..... وجوب قصاص کے لیے کئی شرائط ہیں کچھ قاتل کے متعلق کچھ مقتول کے متعلق کچھ قاتل سے متعلق اور کچھ ولی مقتول کے متعلق۔

قاتل سے متعلق شرائط..... جس قاتل سے قصاص لی جائے گی اس کے لیے چار شرطیں ہیں۔

۱..... وہ مکلف ہو یعنی عاقل بالغ بس بچے اور مجنون پر نہ قصاص ہے نہ حد۔ اس لیے کہ قصاص سزا ہے اور یہ دونوں سزاء کے اہل نہیں اس لیے کہ قصاص جرم جنایت کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور ان دونوں کے فعل کو جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ اور ان دونوں کی طرح ہے وہ شخص جس کی عقل زائل ہو گئی ہو کسی ایسے سبب سے جس کی وجہ سے وہ معذور ہے جیسے سونے والا، بے ہوش وغیرہ نیز یہ ایسے ہی کہ ان کا ارادہ ہی صحیح نہیں لہذا خطا قتل کی طرح ہیں۔ نشہ میں مدہوش شخص سے قاص لیا جائے گا آئندہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق اس لیے کہ نشہ شرعی خطاب کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس پر تمام شرعی احکام لازم ہوں گے اور اس کے تمام معاملات درست ہیں جیسے بیع، طلاق اور اقرار وغیرہ نشہ سے تو صرف ارادہ معذور ہوتا ہے نہ کہ عبارت، البتہ اگر وہ کوئی کلمہ کفر کہے تو حنفیہ کے ہاں استحساناً وہ کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ نشہ والے سے قصاص لینا واجب ہے، اس لیے کہ یہ آدمی کا حق ہے اور حد شراب پر قیاس کرتے ہوئے اور یہ ذرائع بند کرنے کے لیے جو مفسرین کرتے ہیں، اگر اس قصاص نہ لی گئی نشاء اور چیز کے استعمال پر پھر اس نے قتل کیا، زنا کیا، چوری کی، اور وہ سزاء اور گناہ سے امن میں رہا تو پھر اس کی یہ نافرمانی دنیا اور آخرت کی سزائیں ساقط کرنے کا سبب ہوگی (حالانکہ ایسا نہیں)

۲۔ کہ وہ جان بوجھ کر قتل کرے یعنی مقتول کی روح نکالنے کے ارادہ سے ایسا کرے اگر اس سے غلطی ہو گئی تو اس پر کوئی قصاص نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قتل عمد میں قصاص ہے۔ یعنی قتل عمد قصاص واجب کرتا ہے۔ بس یہ حدیث قصاص کے لیے عمد کو شرط قرار دیتی ہے اور مالکیہ کے ہاں عمد ہونا شرط نہیں صرف ظماً ہونا کافی ہے۔

۳۔ قتل عمد میں عمد محض ہونا یعنی اس میں ارادہ قتل نہ ہونے کا شبہ نہ ہو، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً عمد کو شرط قرار دیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: ”العمد تو د میں یعنی عمد کا وصف کامل طریقہ پر ہو، اور شبہ کے ساتھ کمال نہیں ہوتا جیسا کہ بار بار مارنے میں کہ جس سے عادت قتل نہ ہوتا ہو اور اس سے قتل کا ارادہ بھی نہ ہو بلکہ صرف ادب سکھانا اور سزا دینا مراد ہو۔

۴۔ حنفیہ کے ہاں قتل مختار بھی ہو لہذا جس پر زبردستی ہو اس پر کوئی قصاص نہیں اور جمہور کے ہاں مکروہ ہو اور مستکرہ دونوں پر قصاص ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔

مقتول سے متعلق شرائط..... مقتول جس کے بارے میں قصاص واجب ہوتی ہے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۷۸ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

۱..... کہ وہ معصوم الدم ہو اور اس کی زندگی پر ہاتھ اٹھانا حرام ہو، لہذا مسلمان یا ذمی کو حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی مرتد کے اور شادی شدہ زانی اور نہ زندیق اور باغی کے بدلے میں کیونکہ ان سبب کا خون مباح ہے مختلف اسباب کی وجہ سے چنانچہ لڑائی، زنا ارتداد اور بغاوت میں سے ہر ایک سبب ہے ان کے خون رائیگاں ہونے اور مباح الدم ہونے کا۔

خون کا معصوم ہونا حنفیہ کے ہاں اسلام اور دار اسلام میں رہائش کی وجہ سے ہے بس جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو اور اس میں رہائش اختیار کی تو اس کے قاتل سے وہاں قصاص نہ لی جائے گی اس لیے کہ کامل طور پر معصوم الدم ہونا ایمان اور رہائش سے ہے اور اسلام سے صرف ایمان حاصل ہوتا ہے اور نہ کے رہائش، رہائش تو دار اسلام میں اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جمہور کے ہاں عصمت صرف اسلام یا امان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے بس جس نے کسی مسلمان کو دار الحرب میں عداقت کیا اسلام کی حالت میں تو اس پر قصاص ہے، چاہے وہ دار اسلام کی طرف ہجرت کر چکا ہو یا نہ کی ہو، نیز حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ عصمت ہمیشہ کے لیے ہو، لہذا متامن معصوم الدم نہیں اس کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ اس کی عصمت دوران امان موقت ہے موبدہ ہمیشہ کے لیے نہیں، لہذا اس کے خون میں مباح ہونے کا شبہ ہے۔ جمہور اس قید میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا چاہے وہ کافر امان لے کر رہ رہا ہو یا ذمی ہو یا معابد، اس لیے کہ کافر ہمیشہ کے لیے معصوم الدم نہیں ہوتے یہ حربی کے مشابہ ہیں۔

باپ بیٹے کو قتل کر دے یا بیٹا باپ کو:

۲..... جسے قتل کیا گیا ہے یعنی مقتول قاتل کا جزو نہ ہو یعنی ان میں باپ بیٹے والا رشتہ نہ ہو، لہذا والدین میں سے کسی ایک پر بھی قصاص نہیں (باپ، دادا، ماں، دادی اور پرتک) جبکہ وہ بیٹے کو قتل کر دیں یا پوتے، پڑپوتے وغیرہ کو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیٹے کی وجہ سے والد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ابن عبدالبر نے فرمایا: یہ حدیث مشہور ہے اہل علم کے درمیان، حجاز اور عراق میں اور یہ ان کے ہاں مشہور ہے اس کی شہرت اور قبولیت کی وجہ سے یہ سند سے مستغنی ہے، اس طرح کی مشہور روایتوں کی سند تلاش کرنا تکلف ہے۔

نیز باپ کے قصاص میں شبہ بھی ہے جو حدیث سے ثابت ہے ”انت ومالك لأبيك“ اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے نیز والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا حکم ان سے قصاص کو روکتا ہے، نیز والد بیٹے کی ایجاد کا سبب ہے لہذا بیٹا اس کے معدوم کرنے کا سبب نہیں ہو سکتا۔ جب والد کو بیٹے کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا تو پھر اس پر دیت واجب ہے یہ حکم تمام مذاہب کے آئمہ کے درمیان متفق علیہ ہے البتہ مالکیہ ایک حالت کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں وہ یہ کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ والد نے بیٹے کو واقعی قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس ادب کی وجہ سے ادب سکھانے اور سزا کا ارادہ ختم ہو جائے گا، مثلاً وہ اسے لٹا کر ذبح کر دے یا اس کے پیٹ کا چیر دے یا اس کے اعضاء کاٹ دے اس میں قصاص ہوگی، لیکن اگر اس نے اسے اصلاح اور ادب سکھانے کی غرض سے مارا یا اسے تلوار سے مارا، یا عصا سے اس سے وہ قتل ہو گیا تو اس کے بدلے میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیٹے کو والد کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جب وہ والد کو قتل کر دے کیونکہ قصاص کی آیات عام ہیں ہر قاتل سے لیا جائے گا البتہ حدیث سے جو مستثنیٰ ہیں وہ الگ ہیں۔

اس حکم میں باپ اور بیٹے میں فرق کی علت وہ محبت کی قوت ہے باپ بیٹے کے درمیان الایہ کہ باپ کی محبت ہر قسم کے مادی شبہ سے پاک ہے اور اسے کسی نفع کی انتظار نہیں لہذا اس کی محبت اصلی ہے اپنے نفس کے لیے نہیں جو اس کی زندگی کی حرص کرتی ہے طبعی طور پر، اور رہ گئی بیٹے کی محبت باپ سے تو وہ انتظار منفعت کے شبہ سے پاک نہیں کیونکہ والد کی وفات کے بعد اس کا مال بیٹے کا ہو جاتا ہے لہذا عمومی طور پر وہ اس کی زندگی کا حریص نہیں ہوتا لہذا اس کی محبت اپنے نفس کے لیے ہے جیسے لہذا اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

برابری..... جمہور نے یہ شرط لگائی ہے کہ مقتول قاتل کے برابر ہو اسلام اور آزادی میں لہذا مسلمان کو قصاصاً کافر کے بدلے میں قتل

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۷۹ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 نہیں کیا جائے گا اور نہ آزاد کو غلام کے بدلے میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، نیز آپ کا ارشاد ہے: مسلمانوں کے خون برابر ہیں لہذا کسی مؤمن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور غلام کے متعلق آپ کا ارشاد ہے: آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اور حضرت سے علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”سنت میں سے ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے۔ حنفیہ نے آزادی اور دین کی قید نہیں لگائی بلکہ صرف انسان میں برابری کافی ہے، قصاص کی آیات کے عموم کی وجہ سے کہ ان میں ایک نفس اور دوسرے نفس میں کوئی فرق نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ البقرة ۱۷۸/۲

فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنے مقتولوں میں، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ المائدة ۴۵

اور احادیث کے عموم کی وجہ سے کہ ”العمد قود، قتل عمد میں قصاص ہے۔ نیز زندگی کے حق کی حفاظت کی خاطر اور مسلمان کے ذمی کے قتل میں اس کی تحقیق یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے قتل کرنے سے ابلغ ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان دینی دشمنی ہے، اور روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصاص لی کافر کے بدلے میں مسلمان سے اور فرمایا میں زیادہ حقدار ہوں کے اس کے ذمہ کی وفاداری کروں، نیز بندہ آدمی ہے معصوم الدم ہے لہذا آزاد کے مشابہ ہے اور قصاص صرف عصمت میں مساوات کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ البقرة ۱۷۸/۲

اس ارشاد:

الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى البقرة ۱۷۸/۲

کی مراد میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے ہاں اس مراد در کرنا ہے ان قبائل پر جو یہ معاملہ کرتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے میں صرف آزاد کو قتل کیا کرتے تھے اور عورت کے بدلے میں فرد کو جیسا کہ شعی کی روایت میں ہے۔ تو ان کے اس ظلم کو باطل کر دیا گیا اور قصاص کو صرف قاتل پر فرض مؤکد قرار دیا نہ کہ اس کے علاوہ اسے پس آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں کہ آزاد کو غلام کے بدلے نہ قتل کیا جائے یا مرد کو عورت کے بدلے نہ قتل کیا جائے۔ اور جمہور کے ہاں اللہ تعالیٰ نے قصاص میں برابر کو واجب کیا ہے پھر معتبر مساوات کو بیان کیا ہے کہ آزاد، آزاد کا مساوی ہے اور غلام، غلام کا اور عورت، عورت کی، لیکن اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ جمہور کے ہاں استدلال کا معیار لفظ ”القصاص“ ہے جو قتل میں مساوات اور مماثلت کو واجب کرتا ہے اور حنفیہ کے ہاں استدلال کا معیار لفظ ”القتلی“ ہے جو قاتل میں قصاص کو واجب کرتا ہے اور یہ گئی حدیث کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، اور نہ معاہدہ کو اس کے عہد میں، تو حنفیہ کے ہاں اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمان اور معاہدہ کو حر بی کافر کے بدلے اس لیے کہ کافر سے مراد حر بی کافر ہے دلیل یہ ہے کہ حر بی کافر کو معاہدہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ معاہدہ کو اس کے مثل معاہدہ کے بدلے میں اجماعاً قتل کیا جائے گا۔ بس لازم ہے کہ معطوف علیہ کافر سے حر بی مراد لیا جائے جیسے معطوف مقید ہے اس لیے کہ صفت متعدد چیزوں کے بعد اتفاقی طور پر جمع کی طرف لوٹتی ہے۔ بس تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو کافر حر بی کے مقابلہ میں قتل نہ کیا جائے گا اور نہ ہی معاہدہ کو کافر حر بی کے مقابلہ میں۔ اس لیے کہ ذمی یا معاہدہ جس کسی ذمی کو قتل کریں تو انہیں اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، بس معلوم ہوا کہ اس سے مراد حر بی کافر ہے اس کے بدلے میں مسلمان اور ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور جمہور کی طرح یہ نہ کیا جائے گا کہ اس معنی ہے معاہدہ کو مطلقاً قتل نہ کیا جائے گا یعنی اس کا قتل حلال نہیں یا اس معنی کہ یہ نیا کلام ہوا ابتدائی اس لیے کہ حدیث سے مراد قصاصاً قتل کی نفی ہے نہ کہ مطلق قتل کی پس معطوف معطوف علیہ کی طرح ہوگا۔ اور حنفیہ کے قول کی تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے، کہ مسلمان جب ذمی کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ بس جب ذمی کے مال کی حرمت

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
مسلمان کے مال کی طرح ہے کہ اس کے خون کی حرمت بھی مسلمان کی حرمت کی طرح ہوگی۔

لیکن جمہور نے خفیہ کے دلائل کا جواب دیا ہے کہ حدیث کہ ”میں زیادہ حقدار ہوں ذمہ داری کو وفا کا“ یہ ضعیف ہے اور ذمی کے خون میں اباحت کا شبہ ہے اس کے کفر کی وجہ سے اور شبہ کے ساتھ قصاص نہیں ہوتی، اور حدیث ”لاذو عہد فی عہدہ“ کلام تام ہے تقدیر عبارت کا محتاج نہیں اور یہ نیا جملہ ہے جو ذمیوں اور معاہدوں کے خون کے حرمت کے بیان کے لیے ہے بغیر نقص کے، اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ عطف کے لیے ہے تو مشارکت پھر اصل نفی میں ہے نہ کہ ہر اعتبار سے۔ اور اگر ہم حربی کی تقدیر تسلیم کریں دوسرے جملے میں تو پھر بھی ہم کافر کی تخصیص حربی کے ساتھ تسلیم نہیں کرتے، رہ گیا قیاس تو وہ نص کے مقابلہ میں کہ ”لا یقتل مسلم لکافر“ پھر یہ بات بھی ہے کہ چوری کی حد حقوق اللہ میں سے ہے کہ اور قصاص مساوات کا اظہار کرتی ہے اور کافر مسلم میں مساوات ہیں۔

اس کے علاوہ پرفہماء کا اتفاق ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور بڑے کو چھوٹے کے بدلے میں عاقل کو مجنون کے بدلے میں اور عالم کو جاہل کے بدلے میں، شریف کو کمینے کے بدلے میں اور صحیح اعضا والے کو کٹے ہوئے اعضا اور شل کے بدلے میں، یعنی جنس، عقل، بلوغ، شریف و فضیلت، کمال ذات اور سلامت اعضاء میں برابری شرط نہیں۔

کیا باغی کو، عادل کے بدلے یا اس کے برعکس قتل کیا جائے؟ خفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: باغی کو عادل کے بدلے اور عادل کو باغی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے گمان میں معصوم الدم نہیں کہ تاویل کے ذریعہ اس کے خون کو حلال سمجھتے ہیں، زہری نے کہا: نہ صحابہ کرام کے زمانے میں فتنہ ہوا اور صحابہ کرام کافی مقدار میں تھے ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے ہر وہ خون جو قرآن کریم کی تاویل سے حلال ہوتا ہے وہ رائج کا ہے۔

شوافع کے ہاں..... باغی سے عادل کے قتل میں قصاص لیا جائے گا اور اس کے برعکس حالات قتل کے علاوہ میں اس لیے کہ مقتول مطلقاً معصوم الدم ہے اس لیے کہ اسلام قتل کی حالات کے علاوہ باغیوں کے خون کو منع کرتا ہے۔ اور باغیوں کا حکم نفس، مال اور حد۔ اگر دوران قتال نہ ہو تو اہل عدل کے حکم کی طرح ہے۔ جب وہ حالت قتال کے علاوہ تلف کریں گے تو ضامن ہوں گے ورنہ نہیں لیکن شوافع کے ہاں صحیح یہ ہے کہ باغی کو حتی طور پر قتل ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے معاف کیا جاسکتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جب انہیں ابن کعب نے زخمی کیا تھا شہادت سے پہلے کہ اسے کھانا کھلاؤ پانی پلاؤ قید رکھو اور میں زندہ رہا تو اس کے خون کا ولی ہوں چاہوں تو اسے معاف کر دوں اور چاہوں تو قصاص لوں اور اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا لیکن اس کا مثلہ نہ بنانا۔ شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں: عادل کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے ذی رحم محرم کو باغیوں میں سے قتل کرے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ کیا ہے کہ دار البغوات کا حکم دار السلام کا سا ہے جب اس میں کوئی حد پیش ہونے والا واقعہ ہو جائے تو امام حد نافذ کرے۔

ناگہانی قتل..... یہ مال لینے کے لیے قتل کرنا ہے چاہے یہ قتل خفیہ ہو جیسے اسے دھوکا دے کر ایسی جگہ لے جائے کہ اس میں اسے قتل کر کے مال لے لے یا ظاہری طور پر قتل کرے کہ وہاں پر کوئی مددگار نہ ہو۔ اس دوسری صورت کو حرام کہتے ہیں اس قتل کا حکم بھی باقی قتل کی قسموں کی طرح ہے۔ جمہور کے ہاں قصاص، معافی وغیرہ اور برابری میں۔ جبکہ مالکیہ کے ہاں: اس قاتل کو قتل کیا جائے گا فساد اور ذاکر زنی کی وجہ سے، نہ کہ قصاصاً جب یہی بات ہے کہ اسے فساد وغیرہ کی وجہ سے قتل کیا جائے گا نہ کہ قصاص کے طور پر لہذا مالکیہ کے ہاں برابری کی شرط نہیں لہذا آزاد کو غلام کے بدلے میں مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور اس میں معافی نہیں اور صلح اور صلح مقتول کے ولی کی صلح مردود ہے جبکہ اس میں حکم حاکم کی طرف ہے۔

قتل سے متعلق شرائط..... خفیہ نے اس قتل کے لیے جو قصاص کا موجب ہے شرائط لگائی ہیں کہ وہ قتل براہ راست ہونہ کے بطور

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۸۱ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

سبب اگر لٹو سبب ہوا تو اس میں دیت ہوگی، جیسے کوئی درمیان راہ کھواں کھودے اور اس میں کوئی گر کر مر جائے تو کھودنے والے پر دیت ہے اسی طرح جب قصاص کے گواہ قتل کے بعد اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان پر بھی دیت واجب ہے۔ اس لیے کہ ان سے براہ راست قتل نہیں پایا گیا، بلکہ ان سے قتل کا سبب پایا گیا، حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات نے یہ شرط نہیں لگائی وہ کہتے ہیں سبب سے براہ راست قتل کی طرح قصاص واجب ہے۔ اس لیے کہ دونوں مماثل ہیں جیسے کہ پہلے بیان کیا اور اس کا خلاصہ یہ ہے: جمہور کے ہاں قصاص سبب جس میں بھی واجب ہے جیسے زبردستی قتل کروانا اور سبب شرعی میں بھی جسے چھوئے اور بعض حالتوں میں سبب عرفی میں بھی جیسے مہمان بچے اور مجنون کو زہر آلود کھانا دینا البتہ جمہور کا سمجھدار عاقل بالغ کو زہر آلود کھانے دینے میں اختلاف ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی قصاص ہے اور امام شافعی کے ہاں اس صورت میں قصاص نہیں بلکہ قتل شہ عمد کی دیت ہے۔ جیسا کہ ان کا اختلاف ہے اس شرط کی حالت میں کہ جب وہ ایسا سبب ہو جو ہلاکت میں خود موثر نہ ہو اور اس سے ہلاکت حاصل نہ ہو بلکہ کسی اور سے ہو اور اس غیر کا اثر اس پر موقوف ہو۔ جیسے کھودنے کے ساتھ دھکیلا قتل کے ساتھ کھانا پانی بند رکھنا، جس کو قتل کیا جا رہا ہے اس کی طرف راہنمائی کرنا، تو مالکیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں براہ راست قتل کرنے والے سے قصاص ہوگا اور سبب بننے والے کو تعزیر لگائی جائے گی اور مالکیہ کے ہاں دونوں سے قصاص لی جائے گی اسی طرح فاعل اور شریک کے اشتراک کی صورت میں بھی اختلاف ہے پس جس نے اتفاق کیا یا ابھارا جرم پر براہ راست قتل نہیں کیا تو آئمہ کے ہاں اس پر تعزیر ہے۔ امام مالک کے علاوہ کے ہاں اسی طرح جس نے قتل پر تعاون کیا اور خود قتل نہیں کیا، مالک کے ہاں اس پر بھی قصاص ہے اور بقیہ آئمہ کے ہاں اس پر تعزیر ہے۔

ولی مقتول سے متعلق شرائط..... حنفیہ نے ولی مقتول صاحب حق کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ معلوم ہو اگر مجہول ہے تو قصاص واجب نہیں، اس لیے کہ قصاص واجب کرنے کا مقصد حق وصول کرنا ہے اور مجہول کی طرف سے حق وصول کرنا معتذر ہے لہذا ایجاب معتذر ہے اور باقی آئمہ کا اس میں اختلاف ہے۔

پانچویں بات: موانع قصاص..... قصاص کی سابقہ شرائط سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ یہاں کچھ حالات ایسے ہیں جو قصاص کے مانع ہیں اور وہ چھ ہیں اور ممکن ہے ان حالات کو اس مفہوم کے تحت داخل کیا جاسکتا ہے کہ شبہات سے حدود دور کی جاسکتی ہیں اور ان میں یہ قصاص بھی ہے۔

۱..... فقہاء مذاہب کے ہاں حالت ابوت سوائے اس حالت کے جب والد سے قطعی ارادہ ظاہر ہو جائے مالکیہ کے ہاں اس سے قصاص ہے، اور زوجیت کا رابطہ تمام مذاہب کے ہاں بالاتفاق مانع قصاص نہیں اس میں زہری اور لیث بن سعد کا اختلاف ہے۔

۲..... جمہور فقہاء کے ہاں قاتل اور مقتول میں اسلام اور حریت میں عدم تکافر ہونا برخلاف حنفیہ کے ہاں البتہ کفار حنفیہ کے ہاں بعض بعض کے مقابلہ میں قتل کئے جائیں گے بغیر کسی تفریق کے، پس ذمی کو ذمی مجوسی حرابی اور مستان کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

۳..... جرم اور جنایت کی حالت میں اشتراک یعنی قتل پر تو اتفاق ہے لیکن قتل میں حاضر نہیں ہوئے یا ابھارنا اور مدد کرنا قتل پر لیکن قتل میں شامل نہ ہوا پس جس نے براہ راست قتل نہیں کیا اس پر قصاص نہیں بلکہ جمہور کے ہاں تعزیر ہے اور مالکیہ کے ہاں جو حاضر تھے اور جنہوں نے مدد کی ان سے بھی قصاص لیا جائے گا چاہے اس نے براہ راست قتل نہ بھی کیا ہو جیسے چوکیدار وغیرہ۔ البتہ جب کئی لوگ مل کر کسی کو قتل کریں تو

بالاتفاق مذاہب ان سب سے قصاص لیا جائے گا۔

۴..... حنفیہ کے ہاں قتل کا سبب بننا۔

۵..... حنفیہ کے ہاں ولی قصاص کا مجہول ہونا۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۲ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
۶..... حنفیہ کے ہاں قتل کا دارالحرب میں ہونا۔ پس جو مسلمان دارالحرب میں قتل ہو گیا تو حنفیہ کے ہاں اس کا قصاص نہیں کیونکہ حاکم کو
دارالحرب میں ولایت حاصل نہیں چاہے مقتول دارالحرب میں اسلام لایا ہو اور اس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی ہو یا وہ دارالسلام کا مسلمان
ہو اور دارالحرب میں اماں لے کر گیا ہو۔ یا اجازت نامہ لے کر تاجیسے جبر اور قیدی، اور قید ایک امر طاری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں
تاجری کی دیت واجب ہے البتہ قیدی کی نہیں، اس لیے کہ قیدی تو اہل حرب کے قہر میں ہے تو گویا وہ ان کے تابع ہے لہذا مقتوم شمار نہ ہوگا۔ حنفیہ
کے علاوہ باقی آئمہ ان تمام حالتوں میں قصاص واجب قرار دیتے ہیں۔

چھٹی بات : وجوب قصاص کی کیفیت..... قاتل پر قصاص واجب ہے الا یہ کہ مقتول کا ولی معاف کر دے جب اس نے
معاف کر دیا تو آیا دیت لازم ہے یا نہ؟ حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے ظاہر مذہب کے مطابق جو ان کے ہاں رائج ہے اور ایک روایت امام احمد
کی یہ ہے کہ قتل عمد کا موجب وہ قصاص متعین ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ“ یہ آیت
قتل عمد میں قصاص کو متعین کرتی ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قتل عمد میں قصاص ہے۔ نیز قصاص بھی تلف شدہ چیز کا بدل ہے لہذا اس
کی جنس کی جزاء متعین ہے جیسے تمام تلف شدہ چیزوں کی ہے۔ اس سلسلہ میں شوافع کی عبارت عمدہ ہے کہ قتل عمد کا موجب قصاص ہے متعین،
اور دیت اس کے ساقط ہونے کی صورت میں اس کا بدل ہے، اور ایک قول کے مطابق قتل عمد کا موجب جب قصاص اور دیت میں سے کوئی
ایک ہے، بہم طور پر اور دونوں قولوں کے مطابق ولی مقتول معاف کر سکتا ہے اور دیت لے سکتا ہے قاتل کی اجازت کے بغیر بھی اور پہلے قول
کے مطابق اگر مطلقاً معاف کر دیا تو مذہب و فتویٰ یہ ہے کہ کوئی دیت نہیں۔ اسی رائے کی بناء پر حنفیہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر ولی مقتول
نے مطلق قصاص معاف کر دیا اور دیت کا مطالبہ نہ کیا تو قاتل پر دیت لازم نہ ہوگی البتہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ اپنی طرف سے دے دے
معافی کے مقابلہ میں اور ولی کو اختیار ہے کہ مفت میں معاف کر دے یا قصاص لے لے یعنی اسے یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لے لے یا
دیت نہ کہ صرف قصاص ہی لے اور معافی دیت پر اور اس سے زیادہ یا کم پر قاتل کی رضامندی سے جائز ہے اور اس صورت میں دیت
قصاص کا بدل شمار ہوگی۔ اگر اولیاء کئی ہوں اور ان میں سے ایک جلد بازی میں اسے قتل کروادے اور دوسروں کی رائے ظاہر ہونے سے پہلے
تو باقیوں کا حق قصاص اور دیت میں ساقط ہو جائے گا، چونکہ دیت قصاص کا بدل ہے لہذا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ سزا اور اس کے بدل
کو جمع کرے اور حنا بلہ کے ہاں امام احمد کی دوسری روایت کے مطابق جو ان کے ہاں رائج ہے اور شوافع کے ایک قول کے مطابق قصاص ہی
صرف متعین طور پر واجب نہیں بلکہ قتل عمد میں دو چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہے قصاص یا دیت، اور ولی کو ان میں سے کسی ایک کو متعین
کرنے کا اختیار ہے چاہے تو قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے قاتل کی رضامندی کے بغیر بھی اور تعزیر دیت کا بدل شمار ہوگی۔ اور
ان کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۖ..... البقرة: ۱۷۸

اور اس کا معنی یہ ہے کہ قاتل تتبع اور تلاش کرے اور دیت ادا کرے میں اللہ تعالیٰ نے صرف معاف کرنے پر تتبع کو واجب کیا ہے اگر قتل
عمد میں متعین طور پر قصاص ہی واجب ہوتی، تو مطلقاً معافی کی صورت میں دیت واجب نہ ہوتی، پھر یہ کہ دیت نفس کے بدلین میں سے ایک
ہے لہذا یہ اس کا بدل ہوگی نہ کہ یہ قصاص کا بدل ہے۔ اور رہ گئی حدیث جس نے قتل عمد کیا اس میں قصاص ہی ہے، تو اس سے مراد قصاص
واجب ہے اور قتل باقی تلف شدہ چیزوں سے مختلف ہے اس لیے کہ باقی تلف شدہ چیزوں کا بدل ارادہ اور عدم ارادہ سے مختلف نہیں ہوتا،
جب قتل اس کے برخلاف ہے۔ حنا بلہ نے مزید دلائل بھی ذکر کئے ہیں: ان میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں
صرف قصاص تھا دیت نہ تھی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ..... البقرة: ۱۷۸

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: جس نے کسی کو قتل کیا تو اسے دو چیزوں میں اختیار ہے یا تو اس کی دیت ادا کرے یا اس سے قصاص لیا جائے، اس رائے پر یہ بات قریب ہے کہ اگر دلی نے قصاص کو مطلقاً معاف کیا دیت کے ساتھ تو اس صورت میں دیت واجب ہے اس لیے کہ واجب متعین نہیں، جب ایک چھوڑی جائے تو وہ دوسری واجب ہے اور اگر اس نے دیت اختیار کی تو قصاص ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے قصاص اختیار کیا تو وہی متعین ہو جائے گی۔ اور اس آخری حالت میں آیا اسے اس کے بعد دیت کے ساتھ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ قاضی ابویعلیٰ حنبلی نے فرمایا: اسے اس کا اختیار ہے، اس لیے کہ قصاص اعلیٰ چیز ہے تو اسے ادنیٰ کی طرف انتقال کی اجازت ہے، اور یہ قصاص کا بدل ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا اختیار نہ ہو اس لیے کہ اس نے دیت خود ساقط کی ہے قصاص اختیار کر کے لہذا اب اس کی طرف نہیں آیا جائے گا۔

ساتویں بات: قصاص لینے کا حقدار کون..... قصاص کا حقدار اسے وصول کرنے والا اولی الدم، حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں ہر وہ وارث ہے جو مال کا وارث بنے چاہے وہ ذوی الفروض میں سے ہو یا عصباء میں سے یعنی تمام ورثہ چاہے عورتیں ہوں یا مرد، خاوند ہوں یا بیویاں، مالکیہ کے ہاں: قصاص کے مستحق صرف مذکر عصباء ہیں البتہ الاقرب فالاقرب کے اصول البتہ داد اور ادائیگی قصاص اور معافی میں ایک درجہ کے ہیں، البتہ قصاص میں بہنوں، بیٹیوں، بیوی اور والا خاوند کا کوئی دخل نہیں اس لیے کہ قصاص عار دور کرنے کے لیے ہے لہذا یہ شادی کی ولایت کی طرح عصباء کے ساتھ خاص ہے۔ اور عورتیں تین شرائط کے ساتھ قصاص کی مستحق ہیں مالکیہ کے ہاں۔

۱..... یہ کہ مقتول کے وارث بیٹیاں اور بہنیں ہوں تو چچی اور خالہ وغیرہ والا رحام نکل جائیں گے۔

۲..... کہ عصبہ میں سے کوئی اس کی قوت اور درجہ کا نہ ہو یا اس طور کہ اور کوئی پایا ہی نہ جائے، یا پایا تو جائے لیکن اس سے نیچے والے درجے کا جیسے بیٹی کے ساتھ چچا، یا بہن کے ساتھ بیٹی، لہذا بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن اس سے نکل جائیں گی لہذا ان کی بات اس کے معتبر نہ ہوگی نہ معافی میں نہ قصاص میں یعنی اس صورت میں اسے قصاص طلب کرنے کا حق نہ ہوگا، اس لیے کہ درجہ بہ درجہ قوت میں برابر ہیں۔ برخلاف حقیقی بہن کے بھائی کے ساتھ ہو وہ اس کے ساتھ بات کر سکتی ہے۔ اگرچہ وہ اس عورت کے ساتھ درجہ میں برابر ہیں لیکن قوت میں اس سے کم ہے۔

۳..... کہ وہ عصبہ ہو اور اس طرح ہو کہ اگر اسے مذکر فرض کیا جائے پس حنفی بہن، بیوی اور دادی ماں کے ساتھ شریک نہیں ہوں گی اور ماں کو قصاص کے مطالبہ کا حق ہے اس لیے کہ اگر مذکر ہوتی تو باپ ہوئی اس لیے کہ یہ والدہ ہے، لیکن باپ کی موجودگی میں اس کی بات کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ عصبہ اس کے مساوی ہے۔

جب ورثہ زیادہ ہوں تو کیا حق قصاص تمام وارثوں کو حاصل ہوگا مستقل طور پر یا سب اس میں مشترک ہوں گے اس میں دورائے ہیں:

پہلی رائے..... امام ابو حنفیہ اور امام مالک کے ہاں: کہ قصاص کا حق ہر وارث کو مستقل طور پر حاصل ہے اس لیے کہ یہ حق مقتول کی وفات کی وجہ سے ان کے لیے ابتدائے حق ہے، اس لیے کہ قصاص مقتول کا مقصد وہ تشفی ہے اور میت کے لیے تو تشفی نہیں پس ورثاء کے لیے یہ ابتداء ثابت ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ حق قصاص مجزی نہیں اور جو حق کسی جماعت کے لیے ثابت ہوا اور اس میں تجزی نہ ہوتی ہو تو وہ ہر ایک کے لیے بطور کمال ثابت ہوتا ہے، گویا اس کے ساتھ کوئی اور ہے ہی نہیں جیسے شادی کی ولایت اور امان کی ولایت۔

دوسری رائے..... شوافع، حنابلہ اور صاحبین، کے ہاں: قصاص کا حق تمام ورثاء کے لیے بطور شرکت ثابت ہے اس لیے کہ اصل میں قصاص کا حق مقتول کا ہے، اب وہ اس کی بذات خود وصولی سے موت کی وجہ سے عاجز آ گیا لہذا ورثاء اس کے قائم مقام ہیں وراثت کی وجہ سے لہذا اس میں مشترک ہوں گے جس طرح مال کی میراث میں ہوتے ہیں۔ اس اختلاف پر مقرر ہے کہ جب اولیاء زیادہ ہوں تو آیا جب

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۴ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
کوئی ایسا بچہ ہو تو وصولی قصاص کے لیے اس کی بلوغت پر نظر رکھی جائے گی یا وہ غائب ہے اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا یا وہ مجنون ہے اس کے افاقہ تک اس کی انتظار ہوگی؟ تو پہلی رائے کے مطابق بچے کی بلوغت کی انتظار نہیں مجنون کے افاقہ کی اور وصولی قصاص کا حق بڑے کو ہوگا اور حاضر عاقل کو ابلتہ غائب کا انتظار کیا جائے گا شاید وہ معاف کر دے۔

اور دوسری رائے کے مطابق بچے کے بلوغ، مجنون کے افاقہ اور غائب کی حاضری کا انتظار ہوگا اس صورت میں بڑے جو موجود ہیں وغیرہ کے لیے قصاص لینا مستقل طور پر جائز نہ ہوگا، اور اس حالت میں قاتل کو گرفتار کیا جائے گا غائب کے حاضر ہونے تک اور بچے کے بالغ اور مجنون کے افاقہ ہونے تک اور کفیل کے سپرد نہیں کیا جائے گا اور اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو سوائے مسلمانوں کے تو فقہاء کے ہاں بالاتفاق معاملہ حاکم کے سپرد ہے۔ شرعی قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے کہ ”سلطان اور حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں“ اگر حاکم کی رائے قصاص کی ہو تو قصاص لیا جائے گا اور اگر اس کی رائے معافی کی ہو تو معاف کیا جائے گا اس لیے کہ حق مسلمانوں کا ہے۔ بس حاکم پر واجب ہے کہ وہ جس میں مصلحت دیکھے وہ کرے اس لیے کہ حاکم کے تصرفات رعیت کے ساتھ وہ مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اگر وہ بغیر مال کے معاف کرنا چاہے تو اس کے لیے جائز نہیں، اس لیے کہ یہ ایسا تصرف کر رہا ہے جس میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہیں لہذا یہ اس کا مالک بھی نہیں۔

آٹھویں بات: قصاص کی وصولی کی ولایت..... ولی قصاص کے منفرد اور متعدد ہونے کی صورت میں وصولی قصاص کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ جب مستحق قصاص منفرد ہو تو وہ چھوٹا ہوگا یا بڑا (الف) اگر وہ بڑا ہے تو اسے قصاص لینے کا حق ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطَانًا، فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا..... لآیہ
(ب)..... اگر وہ چھوٹا ہے یا مجنون ہے تو مشائخ حنفیہ کے ہاں اس کے بڑے ہونے کے انتظار میں دو قول ہیں: بعض کے ہاں اس کے بلوغ کی انتظار کی جائے۔ اور بعض کے ہاں قاضی اس کے نائب کی حیثیت سے قصاص لے لے۔

مالکیہ کے ہاں..... بلوغ اور افاقہ کا انتظار نہیں کیا جائے گا بچے کے ولی اور مجنون کے ولی یا وصی کو قصاص لینے کا اختیار ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بچے کے بالغ ہونے اور مجنون کے افاقہ کا انتظار کیا جائے گا، اس لیے کہ قصاص تشفی کے لیے ہے پس اس کا حق مستحق کے اختیار کے سپرد کرنا ہے لہذا غیر کے وصول کرنے سے مقصود حاصل نہیں ہوگا ولی، حاکم یا باقی ورثہ کے لینے سے۔

۲۔ جب مستحق قصاص زیادہ ہوں: یا تو سارے بڑے ہوں گے یا ان میں سے کچھ چھوٹے بھی ہوں گے۔
(الف)..... اگر سارے بڑے اور حاضر ہو تو ان میں سے ہر ایک کو قصاص لینے کی ولایت حاصل ہوگی اگر کسی ایک نے قصاص لے لیا تو سب کی طرف سے قصاص ہو جائے گا، اس لیے کہ قصاص کا حق اگر میت کے لیے ہو جیسا کہ (صحابین رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے) تو ورثاء میں سے ہر ایک میت کا حق وصول کرنے کا حق ہوگا، جیسا کہ مال کی وصولی کے وقت۔ اور اگر ابتداء مستقل طور پر ورثاء کو حاصل ہو جیسے امام ابو حنفیہ اور مالک کی رائے ہے تو ورثاء میں سے ہر ایک کو قصاص کا مکمل طور پر حق حاصل ہے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں وصولی قصاص کے وقت سب مستحقین کا حاضر ہونا شرط ہے کہ یہ احتمال ہے غائب معاف کر دے گا۔ اگر مستحقین میں سے ایک کے جلد بازی سے قاتل کو قتل کر دیا تو حنفیہ کے ہاں سب کی طرف سے قصاص وصول ہو گیا اس لیے کہ قصاص متعین طور پر واجب ہے۔ اور باقی ورثاء کے لیے مال میں سے کچھ نہیں بلکہ قصاص لینے والے کو تعزیر لگائی جائے گی کہ اس نے مسلمانوں کے حاکم سے سبقت لی ہے۔

حنابلہ اور شوافع کے ہاں..... اس حالت میں جب کوئی جلد بازی سے قاتل سے قصاص لے لے تو اس پر کوئی قصاص نہیں اور باقی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۵ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
ورثاء کے لیے جانی کے ترکہ میں سے ان کے حصہ کی دیت ہے اس لیے کہ ان کا حق بغیر اختیار کے ساقط کیا گیا ہے اور یہ جانی کے ترکہ سے ہوگا
نہ کہ جلد بازی سے قتل کرنے والے کی طرف سے، اس لیے کہ جلد بازی کرنے والا اپنے حق کے علاوہ میں اجنبی کی طرح ہے اور اگر کوئی اجنبی
بھی جلد بازی سے قاتل کو قتل کر دیتا تو بھی قاتل کے ترکہ سے دیت لی جاتی ہے نہ کہ اجنبی سے۔

(ب)..... اور اگر مستحقین قصاص، بڑے اور چھوٹے ہوں یا ان میں کوئی مجنون ہو یا کوئی غائب ہو، تو امام ابوحنفیہ اور مالک کے ہاں
بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ اور بچے کے بڑے ہونے اور مجنون کے افاق کا انتظار نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ قصاص کا حق ورثاء کے لیے
ابتداءً مستقل طور پر ثابت ہے، نیز قصاص ایک ایسا حق ہے کہ اس میں تجزی نہیں ہو سکتی۔ ایسے سبب سے ثبوت کی وجہ سے جو متجزی نہیں اور وہ
قربت ہے، اور اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت حسن کے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی قصاص لینے سے ابن نجم سے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ
کے ورثاء میں چھوٹے بھی تھے۔

البتہ غائب کا انتظار کیا جائے گا شاید وہ معاف کر دے اور اس سے شبہ واقع ہو اور شبہ کے ساتھ قصاص نہیں برعکس صغیر کے اس لیے کہ اس
سے بچنے کی حالت میں معافی ممکن نہیں قصاص لیتے وقت اس لیے کہ وہ معاف کرنے کا اہل نہیں مالکیہ کے ہاں غائب کی انتظار اس صورت
میں ہے جب وہ کہیں قریب ہی ہو اس طور کہ اس تک خبر پہنچ سکتی ہو رہ گئی دور کی غیبت کی خبر پہنچا ممکن نہ ہو جیسے قیدی اور مفقود تو پھر انتظار نہ کی
جائے گی، حنفیہ اور مالکیہ کہ ہاں والد اور دادا کو بچے کی قصاص لینے کا حق ہے، اور یہ ولایت مالکیہ نے وصی کو بھی دی ہے۔

صاحبین شوافع اور حنابلہ کے ہاں: مقتول کے بعض ورثاء کو دوسروں کی اجازت کے بغیر قصاص لینے کا حق نہیں، اگر ان میں کوئی بچہ ہو تو
اس کے بلوغ کا انتظار اور مجنون ہو تو اس کے افاق کا انتظار اور اگر کوئی غائب ہو تو اس کے آنے کا انتظار کیا جائے گا اس لیے کہ قصاص ایک
مشترک حق ہے جو ان کے درمیان ہے اور کوئی ایک بھی دوسرے کے حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، لہذا قاصر کے کمال تک اسے مؤخر
کیا جائے گا۔ ولی چاہے والد ہو یا دادا یا وصی اور حاکم انہیں بچے اور مجنون کے قصاص لینے کا حق نہیں اس لیے کہ قصاص کا مقصد تشفی ہے اور
غصہ چھوڑنا ہے اور یہ مقصد والد وغیرہ کے قصاص لینے سے حاصل نہیں ہو سکتا، برخلاف دیت کے اس لیے کہ اس کی وصولی سے مقصد حاصل
ہو جاتا ہے۔

سے

نویں بات: قصاص لینے کی کیفیت..... کیفیت قصاص کے لیے فقہ میں دو رائے ہیں۔
۱..... حنفیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں: اصح یہ ہے کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لی جائے چاہے اسے تلوار سے قتل کیا گیا ہو یا کسی اور
طریقے سے یا جادو وغیرہ اور شراب پلا کر یا لواطت کے ذریعہ یا کسی مشعل (جیسے پتھر، عصا وغیرہ یا غرق کیا ہو یا جلا دیا یا اس پر دیوار گرائی ہو یا
قید کر کے گلا گھونٹ کر یا اعضاء کاٹ کر مارا ہو یا مذکورہ جرائم کے علاوہ کوئی جرم کیا ہو جس سے مر جاتا اور ہر مذہب کے مطابق قصاص کی
شرائط پائی جاتی ہوں تو قاتل سے ان سب صورتوں میں قصاص صرف تلوار سے لی جائے گی اور جو کچھ قاتل نے کیا ہے اس طرح نہیں کیا جائے
گا کیونکہ یہ مثلہ ہے اور مثلہ سے منع کیا گیا ہے، نیز اس میں زیادہ عذاب ہے لیکن اگر ولی الدم نے قاتل کو کنوئیں میں ڈال دیا یا اسے کسی پتھر
سے قتل کر دیا یا کسی اور طریقے سے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اور وہ اپنا حق وصول کر چکا قصاص میں سے ان کا استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے ارشاد سے ہے کہ قصاص صرف تلوار ہی سے ہے۔

۲..... مالکیہ اور شوافع کے ہاں قاتل کو اسی طریقہ سے قتل کیا جائے گا جس طرح اس نے قتل کیا، یعنی اس فعل کے مثل جس سے قاتل نے
قتل کو قتل کیا یعنی تیز دھار، لوہے، تلوار، یا مشعل جیسے پتھر یا تیرے، یا گلہ گھونٹ کر یا بھوکا رکھ کر یا غرق کر کے یا جلا کر وغیرہ ذرائع سے لیکن
اگر ولی قصاص ان کو چھوڑ کر صرف تلوار سے قصاص لے تو اس کے لیے جائز بلکہ اولیٰ ہے تاکہ اختلاف سے نکلا جاسکے۔ البتہ ان کے ہاں اگر

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۶ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

جادو یا شراب یا لواطت وغیرہ سے قتل کیا ہو تو پھر تلوار ہی سے قصاص متعین ہے اس لیے کہ یہ چیزیں حرام لعینہ ہیں لہذا ان سے عدول واجب ہے جیسا کہ مالکیہ کے ہاں تلوار اس صورت میں بھی متعین ہے جب کہ قاتل کو اسی کے فعل کے مثل سے قتل کرنے میں زیادہ عذاب ہوتا ہو یا قصاص قسامت سے ثابت ہوتی ہو، تو کہا گیا ہے کہ تلوار سے قتل کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق جس سے اس نے قتل کیا اسی سے قتل کیا جائے گا، یہی مالکیہ کا مشہور مذہب ہے یہ حضرات اپنے مذہب پر قرآن سنت اور معقول سے استدلال کرتے ہیں۔
قرآن کریم کی کئی آیات ہیں مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ..... النحل: ۱۶/۱۶

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ..... البقرة: ۱۹۴

نیز:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

اور سنت میں سے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: جو جائے ہم اسے جلائیں گے اور جو غرق کرے، ہم اسے غرق کریں گے، اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا جس نے انصاری باندی کو قتل کیا تھا اور معقول میں سے یہ کہ قصاص کا معنی فعل میں مماثلت لہذا واجب ہے کہ قاتل سے اسی کے فعل کی مثل وصول کیا جائے، پھر قصاص سے مقصد تشفی ہے اور یہ مطلوب اسی وقت کامل ہوگا جبکہ قاتل سے اس کے فعل کے مثل بدلہ لیا جائے اور رہ گئی مثلاً سے منع کرنے والی حدیث تو وہ واجب قتل پر محمول ہے کہ وہ برابر نہ ہوا ہو۔

مقتول کے ولی کے واسطے سے قصاص نافذ کرنا..... تلوار سے قصاص تو کبھی جلاد کے ذریعہ ہوتی ہے جو اس کا اسپیشلسٹ ہے اور کبھی خود مستحق قصاص کے ذریعہ سے، اور یہ حاکم کی نگرانی میں ہوگی اس لیے کہ شرعی حکم ان عقوبات کی تنفیذ میں چاہے وہ حدود مقامی اور تعزیرات ہوں امام کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا اصولی سزاء کے وقت اس کا موجود ہونا شرط ہے اور ولی مقتول کا شریک ہونا قصاص میں اس کے دل کی بڑھاس اور کیہ ختم کرنے کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ خود موجود ہو اور اس قاتل کے خاندان کے سامنے دروازہ بند ہوتا کہ وہ قتل میں کہیں اس کے خاندان کو قتل نہ کر دے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝۱۷۱ الاسراء: ۳۳

ولی مقتول کے سپرد کر دیا جائے قصاص لینے کے لیے تو حاکم پر واجب ہے کہ وہ قاتل کے ساتھ عثم حرکتوں سے اسے روکے اس پر نہ تشدد کرے نہ قید وغیرہ۔ قصاص سے پہلے اور قصاص کے بعد اس کا مشلہ نہ کرے۔ اور اسی وجہ سے ولی مقتول کے خود قصاص لینے کے لیے دو شرطیں ہیں ۱۔ کہ یہ قصاص وہ حاکم کی اجازت سے لے ۲۔ کہ قصاص صرف قتل کا ہو نہ کہ اعضاء کاٹنے وغیرہ کا۔

تلوار کے علاوہ کوئی چیز قصاص کے لیے استعمال کرنا..... جب تلوار کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ قتل کا یہ تیز ترین آلہ ہے اور تکلیف کم ہونے کے لیے آسان ہے لہذا شرعاً دوسرے ہتھیار استعمال کرنے میں کوئی مانع نہیں اور یہ تکلیف پہنچانے میں بھی کم ہیں، اور مشلہ سے دور ہیں جیسے مفصل اور وہ کرسی جو بجلی کے کرنٹ کے ساتھ ہوتی ہے۔ چھائی کہ اس میں خون نہیں بہتا اور دل بند ہونا اور ختم کر دینا گیس کے ذریعہ سے۔

دسویں بات: قصاص ساقط کرنے والی چیزیں..... درج ذیل چار اسباب میں سے کسی ایک سے قصاص ساقط ہو جاتی قاتل کا

مہرجانا، معاف کرنا۔ صلح کرنا، قصاص کا وارث ہونا۔

۱..... قاتل کا مرنا (یعنی محل قصاص کا ختم ہونا)..... اگر قاتل مرجائے یا اسے بغیر حق کے ظلماً قتل کر دیا جائے، یا ارتداد اور قصاص وغیرہ کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے تو قصاص ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ قصاص کا محل اس قاتل کی ذات تھی اور غیر محل میں کسی چیز کی بقاء کا تصور نہیں ہو سکتا، اب اس صورت میں قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہے یا نہیں؟ تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں جب موت سے قصاص ساقط ہو جائے تو پھر قاتل کے مال میں دیت واجب نہیں، اس لیے کہ متعین طور پر قصاص ہی واجب ہے جب وہ مرجا تو واجب ساقط ہو گیا اور ولی مقتول کو دیت لینا جائز نہیں قاتل کی رضامندی کی بغیر اور دیت قاتل کی رضامندی اور اختیار کے بغیر واجب نہیں ہوتی، حنابلہ کے ہاں: جب موت کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگئی تو پھر ولی کو دیت لینے کا اختیار ہے اس لیے کہ قتل عمد میں دو چیزوں میں سے ایک واجب ہے قصاص یا دیت اگر اس نے دیت لینا اختیار کیا تو دیت واجب ہوگی اگرچہ جنایت کرنے والا راضی نہ بھی ہو۔ یا باوجود اس کے کہ شوافع کا رائج مذہب یہ ہے کہ قصاص ہی متعین طور پر واجب ہے لایہ شوافع کے ہاں دیت قصاص کا متبادل ہے معافی اور موت وغیرہ سے اس کے ساقط ہونے کی صورت میں۔ لہذا مقتول کا حق دیت میں ثابت ہوگا اس لیے کہ جب کوئی چیز بطور بدلیت دو چیزوں کے درمیان دائر ہو تو جب ایک کی ادائیگی معتذر ہو تو دوسرا ثابت ہوتا ہے، جیسے ذوات الامثال اشیاء میں اور دیت پر قصاص معاف کرنے کی صورت میں دیت واجب و لازم ہوتی ہے ولی مقتول کے اختیار کرنے سے نہ کہ قاتل کی رضامندی سے اسی سے ظاہر ہوا کہ شوافع اور حنابلہ ترکہ میں قاتل کی موت کے بعد دیت کے باقی رہنے کے قائل ہیں۔

۲۔ معافی کرنا: اس سلسلہ میں معافی کی مشروعیت رکن، معنی، شرائط و احکام بیان ہوں گے۔ معافی کی مشروعیت قصاص معاف کے لیے جائز ہے، اور قصاص لینے سے یہ افضل ہے دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى: الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ، فَمَنْ عَفَا عَنْهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعًا بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءً إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ..... البقرة: ۱۸۸/۲
مومنو! تم مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے اس طرح ہو کہ (آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق کی پیروی کرنا (یعنی مطالبہ خون قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے آسانی اور مہربانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْجُرُودَ قِصَاصٌ ۖ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ ۖ لَهُ ۖ..... المائدہ: ۳۵/۵

اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے، لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مہر میں سے اپنے حق کو ساقط کرنے کی مناسبت سے فرمایا:

وَأَنْ تَعَفُّوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ..... البقرة: ۲۳۷/۲

اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے۔

اور سنت میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو بھی مقدمہ آیا آپ نے اس میں معاف کرنے کا حکم فرمایا: ابوالدرداء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو بلند کرتے ہیں اور اس کے گناہ کو معاف فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۸۸ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی شخص کے ظلم کو معاف کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتے ہیں۔
 قصاص کو قاتل معافی قرار دینا اسلامی شریعت کا ایک یکتا اور ممتاز کارنامہ ہے کہ اس کے ذریعے سزاء کے نفاذ کو ختم کیا جاتا ہے اور اس سے حق کی حفاظت کے لیے غرض زندگی متحقق ہوتی ہے اور دلوں سے کینہ اور بغض ختم ہوتا ہے۔

معافی کا رکن..... یہ کہ معاف کرنے والے کے لیے کہ میں نے معاف کر دیا یا ساقط کر دیا، یا ہبہ کر دیا یا بری کر دیا، معافی کا معنی حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں: مفت میں قصاص ساقط کرنا ہے اور یہ گیا دیت پر معاف کرنا تو یہ صلح ہے نہ کہ معافی، اس لیے کہ ولی کا قصاص معاف کرنا دیت پر اسی وقت نافذ ہوتا ہے، جب قاتل دیت دینا قبول کرے ان کے ہاں دیت فریقین کی رضامندی سے ثابت ہوتی ہے اور وہی کو صرف قصاص لینے یا بغیر دیت معاف کرنے کا حق ہے اور یہ کہ قاتل دیت دینے پر راضی ہو۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں معاف کرنا۔ مفت میں قصاص چھوڑنا، یا دیت کے بدلے قصاص چھوڑنے، اور ولی مقتول کو اختیار ہے چاہے تو قصاص لے لے یا دیت لے لے، چاہے قاتل راضی ہو یا نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے جس نے کسی شخص کو قتل کیا تو مقتول کو دو اختیار ہیں چاہے تو دیت لے لے اور چاہے تو معاف کر دے۔

شرائط معافی: معافی میں دو شرطیں ہیں:

۱..... کہ معاف کرنے والا عاقل بالغ ہو لہذا بچے اور مجنون کا معاف کا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ ایسا تصرف ہے جس میں ان دونوں کا ضرر محض ہے لہذا اطلاق اور ہبہ کی طرح یہ اس کے مالک نہیں۔
 ۲..... کہ اس میں صاحب حق کی طرف سے معافی ہو، اس لیے کہ معاف کرنا اسقاط حق ہے۔ اور اسقاط حق ان کی طرف سے قبول نہیں جن کو کوئی حق ہی نہ ہو۔ اور معافی میں صاحب حق ورثاء میں عورتیں اور مرد، جمہور کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں مذکر عصبہ ہیں۔
 اور معافی میں جس کا حق نہیں وہ اجنبی ہے وارث کے علاوہ جمہور کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں عصبہ کے علاوہ۔ اور بچے کی قصاص میں باپ دادا مالکیہ کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں، اس لیے کہ بچہ صاحب حق ہے اور والد اور دادا کو صرف وصولی حق کا اختیار ہے، جیسا کہ معاف کرنا ضرر محض ہے۔ لہذا بچے کے علاوہ اس کا کوئی بھی مالک نہیں وہ بلوغ کے بعد مالک ہے۔ حتیٰ کہ حاکم بھی اس کا مالک نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معافی کا معنی ہے مفت میں معاف کرنا۔ شوافع اور حنابلہ نے باپ دادا، اور حاکم کو مال پر معاف کرنے کی اجازت دی ہے۔

معافی کے احکام..... معافی کے چند احکام مندرجہ ذیل ہیں:

۱..... معافی کا اثر قصاص اور دیت ساقط کرنے میں قاتل کو معاف کرنے پر مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں: مفت میں قصاص ساقط کرنا اور معافی میں دیت لینے کا حق نہیں، بطریق صلح لے سکتا ہے، یعنی قاتل کے اتفاق کے ساتھ اس لیے کہ ان کے ہاں قتل عہد کا موجب صرف قصاص ہے اور اس قصاص کے وجوب کے ساتھ ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ مفت میں معاف کر دے اور قاتل کی رضامندی سے دیت لے لے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں کہ ولی کو مطلقاً معاف کرنے کا حق ہے، اگر اس نے قصاص معافی کی تو وہ ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے دیت پر معاف کی تو قاتل پر دینا واجب ہے اگرچہ وہ اس پر راضی نہ بھی ہو، پہنچی میں مجاہد وغیرہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص ہی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف دیت تھی تو اللہ تعالیٰ نے امت پر تخفیف کر دی اور دو چیزوں میں اسے اختیار دے دیا، اس لیے ان میں سے ایک کو لازم کرنے میں مشقت ہے نیز قاتل تو محکوم علیہ ہے اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں۔ اگر ولی کی طرف سے مطلقاً معافی ہوتی ہو، اور دیت کا تذکرہ نہ نفیاً ہو نہ اثباتاً تو شوافع کے ہاں اس پر دیت نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قتل میں متعین طور پر قصاص ہی

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۲۸۹ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت واجب ہوتا ہے اور دیت واجب نہیں اور معافی کسی ثابت شدہ چیز کے اسقاط کا نام ہے، نہ کے کسی معدوم چیز کے اثبات کا، اسی طرح مالکیہ نے کہا کہ مطلقاً معاف کرنے کی صورت میں دیت نہیں، حنا بلہ کے ہاں اس حالت میں بھی دیت واجب ہے، اس لیے کہ معافی قصاص کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ اور انتقام کے مقابلہ میں ہے اور انتقام قتل کا ہوتا ہے اور سورۃ بقرہ آیت ۷۸ میں جس معافی کا تذکرہ ہے وہ اتباع مال ہے جو اس کے معاف ہونے کی طرف مشعر ہے۔

۲۔ جب اولیاء زیادہ ہوں یا ایک ولی ہو اس کی معافی کا دوسروں پر اثر..... جب ولی دم معاف کر دے اور وہ ایک ہو تو اس پر یہ اثر مرتب ہوگا، اگر معافی مطلقاً ہو تو اس پر قاتل کے خون کی عصمت ثابت ہوگی، اگر اس نے معافی سے رجوع کر لیا اور قاتل کو قتل کر دیا تو ولی قاتل عہد شمار ہوگا اس لیے کہ قصاص کی مشروعیت کی آیات عام ان میں کسی شخص کے درمیان تفریق نہیں اور نہ کسی حالت کے درمیان اور قاتل معافی کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا۔ اور اگر معافی دیت کے ساتھ ہو تو قاتل پر دیت واجب ہے رضا مندی اس کی بھی ہو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اور رضا مندی نہ بھی ہو تو شوافع اور حنا بلہ کے ہاں ”علی ماتقده سابقاً“ اور جب اولیاء زیادہ ہوں ان میں سے ایک معاف کر دے تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ قصاص میں تجزی نہیں اور وہ ایک ہی چیز ہے لہذا بعض کی وصولی اور بعض کی عدم وصول کا اعتبار نہیں۔ اور دوسروں کا دیت میں حصہ باقی ہوگا، دلیل وہ حدیث ہے جسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ان میں حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں کہ بعض اولیاء کی معافی کی صورت میں جن بعض نے معاف نہیں کیا ان کے لیے دیت واجب ہے، اور معاف کرنے والا اگر اس نے دیت پر معاف کیا ہے وہ اپنا حصہ دیت میں سے لے لے گا، اور اگر اس نے مفت میں معاف کیا ہو تو پھر کچھ بھی نہیں لے گا۔ مالکیہ کے ہاں یہ سقوط قصاص اس وقت معتبر ہے جیسا کہ معاف کرنے والا دوسروں کے ساتھ درجہ میں مساوی ہو یا ان سے درجہ میں اعلیٰ ہو لیکن اگر وہ کم درجہ کا ہے تو معافی معتبر نہیں۔

جب اولیاء میں سے ایک نے معاف کر دیا اور دوسرے نے قاتل کو قتل کر دیا تو حنفیہ کے ہاں شرہ کی وجہ سے اب اس پر قصاص نہیں اگر قاتل کو معافی کا علم نہ ہو یا معافی کا علم تو ہو لیکن قتل کی حرمت کو نہ جانتا ہو، شوافع، حنا بلہ اور امام زفر رحمہم اللہ کے ہاں اگر وہ معافی کو جانتا تھا تو پھر اس پر قصاص ہے اس لیے کہ اس نے ایک نفس کو بغیر حق کے قتل کیا کیونکہ اس کی عصمت معافی کی وجہ سے لوٹ آ گئی تھی۔

۳۔ کیا ولی دم کے معاف کرنے کے بعد حاکم کو حق رہتا ہے؟..... جب ولی مقتول مطلقاً قاتل عہد کو معاف کر دے، تو یہ معافی صحیح ہے البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سلطان اور حاکم کو تعزیر کا حق حاصل ہے اس لیے کہ قصاص میں دو حق ہیں ایک اللہ اور ایک حق شخصی۔ مالکیہ نے معافی کی صورت میں تعزیر سلطان کے لیے مقرر رکھی ہے۔ سو کوڑے یا ایک سال تک قید رکھنا۔ شوافع اور حنا بلہ کے ہاں جب قاتل کو مطلقاً معاف کر دیا گیا یہ معافی درست ہے۔ کوئی اور سزا لازم نہیں۔ مابودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اظہر بات یہ ہے کہ ولی الامر اور سلطان کو حدود کی معافی کے ساتھ تعزیر دینے کی اجازت ہے اس لیے کہ تقویم عام مصلحت کے حقوق میں سے ہے، ابو یعلیٰ حنبلی نے فرمایا: شرعی حاکم کے لیے تہذیب و تقویم کے لیے امام احمد کے ظاہر کلام سے ظاہر ہے کہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ انہوں نے فرق نہیں کیا، اور یہ بھی احتمال ہے ساقط نہ ہو تہذیب و تقویم کے لیے۔

۴۔ مقتول کا اپنے قاتل کو قتل کرنے سے پہلے معاف کرنا..... جب مقتول قاتل کو اپنی موت سے پہلے معاف کر دے تو حنفیہ شوافع اور حنا بلہ کے ہاں: قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گی اور مقتول کے ورثہ کے لیے دیت واجب نہ ہوگی یعنی نہ قصاص نہ دیت بلکہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ اس لیے کہ مقتول نے اپنا حق اختیار سے ساقط کیا ہے، اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارًا لَّهِ..... المائدہ: ۴۵

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۹۰ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔ یعنی مقتول اپنی موت سے پہلے اپنے خون کو معاف کر دے مالکیہ کے ہاں؛ اگر مقتول نے اپنے قاتل سے کہا اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میں تمہیں بری کرتا ہوں، یا زخمی ہونے کے بعد اس نے کہا میں تمہیں اپنا خون معاف کرتا ہوں تو قاتل بری نہ ہوگا، بلکہ ولی کو قصاص لینے کا حق ہے، اس لیے کہ مقتول نے حق کو واجب ہونے سے پہلے ساقط کیا ہے ہاں اگر قتل کی جگہ پر پہنچنے کے بعد وہ بری کرے یا کہے اگر میں مر گیا تو بری ہے تو پھر وہ بری ہو جائے گا اس لیے کہ اس نے واجب ہونے کے بعد حق بری کیا ہے اور وہ گیا قتل خطا میں مقتول کا دیت سے بری و معاف کرنا تو تمام مذاہب میں یہ ثلث مال میں نافذ ہوگا۔

صلح..... بالاتفاق قصاص پر صلح کرنا جائز ہے، اور اس سے قصاص ساقط ہو جائے گی چاہے صلح دیت سے زیادہ ہو یا کم پر یا اس کے مثل پر، اور چاہے فی الحال ہو یا بعد میں اور چاہے دیت کی جنس میں سے ہو یا بغیر جنسی سے شرط یہ کہ قاتل اسے قبول کرے، اس لیے کہ قصاص مال نہیں اور رہ گئی دیت پر صلح تو دیت سے زیادہ تو جائز نہیں کہ دونوں صلح کرنے والے اسود کے زمرے میں آئیں گے اور صلح مقابل کے ساتھ خاص ہے، رہ گئی معافی تو وہ کبھی مفت میں ہوتی ہے اور کبھی مال کے مقابلہ میں لیکن اگر معافی ہو دیت پر تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں یہ صلح ہے معافی نہیں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں اسے معافی ہی قرار دیا جاتا ہے۔

شریعت نے عمومی طور پر صلح کی ترغیب دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”وَالصُّلْحُ خَيْرٌ“ (النساء: ۱۲۸) اور صلح بہتر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے الا یہ کی کوئی صلح حرام کو حلال قرار دینے کے لیے ہو یا حلال کو حرام قرار دینے کے لیے ہو تو جائز نہیں“ اور سنت خون میں بھی مشروعیت صلح بردالت کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے عداقت کیا ہے تو اسے مقتول کے اولیاء کے سپرد کیا جائے وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس خلفے اور اس میں سے جس چیز پر وہ صلح کر لیں تو وہ ان کے لیے ہے، اور قتل کی شدت حرمت کی وجہ سے ہے۔ اور صلح کا حکم معافی والا ہے یعنی جو معافی کا مالک ہو، وہی صلح کا بھی مالک ہے اور قصاص ساقط کرنے میں جو معافی کا اثر ہے وہی صلح کا بھی اثر ہے اور جب اولیاء زیادہ ہوں اور ان میں سے ایک قاتل کے ساتھ مال پر صلح کر لے اور باقیوں کا حق مال میں باقی ہے، اور صلح کے بعد اگر اولیاء میں سے کوئی قتل کر دے تو وہ قتل عمد کرنے والا لیکن حنفیہ کے ہاں اس پر قصاص نہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس پر قصاص ہے۔ اور فقہاء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ وہ صلح جو بچے اور مجنون کے ولی یا حاکم کی طرف سے ہو وہ مال کے بغیر جائز نہیں اور نہ ہی دیت سے کم پر اس لیے کہ وہ اس کے حق کو ساقط کرنے کا مالک نہیں، نیز یہ ایسا تصرف ہے جس میں بچے کی کوئی مصلحت نہیں اگر دیت سے کم پر صلح ہو جائے تو مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں یہ درست ہے، اور باقی دیت قاتل کے ذمہ میں ہوگی۔ اور مالکیہ کے ہاں بچہ دانشمند ہونے کے بعد قاتل پر رجوع کرے گا اس کے امید ہونے کی صورت میں۔

۴۔ قصاص کی وراثت..... جب ولی دم قصاص میں وارث الحق ہو تو قصاص ساقط ہو جاتی ہے جیسے جب کسی انسان کے لیے قصاص واجب ہو اور حق قصاص والا مر جائے تو قاتل ساری قصاص کا وارث ہوگا، یا اس کے بعض کا اور وہ وارث ہوگا قاتل سے جسے قصاص کا حق نہیں وہ بیٹا ہے۔ بس ہمارے پاس دو صورتیں ہیں قصاص کی وراثت کے۔ ۱۔ قاتل وارث قصاص کی مثال کہ وہ بیٹا اپنے والد کو قتل کر دے اور بیٹے کا بھائی ہو پھر وہ بھائی جو قصاص کا وارث ہے وہ مر جائے اور اس کے قاتل بھائی کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو تو قاتل وارث بن جائے گا اپنے بھائی کی طرف سے خون کا، لہذا قصاص ساقط ہوگی اس لیے کہ قصاص میں تجزی نہیں اور ایک شخص جو طالب بھی ہو اور مطلوب بھی اس سے استیفاء قصاص درست نہیں۔ اسی طرح قصاص ساقط ہو جائے گی قاتل قصاص میں بعض حق کا وارث ہو یا اس طور کہ قاتل ورثہ قتل میں سے کسی کا وارث ہو، اور ان ورثاء کا دیت میں حصہ ہو۔ ۲۔ وہ شخص قصاص کا وارث ہو قاتل سے جیسے قصاص کا حق نہیں۔ مثال کہ والدین میں

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 سے ایک دوسرے کو کوئی قتل کر دے ان دونوں کی اولاد ہو نہ کر یا مؤنث تو قصاص ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ لڑکا اس صورت میں صاحب حق ہے اور لڑکے کے لیے والد پر قصاص واجب نہیں دلیل یہ ہے کہ اگر والد اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لی جائے گی حدیث نبوی کی وجہ سے ”والد سے بیٹے کی قصاص نہیں لی جائے گی، بس یہ تو بدرجہ اولیٰ ہے کہ کس دوسرے کی وجہ سے والد سے قصاص نہ لی جائے۔ اسی طرح قصاص ساقط ہو جاتی ہے جب مقتول کا کوئی وارث ہو اس لیے کہ اگر قصاص ثابت کی جائے تو اس میں سے ایک جزو اس کے لیے بھی ثابت ہوگا اور اس کا وجوب ممکن نہیں جب بعض ثابت نہیں ہو سکتی تو کل ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ قصاص میں تبعیض نہیں اور یہ معاملہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی مستحق قصاص اپنا حصہ معاف کر دے۔

شواہغ کے ہاں قتل عمد کی اصل سزا کفارہ ہے: قرآن کریم میں قتل خطا کے سلسلہ میں کفارہ کی مشروعیت ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أَوْ مِائَةُ مَسْكِينَةٍ أَوْ مِائَةُ أَوَّلَةٍ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا..... النساء ۹۲/۴
 اس ارشاد:

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ①..... النساء: ۹۲/۴
 یعنی واجب مسلمان غلام آزاد کرنا ہے اگر پایا جائے، لیکن اگر مسلمان غلام نہ ہو تو پھر دو ماہ لگاتار روزے رکھنے ہیں۔ اب آیا قتل عمد کو قتل خطا پر کفارہ کے سلسلہ میں قیاس کیا جائے گا یا نہ؟ یہاں فقہاء کی دو تین آراء ہیں:
 ۱..... جمہور فقہاء کے ہاں (شواہغ کے علاوہ) قتل عمد میں کفارہ واجب نہیں اس لیے کہ یہ شرعاً تعبدی طور پر مقرر ہے لہذا جس محل پر وارد ہے اسی پر مقصور رہے گا۔

اور نص قرآنی قتل خطا کے کفارہ پر اس غیر مقصود گناہ کے جبرہ کے طور پر ہے اور رہ گیا قتل عمد تو اس کی سزا تو جہنم ہے اس لیے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور قرآن کریم نے اس میں کفارہ واجب نہیں قرار دیا بس نص اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس میں کفارہ نہیں اگر واجب ہوتا تو قرآن بیان کرتا، کیونکہ یہ مقام بیان کا تقاضا کرتا ہے۔ قتل عمد سے قصاص واجب اس میں کفارہ واجب نہیں جیسے شادی شدہ کے زنا میں۔ اور اسی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ یہ حدیث کہ سوید بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لازم قرار دیا اور کفارہ واجب نہیں کیا، اور عمرو بن امیہ الضمری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں دو بندوں کو قتل کیا تو آپ نے ان کی دیت ادا کرائی اور کفارہ لازم نہیں کیا۔ ①

۲۔ شواہغ کے ہاں..... قتل عمد میں کفارہ واجب ہے ہر قاتل پر جو بالغ ہو یا بچہ، مجنون ہو یا غلام ہو یا ذمی جان بوجھ کر ہو یا خطا، سب کے طور ہو یا شبہ عمد یعنی کفارہ واجب ہے چاہے قاتل بڑا عاقل ہو یا بچہ یا مجنون، مسلمان ہو یا ذمی خود قتل کرنے والا ہو یا شریک ہو، براہ راست کرے یا سبب بنے اور مقتول مسلمان ہو اگرچہ دار الحراب میں ہو یا ذمی اور اجنبی، البتہ مباح الدم کے قتل پر کفارہ واجب نہیں جیسے حربی کافر، باغی حملہ آور اور اس سے قصاص لینے والا مرد شادی شدہ محسن کے قتل پر نہیں۔ شوکانی نے قتل عمد میں کفارہ واجب ہونے کے محل کی نشاندہی کی ہے کہ جب قاتل کو معاف کر دیا جائے یا وارث دیت پر راضی ہوں لیکن اگر اس سے قصاص لیا گیا تو پھر کوئی کفارہ نہیں ہیں بلکہ قتل ہی اس کا کفارہ ہے عبادہ بن صامت والی حدیث کی وجہ سے کہ حد و دان کے اہل کے لیے کفارہ ہیں، اور ابو نعیم نے المعرفہ میں روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”قتل کفارہ ہے“ قتل عمد میں کفارہ واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کفارہ کی مشروعیت کا مقصد گناہ ختم کرنا ہے اور قتل عمد میں گناہ قتل خطا سے بڑا ہے لہذا عمد میں کفارہ بدرجہ اولیٰ ہے اور عمد ایسا کرنے والا اس کا زیادہ محتاج ہے کہ اس کا گناہ ختم ہو جائے اور

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ۲۹۲ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
مٹ جائے۔ اور ان کی دلیل واثلہ بن الاسقع روایت بھی ہے: ہم اپنے ایک ساتھی کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے اس نے قتل کر کے اپنے لیے آگ واجب کی ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو اللہ
تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اسے آگ سے آزاد کر دیں گے۔ اور قتل کا کفارہ ترتیب میں ظہار کے کفارہ کی طرح اولاً غلام آزاد کرنا۔
اگر وہ نہ ہو تو دو ماہ کے لیے پے در پے روزے رکھنا جیسے آیت میں تصریح ہے لیکن روزوں سے عاجز آنے کی صورت میں اس میں کھانا نہیں کھلانا
چونکہ جو اس میں وارد ہے اسی پر اکتفاء ہوگا اس لیے کہ کفارات میں نص کی اتباع ہے، نہ کہ قیاس کی اور اللہ تعالیٰ نے قتل کے کفارہ میں غلام کی
آزادی اور روزوں کے علاوہ کچھ ذکر نہیں فرمایا، اسی بنیاد پر اگر کوئی روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کے ذمہ میں دین رہے گا اور کوئی چیز
واجب نہ ہوگی۔ اور ہمارے زمانے میں صرف روزہ واجب ہے۔

۳۔ مالکیہ کے ہاں..... جینین کے قتل میں جینین کی دیت کے ساتھ کفارہ مستحب ہے واجب نہیں برخلاف امام ابوحنیفہؒ کے، اس لئے
کہ کفارہ ان کے ہاں عید نہیں اور خطا میں واجب ہے تو جینین پر ظلم خطا اور عمد کے درمیان امام صاحب جینین کے کفارہ کو مستحسن سمجھتے ہیں
واجب نہیں قرار دیتے اور کفارہ باغی کے قاتل حملہ آور، حربی مرتد اور شادی شدہ زانی اور جس سے قصاص لیا جانا تھا اس کے قاتل سے نہیں کیونکہ
قاتل کی نسبت یہ مباح الدم ہیں۔

دوسری قسم: قتل عمد میں متبادل سزا..... جب ولی مقتول کے معاف کر دینے یا قاتل کے مر جانے یا اس کے علاوہ کسی وجہ سے
قصاص ساقط ہو جائے تو پھر دو اور سزائیں ہوتی ہیں۔

۱..... دیت جو حنا بلہ کے ہاں حتمی طور پر قصاص کا بدل ہے اور شوافع کے ہاں جب معافی دیت پر ہو تو اور مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں قاتل کی
رضامندی سے۔

۲..... تعزیر جو مالکیہ کے ہاں حتمی طور پر بدل ہے اور جمہور کے ہاں حاکم کو اختیار ہے۔ اور یاد رہے دو ماہ پے در پے روزے کھنا شوافع کے
ہاں غلام آزاد کرنے کے بعد دو کفارہ کے خصال میں سے ہے یہ نہ کیا جائے گا کہ روزہ مطلقاً کفارے کا بدل ہے بلکہ وہ پہلی خصلت کا بدل ہے
یہی وجہ ہے اسے متبادل سزا نہیں کیا جاتا قتل عمد میں بلکہ وہ اصل سزا ہے یہاں دیت اور تعزیر کا حکم بیان کروں گا۔

پہلی متبادل سزا: دیت..... یہاں دیت کی تعریف، اس کی مشروعیت، اس کے وجوب کی شرطیں، اس کی اقسام، مقدار، غلیظہ اور
خفیفہ اور وقت ادا کس پر واجب ہے، کب کامل واجب ہے، اور کیا سب لوگ اس کی مقدار میں برابر ہیں؟

پہلی بات: دیت کی تعریف..... وہ مال جو نفس پر جنایت یا جو اس کے حکم میں ہے پر جنایت کی وجہ سے اور ارش جو نفس سے کم پر
ظلم کی وجہ سے مال میں سے مقرر مقدار شرعاً واجب ہو، یعنی ان اعضاء میں سے جن کی کامل دیت نہیں ہے۔ اور اسی بناء پر دیت کا اطلاق بدل
نفس پر ہوتا ہے اور ارش کا بدل عوض پر۔ عادل کا فیصلہ وہ ارش ہے جو شرعاً مقرر نہیں جو نفس کے علاوہ ظلم، ہونجھ وغیرہ کا اور اس کا معاملہ حاکم کے
سپر دے کہ ماہرین کی معرفت سے فیصلہ فرمائے۔

دوسری بات: دیت کی مشروعیت..... دیت کی مشروعیت قرآن کریم، سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ فرمان باری
تعالیٰ ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَ دِيَّةٌ مُسْلِمَةٍ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا..... النساء: ۹۲
یہ آیت اگرچہ قتل خطا کے بارے میں ہے لیکن علماء کا قتل عمد میں وجوب دیت پر اجماع ہے جبکہ قصاص ساقط ہوگئی ہو۔ اور رہ گئی سنت تو
اس میں بہت سی احادیث ہیں ان میں سے مشہور حدیث عمرو بن حزم والی ہے دیت سے متعلق وہ یہ کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن

الفقه الاسلامی وادلتہ جلد ہفتم ۲۹۳ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
کی طرف لکھا اس میں فرائض سنتیں اور دیات کا بیان تھا، اور آپ کے خط میں تھا جو شخص کسی مسلمان کو بغیر کسی حق کے قتل کرے تو اس پر قصاص
ہے الایہ کہ مقتول کے ولیا، معاف کر دیں اور جان کے بدلے میں سواونت ہیں۔ اور دیت کو سب سے پہلے جاری کرنے والے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب ہیں۔ رہ گیا اجماع، تمام اہل علم کا دیت کے وجوب پر اجماع ہے۔

تیسری بات: وجوب دیت کی شرائط حنفیہ کے ہاں دیت کے وجوب کی دو شرطیں ہیں:
۱..... عصمت کہ مقتول معصوم ہو یعنی مقتول معصوم الدم ہو، حربی اور باغی کے قتل میں دیت نہیں کیونکہ ان کی عصمت نہیں اور جمہور کی
رائے اس شرط میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہے، الایہ کے شائع کے ہاں باغی بُرائی کے علاوہ حالت میں معصوم الدم ہے۔

۲..... تقوم کہ مقتوم ہو، لہذا حنفیہ کے ہاں حربی جب دارالحرب میں اسلام قبول کرے تو اس کی دیت واجب نہیں اور اسے قتل
کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اور خطا قتل کرے۔ جمہور کے ہاں دیت واجب ہے۔ اس لیے کہ تقوم ان کے ہاں اسلام کی وجہ سے ہے اور یہ
مسلمان ہے خطا قتل ہوا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ دِيَّةٌ مُّسَمًّى إِلَىٰ أَهْلِهِ النساء، ۹۲

اور حنفیہ کے ہاں تقوم دارالاسلام کی وجہ سے ہے اور یہ دارالاسلام والوں میں سے نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ النساء، ۹۲

اللہ رب العزت نے اس کے قتل پر صرف کفارہ واجب کیا ہے اور وہ غلام آزاد کرنا ہے لہذا یہ پہلی آیت کے تحت داخل نہیں اور اسی
آیت سے جمہور استدلال کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ دین کے اعتبار سے مومن ہے نہ کہ کردار کے اعتبار سے، اور دارالحرب میں کفار کی
جمعیت زیادہ ہے اور جو شخص کسی قوم کی کثرت کا سبب بنے وہ انہیں میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے مطابق۔
رہ گیا اسلام سے متصف ہونا تو یہ وجوب دیت کی شرائط میں سے نہیں نہ قاتل کی نسبت نہ مقتول کی نسبت، تو دیت واجب ہے چاہے
قاتل یا مقتول مسلمان ہوں یا ذمی یا مستأمن، اسی طرح عقل اور بلوغ بھی دیت کے وجوب کے لئے شرط نہیں لہذا بچے اور مجنون کے مال
میں بھی دیت واجب ہوگی اللہ تعالیٰ کے اس عمومی ارشاد کی وجہ سے۔ جیسا کہ ذمی اور مستأمن کے قتل پر دیت واجب ہے فرمان باری تعالیٰ
کی وجہ سے:

وَ إِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَّةٌ مُّسَمًّى إِلَىٰ أَهْلِهِ النساء، ۹۲

کیا ادب سکھانے کی صورت میں بھی دیت واجب ہے؟ جب سلطان یا ولی کسی متہم کو مارے یا باپ اپنے بیٹے کو ادب کی غرض سے
سزا دے یا ولی اور وصی یتیم بچے کو مارے یا شاہ بیوی کو نافرمانی کی وجہ سے سزا دے یا نواز وغیرہ چھوڑنے پر یا استاذ طالب علم کو والد کی اجازت
کے بغیر تادیب سزا دے اور یہ لوگ اس کی وجہ سے مر جائیں تو کیا یہ حضرات ضامن ہوں گے یا نہیں؟
فتحا کی اس بارے میں کئی رائے ہیں:

۱..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: ان حالات میں دیت کا ضمان واجب ہے، اس لیے کہ مقصود تادیب و
زجر ہے نہ کہ ہلاک کرنا جب ادب سکھانا تلف کا باعث بنے تو اس سے ظہر ہوا کہ حد شروع سے تجاوز ہوا ہے نیز اس لیے بھی کہ تادیب کا کام
مباح ہے ہذا سلامتی شرط کے ساتھ مقتدر رہے گا جیسے عام راستے میں سے مڑنا، اس لیے کہ انسان کا اپنا حق وصول کرنا دوسروں کی سلامتی کی
شرط سے مقتدر ہے۔

۲..... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ان حالات میں ضمان نہیں ہے، جبکہ وہاں پر کوئی سزا نہ ہو یا مقصد پر کوئی زیادتی نہ ہو اور حد

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۹۴ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت سے تجاوز نہ ہو اس لیے کہ ادب سکھانا مشروع فعل ہے زجر وکنے کے لیے۔ لہذا تلف کرنے والا ضامن نہ ہوگا جیسا کہ شرعی حدود اور تعزیر کے لگانے میں حکم ہے۔ اور قاعدہ فقہی ہے۔ ”شرعی جواز ضامن کے منافی ہے۔“

چوتھی بات: دیت کی نوعیت اور مقدار..... دیت کی نوعیت کی تحدید میں فقہاء کی تین رائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱..... امام ابوحنیفہ، مالک اور امام شافعی کی قدیم رائے ہے کہ دیت تین چیزوں میں سے ایک واجب ہے، یعنی اونٹ سونا چاندی، اور ان میں سے کسی قسم میں سے بھی ادا کرنا کافی ہے، اور ان کی دلیل عمرو بن حزم کی کتاب الدیات میں موجود روایت ہے کہ جان کے بدلے دیت ہے سواونٹ، اور عمر رضی اللہ عنہ نے سونے میں ایک ہزار دینار اور چاندی میں دس ہزار درہم مقرر فرماتے، حنفی مذہب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے صحیح ہے۔

۲۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے..... دیت چھ چیزوں میں سے واجب ہے، اونٹ جو کہ اصل دیت ہے سونا، چاندی گائے، بکری اور کپڑے۔ پہلی پانچ چیزیں حنابلہ کے ہاں اصول دیت میں سے ہیں، البتہ حلل (کپڑے) اصل دیت میں سے نہیں اس لیے کہ یہ مختلف ہوتے ہیں مضبوط نہیں، اور امام احمد سے روایت ہے کہ یہ بھی اصل ہیں اور ان کی مقدار سو جوڑے کپڑے کی ہیں اور ہر جوڑا ایک ازار اور چادر پر مشتمل ہو اور دونوں نئے ہوں۔ اور ان میں سے جو چیز بھی دیت دینے والا پیش کرے تو ولی مقتول کے ذمہ اس کا قبول کرنا لازم ہے چاہے قاتل اس نوع کے لوا کرنے اہل ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ واجب ادا کرنے میں یہ اصل الاصول ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی کافی ہوگا لہذا اختیار ادا کرنے والے کو ہوگا جس طرح کفارہ میں ہے۔ ان کی دلیل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اونٹ مہنگے ہوتے ہیں، راوی کہتے ہیں آپ نے سونے والوں پر ایک ہزار دینار مقرر کئے اور چاندی والوں پر دس ہزار دینار اور گائیوں والوں پر سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں، اور کپڑوں والوں پر سو جوڑے، اور ابو داؤد میں جابر بن عبد اللہ سے اس کی مثل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ والوں پر سواونٹ دیت مقرر فرمائے الخ۔

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جدید رائے..... دیت میں واجب اصلی وہ سواونٹ ہیں اگر مل جائیں اور قاتل کے ذمہ انہیں سپرد کرنا ہے تمام عیوب سے سالم اگر حسانہ پائیں جائیں بایں طور کہ اس جگہ پر نہ ہوں تو ان کا حاصل کرنا واجب ہے یا شرعاً معدوم ہو یا بایں طور کہ اس جگہ مثل منٹل سے زیادہ قیمت پر ملتے ہوں تو پھر اونٹوں کی قیمت رائج الوقت نقدی کے ساتھ واجب ہے سپرد کرنے کے وقت قیمت چاہے جو بھی ہو، اس لیے کہ تلف شدہ چیز کا یہ مل ہے لہذا اصل کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی طرف رجوع ہوگا اور ان کی دلیل سابقہ حدیث ہے عمرو بن شعیب والی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی یا آٹھ ہزار درہم تھی یہ اسی طرح تھا۔ حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: کہ اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں تو آپ نے سونے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم اور گائیوں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے مقرر فرمائے، اور اس کی تائید معقول سے بھی ہوتی ہے کہ جب مال کی وصولی متعذر ہو جائے جس سے ضمان ہے تو اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جیسے ذوات الامثال میں۔ رہ گئی دیت کی مقدار تو وہ سابقہ احادیث سے ظاہر ہو گئی ہے۔ فقہاء کا اختلاف صرف چاندی کے درہموں میں ہے اس کے علاوہ کسی مقدار میں نہیں اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ دینار کی قیمت کی وجہ سے حنفیہ کے ہاں: ایک دینار دس درہم کے برابر ہے حضرت عبید المسلمانی والی سابقہ حدیث کی وجہ سے جمہور کے ہاں ایک دینار بارہ درہم کے مساوی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے نیز بنی عدی میں سے ایک شخص قتل کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم اس کی دیت مقرر کی اسی بناء پر اونٹوں میں سے سواونٹ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۹۵ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

واجب ہیں اور دیناروں میں سے ایک ہزار دینار اور چاندی میں سے حنفیہ کے ہاں دس ہزار درہم اور جمہور کے ہاں بارہ ہزار درہم اور گائیوں میں سے دو ہزار گائیں اور بکریاں میں سے دو ہزار بکریاں اور کپڑوں میں دو ہزار جوڑے ازار اور چادر۔

پانچویں بات: دیت مغلطہ و محفہ..... دیت یا تو مغلطہ ہوگی یا محفہ، حنفیہ کے ہاں قتل شہید، قتل خطا، شہید خطا قتل سبب اور قتل عمد میں جبکہ اس میں شہید ہو اور یہ وہ حالت ہے جس میں والد اپنے بیٹے کو قتل کرے اور قتل عمد میں دیت قاتل کی اور مقتول کے ولی کی رضا مندی سے واجب ہوتی ہے یعنی جب ولی مقتول یا بعض اولیاء کی جانب سے معافی ہو تو باقیوں کے لئے ان کے حصہ کی دیت ہوگی، اور دیت مغلطہ اس صورت میں ہوگی جب خاص کراؤنوں کے ذریعہ سے ادائیگی ہوئی ہو اس لیے کہ شریعت میں اس کا حکم ہے اور شرعی مقدار میں صرف شریعت ہی سے سماعاً اور نقلاً ثابت ہوتی ہیں ان میں رائے کا دخل نہیں لہذا درابہم و دیناروں میں دیت مغلطہ نہ ہوگی بایں طور کہ ایک ہزار دیناروں پر اضافہ کیا جائے گا۔ حنفیہ کے ہاں دس ہزار درہم پر اضافہ ہو۔

جمہور کے ہاں قتل عمد اور شہید عمد میں دیت مغلطہ ہے اور مالکیہ کے ہاں قتل عمد میں جب ولی مقتول قبول کرے تو اور والد جب بیٹے کو قتل کر دے ان دو صورتوں میں دیت مغلطہ ہے، اور جب دیت مغلطہ ہو تو مالکیہ، شوافعیہ اور محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مثلث ہوگی۔ تیس حقے، تیس جذعہ اور چالیس خلفہ، ترمذی کی روایت کی وجہ سے، اور پھر مالکیہ کے ہاں جب والد بیٹے کو قتل کرے اس صورت میں ہے۔ رہ گیا قتل عمد جب ولی دم معاف کر دے تو اس صورت میں ان کے ہاں دیت مربعاً ہوگی قتل خطا میں واجب پانچ قسم کے اونٹوں میں سے ابن لبون کو چھوڑ کر، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں چار قسم کے اونٹ واجب ہیں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے اور پچیس جذعہ۔

رہ گئی دیت محفہ قتل خطا وغیرہ میں، تو وہ پانچ قسم کے اونٹوں میں واجب ہے تمام مذاہب کے ہاں بالاتفاق اور وہ بیس بنت مخاض، بیس ابن خاض، بیس بنت لبون، بیس حقے اور بیس جذعہ یہ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے اور دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل خطا کی دیت کے بارے میں، بیس حقے بیس جذعہ، بیس مخاض، بیس بنت لبون اور بیس ابن خاض، اور اس لیے بھی کہ زکوٰۃ میں بنت مخاض کی جگہ بطور بدل ابن خاض واجب ہیں، جبکہ بنت مخاض نہ ہوں لہذا ایک واجب میں بدل اور میدل جمع نہیں ہو سکتے۔

مالکیہ اور شوافع نے ابن خاض کی جگہ ابن لبون رکھے ہیں اس دلیل سے کہ جو روایت دارقطنی اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت غنی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور خطاب نے کہا ہے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے مقتولوں کی دیت لی صدقہ کے سوا اونٹوں میں سے اور ان میں ابن خاض نہ تھے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں قتل خطا کی دیت تین حالتوں میں مغلطہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

۱..... جب قتل حرم مکہ میں ہو۔

۲..... یا شہر حرم یعنی ذوالقعدہ ذوالحجہ حرم اور رجب۔

۳..... یا قاتل اپنے کسی قریبی ذی رحم حرم کو قتل کرے، جیسے ماں اور بہن وغیرہ کو اور اس کی رائے کے مطابق دیت مغلطہ پانچ اسباب میں سے ایک سبب کی وجہ سے ہے کہ قتل عمد ہے یا شہید عمد ہے، یا حرم میں ہے یا شہر حرم میں یا ذی رحم حرم کو قتل کیا گیا ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کی ارباعاً دیت مغلطہ ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے زہری نے سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، کہ دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ارباعاً تھی۔ پچیس جذعہ، پچیس حقے، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض اور اسی کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ فیصلہ دیا کرتے تھے، نیز اس لیے بھی کہ دیت حق ہے جو جنس حیوان سے متعلق ہے لہذا اس میں بعض کے حمل کا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۹۶ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
کوئی اعتبار نہیں جیسے زکوٰۃ اور قربانی میں۔

رہ گئی مالکیہ، شوافعیہ اور امام محمد کی دلیل مثلث کی وہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جس نے عداقت کیا، تو مقتول کے اولیاء کو اسے سپرد کیا جائے وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں اور وہ تیس حقے، تیس جذبے اور چالیس خلفے ہیں اور جس چیز پر وہ صلح کر لیں تو وہ انہیں کے لیے ہے اور حکم قتل کے تحت ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک اور حدیث ہے عبد اللہ بن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عداقت اور کوڑے کے مقتول اور عصائے مقتول کے لیے سوانٹ دیت ہیں ان میں سے چالیس خلفے ہیں جو حاملہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دیت قتل عمد کی جمہور کے ہاں قاتل کی تخصیص کے اعتبار سے مغلط ہوگی اور وہ معطل ہوگی اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ارباعاً ہے مالکیہ اور شوافع کے ہاں اثماً ہے۔

اور شبہ عمد کی دیت دو طرفوں سے خفیہ ہے ایک تو یہ عاقلہ پر فرض ہے اور دوسرے تین سال میں ادا کی جائے اور ایک اعتبار سے مغلط سے اور وہ ایک رائے کے مطابق ارباعاً اور دوسری میں اثماً ہے اور قتل خطا کی دیت تینوں اعتبار سے خفیہ ہے، عاقلہ پر لازم ہے۔ تین سال میں ادا کرنی ہے اور اجماعاً واجب ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اگرچہ بحث تو دیت عمد کی بورنی تھی لیکن میں نے دوسری دیتوں کے احوال بھی اس لیے بیان کر دیے تاکہ مختلف چیزیں اس بحث میں جمع ہو جائیں۔

چھٹی بات: اداء دیت کا وقت..... حنفیہ کے ہاں قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطا کی دیت تین سال میں مؤجلاً ادا کرنی واجب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر عمل کرتے ہوئے اور عامد پر تغلیظ دیت ہی کافی ہے اور اسی کے مال میں واجب ہونا۔ ❶

جمہور فقہاء کے ہاں..... ❷ قتل عمد کی دیت توفی الحال فوری طور پر قاتل کے مال میں واجب ہے مؤجل نہیں۔ اس لیے کہ اس قتل میں دیت قصاص کا بدلہ ہے، اور قصاص فوری طور پر ہے لہذا اس کا بدلہ یعنی دیت بھی اس کی طرح فوری طور پر ادا کی جائے گی۔ نیز اس میں تاویل قاتل پر تخفیف ہے، اور عامد تو شدید اور سختی کا مستحق ہے نہ کہ تخفیف کا۔ دلیل اس کی دیت اس کے مال میں واجب ہونے کی وجہ سے۔ اور قتل خطا کی دیت جمہور کے ہاں بھی حنفیہ کی طرح ہے تین سال کے عرصہ میں عاقلہ پر تخفیف ہے، دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور حضرت علی کے ان دونوں نے عاقلہ پر تین سال کے عرصہ میں لازم قرار دی ہے اور ان کی مخالفت اس زمانے میں بھی کرنے والا کوئی نہیں لہذا یہ اجماع ہے اور شبہ عمد کی دیت بھی جمہور کے ہاں تین سالوں میں مؤجل واجب ہوگی ہے ہر سال مثلث۔

ساتویں بات: دیت کون ادا کرے گا؟..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قتل عمد کی دیت قاتل پر اس کے مال میں ہے عاقلہ پر نہیں اس لیے کہ اصل یہ کہ ہر انسان سے اس کے اعمال شخصیت کے متعلق سوال ہوگا جیسے اختلافات، جرائم وغیرہ، فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ الانعام: ۱۶۴

قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ⑤..... ساء: ۲۵۳

اور اس کی تائید سنت سے بھی ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جرم کرنے والے کا جرم اس کی ذات پر ہے، اور آپ نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے بیٹوں کے ساتھ دیکھا فرمایا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں تو آپ نے فرمایا لہذا تم اس پر جنایت نہ کرو اور وہ تم پر جنایت نہ کرے اور سنت میں خاص طور پر ثابت ہے قتل عمد کی دیت عاقلہ کے ذمہ نہیں، نہ غلام پر، نہ صلاح نہ ہی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۲۹۷ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
اعتراف۔ مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں شبہ عمد اور خطا کی دیت عاقلہ پر ہے جیسا کہ ان کی سزاؤں میں آرہا ہے۔ البتہ وہ قتل عمد جو کسی بچے یا مجنون کی طرف ہو تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ان کی عاقلہ پر ہے اور اس سلسلہ میں ان کی عبارتیں بچے کا قتل عمد اور خطا دونوں برابر۔ دلیل یہ ہے کہ مجنون نے کسی شخص پر حملہ کیا تو اسے مارا اور یہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی دیت اس کے عاقلہ کے ذمہ لگائی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اور فرمایا اس کا عمد اور خطا برابر ہیں۔ شوافع کے ہاں اگر بچہ سمجھدار ہے یا سمجھدار نہیں۔ بہر حال اس کا عمد اور خطا دونوں اس بارے میں برابر ہیں کہ اس پر قصاص نہیں اس لیے کہ حلال و حرام کا وہ مکلف نہیں شرعاً، لیکن اس کے مال میں دیت واجب ہے اس کی عاقلہ اس کو برداشت نہیں کرے گی جبکہ وہ سمجھدار ہو اور قتل عمد ہو اور غاقلہ عمد کی دیت اور اس کی صلح یا اعتراف کی ضامن نہیں ہوتی، جب شوافع کے ہاں اس کی حرکت کو عمد شمار کیا جاتا ہے لہذا عاقلہ اس کی دیت کی تحمل نہیں اور اس پر دیت مغلطہ ہے۔

آٹھویں بات: دیت کب کامل واجب ہوتی ہے؟ اور کیا سب لوگ دیت عمد میں برابر ہیں..... حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں جب قصاص معاف کر دے تو عمد کی دیت لازم ہوتی ہے اور واجب وہ ہے جس پر دونوں کی رضامندی اور اتفاق ہو جائے قاتل اور مقتول کے ولی کے درمیان چاہے مال زیادہ ہو یا کم لیکن اگر دیت کی مقدار مقرر نہ کی تو پھر شرعی مقدار سے واجب ہوگی یعنی سوانٹ یا دراہم و دینار شوافع اور حنابلہ کے ہاں عمد کی دیت شرعی مقدار سے واجب ہوتی ہے۔ سوانٹ عمر بن حزم والی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جان کے بدلے سوانٹ ہیں رہ گیا لوگوں میں دیت کے اعتبار سے برابری کا ہونا اس میں اختلاف ہے۔ شوافع کے ہاں دیت کم کرنے والے اسباب چار میں سے ایک ہے: مؤنث ہونا، غلامی، جنین کا قتل اور کفر پہلی تو نصف دیت ہے اور دوسری میں مختلف ہوتی ہے تیسری میں غرہ ہے اور چوتھی صورت میں ثلث یا اس سے بھی کم، یہاں میں دو معاملوں میں ایک ذکر کروں گا یعنی مؤنث ہونے اور کفر میں۔

انوثت: یعنی عورت کی دیت..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے مرد کی دیت سے۔ احادیث آثار اور معقول پر عمل کرتے ہوئے۔ احادیث میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت ہے جان میں عورت کی دیت نصف ہے مرد کی دیت سے اور آثار اس بارے میں بہت سے ہیں، جو حضرت عمر، علی، عثمان، ابن عباس، ابن عمر اور زیدین ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں گویا صحابہ کا اجماع ہے عورت کی دیت کے نصف ہونے پر۔

اور معقول یہ کہ عورت میراث اور شہادت کے اعتبار سے مرد کے نصف کے برابر ہے لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا، اور ابن علیہ اور ابوبکر اصم سے قیاس نافذ کرنے کی روایت ہے کہ عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کی طرح ہے کیونکہ عمر بن حزم کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے مؤمن نفس میں سوانٹ ہیں۔

کفر یعنی غیر مسلم کی دیت..... غیر مسلم کی دیت کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس میں تین رائے ہیں۔
۱..... حنفیہ کے ہاں ذمی اور مستامن کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے اسلام اور کفر کی وجہ سے دیت کی مقدار مختلف نہیں ہوتی کیونکہ خون سب برابر ہیں نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عموم کی وجہ سے۔

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ قَدِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ..... النساء: ۹۴

نیز نبی علیہ السلام نے ہر معاہدہ کی دیت اپنے عہد میں ایک ہزار دینار رکھی ہے۔

۲..... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: کتابی (یہودی، عیسائی) معاہدہ اور مستامن کی دیت، مسلمان کی دیت کے نصف ہے، اور ان

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۹۸ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت کی عورتوں کی دیت مسلمان عورتوں کی دیت کے نصف ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔

۳..... شوافع کے ہاں: یہودی عیسائی معاہدہ مستان کی دیت مسلمان کی دیت کا ثلث ہے عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مسلمان پر جو اہل کتاب میں سے کسی آدمی کو قتل کر دے چار ہزار درہم دیت مقرر فرمائی۔ اور اسی کا فیصلہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے دیا، نیز یہ کم سے کم مقدار ہے جس پر یہ فیصلہ ہے۔

حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں، مجوسی، وثی، سورج اور چاند کے پجاری اور زندیق کی دیت آٹھ سو درہم ہیں، یعنی مسلمان کی دیت کے دو ثلث ہے اور ان کی عورتوں کی دیت اس کی نصف یعنی چار سو درہم ہیں جیسا کہ بعض صحابہ نے فرمایا عمر، عثمان، ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہاں اور بعض تابعین سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عکرمہ اور حسن رحمہم اللہ وغیرہ کے ہاں۔

شوافع کے ہاں منصوص مذہب یہ ہے کہ جس تک اسلام نہیں پہنچا اگر وہ ایسے دین پر ہے جس میں تبدیل نہیں کی جاسکتی، تو اس پر اس کے دین والوں کے اعتبار سے دیت ہے، اگر وہ کتابی ہے تو کتابی والی دیت، اگر مجوسی ہے تو مجوسی والی دیت، لیکن اگر اس نے دین میں تبدیلی کر لی، تو اس کی دیت مجوسی کی دیت کی طرح ہے، حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں اگر یہ شخص پایا جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے لیکن اگر قتل کر دیا گیا دعوت سے پہلے تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ نہ تو اس کا کوئی عہد ہے نہ ایمان۔

قتل عہد کے متبادل اور دوسری سزا تعزیر..... جب قتل عہد میں قصاص ساقط ہو جائے تو تعزیر اس کے متبادل کے طور پر سزا ہے لیکن آیا تعزیر واجب ہے یا جائز؟ اس سلسلہ میں میں نے ولی مقول کی معانی کی صورت میں اشارہ کیا ہے۔

۱..... مالکیہ کے ہاں قاتل عہد پر تعزیر واجب ہے جب اس سے قصاص نہ لیا گیا ہو، اور یہ سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال قید اثر ضعیف پر عمل کرتے ہوئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲..... جمہور کے ہاں تعزیر واجب نہیں، بلکہ معاملہ حاکم کے سپرد ہے، جو وہ مصلحتاً مناسب سمجھے کرے، پس شریر کو قید کر کے مار کر، اور اس کے دانت توڑ کر مادیب دے اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قتل یا عمر قید بھی تعزیر ہو سکتی ہے۔

تیسری قسم: قتل عہد کی تبعی سزا میراث اور وصیت سے محرومی..... سنت کے اندر قتل عہد کی ایک اور سزا بھی ثابت ہے اور وہ میراث سے محرومی، وصیت سے محرومی ہے، اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، قاتل کے لیے میراث نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہو سکتا، اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے، قاتل کے لیے وصیت نہیں، جب وارث اپنے مورث کو قتل کر دے یا جس کے لیے وصیت کی گئی ہے وہ موصی کو تو یہ میراث اور وصیت سے محروم ہوگا ان ذرائع کو روکنے کے لیے تاکہ کوئی مورث کے مال میں لالچ نہ کرے اور اس کی موت میں جلدی نہ کرے لیکن فقہاء کا اختلاف ہے اس قتل میں جس سے میراث اور وصیت حاصل نہیں ہوتی۔

پہلی بات: میراث سے محروم ہونا..... قتل ابتداء کے اعتبار سے میراث سے مانع ہے بالاتفاق، لیکن اختلاف قتل کی صفت و نوعیت کی تحدید میں ہے، حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: وہ قتل جو دشمنی کی بنیاد پر ہو اور عاقل بالغ کی جانب سے ہو چاہے عہد ہو یا خطا ہو یہ میراث سے ہے لیکن حنفیہ کے ہاں قتل براہ راست ہونا چاہیے سبب کے طور پر نہ ہونا چاہیے جبکہ شوافع اور حنابلہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں میراث سے مانع ہیں لیکن اگر قتل کسی حق کی وجہ سے ہو جیسے قصاصاً، حد یا اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کرنا، یا عادل کا باغی قتل کرنا، یا کسی حادثہ کے طور پر قتل ہونا جیسے ادب کی غرض سے سزا دینا۔ مثلاً والد، شوہر، استاد، وغیرہ تو یہ قتل حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں میراث سے مانع نہیں جبکہ شوافع کے ہاں میراث سے مانع ہے، جبکہ اکراہ کے طور پر قتل شوافع اور حنابلہ کے ہاں میراث سے مانع ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں بچے، مجنون اور

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۲۹۹ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

سونے والے سے ہونے والا قتل میراث سے مانع نہیں جبکہ شوانع اور حنابلہ کے ہاں مانع ہے۔ مالکیہ کے ہاں قتل عمد اور اسی طرح شبہ عمد پر میراث سے مانع ہے چاہے براہ راست ہو یا سبب کے طور پر اور قتل خطاء میراث کے مانع نہیں۔ اس تفصیل کی بناء پر مانع میراث قتل میں سب سے سخت مذہب شوانع کا ہے پھر حنابلہ کا پھر حنفیہ کا اور پھر مالکیہ کا، اور اس کے سخت ہونے کا سبب مطلق حدیث ہے: کہ قاتل کے لیے کچھ بھی نہیں، اور اگر قاتل وارث بنے تو پھر وہ جلدی قتل کرے میراث پانے کی فکر میں رہے گا لہذا مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ محروم رہیں۔ وقت سے پہلے جو کسی چیز کو حاصل کرنے کی فکر کرے گا تو اسے محرومی کی سزا ملے گی۔

دوسری بات: وصیت سے محرومی..... حنفیہ کے ہاں وصیت سے مانع بھی وہی قتل ہے جو میراث سے مانع ہے یعنی عاقل بالغ سے براہ راست بغیر حق کے قتل ہوا ہو چاہے عمد ہو یا خطاء۔

مالکیہ کے ہاں..... قتل خطاء وصیت سے مانع نہیں جو میراث سے نہیں رہ گیا قتل عمد اور شبہ عمد تو رائج مذہب کے مطابق یہ میراث سے مانع ہے، اگر موصی اس کے مارنے اور قتل کو جانتا ہو اور وصیت تبدیل نہ کرے، یا مار کے بعد وصیت کرے تو وصیت درست ہے چاہے قتل عمد ہو یا خطاء، شوانع کے ہاں بھی بغیر حق کے ہونے والا قتل مانع میراث ہے۔ چاہے عمد ہو یا خطاء یہ وصیت باطل کر دیتا ہے کیونکہ میراث سے مانع ہے اور وصیت سے مؤکدہ ہے۔ لہذا یہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ میراث سے مانع ہوگی شوانع کے ہاں وصیت کا مالک ہوگا قاتل کیونکہ اس کا مالک بنانا عقد کی وجہ سے یہ بہیہ کی طرح ہے۔

تیسری بحث..... شبہ عمد اور اس کی سزا

مالکیہ کے ہاں شبہ عمد کوئی چیز نہیں ان کے ہاں قتل عمد کے حکم میں ہے الا یہ کہ والد اپنے بیٹے کو قتل کر دے یہ ان کے ہاں شبہ عمد ہے، اور جمہور کے ہاں شبہ عمد ہے لیکن اس کے معنی کی تحدید میں ان کا اختلاف ہے یہ امام ابوحنیفہ کے ہاں اسلحہ کے علاوہ کسی چیز سے عمد قتل کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے مشعل سے یا عصا سے یا کسی بڑی لکڑی اور پتھر سے قتل کرے، صاحبین شوانع اور حنابلہ کے ہاں قتل کرنا مشعل سے عمد ہے اور شبہ عمد یہ کہ غالباً جس چیز سے قتل نہ ہوتا ہو اس سے قتل کرنا، جیسے پتھر، چھوٹی لکڑی، اور چھوٹے عصا سے قتل کرنا۔

قتل شبہ عمد کی تین سزائیں ہیں: اصل بدل، اور تہمی۔

پہلی قسم: اصلی سزا..... شبہ عمد کی دو اصلی سزائیں ہیں: ایک دیت اور ایک کفارہ۔

پہلا مقصد: دیت مغلطہ..... قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں بلکہ اس میں عاقلہ پر دیت مغلطہ ہے اور یہ اس میں پہلی سزا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے کہ شبہ عمد کی دیت جو کہ کوڑے یا عصا سے ہوا ہو سوانث ہیں ان میں سے چالیس وہ اونٹنی جن کے پیٹ میں اولاد ہو یہی مالکیہ اور شوانع کی رائے ہے حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں یہ دیت ارباباً واجب ہے۔ شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی طرح ہے نوع اور مقدار اور تغلیظ میں لیکن جن پر یہ لازم ہے ان کے اعتبار سے مختلف ہو جاتی ہے اور اداء کے وقت اعتبار سے بھی عمد کی دیت تو قاتل پر اس کے مال میں فی الفور واجب ہوتی ہے اور شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر موجداتین سال کی مدت میں واجب ہوتی ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شبہ عمد بھی عمد ہی ہے دیت قاتل کے مال میں واجب ہونے کے اعتبار سے۔

پہلی بات: شبہ عمد کی دیت کون ادا کرے؟:

جمہور کے ہاں..... شبہ عمد کی دیت قاتل کی عاقلہ پر بطور تعاون اور تخفیف اور مواسات کے طور پر واجب ہے نہ کہ قاتل کے مال میں

اور یہ بات یاد رہے کہ مالکیہ قتل کو صرف دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں لہذا یہ شبہ عمد کی دیت قاتل کے مال میں واجب کرتے ہیں نہ کہ عاقلہ کے مال میں اور ان کی رائے غیر مشہور فقہاء کے مذاہب کے موافق ہے اور وہ ابن سیرین، زہری، حارث، عکلم، ابن شہرہ، قتادہ، ابوتور، ابوبکر اصم کے ہاں اس لیے کہ یہ قتل جانی کے فعل کا موجب ہے لہذا عاقلہ اس کی متحمل نہیں ہوگی جیسے عمد میں نیز اس قتل کی دیت بھی مغلطہ ہے لہذا یہ عمد کے مشابہ ہے جمہور کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہذیل میں سے دو عورتوں میں قتال ہوا ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو وہ مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی انہوں نے معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا یا تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کی دیت غرہ ہے اور عورت کی دیت کا فیصلہ دوسری کی عاقلہ کے ذمہ ہوگا۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ شبہ عمد کی دیت عاقلہ کے ذمہ ہے اور اس کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس قتل میں قصاص نہیں لہذا اس کی دیت عاقلہ پر واجب ہے۔ جیسے خطا میں اور یہ قتل عمد سے مختلف ہے اس لیے کہ عمد میں قاتل تو فعل اور ارادہ قتل کرتا ہے لہذا وہ اس کے مال کی دیت غلیظہ ہے اور فوراً ادا کی جائے گی اور شبہ عمد میں جانی فعل کا ارادہ کیا ہے اور فعل کا ارادہ نہیں کیا لہذا یہ دونوں اعتبار سے تخفیف کا مستحق ہے اور وہ عاقلہ پر دیت ہونا اور مؤجل ہونا۔

کیا ابتداء عاقلہ پر دیت ہے یا پہلے قاتل پر..... یہاں فقہاء کی دورائے ہیں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں اصح: کہ ابتداء عاقلہ پر واجب ہے اس لیے کہ اس کے وجوب کا سبب قتل ہے جو قاتل ہے پایا گیا نہ کہ عاقلہ کی طرف ہے۔ لہذا واجب اسی پر ہونا چاہیے نہ کہ عاقلہ پر اور عاقلہ اس پر واجب دیت کا متحمل کریں گے اور قاتل بھی عاقلہ کے ساتھ ایک حصہ دیت کو برداشت کرے گا اس لیے کہ اصلاً وہی اس فعل کی وجہ سے مطالب ہے، اور عاقلہ کا سلسلہ تابع ہے اور یہ ارتکاب جرائم سے حفاظت نفس کا مطلب ہے اور اس کی عاقلہ اسی طرح جرائم کی حفاظت کی طرف سے مطالب ہے جب انہوں نے حفاظت نہ کی تو تفریط یا کی اور ان کی جانب سے تفریط گناہ ہے اور قاتل اپنی عاقلہ کی حمایت اور ان کی نصرت پر اعتماد کرنے والا ہے لہذا مسؤلیت میں یہ جو شریک ہوں گے۔

اسی رائے کی بناء پر اگر قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو جانی ہی ساری دیت ادا کرے گا پر شوافع کے ہاں اظہر ہے لیکن عاقلہ کی موجودگی میں جب پہلے سال میں عاقلہ یا بیت المال پر تقسیم ہوگا اور جو چیز بچ جائے گی وہ قاتل کے ذمہ ہوگی۔

حنابلہ کے ہاں: ابتداء ہی سے عاقلہ پر دیت واجب ہے اس لیے کہ ان کے علاوہ سے اس کا مطالبہ نہیں اور ان کی رضا مندی کا بھی اس میں کوئی اعتبار نہیں اور حنابلہ کے ہاں قاتل دیت کا کچھ حصہ برداشت نہیں کرے گا اس لیے کہ دیت ابتداء ہی سے عاقلہ پر واجب ہے۔ اگر عاقلہ نہ ہوں یا عاجز ہوں اور قاتل مسلمان ہو تو اس سے دیت لی جائے گی اور باقی بیت المال کے ذمہ ہوگی فی الخور اس لیے کہ عاقلہ پر دیت تو تخفیف مؤجل تھی اور بیت المال میں تاخیر کی کوئی حاجت نہیں۔

دوسری بات: شبہ عمد کی دیت ادا کرنے کا وقت..... شبہ عمد کی دیت تین سال کی مدت میں ادا کی جائے گی ہر سال کے آخر میں اس کا ایک تہائی یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے یہی حکایت ہے اور سال کے آخر میں اس لیے کہ موسم کے نتائج کی وجہ سے عاقلہ ادا کر سکے۔ اور ہر سال ثلث اس لیے ہے کہ اسی تین سالوں میں یہ کیا گیا ہے۔ حنفیہ کے ہاں سال کی ابتداء فیصلہ کے وقت سے شمار ہوگی یہی مالکیہ کی رائے ہے دیت میں شافع اور حنابلہ۔ ہاں وجوب دیت کے وقت سے سال کی ابتداء ہوگی اگر دیت نفس کی ہے تو موت کے وقت سے اس لیے کہ اذمہ میں واجب کے مستمر ہونے کا وقت یہی ہے لیکن اگر دیت فیہ نفس ہے تو پچہ جنایت وقت سے۔

تیسری بات: جس مقدار کو عاقلہ ادا کرے گی..... حنفیہ کے ہاں عاقلہ صرف نصف دیت کا دسواں حصہ ہی برداشت کرے گی اور وہ پانچ اونٹ میں موضوع کی ارش جبکہ جنایت نفس سے کم میں ہو البتہ رہ گیا نفس کا بدل تو عاقلہ اسے برداشت کرے گی اگر کم ہو اس لیے کہ

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۰۱ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت، بدل نفس عاقلہ کے ذمہ نص سے ثابت ہے رہ گیا نفس سے کم تو جانی کے ذمہ ہے حضرت شعبی کا قول ہے کہ عاقلہ قتل عہد غلام صلح اور اعتراف کو برداشت نہیں کرے گی اور موضیہ کی ارش سے کم بھی برداشت نہیں کرے گی۔ حنفیہ کے ہاں اصح یہ ہے کہ عاقلہ کے افراد میں سے ہر سال صرف ایک درہم یا ایک درہم اور ثلث لیا جائے گا اس طور پر کہ پورے تین سالوں میں ان سے صرف تین یا چار درہم لیے جائیں گے مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ثلث دیت سے کم کو عاقلہ برداشت نہیں کرے گی اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیت کا فیصلہ دیا تھا کہ اس میں سے کوئی برداشت نہ کرے جب تک اس کا عوض ثلث تک نہ ہو جائے۔

اور ان کے ہاں عاقلہ کا ہر فرد جنتی وسعت رکھتا ہے اتنا حصہ ادا کرے گا حاکم کے اجتہاد کے مطابق اور اس میں کوئی شرعی مقدار مقرر نہیں لہذا کسی کو اتنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا اس پر شاق گذرے اس لیے کہ عاقل پر تخفیف اور مواسات کے ساتھ یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ مالکیہ کے ہاں عاقلہ کی تعداد کم سے کم سات سو ہے اور ایک قول میں ایک ہزار ہے جب عصبہ میں یہ تعداد ہو تو ان کے ساتھ کسی اور کو نہ ملا یا جائے گا لیکن اگر یہ اس عدد سے کم ہوں اور غنی ہوں تو ان کے ساتھ ان کے موالی غلام بھی ملائے جائیں گے۔

شوافع کے ہاں عاقلہ تمام دیت ادا کریں گے چاہے زیادہ ہو یا کم اس لیے کہ جب زیادہ ان کے ذمہ ہے تو پھر کم تو بدرجہ اولیٰ ان کے ذمہ ہوگی اور اسے اس طور پر تقسیم کیا جائے گا عاقلہ میں سے غنی پر سونے کا نصف دینا یا اس کی مقدار اور متوسط پر چوتھائی دینا یا تین درہم تین سالوں میں سے ہر سال اس لیے کہ یہ مواسات کے طور پر سال کے اندر ہے لہذا ذکوۃ کی طرح اس کا تکرار دوگا اور یہ غنی اور متوسط پر لازم ہوگی۔

چوتھی بات: کیا حاکم کی خطا بھی عاقلہ برداشت کرے گی..... عاقلہ امام اور حاکم کی شخصی خطا کو بھی برداشت کرے گی رہ گئی حکم اور اجتہاد پہنچانے والے کی خطا تو اس میں دورائے ہیں جمہور کے ہاں یہ بھی عاقلہ پر واجب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کی طرف قاصد بھیجا اور اس نے بچہ گرا دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا میں تمہیں قسم دینا ہوں کہ آپ اس وقت تک صبح نہیں کریں گی جب تک اسے اپنی قوم پر تقسیم نہ کریں یعنی قریش پر نیز اس لیے بھی کہ حاکم جنایت کرنے والا ہے لہذا اس کی خطا اس کی عاقلہ پر ہوگی دوسروں کی طرح۔

حنفیہ کے ہاں حاکم کی خطا کی دیت بیت المال میں ہے اس لیے کہ اس کے احکام اور اجتہاد میں اکثر خطا ہوتی رہتی ہے اس کی عاقلہ پر لازم کرنے سے انہیں تکلیف اور مشقت ہوگی نیز حاکم اللہ تعالیٰ کا نائب ہے احکام اور افعال میں لہذا اس کی جنایت کی دیت بھی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مال میں ہوگی یہی عمر بن عبد السلام کی بھی رائے ہے۔

پانچویں بات: عاقلہ کون ہے کیا اس زمانے میں بھی ایسا ہوگا؟..... عاقلہ وہ لوگ ہیں جو دیت ادا کریں گے اور دیت کو عقل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خون بہانے سے روکتی ہے اور عقل کو عقل بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ قبیح چیزوں سے روکتی ہے عاقلہ کی تحدید میں فقہاء کا اختلاف ہے تین مذہب ہیں۔

۱۔ حنفیہ کے ہاں..... عاقلہ وہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو اور وہ حیث اور لشکر جن کے نام دیوان میں لکھے ہوئے اور وہ حساب کا جریدہ ہے یا وہ عاقل بالغ آزار دہیں جو قتال کر رہے ہیں یعنی جھنڈوں اور علموں والے تو ان کے وظائف سے لیا جائے گا نہ کہ ان کے اصل مالوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کی دلیل سے کہ دیت مدد کرنے والوں پر ہے اور وہ کئی قسم پر ہے قرابتدار، حلیف اور ولاء اور عقد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان مرتب کیے تو آپ نے دیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اہل دیوان پر رکھی اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کی عاقلہ اس کا قبیلہ اور قرابتدار ہیں اور ہر وہ شخص جو ان کی مدد کرنے والا ہے اس لیے کہ یہ ان سے مدد لینے

والا ہے اگر یہ قبیلہ اگر اس دیت کو پورا نہ کر سکے تو اس کے ساتھ عصابات کی ترتیب سے نسب کے اعتبار سے دوسرے قبیلے ملائے جائیں گے الاقرب فالاقرب پہلے بھائی پھر ان کی اولاد پھر چچے پھر ان کی اولاد لیکن اگر وہ ایسا ہو کہ اس کی کوئی عاقلہ نہ ہو جیسے لقیط اور حرابی یا وہ ذمی جو اسلام قبول کر چکا ہو تو ان کی عاقلہ ظاہر روایت کے مطابق بیت المال ہے۔

اور قاتل عاقلہ کے ساتھ دیت میں داخل ہے یہ بھی ان میں سے ایک کی طرح ادا کرے گا اس لیے کہ جرم کرنے والا یہی ہے اسے نکالنے کا کوئی معنی نہیں اس سے بھی مواخذہ ہوگا بلکہ یہ بدرجہ اولیٰ ادا کرے گا عاقلہ میں قاتل کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بیویاں داخل نہیں اس لیے کہ ان سے کثرت تحقیق نہیں ہوئی نہ ہی عورتیں بچے اور پاگل اس لیے کہ عاقلہ کا ادا کرنا یا تعاون میں تبرع ہے اور یہ حضرات اہل تبرع نہیں اسی طرح عاقلہ غلام کی جنابت کی دیت اور عمد کی ذیت اور صلح و اعتراف سے جو کچھ لازم آئے اسے ادا نہیں کریں گے حضرت تسمی رحمۃ اللہ علیہ کے سابقہ قول کی وجہ سے نیز غلام سے مد نہیں لی جائے اور اقرار مقرر تک محصور رہتا ہے لہذا وہ عاقلہ کی طرف متعدی نہ ہوگا الا یہ کہ وہ اس کے اقرار کی تصدیق کر دیں اور دم عمد میں جو بطور صلح لازم آئے وہ قصاص میں واجب ہوتا ہے اور جب جانی اس سے صلح کر لے تو یہ اس کے مال سے اس کا بدلہ ہوگا جیسا کہ نصف دیت کے دسویں حصے سے کم عاقلہ ادا نہیں کریں گے البتہ دسویں حصے سے زیادہ ادا کریں گے اور اس مقدار سے جو کم ہو وہ جانی کے مال میں سے ہے۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں..... عاقلہ اہل دیوان ہیں اور وہ لوگ ہیں لشکر میں سے جن کے نام رجسٹریں درج ہوں ان کی تعداد اور ان کی تنخواہ وغیرہ اگر اہل دیوان میں سے نہ ہو تو پھر حصہ ہیں پہلے بھائی پھر چچے پھر ان کے بعد جو فرزند ہوں پھر بیت المال اگر جانی مسلمان ہو اس لیے کہ بیت المال کافر کی دیت ادا نہیں کرے گا اگر بیت المال نہ ہو تو دیت قاتل پر قسط و ارتقیم ہوگی۔

۳۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... عاقلہ والد کی جانب سے قاتل کے فرزند ہوں اور وہ عصبہ نسبی ہیں جیسے بھائی چچے وغیرہ نہ کے اہل دیوان دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی دیت اس کے قاتل کے عصبہ پر لگائی تھی۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں آباؤ اجداد اور اولاد بھی عاقلہ میں داخل ہے برخلاف حنفیہ کے اس لیے کہ جانی میراث کے یہ سب سے زیادہ حقدار عصابات ہیں لہذا دیت ادا کرنے میں یہ بدرجہ اولیٰ ہیں شوافع نے حنفیہ کی طرح آباؤ اجداد اور اپنا کو مستثنیٰ کیا ہے اس لیے کہ یہ جانی کے ابغاض میں سے ہیں پس جیسے جانی دیت ادا نہیں کرتا اس طرح اس کے ابغاض بھی ادا نہیں کریں گے اور وہ آباؤ اجداد اور اولاد ہے۔ نسائی میں روایت ہے آدمی اپنے بیٹے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے جو دو عورتوں کے قتل سے متعلق ہے بنو ہذیل میں سے اور آپ نے بیٹے کو دیت سے بری قرار دیا۔ اسی پر باقی ابغاض کو قیاس کیا جائے گا اور اسی میں ہے کہ آپ نے بیوی کو بھی بری قرار دیا۔ مقدم کیا جائے گا الاقرب فالاقرب کو۔ عصبہ میں سے پہلے بیٹے پھر والدین ہوں گے جن کے ہاں یہ داخل ہیں پھر بھائی پھر چچے پھر والد کے چچے پھر ان کی بیٹیاں الخ۔ اور جن کی عاقلہ نہیں ان کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں میں اس کی دیت ادا کروں گا اور اس کا وارث ہوں۔ اگر بیت المال نہ ہو تو مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں جانی پر ہے اور جانی بھی عاقلہ میں سے ایک ہے اس لیے کہ ان کے ہاں ابتداء قاتل پر لازم ہوتی ہے پھر عاقلہ اسے ادا کرتے ہیں اور حنابلہ کے ہاں اس حالت میں قاتل پر کچھ بھی نہیں جیسا کہ وہ عاقلہ میں داخل نہیں اس لیے کہ دیت ابتداء عاقلہ کے ذمہ ہوتی ہے اور دیت تقسیم کی جائے گی عاقلہ کے افراد پر فرزندوں اور بچوں پر حاضرین اور غائبین پر صحیح و مریض پر اگر چہ وہ اپنا چ اور اندھے ہوں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لیثان کی ایک عورت کا فیصلہ دیا جو ظلم کی وجہ سے مر گئی تھی اور اس کا بچہ بھی مر گیا تھا کہ دیت عصبہ پر ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکسار میں دیت کا فیصلہ عصبہ کے لیے دیا تھا، اور عاقلہ میں سے غریب عورت، بچہ اور زکات الغنل سے دیت نہیں لی جائے گی اس

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۰۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 لیے کہ دیت کا قتل مدد و نصرت مواسات کے طور پر ہوتی ہے اور فقیر مواسات پر قادر نہیں اور دوسرے اہل مدد میں سے نہیں۔
 اور جو مر گیا یا فقیر ہو گیا یا سال ہونے سے پہلے عاقلہ میں سے تو کچھ بھی لازم نہ ہوگا اس لیے کہ یہ مال ہے سال کے آخر میں اس پر زکوٰۃ کی طرح واجب ہوتی ہے۔

متاخرین حنفیہ کے ہاں عصر حاضر میں عاقلہ کا نظام..... عاقلہ کا نظام عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہے ہر خطی کے گناہ کے عمل میں لیکن اس کے علاوہ کہ جانی کے گناہ کے عاقلہ کچھ مدد دار نہ ہوں اور اس استثناء کا سبب وہ قاتل کے ساتھ مواسات اور مدد و تعاون اور تخفیف ہے اور محبت والفت اور لوگوں کے درمیان اصلاح پیدا کرنا ہے اور اگر قاتل غریب ہو تو جس پر جنایت ہوئی اس کا خون رائیگاں نہ جائے اور غالب ترین لوگ فقیر ہی ہیں اور اس نظام میں عدالت اور مساوات ہے سب لوگوں کے لیے تاکہ کوئی ایک بھی محروم نہ ہو جانی کے فقیر ہونے کے سبب پھر اس نظام میں قاتل کے لیے بھی باعث ہے اگر اس کی مدد اس کے خاندان اور ان کے خاندان والے نہ کریں تو وہ مجبور ہو جائے گا اور اس کے افعال مکمل طور پر ہوں گے اسی وجہ سے فقہ اسلامی نے اس جنایت کو تمام افراد عاقلہ کی طرف منسوب کیا ہے ان سب پر دیت واجب کی ہے لہذا مال صرف کرنا عاقلہ کا یہ جاہلیت میں مدد کرنے کا بدل ہے کہ قبیلہ کے لوگ جانی سے روکتے اور اس کی حمایت کرتے تھے تاکہ اولیاء مقتول اسے اچانک قتل نہ کر دیں ان تمام اوصاف کے باوجود یہ نظام جو ہے یہ ایک خاندان کے لیے مناسب ہے اور خوشی اور غمی میں یہ ان کی نصرت ہے لیکن اب خاندانوں کا نظام بگڑ گیا ہے اور اقارب کے روایت ختم ہو چکے ہیں اور پہلے کی عصبت ختم ہو گئی ہے اور اس معاملہ میں کوئی اہتمام نہیں اس وجہ سے نظام عاقلہ باقی نہیں کیونکہ افراد خاندان کی مدد و نصرت کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا ہے اس طرف حنفیہ کے ہاں ہماری راہنمائی ہوتی ہے گھریلو افراد سے قبیلہ تک پھر دیوان پھر اہل پیشہ پھر بیت المال اور یہ بات تو اپنی جگہ کے خاندانی نظام زائل ہو چکا اور بیت المال کا نظام بھی تبدیل ہو گیا اور عربوں کے زمانے میں جو اجتماعی نظام تھا وہ بھی مختلف ہو گیا اور پہلے کی عصبت بھی ختم ہو گئی اور ہر شخص اپنے ذات پر اعتماد کرنے نکلا ہے قبیلہ کے علاوہ پس ہمارے اس زمانے میں قتل خطا اور شبہ عمدہ کی دیت صرف جانی کے مال میں واجب ہے اور اس کی حنفیہ نے تصریح کی ہے اور یہ رائے ابوکرقم اور خوارج کی رائے کے مطابق ہے اور اس طرح باقی مذاہب کی رائے کے بھی مطابق ہے جو عاقلہ اور بیت المال کی عدم موجودگی میں جانی کے ذمہ لگاتے ہیں۔

دوسرا مقصد: دوسری اصلی سزاء کفارہ:

قتل شبہ عمدہ میں جمہور فقہاء کے ہاں کفارہ واجب ہے اس لیے کہ قصاص نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطا کے ساتھ ملحق ہے اور عاقلہ کے دیت ادا کرنے اور تین سال میں ادا کرنے کی وجہ سے لہذا جانی پر کفارہ واجب ہونے میں خطا کے قائم مقام ہے۔
 اور کفارہ جیسا کہ قتل عمدہ میں گذرا وہ مومن غلام آزاد کرنا پس جس کی ملکیت میں غلام نہ ہو یا اتنی رقم نہ ہو جس سے غلام خرید ا جاسکے یا غلام ہی نہ پایا جائے تو پھر اس پر دو ماہ کے لیے پے در پے روزے واجب ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے مالکیہ کے ہاں قتل شبہ عمدہ، عمدہ ہی ہے اس لیے کفارہ واجب نہیں اور یاد رہے کہ گزریوں کے ذریعہ جو حادثہ ہوتے ہیں ان میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

دوسری قسم: قتل شبہ عمدہ کی متبادل سزاء..... اگر کسی بھی سبب کی وجہ سے دیت ساقط ہو جائے تو اس کی جگہ پر تعزیر ہوگی مالکیہ کے ہاں حاکم جو مناسب سمجھے وہ تعزیر قاتل کو لگائے اور جمہور فقہاء کے ہاں تعزیر میں حاکم کو اختیار ہے جیسا کہ قتل عمدہ کی تعزیر میں گذرا اور رہ گئے روزے تو وہ کفارہ کے فضائل میں سے ہیں جو اصلی سزائی ہیں لیکن غلام آزاد کرنے سے عاجزی کی صورت میں لازم ہوتے تھے۔

تیسری قسم: قتل شبہ عمدہ کی تبعی سزاء..... دیت کے علاوہ شبہ عمدہ میں قاتل کو دو اور سزائیں دی جائیں گی اور ان میں سے ایک میراث

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۰۴ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت سے محروم ہونا اور دوسر اوصیت سے محروم ہونا جیسے قتل عمد کی جزاء میں ہے احادیث کے عموم کی وجہ سے کہ قاتل کے لیے میراث نہیں اور قاتل کے لیے وصیت نہیں البتہ دلیل حدیث صحیح ہے اور دوسری کی سند متروک ہے۔

چوتھی بحث..... قتل خطا اور اس کی سزا

قتل خطا جیسا کہ معلوم ہے کہ مارنے سے قتل کا ارادہ نہ ہو مثلاً کوئی کسی پر گرا اور وہ مر گیا یا اس نے تیر مارا اور وہ کسی انسان کے جا لگایہ ایک ہی قسم ہے جمہور کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں دو قسمیں ہیں اس لیے کہ سونے والے کے گرنے کو یہ جاری مجری خطا شمار کرتے ہیں اور قتل خطا اور قائم مقام خطا میں فقہاء کے ہاں بالاتفاق قصاص نہیں بلکہ اس میں صرف دوسزائیں ہیں اصلی اور وہ دیت اور کفارہ ہے اور تبعی وہ میراث سے محروم ہونا اور وصیت سے محروم ہونا اور جارے مجری خطا میں بھی حنفیہ کے ہاں یہی سزائیں ہیں۔ رہ گیا قتل باسبب جیسے کنواں کھودنا وہ تو حنفیہ کے ہاں اس میں ایک ہی سزا ہے کہ عاقلہ پر دیت ہے نہ اس میں کفارہ ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے میراث اور وصیت سے محرومی ہے اور یہ جمہور کے ہاں قتل خطا کی طرح ہے۔ اور رہ گئے روزے تو یہ قتل خطا کے سلسلہ میں قرآن کریم میں کفارہ کے طور پر منصوص ہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسْلِمَةٍ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
النساء: ۹۲/۳

اس آیت میں تین کفارے مذکور ہیں مسلمان کو دار اسلام میں خطا قتل کرنے پر دار الحرب میں مسلمان کو قتل کرنا کہ اس کے مہمان کا پتہ نہ ہو اور معابد یعنی ذمی کو قتل کرنے پر اور فقہاء کے ہاں بالاتفاق خطا میں تعزیر نہیں۔

اور قتل خطا کی دیت جیسا کہ عہد میں گذارہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں انما سآ ہے ۲۰ بنت محاض، ۱۲۰ ابن مخص، ۲۰ بنت لیون، اور ۲۰ حقے اور ۲۰ جعے اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں ۲۰ ابن محاض کی جگہ ۱۲۰ ابن لبون ہیں اور دونوں فریق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل خطا کی دیت اس کے عاقلہ پر مؤجل ہے تین سال میں ادا کرنی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے خطا کی دیت عاقلہ پر رکھی ہے نیز عمر و علی رضی اللہ عنہما کے فعل پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے اس دیت کو عاقلہ پر تین سال کی مدت میں ادا کرنا قرار دیا اور یہ مدت حنفیہ کے ہاں قاتل اور عاقلہ دونوں کی ادائیگی کے لیے ہے رہ گئے جمہور تو ان کے ہاں جو عاقلہ ادا نہیں کریں گے وہ فی الحال واجب ہے اس لیے کہ تلف شدہ کا بدلہ ہے لہذا فی الحال واجب ہے۔ رہ گئی وہ دیت جو عاقلہ ادا کریں گے تو وہ ان کے ساتھ موااسات کے طور پر مؤجل واجب ہے اور عاقلہ پر دیت لازم کرنے کا سبب یہ ہے کہ خطا جرائم بہت زیادہ ہوتے ہیں اور آدمی کی دیت زیادہ ہے لہذا حکمت کا تقاضا ہے کہ یہ عاقلہ پر واجب ہو قاتل کے ساتھ ہمدردی کے طور پر۔ اور اس کے ساتھ تعاون و تخفیف کی غرض سے اس لیے کہ وہ اس فعل میں معذور ہے عدم ارادہ کی وجہ سے البتہ کفارے میں یہ منفرد ہے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قتل خطا کی دیت مغالطہ نہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں تین حالتوں میں مغالطہ ہے جیسا کہ دیت عہد میں گذرا۔

رہ گیا قتل خطا کا کفارہ تو یہ قاتل کے مال میں سے واجب ہے اور اس کے ادا کرنے میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اس لیے کہ اس کا سبب یہی خود بنا ہے نیز کفارہ تو قاتل کے فعل کی تکفیر کے لیے ہے لہذا غیر کے فعل سے اس کی صفائی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ عبادت ہے۔ اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مقتول قتل خطا کا ذمی اور غلام نہ ہو تو کفارہ واجب ہے اور مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ذمی کے قتل میں بھی واجب ہے اور مالکیہ کے ہاں ذمی کے قتل میں واجب نہیں اس لیے کہ اس کے کفر کی وجہ سے یہ خون رائیگاں ہے اور رہ گیا وصیت اور میراث سے محروم ہونا تو قتل عمد کی سزا میں اس پر بات ہو گئی ہے۔

دوسری فصل.....نفس کے علاوہ جنایت

نفس انسان سے کم میں جنایت ہر وہ اعتداء ہے جو انسان کے جسم کے کسی عضو کے کاٹنے زخمی کرنے مارنے میں ہو یہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں دو قسم پر ہے عمد اور خطا عمد یہ کہ جس میں جرم کرنے والا ارادہ سے دشمنی و ظلم کی بنیاد پر مارے مثلاً کسی کو پتھر مارنے کی غرض سے مارا اور خطا مارنے کا ارادہ تو ہو لیکن دشمنی اور ظلم کی بنیاد پر نہ ہو جیسے راستے میں پتھر پھینکا اور وہ کسی انسان کے سر تک پہنچ جائے یا اس کی کوتاہی کا نتیجہ ہو جیسے کوئی سوئے ہوئے پر پلٹ کھائے اور اس کی پسلیاں توڑ دے حنفیہ کے ہاں نفس کے علاوہ میں شبہ عمد نہیں بلکہ صرف عمد اور خطا ہے۔

اس لیے کہ شبہ عمد کسی کو اسلحہ کے علاوہ سے مارنا ہے یا جو اسلحہ کے حکم میں ہے اس سے مارنا۔ جیسے بڑے پتھر اور بڑی لکڑی سے مارنا پس اس کا پایا جانا آ لہ ضرب یہ مبنی ہے اور قتل کا حکم آلات کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے رہ گیا نفس ہی کم میں تلف تو وہ آلات کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا بلکہ اس میں حاصل ہونے والے نتیجہ کی طرف دیکھا جاتا ہے اور وہ تلف ہونا اور تلف کا ارادہ کرنا ہے لہذا اتمام آلات فعل کے ارادہ میں برابر ہیں پس یہ فعل یا عمد ہوگا یا خطا اور ان کے ہاں شبہ عمد کی سزا عمد جیسی ہے دلیل ان کا قول ہے جو چیز نفس میں شبہ عمد ہے اس کے علاوہ میں وہ عمد ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں نفس کے علاوہ میں بھی شبہ عمد ہے مثلاً: کوئی کسی کے سر میں طمانچہ مارے یا چھوٹا پتھر مارے جس سے غالباً زخم نہیں ہوتا اور وہ جگہ متورم ہو جائے اور اس سے ہڈی نظر آنے لگے ان کے ہاں صرف عمد میں قصاص ہے باقی خطا اور شبہ عمد میں قصاص نہیں اور ان کے ہاں شبہ عمد کی سزا خطا کی طرح ہے اس فعل میں جنایت کی دو قسموں سے متعلق بات ہوگی عمد اور خطا کی دو بحثوں میں۔

پہلی بحث.....عمد کی سزا

نفس کے کم میں عمد جنایت یا تو اس طرح ہے کہ اطراف کو کاٹ دے یا ان کے منافع معطل ہو جائیں یا سر کے علاوہ کوئی زخم لگا دینا اسے ”جراح“ کہتے ہیں یا سر اور چہرے پر زخم لگانا اسے ”شجاج“ کہتے ہیں اس جنایت کی سزا کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس میں قصاص لینا تو قصاص واجب ہے اور ہر وہ فعل جس میں قصاص ممکن نہ ہو تو یہ فعل خطا ہے اس میں شبہ ہو تو اس میں دیت واجب ہے یا ارش اس بناء پر اطراف کے کاٹنے کی سزا یا تو قصاص ہے یا دیت اور تعزیر اور عضاء کے منافع معطل کرنے کی سزا وہ دیت اور ارش ہے اور جراح و شجاج کی سزا قصاص ارش یا عادل آدمی کا فیصلہ ہے اس بحث میں چار مقصد ہیں۔

پہلا مقصد: اطراف کاٹنے کی سزا.....فقہاء کے ہاں اطراف وہ دونوں ہاتھ دونوں پاؤں ہیں اور ان ہی کے ساتھ ملحق ہیں انگلیاں، ناک، آنکھ، کان، ہونٹ، دانت، بال اور پلکیں اطراف کاٹنے کی سزا یا تو قصاص ہے یا دیت اور تعزیر اس کا بدل جبکہ قصاص لینا ممتنع ہو کسی سبب کی وجہ سے۔

پہلی اصلی سزا: قصاص.....اطراف اور جراح میں قصاص کی تطبیق کے لیے نفس کی شرائط عامہ کے علاوہ شرائط خاصہ بھی ہیں۔

عام شرائط.....حنفیہ کے ہاں کہ جرم کرنے والا عاقل بالغ عدا کرنے والا اور مختار ہو اور جس پر جنایت ہوئی اس اصول میں سے نہ ہو اور مجنی علیہ معصوم ہو اور جانی کا جزو نہ ہو نہ اس کی ملکیت اور جنایت براہ راست ہوئی ہو بطور سبب نہ ہو اور قصاص میں مماثلت ممکن ہو اور جمہور نے اضافہ کیا ہے مجنی علیہ جانی کے برابر ہو اور ان کے ہاں جنایت کا مباشرت یا نسبت ہونا برابر ہے اس بناء پر موانع قصاص عام درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابوة..... والد سے بیٹے کی قصاص نفس کے علاوہ نفس کی طرح ممنوع ہے حدیث کی وجہ سے کہ والد سے اس کے بیٹے کی قصاص نہیں لی جائے گی آئمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق۔

۲۔ انعدام تکافؤ..... حنفیہ کے ہاں تین یا چار حالتوں میں نفس سے کم میں جانی اور مخنی علیہ میں تکافؤ منعدم ہے اور آخری دو حالتوں میں جمہور کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں انعدام کی دو حالتیں جنس میں اختلاف اور عددی تماثل کا نہ ہونا لہذا نفس سے کم میں مرد اور عورت میں قصاص نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں اطراف اموال کی طرح ہیں جب مرد اور عورت کی دیت میں تماثل نہیں اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

لہذا اطراف کی دیت میں ان میں کوئی تماثل نہیں جب عورت کی مرد کی دیت میں تماثل اور مساوات نہیں تو اطراف میں بھی قصاص نہیں اور جب جنایت کرنے والی معتدہ ہوں مثلاً ایک شخص کا ہاتھ کاٹیں یا اس کی انگلی یا اس کے دانت نکالیں تو ان میں کسی پر بھی قصاص نہیں اس لیے کہ ایک ہاتھ اور کئی ہاتھوں میں مماثلت نہیں ان پر کٹے ہوئے اطراف کی دیت ہے اور جمہور کے ہاں عورت کا مرد سے اور اس کے برعکس قصاص لیا جائے گا اور کئی ہاتھ ایک ہاتھ کے بدلے میں کاٹے جائیں گے رہ گئی، جمہور کے ہاں عدم تکافؤ کی حالتیں تو وہ حریت اور اسلام ہے جیسا کہ قصاص نفس میں ہے لہذا ان کے ہاں آزاد سے غلام کے اطراف کاٹنے میں قصاص نہیں اور غلام کا آزاد کے بدلے میں ہاتھ وغیرہ کاٹا جائے گا اور غلام کا غلام کے بدلے میں اور حنفیہ کے ہاں اس میں اختلاف ہے نفس کے مبداء کی وجہ سے کہ غلام اور آزاد میں اور ان کے برعکس میں بالکل قصاص نہیں اور نہ غلاموں کے درمیان آپس میں تماثل نہ ہونے کی وجہ سے اور قیمت میں تفاوت کی وجہ سے اس لیے کہ ہر غلام کی قیمت دوسرے سے مختلف ہے یعنی حنفیہ کے ہاں غلامی اور آزادی تیسری حالت ہے قصاص سے مانع ہونے میں اور جمہور کے ہاں نفس سے کم میں مسلمان اور ذمی کافر کے درمیان قصاص نہیں لیکن شوافع اور حنابلہ کے ہاں ذمی کا مسلمان کے بدلے میں قطع ہوگا اس لیے کہ نفس میں برابری نہیں اور مالکیہ کے ہاں ذمی کا قطع مسلمان کے مقابلہ میں نہ ہوگا اس لیے کہ نفس سے کم میں قصاص طرفین میں مساوات کا مقتضی ہے اور مسلمان اور کافر میں مطلقاً مساوات نہیں۔

۳۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مادون النفس اعتداء شبہ عمد ہونا..... بھی مانع قصاص ہے بایں طور کہ کسی کو طمانچہ لگائے اور اس کی آنکھ پھوٹ جائے یا کسی کو عصا مارے اور اس کا ہاتھ شل ہو جائے یا اس سے ورم پیدا ہو کہ موضع تک پہنچ جائے اس حالت میں ان کے ہاں قصاص نہیں بلکہ شرعاً مقرر دیت واجب ہوگی آنکھ اور ہاتھ کی مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں ان حالتوں میں جانی سے قصاص لیا جائے گا اس لیے کہ اطراف وغیرہ میں شبہ عمد، عمد کے حکم میں ہے اور اطراف وغیرہ میں صرف اعتداء کا ارادہ ہی کافی ہے اور کسی بھی آلہ سے اعتداء متصور اور ممکن ہے برعکس قتل کے وہ صرف مخصوص آلہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

۴۔ حنفیہ کے ہاں وہ فعل سبب ہو..... ان کے ہاں نفس اور اطراف میں جنایت میں قصاص کے لیے براہ راست ہونا شرط ہے سبب سے نہیں جمہور کا اس میں اختلاف ہے۔

۵۔ جنایت دار الحرب میں ہو..... احناف کے ہاں اگر دار الحرب میں جنایت ہو تو قصاص نہیں کیونکہ امام کو ولایت حاصل نہیں برخلاف باقی آئمہ کے۔

۶۔ قصاص لینا ناممکن ہو..... فقہاء کے ہاں جب نفس اور اطراف میں قصاص لینا معتذر ہو تو یہ قصاص سے مانع ہے اس لیے کہ قصاص میں مماثلت مطلوب ہے جب مماثلت محقق نہیں تو قصاص بھی نہیں بلکہ دیت ہوگی جانی کے دو مفصل والے انگوٹھے کو قطع نہیں کیا جائے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۰۷ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 گاجب اس نے کسی کے ایک مفصل والے انگوٹھے کو کاٹا ہوتا مثل نہیں۔

اطراف میں جنایت کی خاص شرطیں..... یہ ساری ایک ہی بنیاد کی طرف لوثی ہیں اور وہ تماثل و برابری کا تحقق ہونا اور پایا جانا ہے اور برابری جنایت اور عقوبت میں تین چیزوں میں تحقق ہوگی فعل میں تماثل و برابری محل میں برابری اور منفعت میں برابری اور احناف نے ارشوں میں بھی تماثل کا الحاق کیا ہے اس کی تفصیل سابق میں مذکور ہے کہ تماثل شرط ہونے کی دلیل فرمان تعالیٰ ہے وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ اور زحموں میں برابری۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ إِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ..... النحل ۱۶/۱۶

نیز

فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ..... البقرة: ۱۹۴

نیز اس لیے بھی کہ جانی کا خون معصوم ہے سوائے جنایت کی مقدار کے جو اس سے زیادہ ہے وہ معصوم ہے اس سے تعرض ممنوع ہے لہذا جنایت سے زیادہ حقدار میں قصاص درست نہیں اور جراح میں قصاص نہیں صرف موضعہ میں جبکہ وہ عدا ہوا اور اسی بناء پر قصاص سے مانع خاص اطراف میں تین چیزیں ہیں۔

۶۔ فعل میں برابری نہ ہونا..... یا بغیر کی زیادتی کے قصاص لینا ممکن نہ ہو قصاص کے جواز کے لیے شرط ہے ظلم سے امن ہونا چاہے اور اطراف میں ظلم سے مامون صرف اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب وہ اصل سے کاٹا ہو جیسے پہنچے کا مفصل کہنیوں کا مفصل اور کندھے کا یا گھٹنے یا ٹخنے یا سرین کا یا اس کی کوئی حدید جیسے ناک کا یا ناسہ اگر مفصل سے نہ کاٹا ہو یا اس کی ختم ہونے کی جگہ ہی نہ ہو جیسے ناک کی ہڈی کا ٹنڈیا آدھا بازو یا پنڈلی یا ران تو احناف کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں قصاص نہیں ہاتھ اور پاؤں کی دیت واجب ہے مالکیہ کے ہاں اس صورت میں جہاں تک ممکن ہو سکے قصاص واجب ہے اور کوئی خوف و خطر نہ ہو اس لیے کہ مماثلت حتی الامکان اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسے چھوڑنا جائز نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے: وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ المائدہ ۵/۴۵

شوافع کے ہاں محل جنایت سے کم میں قریب ترین مفصل سے قصاص لیا جائے گا اور باقی کا عوض دے دیا جائے گا کیونکہ اس میں قصاص معذور ہے اگر کسی نے دوسرے کے ہاتھ میں سے آدھا کاٹ دیا تو جہنمی علیہ رخ گھٹے سے قصاص لے لے اس لیے کہ یہ جنایت میں داخل ہے اور اس کا قصاص ممکن ہے اور باقی کا عوض اس لیے کہ اس نے ہڈی توڑی ہے اس میں مماثلت ممکن نہیں لہذا بدل کی طرف منتقلی ہوگی اگر کسی نے دوسرے کا بازو نصف سے کاٹا تو قصاص میں کہنیوں سے کاٹا جائے اور باقی میں عوض دیا جائے گا اگر مرفق سے کاٹا ہو تو کوغ سے قصاص لینے کی اجازت نہیں اس لیے کہ محل جنایت سے قصاص لینا ممکن ہے ہڈی توڑنے میں بالاتفاق آئمہ کے قصاص نہیں جیسے سینے کی ہڈی، پیٹھ کی ہڈی، گردن کی ہڈی اور اس میں مکمل طور پر کامل ارش واجب ہے اس لیے کہ مماثلت ممکن نہیں۔ جیسا کہ بالاتفاق شجاع میں سے موضعہ سے اوپر قصاص ممکن نہیں اس لیے کہ قصاص لینا ظلم کے بغیر ممکن ہے اور موضعہ سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ قصاص ممکن ہے اور موضعہ سے کم میں قصاص نہیں البتہ مالکیہ کے ہاں ہے۔ کوڑے سے مارنے، عصا، طمانچے اور گھونسا مارنے میں کوئی قصاص نہیں جبکہ کوئی اثر نہ چھوڑے اس لیے کہ اس میں مماثلت ممکن نہیں بلکہ اس میں تعزیر ہے مالکیہ نے کوڑے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس سے مارنے میں قصاص ہے ابن قیمؒ کے ہاں طمانچہ وغیرہ میں بھی قصاص ہے۔

مقدار اور منفعت میں برابری نہ ہونا..... ہاتھ بغیر ہاتھ کے، دائیاں بائیں کے بدلے میں اور انگوٹھا شہادت کی انگلی کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ ان میں تجانس نہیں اور دانت کے بدلے میں بھی صرف وہی دانت۔ اکھیرا جائے گا اور اوپر والے کے بدلے

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۰۸ ----- جراثیم اور سزائیں، قصاص اور دیت میں نیچے والا یا اس کے برعکس نہیں کیا جائے گا کیونکہ منفعت مختلف ہے۔

صحت وکمال میں برابری نہ ہونا..... پس صحیح ہاتھ کے بدلے میں شل کو نہیں کاٹنا جائے گا۔ اسی طرح صحیح پاؤں کے بدلے میں شل نہیں کاٹنا جائے گا اور ناقص کے بدلے میں کامل نہیں کاٹنا جائے گا۔ البتہ مالکیہ کے ہاں کامل کے بدلے میں ناقص کاٹنا جائے گا بغیر کسی تاوان کے اور انگلی کے نقص میں مجنی علیہ کو اختیار نہیں ہوگا اگر انگلی سے زیادہ کم ہوگئی تو مجنی علیہ کو اختیار ہے قصاص اور دیت لینے میں اگر مجنی علیہ کا ہاتھ یا پاؤں کم تھا تو جانی سے کامل کی قصاص لی جائے گی اگر ایک سے زیادہ انگلیاں کم ہوں تو پھر کامل پاؤں ہاتھ کو نہیں کاٹنا جائے گا اور سب سے بہترین نمونہ اطراف میں قصاص کا وہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۖ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ۖ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ
وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۖ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ..... المائدہ: ۵/۳۵

اطراف میں قصاص کا آلہ..... اطراف میں تلوار سے قصاص نہیں لی جائے گی اور نہ ہی ایسے آلے سے جس سے زیادتی کا خوف ہو چاہے زخم اس آلہ سے لگا ہو یا کسی اور سے بلکہ کسی خاص زخم لگانے والے آلہ سے مدد لی جائے گی جیسے استر اذانت نکالنے کا زہور وغیرہ اور جانی سے قصاص لیا جائے گا زخموں میں اس سے نرم طرح جس طرح اس نے کیا ہے اگر زخم کسی پتھر سے ہو یا عصا سے تو اس سے استرے سے قصاص لیا جائے گا۔

اطراف کے قصاص کا سرایت کر جانا..... سرایت کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً سزا کے آثار کا دوسرے عضو کے تلف تک پہنچ جانا یا کسی آدمی کا مر جانا اس سے جب عضو سے قصاص والا زخم نفس میں سرایت کر جائے اور وہ موت تک پہنچا دے تو اس فعل کو سرایت نفس یا انخفا موت قرار دیا جائے گا اور جب کسی دوسرے عضو کی طرف سرایت کر جائے تو اس فعل کو سرایت عضو کہتے ہیں۔ اسی بناء پر جب جانی کے اطراف کا قصاص لیا گیا اس سے وہ نفس تک سرایت کر گیا اور وہ مر گیا آیا اس میں ضمان ہے یا نہ اس بارے میں فقہاء کی دورائے ہیں۔

امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں..... جب کسی شخص نے دوسرے سے قطعید کا قصاص لیا مجنی علیہ نے جانی کا ہاتھ کاٹا وہ کاٹنے سے مر گیا تو دیت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے غیر حق وصول کیا اس لیے کہ اس کا حق کاٹنا تھا اور اس طرح دونوں کی دیت کا ضامن ہوگا جبکہ کسی عضو کے کاٹنے سے وہ سرایت کر جائے عضو میں اور اس سلسلے میں ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جب جنایت کسی عضو میں حاصل ہو اور وہ دوسرے عضو کی طرف سرایت کر جائے اور اس دوسرے عضو میں قصاص نہ تھا تو پہلے عضو میں بھی قصاص نہیں ہوگا لیکن اس میں دیت ہوگی عاقلہ پر اگر موت ادب سکھانے کے سبب حاصل ہوئی ہو جیسے والد یا استاد کی طرف سے مارنے سے موت واقع ہوتی ہو تو یہ دیت کے ضامن ہوں گے اس لیے کہ تادیب ایک ایسا فعل ہے جس میں مؤدب زندہ باقی رہتا ہے بعد میں جب وہ سرایت کر گئی تو معلوم ہوا کہ اس نے قتل کیا ہے اور یہ تادیب نہیں لہذا فاعل سے پوچھا جائے گا کیونکہ وہ اپنے اس فعل میں متعدی ہے قتل کی اس کو اجازت نہیں یعنی ان تمام حالات میں فاعل دیت کا ضامن ہوگا چاہے اس کا عمل مشروع ہو یا نہ۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں..... پہلی صورت میں یعنی قصاصاً ہاتھ کاٹنے کی صورت میں قصاص لینے والے پر کچھ نہیں اس لیے کہ موت ایک ایسے فعل سے حاصل ہوئی ہے جس کی اجازت ہے۔ جیسا کہ تیسری حالت میں کچھ نہیں اس لیے کہ فاعل بچے کو ادب سکھانے اور اس کی تہذیب کی اسے اجازت ہے اور فعل مازون سے پیدا شدہ چیز مضمون نہیں ہوتی جیسا کہ کسی انسان کو امام تعزیر لگائے اور وہ مر جائے یا حاکم چور کا ہاتھ کاٹے وہ مر جائے اور دوسری صورت (شل ہاتھ کی) میں دیت واجب ہے قصاص نہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۰۹ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
 جمہور کے ہاں سرایت کی صورت میں قصاص لینے والے پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ سرایت فعل ماذون سے حاصل ہوئی ہے باقی حدود کی طرح اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو حد یا قصاص میں مر گیا تو اس کی کوئی دیت نہیں حق اس کا قتل ہونا ہے جمہور کی رائے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے۔

جنایت کی سرایت..... فقہاء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جنایت کی سرایت مضمون ہے اس لیے کہ یہ جنایت کا اثر ہے جب جنایت مضمون ہے تو اسی طرح اس کا اثر بھی مضمون ہے اگر جنایت نفس تک سرایت کر جائے تو قصاص واجب ہے اگر اس نے کسی کو طما نچہ مارا اور اس سے اس کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی تو جمہور کے ہاں اس سے قصاص نہیں لی جائے گی اس لیے کہ اس میں مماثلت ممکن نہیں شوافع کے ہاں سرایت سے قصاص واجب ہے اس لیے کہ اس کا حمل موجود ہے اگر جانی نے انگلی کا ٹی دوسری انگل بھی مفصل سے گر گئی تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں قصاص واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء کے ہاں اس میں قصاص نہیں دوسری انگلی کی دیت واجب ہوگی کیونکہ عہد نہیں۔

اطراف کا ٹٹنے میں مالکیہ کے ہاں دوسری اصلی سزا تعزیر ہے..... مالکیہ کے ہاں اطراف میں جنایت کی صورت میں تعزیر واجب ہے حاکم کے اجتہاد کے موافق چاہے اس عہد میں ہو جس میں قصاص نہیں یا وہ عہد ہو جس میں قصاص ہے پس جانی کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسے تعزیر لگائی جائے گی چاہے اطراف ہوں یا شجاع یا جروح جمہور فقہاء کے ہاں قصاص کے ساتھ اس تعزیر کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا قصاص مقرر کی ہے پس جو اس پر اضافہ کرے گا کسی اور چیز کا تو گو یا وہ بغیر دلیل نص پر اضافہ کرنے والا ہے یہ رائے اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

اطراف میں متبادل سزا دیت ارش..... جب کسی بھی سبب کی وجہ سے قصاص لینا ممکن نہ ہو تو دیت واجب ہوگی اس کے بدلے میں جیسا کہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں شبہ عہد میں اصلی سزا کے ساتھ واجب ہے جس منفعت کے زائل ہونے پر کامل دیت واجب ہے جیسے دونوں ہاتھ تلف کر دینا اور بعض منفعت کے زائل ہونے پر ارش واجب ہے جیسے ایک ہاتھ یا ایک انگلی کے تلف ہونے کی صورت میں ارش کی دو قسمیں ہیں مقرر اور غیر مقرر مقرر وہ ہے جیسے شریعت نے مقرر کیا ہو نوع مقدار معلوم کے ساتھ جیسے ہاتھ اور آنکھ کی ارش اور غیر مقرر جس کے لیے شریعت نے کوئی مقرر مقدار نہ کی ہو اور یہ قاضی کی رائے پر معاملہ چھوڑ دیا ہو۔

جس میں کامل دیت واجب ہے..... جنایت عہد میں کامل قصاص کے بدلے میں واجب ہوگی اور خطا کی صورت میں جب عضو کی منفعت زائل ہو جائے چاہے کاٹ کر یا شل کر کے اس کی منفعت معطل کر دی جائے۔

وہ اعضاء جن میں دیت واجب ہے اس کی چار قسمیں ہیں..... ایک قسم وہ ہے جس کے مثل بدن میں کوئی چیز نہیں ایک قسم وہ ہے جس کے بدن میں مثل دو ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس کے مثل چار ہیں ایک قسم وہ ہے جس کی مثل دس ہیں۔

پہلی قسم: وہ اعضاء جن کی مثل بدن میں نہیں..... درج ذیل ہیں: ناک، زبان، ذکر، حشفہ، ریڑھ کی ہڈی، پیشاب کا راستہ، جلد سر کے بال اور داڑھی کے بال جب دوبارہ نہ آئیں۔ رہ گیا ناک جب اسے پورا کاٹ دیا جائے یا اسے مارن (بائس) سے کاٹ دیا جائے تو اس میں دیت ہے نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے جو عمر بن حزم کی کتاب میں ہے کہ ناک جب پوری کاٹ دی جائے تو اس میں دیت ہے اور ناک دوسرا خون اور ان کے درمیان پردے پر مشتمل ہے اور اس کا بانہ بھی دیت میں داخل ہے فقہاء کے ہاں حتیٰ کہ شوافع کے ہاں بھی اور ناک کی دونوں طرفوں اور پردے میں مثلث دیت ہے اور زبان جس سے بات ہوتی ہے بولنے والی زبان اس میں بھی دیت ہے نبی علیہ

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

السلام کا ارشاد ہے زبان میں دیت ہے اور گونگے کی زبان میں مالکیہ، احناف اور شوافع کے ہاں قاضی عوض مقرر کرے گا اور حنابلہ کے ہاں اس میں ثلث دیت ہے اور بچے کی زبان میں جو بول نہ سکتا ہو جمہور کے ہاں دیت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عوض ہے۔ ذکر اور حشفہ اگر چہ بچے اور بوڑھے ہی کا کیوں نہ ہو اس میں دیت ہے حدیث سابق کی وجہ سے کہ ذکر میں دیت ہے۔ خصی اور عمنین کے ذکر میں احناف اور حنابلہ کے ہاں عوض ہے مالکیہ اور شوافع کے ہاں کامل دیت ہے۔ پیٹھ (ریڑھ کی ہڈی) میں جب اس سے منی خشک ہو جائے دیت ہے حدیث سابق کی وجہ سے کہ پیٹھ میں دیت ہے اور پیشاب و پاخانہ کے راستے میں ہر ایک کے تلف پر دیت ہے اور یہ مالکیہ کے ہاں اقرب ہے اس لیے کہ جانی نے مقصود منفعہ فوت کردی کامل طور پر لہذا اس پر کامل دیت واجب ہے اور کھال اتارنے میں شوافع کے ہاں اگر دوبارہ پیدا نہ ہو تو دیت ہے اور مسلوخ میں زندگی باقی رہے پھر وہ کسی اور سبب سے مر جائے کھال کے علاوہ اور مالکیہ کے ہاں دیت واجب ہے جب جنایت کی وجہ سے جلد کٹ جائے یا سیاہ ہو جائے اور کھال میں احناف اور حنابلہ کے ہاں عادل آدمی کا فیصلہ لازم ہے البتہ احناف کے ہاں چہرے کی جلد اتارنے پر پوری دیت ہے۔ سر، داڑھی اور بھنوں کے بال اکھیڑنے میں اگر وہ دوبارہ پیدا نہ ہوں تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں دیت ہے اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس میں عادل شخص کا فیصلہ ہے۔

دوسری قسم: وہ اعضاء جو بدن میں دو ہیں..... دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں آنکھیں، دونوں ہونٹ، دونوں بھنوں میں جب ان کے بال بالکل آخر تک اکھیڑ دیئے جائیں اور دوبارہ نہ آگیں دونوں پستان پستانوں کے سر (نوک) ناک کے دونوں نتھنے، دونوں پلکیں، دونوں سرین، دونوں جڑے جب ان میں سے کوئی ایک ضائع کر دیا جائے تو اس میں نصف دیت ہے دونوں ہاتھ اگر کلائی یا کندھے وغیرہ سے کاٹ دیئے جائیں تو ان میں دیت ہے حضرت معاذ والی روایت کی وجہ سے کہ دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں دیت ہے۔ اور سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ آنکھوں میں، ہاتھوں میں، پاؤں میں، ہونٹوں میں، کانوں میں، پلکوں میں دیت ہے۔ اور ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے جیسا کہ مالک اور نسائی نے عمرو بن حزم سے روایت کی ہے کہ ہاتھ میں پچاس ہیں دونوں پاؤں میں بھی دیت ہے اور ایک پاؤں میں نصف دیت ہے سابقہ معاذ اور سعید بن مسیب والی روایت اور ابن حزم والی روایت کی وجہ سے۔

اور دونوں آنکھوں میں بھی دیت ہے ایک میں نصف دیت ہے سعید بن مسیب اور ابن حزم کی سابقہ روایت کی وجہ سے رُہ گئی اندھے کی آنکھ تو مالک احمد اور صحابہ کی ایک جماعت کے ہاں اس میں کامل دیت ہے اس لیے کہ اس کی ایک آنکھ دو کے حکم میں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نصف دیت ہے اور دلیل بیان نہیں فرمائی۔ دونوں کانوں میں بھی کاٹنے وغیرہ کی صورت میں دیت ہے اور ایک کان میں نصف دیت ہے عمرو بن حزم والی روایت کہ ایک کان میں پچاس اونٹ ہیں کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کانوں سے شتوئی ختم ہونے کو شرط قرار دیا ہے اگر شتوئی ختم نہ ہو تو اس میں فیصلہ ہے۔ دونوں ہونٹ ان میں بھی دیت ہے عمرو بن حزم کی روایت کی وجہ سے کہ دونوں ہونٹوں میں دیت ہے اور ایک ہونٹ میں نصف دیت ہے چاہے اوپر والا ہو یا نیچے والا بڑا ہو یا چھوٹا۔ دونوں ابروؤں میں جب ان کے بال زائل کر دیئے گئے ہوں اور دوبارہ نہ آگیں تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ان میں دیت ہے اور ایک میں نصف دیت اس لیے کہ جانی نے منفعہ مقصودہ کو تلف کر دیا ہے یا اس سے مقصود جمال فوت ہوا ہے مالکیہ اور شوافع کے ہاں صرف عادل کا فیصلہ ہے کیونکہ صرف جمال اور خوبصورتی ضائع کی ہے اس میں دیت واجب نہیں۔ دونوں پستان اور ان کے سروں میں دیت ہے اور ان میں سے ایک میں نصف دیت ہے اس لیے کہ ان میں خوبصورتی بھی ہے اور منفعہ بھی لہذا یہ ہاتھوں اور پاؤں کے مشابہ۔ ہیں ابن منذر نے فرمایا: اہل علم سے جو کچھ محفوظ ہے اس میں سب کا اجماع ہے کہ عورت کی پستان میں نصف دیت ہے اور دو پستانوں میں مکمل دیت ہے۔ مالکیہ کے ہاں پستان کے سروں میں دودھ ختم ہونا شرط ہے اگر دودھ ختم نہ ہو تو پھر عادل کا فیصلہ ہے البتہ دونوں پستانوں میں دیت ہے چاہے دودھ ختم ہو یا نہ نصیتان میں دیت ہے اس لیے کہ یہ دونوں منی کے لیے وکاء ہیں اور عمر بن حزم کی حدیث کی وجہ سے متفران میں دیت ہے جب دونوں کاٹ دیئے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۱۱ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت جائیں یا شل ہو جائیں اور ان میں سے ایک میں نصف دیت ہے اس لیے کہ ان میں خوبصورتی بھی ہے اور مباشرت و جماع کی منفعت بھی اگر ان دونوں کے کانٹے سے بکارت زائل ہو جائے تو ان کی ارش بھی دیت کے ساتھ واجب ہے سہریوں میں احناف، شوافع اور حنابلہ کے ہاں دیت ہے اور ان میں سے ایک میں نصف دیت ہے اس لیے کہ ان میں ظاہری خوبصورتی بھی ہے اور منفعت بھی اور بدن میں ان کی نظیر بھی کوئی نہیں مالکیہ کے ہاں مرد کی سہریوں میں اتفاقی فیصلہ ہے اور عورت کو بھی مرد پر قیاس کرتے ہیں۔ اشہب نے کہا عورت کی سہریں میں دیت ہے۔ دونوں چیزوں میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں دیت ہے اور ایک میں نصف دیت اس لیے کہ ان میں نفع بھی ہے اور خوبصورتی اور بدن میں ان کا شل نہیں۔

تیسری قسم: وہ اعضاء جو بدن میں چار ہیں..... درج ذیل ہیں دونوں آنکھوں کی پلکیں اور ان پلکوں کے بال صرف پلکیں یا ان کے ساتھ پتلیاں بھی ہوں تو ان میں جمہور کے ہاں دیت ہے اس لیے کہ ان میں جنس کی منفعت ہے چاہے صرف پلکیں کا لٹے یا ان کے ساتھ بال بھی اس لیے جھون شفع کے تابع ہیں اور ہر پلک میں چوتھائی دیت ہے اس لیے کہ اس میں ظاہری خوبصورتی ہے اور کامل نفع ہے اور مالکیہ کے ہاں اس میں نص وارد نہیں لہذا عادل کا فیصلہ ہوگا اور تقدیر میں نص ضروری ہے اور یہ قیاس سے ثابت نہیں کیا جاسکتا رہ گئے پلکوں کے بال تو ان میں احناف اور حنابلہ کی ہاں دیت ہے اس لیے کہ پلکوں کے بال پلکوں کے تابع ہیں جیسے عورت کے پستان کے سر اور انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ اور ان میں مالکیہ شوافع کے ہاں باقی بالوں کی طرح عادل کا فیصلہ ہے۔

چوتھی قسم: وہ اعضاء جو بدن میں دس ہیں..... وہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں ہیں ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ ابن حزم والی حدیث میں ہے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی میں دس اونٹ میں اور ہر پورے میں ثلث دیت ہے الا انگوٹھے کے پورے میں کہ اس میں نصف دیت ہے آمد اربعہ کے ہاں بالاتفاق کسی انگلی کو دوسری پر کوئی فضیلت نہیں نبی علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں انگلیاں اور دانت سب برابر ہیں زائد اور شل انگلی میں عادل آدمی کا فیصلہ رہ گئے دانت تو ان میں دیت ہے ہر ایک دانت میں پانچ اونٹ ہیں یا پانچ سو درہم جبکہ وہ مقدر دیت کو پہنچ جائے حدیث سابق کی وجہ سے اور ابن حزم کی حدیث کی دانت میں پانچ اونٹ ہیں چاہے دانت بڑا ہو یا چھوٹا دائمی ہو یا تبدیل کے قابل رہ گیا زائد دانت تو اس میں عادل کا فیصلہ ہے اور اگر دانت میں کوئی تبدیلی آ جائے مثلاً سیاہ ہو جائے یا سبز یا سرخ تو اس میں دانت کا ارش ہے حنفیہ کے ہاں اور باقی حضرات کے ہاں عادل کا فیصلہ ہے مالکیہ نے سہریاں رد میں عوض واجب ہونے میں شرط یہ لگائی ہے عرفا وہ سیاہ کے مثل ہو اور زرد میں حنفیہ کے ہاں عادل کا فیصلہ ہے۔

دوسرا مقصد: اعضاء کے منافع کا معطل ہونا..... جانی کو سزا دی جائے گی جب وہ کسی عضو کے منافع کو معطل کر دے یا اس کے معنی کو ختم کر دے اس کی صورت باقی رکھتے ہوئے جیسے روشنی، شنوائی، ذائقہ اور سونگھنے، چھونے، چلنے، پکڑنے، بولنے عقل وغیرہ کی صلاحیت کا ختم ہو جانا یا ہاتھ اور پاؤں کا شل ہو جانا یا جماع کی قدرت ختم ہو جانا بعض نے سب سے زیادہ منافع شمار کیے ہیں ان میں سے عقل، شنوائی، آنکھوں کی روشنی، سونگھنا، آواز، ذائقہ، چبنا، منی، حمل، جماع، افتاء، پکڑنا، چلنا، بال ختم ہونا، جلد وغیرہ کا ختم ہونا۔ ان جنایات کی سزاء کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو سکے تو قصاص لیا جائے اگر قصاص ممکن نہ ہو تو پھر دیت اور ارش واجب ہے۔

آنکھ کی روشنی میں دیت ہے اس لیے کہ اس سے آنکھوں کی منفعت باطل ہوگئی ہے اور حدیث میں ہے آنکھوں میں دیت ہے اور شنوائی میں بھی دیت ہے معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی وجہ سے کہ سمع میں دیت ہے اور ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے نیز اس لیے بھی کہ حواس میں سے یہ اشرف ہے لہذا آنکھ کی طرح ہے بلکہ آنکھ سے بھی یہ افضل ہے اکثر فقہاء کے ہاں اس لیے کہ اس سے سمجھ حاصل ہوتی ہے اگر ایک ہی ضرب سے اس کی آنکھ اور کان کی روشنی و شنوائی ختم ہو جائے تو اس پر دو دیتیں ہیں اور سونگھنے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے

سو گھنے میں دیت ہے اور ذائقہ باطل کرنے میں بھی دیت ہے کیونکہ یہ بھی حواسِ خمسہ میں سے ایک ہے لہذا سونگنے کے مشابہ ہو گیا اور کلام ختم ہونے بھی دیت ہے۔

تبیہی میں روایت ہے زبان میں دیت ہے اگر کلام سے مانع ہو نیز زبان بھی ایک ہے جو مضمون ہے دیت کے ساتھ لہذا اسی طرح اس کی منفعت ہے جیسے ہاتھ اور پاؤں اور عقل زائل ہونے میں بھی عمرو بن حزم کی روایت کی وجہ سے دیت ہے اور پیٹھ پر جنایت کی وجہ سے جماع کی صلاحیت زائل ہونے میں دیت ہے عمرو بن حزم والی روایت کہ ذکر میں بھی دیت ہے اور پیٹھ میں بھی دیت ہے کی وجہ سے اور اس سے مقصد جماع ہی ہے اور مالکیہ کے ہاں اگر کسی نے پیٹھ توڑ دی اس سے اس کے الفاظ کی صلاحیت ختم ہوگئی تو اس پر دو دیتیں ہیں یہ حضرات فوت جماع کے معطل ہونے پر ایک دیت جاری کرتے ہیں اور پیٹھ کے ٹوٹنے پر ایک اور دیت اگرچہ اس میں جماع کی قوت بھی ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر کسی شخص نے کسی کی پیٹھ توڑ دی اور ذکر اور پاؤں کے سالم ہونے کے باوجود اس سے جماع اور چلنے کی قوت ختم ہوگئی یا اس کی چال اور منی تو اس پر دو دیتیں ہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دیت کے ساتھ مضمون ہے انفرادی طور پر لہذا اجتماع کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا اگر عضو کی بعض منفعت ختم ہو جائے تو اس میں بعض دیت ہوگی اگر بعض ممکن اور معروف ہو جیسے ایک آنکھ کی روشنی ختم ہو جانا یا ایک کان کی شنوائی ختم ہو جانا۔ اگر اس کا اندازہ ممکن نہ ہو تو جمہور کے ہاں عادل کا فیصلہ اور مالکیہ کے ہاں دیت میں سے جو مناسب ہو وہ نقصان میں دیا جائے گا یعنی جتنی گئی اس کی حساب سے۔

تیسرا مطلب: شجاج کی سزاء..... شجاج میں یا تو قصاص واجب ہے یا ارش اور آرش بھی مقدر ہوگی یا نہیں اور شجاج اور جراح میں سے ہر ایک کے لیے یا تو ارش مقرر ہوگی یا نہیں پہلی بات: وہ شجاج جن میں ارش مقرر ہے شجاج کی سزاء ارش ہے اور ارش کی دو قسمیں ہیں مقرر اور غیر مقرر مقرر ارش وہ ہے جسے شریعت نے مالی معلوم مقدار مقرر کیا ہو اور یہ اعضاء شجاج اور جراح میں واجب ہوتی ہے اعضاء اور اطراف میں تو بیان ہو گیا یا تو کامل دیت واجب ہے جس منفعت کے ختم ہونے کی وجہ سے جیسے ہاتھ اور پاؤں کا نایا آکھ پھوڑنا اور کان کا نایا اور کبھی ارش واجب ہوتی ہے بعض منفعت کے فوت ہونے کی وجہ سے پس ارش نصف دیت ہے جیسے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے کاٹنے میں یا ایک آنکھ اور کان کاٹنے میں اور کبھی ارش چوتھائی دیت ہوتی ہے جیسے ایک پلک میں یا شفر یا آنکھ کی پلک میں اور کبھی ارش دسواں حصہ دیت ہوتی ہے جیسے ہاتھ یا پاؤں کی انگلیوں میں سے ایک کے کاٹنے پر اور کبھی نصف کا دسواں حصہ ہوتی ہے جیسے دانتوں وغیرہ میں یہ ساری کی ساری کا مقرر ارش ہے۔

دوسری بات: وہ شجاج جن میں عادل کا فیصلہ معتبر ہے..... یعنی غیر مقرر ارش وہ عادل کا فیصلہ اور وہ ہے جس میں شریعت کی طرف سے تو معلوم مقدار مقرر نہیں اور اس کا معاملہ قاضی کی تقدیر پر چھوڑا ہوا ہے اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اطراف وغیرہ میں جنایات کی صورت میں جس میں قصاص نہیں اور اس کے لیے مقرر ارش بھی نہیں تو اس میں عادل کا فیصلہ ہے جیسے شوافع کے ہاں بال زائل کرنے کی صورت میں اور احناف کے ہاں پسلیاں توڑنے اور ناک کی ہڈی توڑنے اور دانتوں کے علاوہ بدن کی تمام ہڈیاں توڑنے میں اس طرح مرد کے پستانوں کی صورت ہو اور مرد کے پستانوں کی سروں میں اور گونگے کی زبان میں، خصی اور عینین کے ذکر میں اور وہ آنکھ جو برقرار ہو صرف اس کی پتلی زائل ہوگئی ہو اسی طرح سیاہ دانت اور شل ہاتھ پاؤں اور حشفہ کٹے ہوئے ذکر اور انگلیاں کٹی ہوئی ہتھیلی اور زائد انگلی ناخن توڑنے اور اکھڑنے بات نہ کرنے والے بچے کی زبان اور عورت کے پستان کے سر کٹے ہوئے چھاتی اور انب سے کٹے ہوا ناک اور بغیر اشار کے پلکوں میں اور متفق علیہ باتوں میں سے یہ ہے کہ موضوع سے کم شجاج میں کوئی ارش مقرر نہیں۔

عادل کا فیصلہ..... وہ جانی پر ہوگا عادلہ ادا نہیں کریں گے اور شجاج میں دیکھا جائے گا کہ اس شجہ کی موضوع کے مقابلہ میں کتنی مقدار

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۱۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

ہے لہذا اسی کی بقدر موضحہ سے اس کی ارش واجب ہوگی اور وہ نصف کا دسواں حصہ ہے دیت کا احناف کے ہاں مفتی بہ اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ دونوں میں تفاوت کی مقدار سے ہوگا۔

آزاد میں دیت اور غلام میں قیمت کے اعتبار سے اگر آزادی کی قیمت سے کم ہو تو اس کی عشر دیت لی جائے گی اور یہ اس کے بعد ہوگا کہ مشجوع عبد ہو شجاع وہ زخم ہیں جو سر اور چہرہ کے ساتھ خاص ہیں اور یہ احناف کے ہاں گیارہ زخم ہیں۔

۱۔ حارصہ..... معمولی زخم جو تھوڑا کھال کو چیر دیتی ہے اس سے خون نہیں نکلتا۔

۲۔ دامعہ..... وہ زخم جس سے خون نکلے لیکن یہ نہیں جیسے آنکھوں میں آنسو۔ اسے حارصہ بھی کہتے ہیں جو کھال اتار دیتی ہے۔

۳۔ دامیہ..... وہ زخم جو جلد کو پھاڑ کر خون بہائے حنابلہ کے ہاں اسے بازلہ اور دامعہ کہتے ہیں۔

۴۔ باضعہ..... وہ زخم جو گوشت کو پھاڑ دے۔

۵۔ متلاحمہ..... وہ زخم جو گوشت کو باضعہ سے زیادہ پھاڑ دے لیکن ہڈی تک نہ پہنچے یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں متلاحمہ باضعہ سے پہلے ہے جس سے خون نکلے اور سیاہ ہو جائے۔

۶۔ سحاق..... وہ زخم جو گوشت کو کاٹ کر گوشت اور ہڈی کے درمیان جو باریک کھال تک پہنچ جائے اور اسی باریک کھال کو سحاق کہا جاتا ہے اس زخم کو اس لیے یہ نام دیا کیونکہ یہ اس تک پہنچ جاتا ہے اور شوافع اسے ملطاط کا نام دیتے ہیں۔

۷۔ موضحہ..... وہ زخم جو سحاق کو ختم کرے ہڈے کو ظاہر کر دے اگرچہ سوئی کی نوک جتنا ہی ہو۔

۸۔ ہاشمہ..... وہ زخم جو ہڈی کو توڑ دے، ہڈی توڑ زخم۔

۹۔ منقلہ..... وہ زخم جو ہڈی توڑنے کے بعد اسے دوسری جگہ منتقل کر دے۔

۱۰۔ آمتہ..... وہ زخم جو اس کھال تک پہنچ جائے جو ہڈی کے نیچے اور دماغ کے اوپر ہے۔

۱۱۔ دامغہ..... وہ زخم جو توڑ دماغ تک پہنچ جائے جمہور کے ہاں شجاع کی دس قسمیں ہیں مالکیہ دوسری کو حذف کرتے ہیں اور پہلی کو دامیہ کہتے ہیں دوسری کو حارصہ تیری کو سحاق چھٹی کو ملطاطہ اور آمتہ اور دامغہ کو سر کے ہاتھ خاص کرتے ہیں اور باقی سر اور رخسار کے لیے ہیں۔ شوافع اور حنابلہ بھی دوسری کو حذف کرتے ہیں اور شوافع کے ہاں پہلی کا نام حارصہ ہے اور جمہور کی طرح حنابلہ اسے حارصہ ہی کہتے ہیں۔ پہلی پانچ زخموں میں شرعاً کوئی دیت وارث مقرر نہیں۔

شجاع کی سزاء کی دو قسمیں..... شجاع کی سزاء کی دو قسمیں ہیں ایک۔ اصلی سزاء جو قصاص ہے ممکنہ حد تک اور دوسری متبادل ارش ہے۔

شجاع کی اصلی سزاء قصاص..... عمدہ جنایت میں قصاص کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے قصاص واجب ہر وہ زخم جس میں مماثلت ممکن ہو اس میں قصاص ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ موضحہ میں قصاص ہے فرمان باری تعالیٰ کے عموم کی وجہ سے والجر وروح قصاص (المائدہ ۵/۳۵) لایا کہ جو دلیل سے خاص ہو نیز اس میں قصاص لینا بطور مماثلت کے ممکن بھی ہے اس لیے کہ اس کے لیے حد ہے جس تک چھری پہنچ سکتی ہے اور وہ ہڈی ہے اور موضحہ کی قصاص میں عرض و طول کا اعتبار ہوگا نہ کہ سر کے بڑا چھوٹا ہونے کا اس لیے کہ اس میں دوسرے مختلف بھی ہوتے ہیں اور اس میں بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ موضحہ سے اوپر والے زخموں میں کوئی قصاص نہیں اس لیے

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۳۱۴ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔

کہ برابری کی طور پر قصاص لینا معتذر ہے اور موضوع سے جو کم زخم ہیں ان میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کے ہاں اور احناف کے ہاں ظاہر الرویہ میں ہے کہ ان میں قصاص ہے چاہے سر میں ہوں یا رخساروں میں کیونکہ مساوات ممکن ہے کہ اس کی گہرائی سلدی وغیرہ سے معلوم کی جاسکتی ہے پھر اتنا لویا اس کی مقدار کا لیا جائے اس سے کاٹ دیا جائے شربہ لایہ میں سحاق کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس میں بالا جماع قصاص نہیں۔

اور حنابلہ کے ہاں موضوع سے کم زخم میں قصاص نہیں کیونکہ مماثلت ثابت کرنا ناممکن ہے حدیث مرسل کی وجہ سے کہ ملک سے پہلے طلاق نہیں اور زخموں میں موضوع سے کم میں قصاص نہیں پس اس بناء پر ان دونوں مذہبوں میں سوائے موضوع کے کسی اور زخم میں قصاص نہیں۔

شجاج کی متبادل سزا ارش..... ارش جیسا کہ معلوم ہے وہ مالی عوض ہے جو اطراف وغیرہ میں جنایت کے بدلے واجب ہوتا ہے اور اکثر فقہاء کے ہاں ان میں سے آئمہ اربعہ کے ہاں بھی سر میں موضوع کے علاوہ زخموں میں کوئی ارش مقرر نہیں خلفائے راشدین کا ارشاد ہے کہ موضوع سر اور چہرے کا زخم ہے جب موضوع میں سے کم زخموں میں کوئی ارش مقدر نہیں بلکہ ان میں عادل کا فیصلہ ہے اس لیے کہ ان کے بارے میں شریعت میں کوئی ارش مقرر نہیں اور ان کو رائیگاں چھوڑنا بھی ممکن نہیں لہذا اس میں عادل کا فیصلہ واجب ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں حسن عمرو بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضوع سے کم میں کسی چیز کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شجاج میں سے موضوع اور اس کے بعد والی زخموں میں ارش مقرر ہے کیونکہ شریعت میں اس کی مقدار مقرر ہے جیسا کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ظاہر ہے یا مومۃ میں ثلث دیت، جائفہ میں ثلث دیت، منقلہ میں پندرہ اونٹ اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک میں دس اونٹ ہیں اور موضوع میں پانچ اونٹ۔ لہذا موضوع میں پانچ اونٹ ہیں یعنی نصف دیت کا دسواں حصہ حدیث کی وجہ سے اور ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں۔ اور آئمہ میں ثلث دیت ہے حدیث کی وجہ سے اور دامغہ میں ثلث دیت ہیں یا مومہ پر قیاس کرتے ہوئے۔

چوتھا مقصد..... جراح کی سزاء: جراح وہ زخم ہیں جو سر اور چہرے سے ہٹ کر سارے بدن میں ہوں ان کی دو قسمیں ہیں جائفہ اور غیر جائفہ۔ جائفہ وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ جائیں سینے یا پیٹ یا پیٹھ یا بنجین یا حشیش یا د بر یا حلق کی طرف سے ہو کر جائے۔ جائفہ ہاتھوں اور پاؤں میں نہیں ہو سکتے نہ گردن میں اس لیے کہ یہ بدن تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور غیر جائفہ وہ زخم جو پیٹ تک نہ پہنچیں جیسے گردن ہاتھ اور پاؤں کے زخم ان زخموں کی سزائیں یا تو اصل ہیں یا متبادل ہیں۔

عہد زخموں میں اصلی سزاء قصاص..... جائفہ، ماموۃ اور منقلہ میں کوئی قصاص نہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما مومہ منقلہ اور جائفہ میں قصاص نہیں لیا نیز اس لیے بھی کہ ان سے موت کا خطرہ ہوتا ہے البتہ ان میں دیت ہے ان کے علاوہ زخموں میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱..... حنفیہ کے ہاں جراح میں کوئی قصاص نہیں اس لیے کہ جب تک مجروح مرنے جائے چاہے جرح جائفہ ہو یا نہ ہو اس لیے کہ بطور ماما ثلث قصاص لینا ناممکن ہے۔ اگر اس زخم کی وجہ سے مجروح مر گیا تو قصاص واجب ہے اس لیے کہ زخم نے نفس کی طرف سرایت کی ہے اس وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ زخم میں قصاص نہیں لیا جائے گا جب تک وہ درست نہ ہو جائے۔

۲..... مالکیہ کے ہاں عہد زخموں میں قصاص واجب ہے جب تک تماثل ممکن ہو اور موت کا خطرہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ارشاد زخموں میں قصاص ہے۔ (امائد ۵/۴۵) کی وجہ سے اور یہ اس طرح کہ ماہرین طبیب زخم کی لمبائی چوڑائی گہرائی ناپ لیں اور اس کی مقدار جارج کو کاٹ لیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۱۵ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

۳..... شوافع اور حنابلہ ہر اس زخم کا قصاص لیا جائے گا جو ہڈی تک پہنچ جائے جیسے سر اور چہرے میں موضعہ اور بازو اور ران، پٹلی اور قدم کے زخم اس لیے کہ ان میں قصاص لینا بطور ممالث ممکن ہے بغیر ظلم و زیادتی کے کیونکہ یہ ہڈی تک پہنچ گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زخموں میں قصاص کی تصریح کی ہے اور عمدہ زخموں کے قصاص میں وہی شرائط ہیں جو قتل عمد میں ہیں کہ جانی مکلف ہو عاقل بالغ مجنبی علیہ معصوم ہو اور جانی اور مجنبی علیہ میں برابری ہو جیسا کہ اطراف کے لیے خصوصی شرائط سب ان میں بھی ہیں اور جرح عمدہ میں صرف اسی صورت میں قصاص ہے جب ممالث ممکن ہے اور شجاج میں سے صرف موضعہ میں عمدہ کی صورت میں قصاص ہے اور زبان میں اور ہڈی میں قصاص نہیں سوائے دانت کے اس لیے کہ ان میں بغیر ظلم کے برابر ممکن نہیں۔

قصاص تندرستی کے بعد..... جمہور کے ہاں اطراف اور زخموں میں قصاص تندرستی اور زخم بھر جانے سے پہلے جائز نہیں اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم لگانے والے کو مجروح کے ٹھیک ہونے سے پہلے قصاص لینے سے منع فرمایا ہے نیز زخموں میں ان کے انجام پر نظر ہوتی ہے کہیں یہ نفس و جان کی طرف سرایت نہ کر جائیں اور قتل ہو جائے اور اس بات کا علم کہ یہ زخم ہے تندرستی کے بعد ہی ہو سکتا ہے شوافع کے ہاں اگر قصاص اطراف میں ہو تو مستحب یہ ہے کہ زخم کے مندمل ہونے یا اس کے سرایت کر جانے کے بعد ہی قصاص لیا جائے لیکن اگر مندمل ہونے سے پہلے ہی قصاص لے لیا تو یہ بھی جائز ہے حضرت عمر بن شعیب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو گھٹنے میں تیر مارا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی میرا قصاص لیں تو آپ نے فرمایا جب تک تندرست نہ ہو جائے اس وقت تک نہ لیا جائے گا پھر دوبارہ آپ کے پاس آیا اور عرض کی۔ میری قصاص لیں آپ نے قصاص لے لی پھر (کچھ عرصہ بعد) آپ کے پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول! میں لنگڑا ہو گیا ہوں تو آپ نے فرمایا میں نے تمہیں منع کیا تو تم نے نافرمانی کی تو اللہ نے تمہیں دور کر دیا اور تیرے لنگڑے پن کو باطل کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجروح کے تندرست ہونے سے پہلے قصاص لینے سے منع فرمادیا۔

عذر کی وجہ سے قصاص میں تاخیر..... آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اطراف اور نفس کا قصاص حاملہ کے وضع حمل تک مؤخر کیا جائے گا اور وہ بچے کو دودھ پلانے کی یا اس کے بچے کو کسی دوسرے ذریعہ سے دودھ پلایا جائے گا اور مالکیہ کے ہاں اطراف وغیرہ کے قصاص کو عذر کی وجہ سے مؤخر کیا جائے گا سخت سردی یا سخت گرمی کی وجہ سے موت کے خوف سے۔

متبادل سزا عمدہ اُجراح میں ارش..... جب قصاص لینا معتذر ہو ممالث نہ ہونے کی وجہ سے تو ارش واجب ہے اور یہاں ارش دیت سے کم ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ بدن کے زخم یا تو جانفہ ہیں یا غیر جانفہ میں ثلث دیت ہے عمرو بن حزم کی حدیث کہ جانفہ میں ثلث دیت ہے کی وجہ سے اور غیر جانفہ میں عادل کا فیصلہ ہے عادل کے فیصلہ کا ضابطہ اور مقدار کی طرف پہلے اشارہ کر دیا ہے اور اب اس کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔ عادل کے فیصلہ کا ضابطہ یہ ہے کہ نفس کے علاوہ جنایات میں جہاں قصاص نہیں اور نہ مقرر ارش ہے تو ان میں عادل کا فیصلہ ہے، مثلاً دانت کے علاوہ ہڈی تو نہ تیرا تھو شل کرنا وغیرہ اور اس کے مقرر کرنے کی کیفیت میں دو طریقوں کی طرف اشارہ کرنا ہوں ان میں سے پہلا علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی کا ہے جو احناف کے ہاں مفتی بہ بھی ہے اور دوسرے مذاہب میں بھی ہے کہ مشجوع اور مجروح کی قیمت لگائی جائے گی جیسا کہ وہ غلام ہو بغیر زخم و شج کے پھر زخموں کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے گی اگر اس کی قیمت صحیح غلام ہونے کی صورت میں دس درہم ہیں اور اس جنایت کے ساتھ اس کے نو درہم ہیں تو اس میں عشر دیت ہوگی۔ لیکن اس زمانے میں اس طریقے کو اختیار کرنا معتذر ہے کیونکہ غلام نہیں پائے جارہے۔ دوسرا طریقہ وہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ یہ کہ اس جنایت کا اندازہ اس کے قریب والی جنایت سے لگایا جائے گا جن کی ارش مقرر ہے پس شجاج میں مثلاً دیکھا جائے گا کہ موضعہ سے اس کی کتنی مقدار ہے تو اس میں موضعہ

الفقه الاسلامی وادلت..... جلد ہفتم ----- ۳۱۶ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

کی دیت کا نصف عشر واجب ہوگا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہ طریقہ صرف سر اور چہرے کے زخموں کے لیے ہی منطبق ہوتا ہے۔ ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور یہ ہمارے اس زمانے میں سب سے زیادہ مناسب ہے۔ وہ یہ کہ جنایت میں مخنی علیہ کے نفقہ اور ڈاکٹر کا خرچ اور ادویات کی جتنی ضرورت ہے ٹھیک ہونے تک وہ ادا کر دی جائے اگر زخم درست نہ ہو یا اس نے کوئی دائمی نقصان کر دیا یا کوئی دائمی اثر چھوڑ دیا تو پھر اس کے اثر کو دیکھا جائے گا اور ان اشیاء کے اخراجات زخم کے درست ہونے کے بعد لگائے جائیں گے اس لیے کہ زخم کا ارش اس کے ٹھیک ہونے کے بعد ہی لگایا جاتا ہے لیکن اگر جنایت نے کسی چیز کی کمی نہ کی مثلاً اگر اس نے انگلی یا راندھا تو کاٹ دیا یا عورت کی داڑھی کاٹ دی اس سے کچھ بھی نقصان نہیں بلکہ اس سے اس کے حسن اور خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے لہذا جانی پر کچھ بھی نہیں اس لیے کہ عادل کا فیصلہ تو نقصان پورا کرنے کے لیے ہے اور ان صورتوں میں کوئی نقصان نہیں یہ اس کے مشابہ ہو گیا کہ کسی کو چہرے پر یہ طمانچہ مارا اور اس کا کوئی اثر نہیں عورت کی زخموں کی دیت میں فقہاء کی دورائے ہیں۔ ①

احناف اور شوافع کے ہاں..... عورت کے اطراف میں جنایت میں اس کی دیت کے حساب سے تقدیر لگائی جائے گی اس وجہ سے عورت کی دیت مرد کے نصف ہے لہذا اس کے زخم اور شجاج بھی مرد کے نصف ہوں گے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں..... عورت کے زخموں کی دیت مرد کے زخموں کی دیت کی طرح ثلث دیت کامل ہیں اگر ثلث سے بڑھ جائے یا اس سے زیادہ ہو تو مرد کی نصف ہی کی طرف رجوع ہوگا اسی بناء پر اگر کسی نے عورت کی انگلی کاٹ دی تو اس میں دس اونٹ ہیں اگر تین کاٹ ڈالیں تو تیس اونٹ ہیں لیکن اگر چار کاٹ ڈالیں تو پھر تیس اونٹ ہیں ان کی دلیل عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے حتیٰ کہ ثلث دیت سے بڑھ جائے۔ مالک نے مؤطا میں اور بیہقی، سعید بن منصور نے ربیعہ سے نقل کیا کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا عورت کی انگلی میں کتنی دیت ہے تو فرمایا دس۔ میں نے پوچھا دو انگلیوں میں؟ فرمایا بیس میں نے پوچھا تین انگلیوں میں فرمایا تیس میں نے پوچھا چار انگلیوں میں تو فرمایا بیس: ربیعہ نے عرض کی جب مصیبت بڑھ گئی تو دیت کم ہوگئی تو آپ نے فرمایا: یا ابن اخی..... سنت اسی طرح ہے۔ بیہقی نے ربیعہ کے اعتراض کے جواب میں ابن مسیب کے اس قول کا اضافہ کیا ہے: کیا تم عراقی ہو؟ ربیعہ نے کیا عالم تثبیت چاہنے والا یا جاہل علم سیکھنے والا تو انہوں نے فرمایا اے ابن اخی یہ سنت ہے۔

دوسری بحث..... اطراف میں خطاء کی سزا

خطاء اطراف میں جنایت کی سزا عیدیت اور ارش ہے، یہاں دیت کامل مقصود ہے اور ارش جو یہاں مقصود ہے وہ دیت سے کم ہے یہاں کسی دوسری متبادل سزا کا سلسلہ نہیں اور میں نے وجہ دیت اور ارش کے احوال تفصیل سے اطراف وغیرہ کے سلسلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن خطاء کی صورت میں دیت یا ارش مقررہ کون ادا کرے گا؟ تو حنفیہ کے ہاں نصف کے دسویں حصے سے زیادہ کی صورت میں عاقلہ ادا کریں گے اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں دیت سے زیادہ کو اور شوافع کے ہاں سارا عوض ہی عاقلہ برداشت کریں گے حتیٰ کہ عادل کے فیصلہ کو بھی تھوڑا ہو یا زیادہ اور یہ بات یاد رہے کہ بچے اور مجنون کا عہد بھی جمہور کے ہاں خطا ہے اسے عاقلہ برداشت کریں گے اور شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے جب کہ سابق میں وضاحت ہوئی اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کا عہد بھی عہد ہی ہے ورنہ خطا ہے، لیکن عہد کی حالت میں اس پر قصاص نہیں البتہ اس کے مال میں دیت واجب ہے نہ کہ عاقلہ پر۔

تیسری فصل..... نامکمل نفس (جنین پر) پر جنایت

جب کوئی شخص (باپ یا کوئی اور) حاملہ عورت کے پیٹ یا پیٹھ پر مارے یا اس کے پہلو سر یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو پر مارے یا اسے مار کے قتل کریں یا چیخ کر رورایا جائے اور وہ اس خوف سے بچہ گرا دے تو اب یا تو وہ عورت مردہ بچہ گرائے گی یا زندہ؟ تو اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث..... مردہ بچہ گرانا

اگر ماں مردہ بچہ گرا دے تو جرم کرنے والے کی سزا اس جنین کی دیت ہے، چاہے وہ بچہ ہو یا بچی اور یہ عہد ہو یا خطا وہ غرہ ہے یعنی غلام یا باندی، ان کی قیمت پانچ اونٹ ہیں یعنی دیت کے دسویں حصے کا نصف یا جو اس کے برابر ہو اور وہ پچاس دینار ہیں پانچ سو درہم ہیں۔ حنفیہ کے ہاں یا جمہور کے ہاں چھ سو درہم ہیں۔ اور اس پر کئی متعدد احادیث صحیح دلیل ہیں ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ قبیلہ ہذیل میں سے دو عورتوں کے درمیان قتال ہوا، ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور وہ مر گئی اور اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا وہ بھی مر گیا، تو یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جنین کی دیت غرہ ہے یعنی غلام یا ولیدہ (باندی) اور عورت کی دیت کا قاتلہ کی عاقلہ پر فیصلہ فرمایا۔

غرہ کس پر واجب ہے؟ اگر جنایت عمدہ ہو تو غرہ مغلظہ ہوگا یعنی جانی کے مال میں سے فی الحال اور اس میں عمد صرف مالکیہ کے ہاں متصور ہے، اسی بنا پر وہ کہتے ہیں جنین کی دیت فی الحال ہے، قسط وار نہیں اور یہ بھی نقدین یعنی سونے اور چاندی میں سے ہوگی اور اونٹوں میں سے نہیں اور عمد کی صورت میں جانی کے مال سے ہے مطلقاً اور اسی طرح خطا کی حالت میں بھی الایہ کہ ثلث یا اس سے زیادہ ہو جائے تو اس صورت میں دیت عاقلہ پر ہوگی، جیسے کوئی مجوسی کسی مسلمان عورت کو مارے اور وہ بچہ گرا دے۔ رہ گئی خطا اور شبہ عمد کی حالتیں جو جمہور کے ہاں متصور ہیں تو ان میں عاقلہ دیت ادا کریں گے اور جانی بھی جمہور کے ہاں عاقلہ کا ایک فرد ہوگا جبکہ حنابلہ کے ہاں وہ عاقلہ میں داخل نہیں جیسا کہ قتل شبہ عمد کی دیت میں بیان ہوا۔ اور ان کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت کو اس کی سوکن نے خیمہ کی لکڑی سے مارا وہ حاملہ اسی حالت میں مر گئی، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے اس قاتلہ کے عصبہ پر دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین کے غرہ کا اور فرمایا اس کے عصبہ۔ لیکن شوافع کے ہاں: اگر جنایت خطا ہے تو دیت مخففہ واجب ہے اور اگر شبہ عمد ہے تو دیت مغلظہ کاملہ واجب ہے اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر والدہ نے جان بوجھ کر جنین کو گرا دیا کسی دوائی وغیرہ سے یا اپنے فعل سے مثلاً پیٹ پر مارا شوہر کی اجازت کے بغیر تو اس صورت میں غرہ عاقلہ کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر شوہر نے اجازت دی تھی یا اس نے عمد ایسا نہیں کیا تو پھر کوئی غرہ نہیں تعدی نہ ہونے کی وجہ سے اور اس حالت میں ام پر غرہ لازم کرنے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں اور اس کے ساتھ شوافع اور حنابلہ نے کفارہ بھی واجب قرار دیا ہے۔ جنین زیادہ ہونے کی صورت میں غرہ بھی متعدد ہوگا، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جنین کی دیت ایک سال میں واجب ہے شوافع کے ہاں یہی اصح ہے اس لیے کہ تین سال کی مدت کامل نفس کے ساتھ خاص ہے اگر دیت ثلث دیت مسلم کی مقدار کے برابر ہو جیسے ذمی کی تو ایک سال تک صرف مؤجل ہوگی اور اسی کی مثل آمہ کی دیت ہے۔

کس کے لیے غرہ واجب ہے..... آئمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے غرہ جنین کی طرف سے وارثت میں تقسیم ہوگا شرعی تقسیم کے ذریعہ ذوالفروض اور عصبات میں اور جنایت کرنے والا اگر اس کا قریبی ہو مثلاً باپ ہو تو وہ غرہ میں سے کسی چیز کا وارث نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے بغیر حق کے قتل کیا اور نص حدیث کی وجہ سے قاتل وارث نہیں ہوتا۔

جنین کی دیت کے واجب ہونے کی شرطیں..... دو شرطیں ہیں:

۱..... جنایت جنین پر اثر کرے جیسے ضرب و مار یا داؤد پلانا وغیرہ۔

۲..... جنین مردہ پیدا ہوا ہو اگر مردہ پیدا نہیں ہوا یا زندہ ہے تو دیت واجب نہیں کیا مارنے والے پر کفارہ ہے۔ حنفیہ کے ہاں ضارب پر کفارہ نہیں جبکہ جنین کامل الخلق مردہ پیدا ہوا ہو لیکن اگر وہ خود ادا کرنا چاہے تو یہ افضل ہے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جب وہ استطاعت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے کئے کو معاف فرمادیں گے یعنی کفارہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے مالکیہ بھی اسی طرح کہتے ہیں یعنی جنین کے قتل میں کفارہ مستحب ہے واجب نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہے چاہے ماں جنین کو زندہ گرائے یا مردہ اس لیے کہ یہ نفس ہے اور مضمون ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ..... النساء: ۹۲

اور جنین کے ایمان کا حکم ہے والدین کے تابع ہو کر ان میں سے ایک کے اگر وہ اہل ذمہ میں سے ہو تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اور ہمارے درمیان عہد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل میثاق میں کفارہ کی تصریح فرمائی ہے اگر کوئی شرعاً غلام نہ پائے یا شمن مثل سے زیادہ میں پائے جائے تو اس کے ذمہ دو ماہ کے لیے درپے روزے ہیں۔

غره کب واجب ہوتا ہے..... غره کے وجوب کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں..... اس کی بعض خلقت کا ظاہر ہونا کافی ہے جیسے پیٹھ اور بال وغیرہ مالکیہ کے ہاں: اگر جنین مضغہ یا کامل ہو تو غره واجب ہے لیکن اگر وہ علقہ جما ہوا خون ہے تو پھر کوئی چیز واجب نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر مضغہ ہو اور وہ بھی گواہی سے ثابت ہو تو غره واجب ہے شوافع کے ہاں چار عورتوں کی گواہی اور حنابلہ کے ہاں ثقہ دار کی گواہی کافی ہے کہ اس کی صورت بنی ہوئی تھی لیکن اگر نطفہ یا علقہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں۔

دوسری بحث: زندہ جنین گرانہ..... اگر جنین زندہ گرے پھر اس جنایت کے سبب مر جائے تو آیا اس میں مارنے والے پر قصاص ہے تو مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ قصاص واجب ہے جبکہ اس کے فعل سے غالباً موت واقع ہوتی ہو جیسے بطن یا پیٹھ پر مارنا۔ اور صرف دیت واجب ہے غره نہیں اور صرف دیت واجب ہے اگر اس کا فعل موت تک نہ پہنچتا ہوتا جیسے ہاتھ یا پاؤں سے مارنا اس لیے کہ جنین جب آواز دے تو وہ عام زندوں کی طرح ہے لہذا اس میں غره نہیں حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں جنین پر جنایت عدا نہیں ہوتی یہ شبہ عدا یا خطا ہو سکتا اس لیے کہ جنین کی زندگی اور اس کا وجود متحقق نہیں ہوتا کہ اس کا راہ کیا جائے لہذا کامل دیت واجب ہے اور ضارب اس سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا اس حالت میں حنفیہ کفارہ واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ شوافع اور حنابلہ مطلقاً چاہے جنین زندہ ہو یا مردہ اور جنایات کے زیادہ ہونے سے دیت بھی متعدد ہوگی اگر جنین کے مرنے کے بعد ماں بھی مرگئی یا جنین ماں کے مرنے کے بعد زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو ضارب پر دو دیتیں ہیں ایک ماں کی دیت دوسری جنین کی ان دونوں کے وجوب کے سبب کی وجہ سے اور وہ دو شخصوں کا قتل کرنا ہے۔

اگر جنین ماں کے مرنے کے بعد مردہ پیدا ہوا تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ضارب پر صرف ماں کی دیت ہے اور جنین کے بدلے میں کچھ بھی نہیں بلکہ اس پر تعزیر ہے جب تک کہ کوئی قطعی دلیل اس بات پر قائم نہ ہو جائے کہ یہی جنایت جنین کی موت یا علیحدگی کا سبب بنی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ والدہ کے مرنے سے مراد ہو لہذا اس وقت یہ اعضاء کے قائم مقام ہوگا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضارب پر اس صورت میں بھی ماں کی دیت اور جنین کا غره واجب ہے چاہے وہ اس کی زندگی میں یا موت کے بعد گرا ہو اس لیے کہ یہ جنین ہے جو ضارب کی جنایت کی وجہ سے ضائع ہوا ہے اور اس کی موت کا علم اس کے نکلنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ لہذا اس کا ضمان واجب ہے۔ اس لیے کہ یہ ماں کے ساتھ تلف ہوا

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۱۹ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت ہے جیسا کہ جنین مردہ نکلنے اور پھر اس کی ماں مرجائے۔ لیکن اگر ماں نے جنین نہ گرایا تو پھر کوئی چیز واجب نہیں اس لیے کہ بچہ کا حکم پیدا ہونے کے بعد لگتا ہے۔

غیر مسلمہ کا جنین..... ذمیہ عورت کے جنین پر جنایت کی صورت میں غرہ واجب ہے لیکن جنین کے مسلمان اور غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے غرہ مختلف ہے اگرچہ کافر باپ ہی سے ہو حنفیہ کے ہاں مسلمان جنین کی طرح اس کا بھی غرہ ہے اس لیے کہ ان کے ہاں کفر کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔ لہذا غرہ بھی اسی طرح ہوگا حنابلہ کے ہاں بھی ایسا ہی حکم ہے اس لیے کہ جنین دارالاسلام کے تابع ہو کر مسلمان ہے لہذا ذمیہ کو مسلمان شمار کیا جائے گا اور مالکیہ کے ہاں ذمیہ کا جنین اس کی ماں کی دیت کے دسویں حصہ کے برابر ہے اور شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ یہودی اور نصرانی کے جنین کا غرہ مسلمان کے غرہ کے مثلث کے برابر ہے اس بناء پر کہ غرہ مقرر ہے والد کی دیت کے دسویں حصے کا نصف۔

چوتھی فصل..... حیوان کی جنایت اور ٹیڑھی دیوار کی جنایت

اس سلسلہ میں دو بحثوں میں کلام ہوگا پہل بحث حیوان کی جنایت دوسری بحث مائل ٹیڑی دیوار کی جنایت۔

پہلی بحث..... حیوان کی جنایت

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جانوروں کا چوکیدار (مالک سوار وغیرہ) اور چاہے اس کے پاس رہن ہو یا عاریہ یا اجارہ اور غصب کے طور پر تو وہ ضامن حیوان کی تلف کی ہوئی چیزوں کا جبکہ وہ سبب ہو ضرر لاحق ہونے کا بایں طور کہ وہ اطلاق یا جنایت کرنے میں حیوان کے واسطے سے عدا کرے یا وہ حفاظت کی شرائط اور قیود میں کوتاہی کر دے جنہیں میں نے فقہاء کی آرائے کے ساتھ بیان کر دیا ہے اگر وہ حرز کا سبب نہ ہو تو فقہاء کا اختلاف ہے حیوان کی نگرانی کرنے والے کے ضمان میں۔

۱۔ حنفیہ کے ہاں..... حیوان عادی ہوگا یا نہ (الف) اگر حیوان موذی ہو اور وہ کوئی چیز خود ہی ضائع کر دے چاہے مال یا انسان کو تو اس کے چوکیدار پر کوئی ضمان نہیں چاہے اس کی طرف سے یہ ظلم دن کو ہو یا رات کو نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: حیوانات کے نقصانات رازیاں ہیں، اگر اس کا مالک اس کے ساتھ اسے ہانک رہا تھا یا سوار تھا یا اسے آگے سے کھینچ رہا تھا اور اس نے اسے چھوڑ دیا تو چھوڑتے ہی اس نے کوئی چیز تلف کر دی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر حیوان کوئی چیز مباح چراگاہ میں عام راستوں میں یا عام بازاروں میں باندھتے ہو یا حیوانات کے خاص بازوؤں میں کوئی چیز تلف کر دے اور اس میں ضمان نہیں جیسے کہ ایسی بستی ہو کہ اس کی چراگاہ میں لوگوں کے گھوڑے یا گائیں وغیرہ ہوں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو کاٹے یا اپنے پاؤں سے مارے اور اس سے کسی دوسرے آدمی کا حیوان تلف ہو جائے تو اس کے مالک پر کوئی ضمان نہیں اور یہ مملوکہ جگہ کے علاوہ میں ہے اس لیے کہ مالک کے علاوہ پر ضمان اس طور پر کہ ایک شخص کا باڑہ ہو دوسرا آئے وہ مالک کے جانور کے پاس اپنا جانور باندھ دے مالک کا جانور ضائع ہو جائے تو ضمان تعدی کرنے والے پر ہے لیکن اگر مالک کا جانور دوسرے کے جانور کو اس باڑے میں مار دے تو مالک پر کوئی ضمان نہیں۔

(ب)..... لیکن اگر جانور موذی نہیں جیسے بیل اور کاٹنے والا کتا تو اس کا مالک یا چوکیدار اگر حفاظت نہ کرے تو ضامن ہوگا جبکہ وہ گزرنے والے لوگوں سے ایذا دور کرنے کے لیے سامنے آئے اور وہ اس کے تقدم پر گواہی دے دیں اور وہ اس جانور کے اذیت کو روکنے کا مطالبہ کرنے والے ہوں جیسا کہ مائل دیوار میں اگر اس نے ایسا نہ کیا تو وہ حفاظت میں کوتاہی کرنے والا ہے لہذا سبب کی وجہ سے تعدی کرنے میں ضامن ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کتا چوکیداری یا باغ اور کھیت کی رکھوالی والا نہ ہو ورنہ اس کا مالک کسی چیز کا بھی مطلقاً ضامن نہ ہوگا چاہے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۰ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
ہے لوگ اس کے پاس آئے ہوں یا نہ اور گواہی دیں یا نہ اگر جانور کا مالک یا چوکیدار پرندہ چھوڑنے یا جانور یا کتے اور جانور کو ابھارنے میں
مشغول ہو وہ کسی انسان کو نقصان پہنچا دے تو ہر حالت میں مطلقاً وہ تلف شدہ چیز کا ضامن ہوگا چاہے وہ اسے ہانکنے والا ہو یا قائد ہو تعدی کی
وجہ سے یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسی کو عام مشائخ حنفیہ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

۳۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... جو جانور کھیتی و درخت وغیرہ ضائع کرتے ہیں ان کا مالک اس کا ضامن ہے یا اس کا
چروانے والا جانور جس کے قبضہ میں ہے جبکہ اس کا مالک موجود نہ ہو اور یہ ضرر رات کو ہوا ہو لیکن اگر دن کو ضرر ہو اور اس کا مالک ساتھ نہ تھا تو
پھر کوئی ضمان نہیں لیکن اگر اس کے ساتھ اس کا مالک تھا یا صاحب قبضہ مثلاً غاصب متاجر، مستعیر، سوار یا ہانکنے والا کھینچنے والا تو وہ اس کا
ضامن ہوگا جو بھی جانیں یا مال وہ ضائع کرے گا جیسا کہ روایت ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک باغ میں داخل ہوئی اور
اسے ضائع کر دیا تو نبی علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ باغ والوں کی ذمہ داری ہے دن کے وقت حفاظت کرنا اور جو چیزیں جانور رات کو ضائع
کریں ان کے مالک اس کے ضامن ہیں۔ رہ گئے جانور اور مارنے والے جانور تو ان کا مالک ضامن ہے مطلقاً جو بھی وہ مال یا نفس ضائع
کر دے یا تفریط کی وجہ سے۔ سوار کا ضمان اور تصادم سے جو حوادث ہوتے ہیں ان کا ضمان حنفیہ نے فقہی واقعی مثالیں حوادث سفر، سواری،
تصادم اور اطلاق حیوان کے ضمان کی بیان فرمائی ہیں اور ان احکام کی معرفت فقہی قواعد کی رو سے ظاہر ہوتی ہے جس چیز سے احتراز ممکن نہیں
اس میں ضمان بھی نہیں فعل کو سبب کی طرف منسوب کیا جائے گا جب تک درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو متسبب پر ضمان میں سوائے تعدی کے۔
مباشر ضامن ہے اگرچہ وہ تعدی نہ کرنے والا ہو۔ جب مباشر اور متسبب جمع ہو جائیں تو حکم مباشر کی طرف مضاف ہوتا ہے متسبب اور
مباشر کو تعدی کے وقت دونوں پر ضمان ہوگا۔

پہلی بات: جس چیز سے بچنا ممکن نہ ہو اس کا ضمان بھی نہیں..... اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بندے پر مشکل ہو وہ ضمان
کا سبب بھی نہیں اس لیے کہ یہ ضروریات میں سے ہے لیکن جس چیز کا بندہ شرعاً مستحق ہے اس میں وسعت اور طاقت کا اعتبار ہے رگی ایسی چیز
جس سے بچنا ممکن ہے یا اس سے احتیاط ہو سکتی ہے تو وہ سبب ضمان ہوگا۔ اسی بناء پر لوگوں کو عام منافع جیسے راستے میں لوگوں کو چلنا اور سواری
اختیار کرنا سلامتی کی شرط کے ساتھ نفع اٹھانا جائز ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں کو ضرر سے بچانا ہے تاکہ لوگوں کے لیے نفع اٹھانا آسان
ہو اور ان کے حقوق اور ان کے اختیار اعدل امن اور استقرار کے ساتھ حاصل ہوں۔

چلنے والے یا سوار سے جو تلف ہو اور اس سے احتراز ممکن ہو تو اس پر ضمان ہے لیکن جس سے احتراز ممکن نہیں وہ مضمون نہیں اس لیے کہ اگر
ہم اسے مضمون قرار دیں تو کوئی بھی شخص اسے سیر نہیں کر سکے گا اور یہ ماذون ہے باقی جانور کے ٹاپوں سے جو غبار یا چھوٹی کنکریاں تو اس میں ضمان
نہیں کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں البتہ بڑے کنکریاں اور وہ غبار جو معتاد سے زائد ہے تو ان میں ضمان واجب ہے کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے
اسی طرح سوار بغیر لگام کے سواری پر بیٹھا تو بھی ضامن ہوگا لیکن اگر اس نے جانور کو لگام سے کھینچا اس کی دم پاپاؤں یا لید اور پیشاب سے کوئی
گر گیا تو وہ ریاگاں ہے اس میں عموم بلوی کی وجہ سے کوئی ضمان نہیں نیز اس سے بچنا ممکن نہیں اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے پاؤں کا مارنا ہدر
ہے اگر مالک یا سوار نے اسے راستے روکا پھر اس نے کسی کو مارا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اس لیے کہ روکنے کی حالت میں اس سے بچنا ممکن ہے
اسی طرح سوار ہانکنے والا اور قائد ضامن ہوں گے اس چیز کے جس کو جانور نے روند ڈالا اپنے آگے والے پاؤں یا پیچھے والے پاؤں یا سر سے یا
منہ سے کاٹا یا سینے سے مارا یا آگے پاؤں سے خبطی بنا دیا یا اس لیے کہ ان چیزوں سے بچنا ممکن ہے اس لیے کہ راستے میں چلنے کی ضروریات میں
سے یہ نہیں۔ یہی شوافع کا مذہب بھی ہے اور یاد رہے کہ مالکیہ کے نزدیک سوار پر ان تمام حالتوں میں ضمان نہیں حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ
جانوروں کے اتلافات ریاگاں ہیں اور حنابلہ نے اگلے پاؤں سے جانور اگر جنایت کرے تو سوار کو ضامن قرار دیا ہے اور اگر پیچھے پاؤں سے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۱ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

جنایت کرے تو اس کوئی ضمان نہیں حدیث پر عمل کرتے ہوئے الرجل جب اس کا مفہوم یہی ہے کہ رجل کے علاوہ میں ضمان نہیں ہے۔ اور جانور والا ضامن ہوگا جانور کے روندنے کے ذریعہ تلف کی صورت میں اور اس طرح کی چیزوں میں جب انہیں عام راستوں میں روکے یا ایسی جگہ جہاں پارکنگ منع ہو یا مسجد کے دروازے میں روکے کیوں کہ روکنے کی وجہ سے وہ تعدی کرنے والا ہے۔ لیکن اگر وہ بازار یا ان جگہوں پر جو جانور روکنے کے لیے مقرر ہیں حکومت کی جانب سے یا جنگل میں اور روکنے سے اگر نقصان ہو تو ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ ان جگہوں پر روکنا مباح ہے لوگوں کو نقصان نہ ہونے کی وجہ سے لیکن اگر اس پر سوار ہو اور وہ کسی انسان کو روند ڈالے اور اسے قتل کر ڈالے تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے مباشرت کیا ہے۔ اسی طرح اس پر ضمان نہیں اگر اس نے سواری کو روکایا اسے چلا یا اسے ہانکایا اس کو آگے سے کھینچا اپنی خاص ملکیت میں لایا کہ جو اس کے پاؤں سے حادثہ ہوا اور وہ اس پر سوار ہو تو اس حادثہ کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے خاص ملک میں تصرف کیا ہے لہذا اس کا تصرف سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوگا اور وہ گیاروندنا تو وہ تو اس کے فعل کی وجہ سے ہے جو اس کے بوجھ کی وجہ سے ہوا ہے اور جو شخص کہ دوسرے پر اپنے گھر میں تعدی کرے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ ہانکنے والا کھینچنے والا اور پیچھے بیٹھنے والا سوار کی طرح ہے اتنا فرق ہے کہ ایک جانور پر بوجھ کی وجہ سے قاتل ہے یعنی مباشرت نہیں سائق اور دوسرے متسبب ہیں راکب پر کفارہ اس کی ملکیت میں واجب ہے یا غیر ملکیت میں لیکن سائق اور قائد پر نہیں۔ اگر کوئی شخص جانور کے ایک قافلہ کا قائد ہو اس کے جانور جو روندیں گے یہ ان کا ضامن ہے یا ایسی طرح اگر وہ کسی انسان کو لینے سے نقصان پہنچائے تو یہ ضامن ہوگا اس لیے کہ قائد جانور کے قریب ہوتا ہے جنایت کے وقت اور اس سے فی الجملہ احتراز ممکن ہے کہ لوگوں کو راستے سے الگ کیا جائے۔ اگر جانور بدک جائے چوکیدار مالک وغیرہ سے اور فی الفور کی کو نقصان پہنچائے اس پر کوئی ضمان نہیں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”العجماء جبار“ یعنی جانور کا نقصان ہدر ہے نیز اس کا کوئی دخل نہیں اس کے بدکنے اور بھاگنے میں اور اس کے فعل سے احتراز بھی ممکن نہیں اور نہ ہی وہ ضامن ہے۔ اگر اس نے اپنے جانور کو چھوڑا اور فوراً اس نے کسی کو نقصان پہنچایا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کا فی الفور چلنا اس کے چھوڑنے کی طرف مضاف ہوگا لہذا وہ چھوڑنے میں تعدی کرنے والا ہے گویا یہ اسے دفعہ کرنے والا ہے یا ہانکنے والا ہے اگر وہ دائیں یا بائیں طرف پھر گیا پھر کسی کو نقصان پہنچایا تو اس میں دو احتمال ہیں یا تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تو پھر چھوڑنے والے پر ضمان ہے اس لیے کہ یہ اس کے چھوڑنے پر باقی ہے یا اس کے لیے اور بھی راستہ ہے تو پھر چھوڑنے والا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ چھوڑنے کا انقطاع ہو گیا لہذا یہ بدکنے والے کی طرح ہو گیا ان تمام حالتوں میں حیوان کی جو بھی جنایت انسانوں پر ہو گی اس کی دیت عاقلہ پر ہے اس لیے کہ جانور کی رکھوالی کرنے والا تعدی کرنے والا متسبب ہے اور جو بھی جنایت مال پر ہے اس میں مسئول حیوان ہے فی الحال اس کے مال سے ہوگا یعنی نفس کا ضمان عاقلہ پر ہے اور مال کا ضمان تعدی کرنے والے کے مال میں اس کی تصریح حنفیہ اور شوافع نے کی ہے۔

دوسری بات: صرف متسبب کا ضمان..... متسبب وہ ہے جو ایسا فعل کرے جو کسی ضرر کی طرف لے جائے لیکن دوسرے واسطے سے اور متسبب دو شرطوں کے ساتھ اپنے فعل کے اثر کا ضامن ہوگا جبکہ اس کی طرف سے تعدی ہو اور تعدی یہ کہ بغیر حق کے سبب بننا چاہے ضرر کا ارادہ ہو یا نہ ہو وہ اہم عامل ہو ضرر پیدا کرنے میں بایں طور کہ مباشرت سے متسبب کا غلبہ ہو جیسا کہ درج ذیل مثالوں میں ہے کسی نے جانور کو مارا اس پر سوار بھی تھا یا جانور کو سوار کی اجازت کے بغیر دیا اور چکا دیا اس نے کسی شخص کو مارا اپنے پاؤں وغیرہ سے یا وہ بدک گیا اور فوراً ہی اس نے انسان کو تکلیف دی تو ضارب اور بدکانے والا ضامن ہوگا نہ کہ سوار اس لیے کہ پہلا اپنے فعل میں متعدی ہے اس سے جو کچھ بھی ہوگا وہ مضمون ہوگا اور سوار تعدی کرنے والا نہیں لہذا بدکانے والے کی جانب تاوان میں رائج ہوگی تعدی کی وجہ سے اور یہ بات یاد رہے کہ اس کا مارنا فوراً بدکانے کے بعد ہونا یہ ضروری چیز ہے تاکہ ضرر پیدا ہونے میں سبب کے معنی پائے جائیں اگر بدکانے کے بعد فوراً وہ سلسلہ منقطع ہو جائے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۲ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
تو پھر ضرر کو جانور کے اختیار کی طرف منسوب کیا جائے گا نہ کہ متسبب کی طرف۔ لیکن جب سوار کے حکم سے بدکایا اور مارا ہو اور پھر وہ جانور کسی
آدمی کو پاؤں سے مار دے اور وہ مر جائے اگر یہ فعل ایسی جگہ پایا گیا جس میں اجازت ہے تو کوئی ضمان نہیں مثلاً سوار راستے میں چل رہا ہو یا اپنی
خاص ملکیت میں ٹھہرا ہوا ہو۔ یا ایسی جگہ پر ٹھہرا ہو جہاں ٹھہرنے کی اجازت ہے جیسے عام بازار وغیرہ تو کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ بدکانے
والے نے سوار کے حکم سے ایسا فعل کیا ہے جبکہ سوار مالک ہے اس کا فعل راکب کے فعل کی طرح ہے اور اس صورت میں راکب کے فعل کا
ضمان نہیں۔

لیکن اگر بدکانا ایسی جگہ پایا گیا جس میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں جیسے عام راستہ تو اس میں بدکانے والا سوار دونوں ضمان میں شریک
ہوں گے اور مجنی علیہ کی دیت دونوں پر نصف نصف ہوگی میں اور بھی مثالیں متسبب اور مباشر کے ضمان کی ذکر کروں گا۔

تیسری بات: اکیلے مباشر کا ضمان..... مباشر: وہ ہے جس کے فعل سے براہ راست نقصان ہو بلا واسطہ کے کہ اس میں کسی
دوسرے شخص کے فعل کا دخل نہ ہو یہی ضامن ہوگا اگر خالی سبب منفرد طور پر اتلاف کا ذریعہ نہ ہوتا ہو جبکہ اسے اکیلے چھوڑ دیا جائے یعنی یہی قوی
غضہ ہوگا ضرر پیدا کرنے میں اور سبب کا دورانیہ ضعیف ہو جب اس کے ساتھ ملایا جائے اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص اونٹوں کی قطار کو
آگے سے کھینچنے والا ہو اور اونٹ کھڑے ہوں ایک شخص آئے اور اپنے اونٹوں کو ان کے ساتھ باندھ دے اور قائد کو علم نہیں وہ ان کے اس کو بھی
لے کر جائے وہ اونٹ کسی آدمی کو روند ڈالے جس سے وہ مر جائے تو دیت قائد پر ہوگی اور اسے عاقلہ ادا کرے گی اور عاقلہ باندھنے والے پر
کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گی اس لیے کہ باندھنے والے نے اگرچہ تعدی کی ہے باندھنے میں اور یہ بھی سبب ہے ضمان کے وجوب کا لیکن
جب قائد نے اس جگہ سے اونٹ ہٹا لیے جہاں پر وہ کھڑے تھے تو اس کی تعدی زائل ہوگئی تو اس سے ضمان بھی زائل ہو گیا اور قائد سے متعلق ہو
گیا جیسے کوئی راستے میں پتھر رکھ دے کوئی آدمی آئے اور وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ جائے پھر اس سے کوئی شخص مر جائے تو ضمان دوسرے پر ہے
نہ کے پہلے پر

لیکن اگر اونٹ چل رہے تھے۔ اور ایک شخص اگر اپنا اونٹ ان کے ساتھ باندھ دے اور وہ کسی آدمی کو روند ڈالے تو قائد کی عاقلہ دیت کی
ضامن ہوں گی پھر وہ اس کا رجوع کریں گے باندھنے والے پر اس لیے کہ باندھنے والا متعدی ہے باندھنے میں اور یہ سبب قوی ہے دیت
لازم ہونے کا لہذا ضمان اسی پر ہوگا۔

چوتھی بات: متسبب اور مباشر دونوں اکٹھے ضامن ہوں گے..... جبکہ ان کا اثر ضرر پیدا کرنے کے فعل میں برابر
ہو اور حنفیہ اور شوافع کی تعبیر میں متسبب مباشر کے ساتھ شمار ہوگا جب کے اس کے سبب کا اثر ہو کہ اگر وہ انفرادی طور پر ہو تو بھی
اتلاف ہو جائے یعنی ان کے ہاں جب سبب سے انفرادی طور پر اثر ہو سکتا ہو تو وہ مباشر کے ساتھ ضمان میں شریک ہوگا مالکیہ اور
حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ مباشر سبب پر مبنی ہو اور اس سے نکلا ہو اس طور پر کہ اگر سبب زائل ہو جائے تو اتلاف کی علت زائل
ہو جائے جیسے مکہ اور مستکرہ کا قصاص اور ضمان میں شریک ہونا اور روکنے والے کا قاتل کے ساتھ شریک ہونا حنابلہ کے ہاں اور
ایک روایت ان سے کہ صرف مباشر ہی سزا کے ساتھ خاص ہوگا اور روکنے والے کو قید کیا جائے گا موت تک اور جیسے ودیج چور کی
راہنمائی کرے ودیعت کی طرف اور وہ اسے چرائے حنفیہ کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ اگر جانور کی قیادت میں ہانکنے والا اور سوار یا
قائد اور سائق جمع ہوں تو ضمان دونوں پر ہے اس لیے کہ جانوروں کا بنکانا تلف تک لے جانے والا ہے اگرچہ وہاں کوئی سوار نہ بھی
ہو اونٹوں کی قطار کا قائد اور سائق ضمان میں دونوں برابر ہیں اس لیے سائق کی طرح قائد پر بھی حفاظت کی ذمہ دار ہے لہذا کوتاہی
کی وجہ سے وہ متعدی ہے اور تعدی کے ساتھ سبب بننا یہ ضمان کا سبب ہے لیکن نفس کا ضمان عاقلہ پر ہے اور مال کا ضمان متعدی کے

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۳ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت مال میں کما تقدّم۔ اسی طرح اگر ایک آدمی جانور کو سوار کی اجازت سے مارے تو ضمان دونوں پر ہوگا اس لیے کہ مارنے والا بمنزلہ سائق ہے۔ اگر اس نے سوار کی اجازت کے بغیر جانور کو مارا اور اس کے مارنے کی وجہ اس نے اپنے پاؤں میں کسی آدمی کو روند ڈالا اور مر گیا تو بھی ضمان دونوں پر ہے اس لیے کہ موت کا سبب ناخس کا فعل اور سوار کا بوجھ ہے اور ردیف سوار کی طرح ہے ہاں اتنی بات ہے کہ سوار کفارہ واجب ہونے اور میراث وصیت سے محروم ہونے میں ناخس سائق اور قائد سے مختلف ہے کہ اس پر یہ سبب چیزیں ہوں گی جب کہ اس کے علاوہ باقی سبب ہیں لہذا ان پر کفارہ نہیں اور وہ میراث اور وصیت سے محروم ہوں گے۔ اور اونٹوں کی قطار کی قیادت میں ضمان قائد پر ہے اگر وہ کسی کو روند ڈالے یا پہلا درمیانہ یا اخیرا وٹ انہیں تکلیف پہنچائے اس لیے کہ پرتلف کے سبب ہے اور اس سے احتراز ممکن ہے اور سائق کے درمیان میں ہونے یا اخیر میں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس قطار میں سودج ہوں ان میں لوگ ہوں سوئے ہو یا نہ سوئے یہ قیادت اور سائق میں برابر ہوں گے یہ ضمان میں شریک ہوں گے اور سواروں پر کفارہ ہوگا لیکن اگر سودجوں میں قائد اور سائق نہ ہوں تو وہ سامان کی طرح ہیں ان پر کوئی چیز نہیں اور یاد رہے کہ یہ احکام آج کل کی گاڑیوں پر منطبق نہیں ہوتے کیونکہ سوار سائق کے ساتھ کسی چیز میں شریک نہیں ہوتے لہذا ضمان کی مسؤلیت صرف ڈرائیور پر ہوگی۔

تصادم..... جب دو سواروں یا گھڑ سوار یا دو کشتیوں یا دو گاڑیوں یا چلنے والوں یا ایک سوار اور ایک چلنے والے کے درمیان تصادم ہو جائے وہ دونوں مرجائیں یا اس ٹکراؤ کی وجہ سے کوئی چیز تلف ہو جائے ان میں سے ہر ایک پر حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ضمان واجب ہے دوسرے کے لیے البتہ موت کی صورت میں ان میں سے ہر ایک کی عاقلہ دوسرے کی دیت ادا کرے گا اور آج کل عصر حاضر میں ہر ایک خود ادا کرے کیونکہ عاقلہ اور اتلاف کی صورت میں ہر ایک کا ضرر دوسرا ادا کرے گا اس لیے کہ ضرر دونوں میں سے ہر ایک کے فعل سے ہوا ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب تصادم خطا ہوا ہو لیکن اگر عمدہ ہوا ہے تو پھر حنفیہ ضمان کی قیمت کا نصف واجب ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں جب دو گھڑ سواروں میں تصادم ہو جائے اگر عمدہ ہو اور دونوں مر گئے تو قصاص نہیں کیونکہ محل باقی نہیں اگر ان میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے قصاص لی جائے گی اور اگر خطا ہو اور ان میں سے دونوں مرجائیں تو ان میں سے ہر ایک کی دوسرے پر دیت ہوگی جو عاقلہ ادا کرے گی جیسے حنفیہ کے ہاں ہے اگر دو کشتیوں میں تصادم ہو جائے دونوں ضائع ہو جائیں یا ایک ضائع ہو جائے تو دوسرے کا قصاص ہے نہ ضمان اس لیے یہ دونوں ہوا سے چلتی ہیں ان کے مالکوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ شوافع اور امام زفر حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب دو گھڑ سوار یا چلنے والے یا کشتیوں میں تصادم ہو جائے کہ بچانے کے آلہ میں قصور کیا یا وہ ان کے باندھنے پر قادر تھے لیکن باندھا نہیں یا دونوں نے ایسی ہوا میں کشتیاں چلائیں کہ اس میں عام طور پر کشتیاں نہیں چلائی جاتیں تو ان میں سے ہر ایک پر دوسرے کے لیے نصف قیمت تاوان کی واجب ہے اس لیے تلف ان دونوں کے فعل سے حاصل ہوا ہے کہ ہر ایک اپنے فعل سے ہلاک ہوا ہے لہذا اس کا نصف ہر ہے اور ضمان دونوں پر تقسیم ہوگا اور دوسرا نصف رائیگاں ہوگا اور شوافع کے ہاں عاقلہ پر نصف دیت مغلطہ واجب ہوگی دوسرے کے ورثہ کے لیے اس لیے کہ قتل شبہ عمدہ ہے اس لیے کہ تصادم اور ٹکڑاؤ عام طور پر موت تک نہیں لے جاتا۔

لہذا اس میں عمدہ متحقق نہیں لہذا اس کے ساتھ قصاص متعلق نہیں ہوگا، اگر دو کشتیوں میں تصادم ہو جائے بغیر تفریط کے بلکہ تیز ہوا وغیرہ کے سبب تو کسی پر بھی ضمان نہیں۔ اگر دو متصادموں میں سے ایک خطا پر ہو تو تمام فقہاء کے ہاں ضمان اس پر ہے جیسے چلنے والا ٹھہرے ہوئے سے تصادم کرے تو ضمان ماشی پر ہے اس لیے کہ وہ سبب ہے اگر چلنے والی کشتی ٹھہر ہوئی کشتی سے ٹکرا جائے تو چلنے والی کشتی والے پر ضمان ہوگا جبکہ ٹھہرنے والی ٹھہرنے میں متعدی نہ ہو۔

دوسری بحث..... مائل اور ٹیڑھی دیوار کی جنایت

فی الجملہ دیوار گرنے میں ضمان متسبب پر ہے ضرر پیدا کرنے کی وجہ سے۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس سے بچنا ممکن تھا یا اس کی کوتاہی اور ڈھیل کی وجہ سے جب موت ہو جائے تو دیت مالک دیوار کی عاقلہ پر ہوگی اس لیے کہ وہ اس کا سبب ہے لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں اور نہ ہی یہ میراث اور وصیت سے محروم ہوگا حنفیہ کے ہاں جیسا کہ ان کے ہاں قتل سبب میں ثابت شدہ ہے اسی بناء پر اگر جنایت نفس پر ہو تو دیت واجب ہے اور اگر اطراف وغیرہ میں ہو تو ارش واجب عاقلہ پر اگر دیت کے دسویں حصے کا نصف مرد یا عورت کا ہوتا ہو لیکن اگر جنایت مال میں ہو تو عوض متسبب کے مال میں ہوگا اور دیوار کا گرنا یا تو کسی اصل خلل کی وجہ سے ہوگا یا کسی عارضی خلل کی وجہ سے ہوگا۔

پہلا مقصد: دیوار کا اصلی خلل کی وجہ سے گرنا..... اس بات میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ضرر جو دیوار کے گرنے کا سبب ہو جسے مائل نے عام راستے کی یا غیر کی ملکیت کی طرف مائل بنایا ہو تو اس میں ضمان واجب ہے کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے اس لیے کہ کسی کو بھی دوسرے کی ملکیت کی فناء سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں یا مشترک فناء ہے اسی کے مثل ہے وہ لکڑ وغیرہ جو شارع عام کی طرف نکلے ہوئی ہو چاہے اس سے نقصان ہو یا نہ ہو اور حاکم نے اجازت دی ہو یا نہ اور تلف ہونے والی چیز ان لکڑیوں سے ہو جو شارع عام کی طرف نکلے ہوئی ہیں یا ان کے پانی سے اس لیے کہ شارع سے نفع اٹھانا ہے اور شارع عام سے نفع اٹھانا سلامتی کی قید کے ساتھ مشروط ہے لہذا جو بھی ہوگا اس کا مالک ضامن ہوگا اور اسی کی مثل ہے اگر وہ مٹی ڈال دے راستے میں تاکہ اس سے دیوار کی لپائی کرے یا کوئی پتھر اور لکڑ یا سامان رکھا اس سے کوئی آدمی پھسل گیا تو وہ ضامن ہوگا اسی طرح اگر وہ کوڑا کرکٹ ڈالے یا خر بوزے کے چھلکے یا راستے میں پانی ڈال دے اور اس سے کوئی چیز ضائع ہو جائے یا راستے میں استراحت کے لیے بیٹھے یا کسی مرض کی وجہ اور گزرنے والا اس سے پھسل گیا اور مر گیا یا وہ غیر پر گرا اور وہ مر گیا تو اس میں ضمان ہوگا اس لیے کہ انشاع راستہ سے سلامتی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور اس میں تو مسلمانوں کا نقصان ہے اگر کسی دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا اس کی اجازت کے بغیر یا تنگ راستے میں یا کشادہ راستے میں حاکم کی اجازت کے بغیر جو اس سے جو بھی آدمی یا جانور وغیرہ تلف ہوگا اس کا یہ ضامن ہوگا اور ضمان سے مراد دیت ہے قتل شبہ عمد کی اور مالی عوض ہے مال تلف ہونے کی صورت میں اور یہ مذکورہ تمام چیزیں سبب کا ضمان ہیں اور قاعدہ ہے فعل مسبب کی طرف منسوب ہوگا اگر کوئی واسطہ درمیان میں نہ ہو ان حالات میں ضمان کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: اسلام میں نہ نقصان کروانا جائز ہے نہ نقصان کرنا جائز ہے۔

دوسرا مقصد: عارضی سبب کی وجہ سے دیوار گرنے..... اگر کسی شخص نے عمارت بنائی اور اس کی دیوار سیدھی تھی پھر وہ راستے یا کسی آدمی کے مکان کی طرف مائل ہوگئی یا عارضاً پھٹ گئی اور وہ کسی چیز پر گر گئی تو تلف شدہ چیز کی ضمان میں دورائے ہیں۔

۱۔ شوافع اور حنابلہ کا مذہب..... اس حالت میں کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ اس کے مالک نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے اور یہ میڑھا ہونا اس کے فعل سے نہیں ہوا لہذا یہ بغیر میڑھا ہونے کی صورت میں گرنے کے مشابہ ہو گیا چاہے اسے گرا کر درست کرنا ممکن تھا یا نہیں چاہے اس کی درستگی کا مطالبہ ہوا تھا یا نہیں۔

۲۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں..... اس معاملہ میں تفصیل ہے:

(الف)..... اس دیوار کے توڑنے کا کسی نے مطالبہ نہیں کیا اور وہ کسی انسان یا مال پر گر گئی اور وہ ضائع ہوئے تو کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ عمارت اس کی ملکیت میں ہے اور میڑھا ہونا اس کے فعل کے بغیر ہوا ہے لہذا یہ میڑھا ہونے سے پہلے گرنے کے مشابہ ہے جیسے کپڑے ہوا اس کے ہاتھ میں ڈال دے تو اس سے جو کچھ ہوگا وہ اس کا ضامن نہیں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۵ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

(ب)..... لیکن اگر اس سے توڑنے کا مطالبہ کیا گیا ہو اور اس نے ایسا نہ کیا پھر اس کے بعد وہ گر گئی جبکہ اسے توڑ کر درست کرنا ممکن تھا تو تلف شدہ چیز کا وہ ضامن ہوگا اس سے جو بھی انسان یا مال وغیرہ ضائع ہو۔ اس لیے کہ اس صورت میں تعدی کرنے والا ہے جیسے اگر ہوا کسی کے گھر میں کپڑے گرادے اور اس سے ان کپڑوں کا مطالبہ کیا گیا اور اس نے واپس نہ کیے اور تلف ہو گئے تو ضامن ہوگا اس لیے کہ لوگوں کو گذر نے کا حق ہے اور کسی کو ان کے روکنے کا حق نہیں لیکن اگر اس نے توڑنے میں تفریط نہ کی اور چلا گیا اور اس نے ایک مزدور گرانے کے لیے لایا لیکن وہ خود گر گئی اور کسی چیز کو ضائع کر دیا تو اس پر کچھ بھی نہیں اس لیے کہ اس کے ذمہ تو صرف ضرر کو بقدر امکان زائل کرنا تھا اور نقص و اصلاح کا مطالبہ وہ تقدم کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور تقدم اس کو تنبیہ اور وصیت کرتی ہے ضرر کو زائل کرنے کے لیے۔

گرانے کہ مطالبہ پر گواہی..... مطالبہ کی صحت کے لیے گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ جیسا کہ حنفیہ کے ہاں اشہاد صرف سبب ضمان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے لیکن اگر مالک مکان نے اعتراف کر لیا مطالبے کا تو اس پر ضمان واجب ہے اگرچہ اس پر گواہ نہ بھی بنائے ہوں۔ اشہاد کا معنی یہ ہے کہ آدمی کہے کہ گواہ ہو کہ میں اس آدمی کے پاس اس دیوار کے سلسلہ میں آیا تھا کہ یہ گرا دے یعنی معتبر یہ ہے کہ گرانے کا مطالبہ کرے اور دوسروں کی گواہی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مطالبہ کی لیے معتبر ہے۔

گواہی کے عناصر جو گواہوں کو طلب کرنے والا ہے..... اگر دیوار کسی آدمی کے گھر کی طرف مائل ہے تو گواہ بنانا مالک مکان کے ذمہ ہے اگر وہ گھر میں موجود ہے یا اس میں رہائشی کے ذمہ ہے اگر وہ سکونت کے لیے لیا ہو اور اگر وہ عام راستے کی طرف مائل ہے تو گواہ بنانا ہر اس انسان کے ذمہ ہے جیسے گذر نے کا حق ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا ذمی اور اگر بعض دیوار راستے کی طرف ہے اور بعض کسی آدمی کے گھر کی طرف جو بھی اس سے مطالبہ کرے تو یہ درست ہے اس لیے کہ جب بعض میں گواہی صحیح ہے تو کل میں بھی صحیح ہے۔ مشہود علیہ درست ہے اشہاد اس پر جو دیوار گرانے کا مالک ہے اور وہ مالک یا صاحب ولایت ہے جیسے والد وصی اور وقف کا نگران اس لیے کہ نقص کا مطالبہ اس سے جو مالک نہیں شخص عبث ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں لہذا مستأجریا مرتہن، یا مستعیر اور ودیع سے نقص کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ توڑنے اور تصرف کرنے میں انہیں ولایت حاصل نہیں لہذا ان کے سامنے گواہ بنانا یا نہ بنانا برابر ہیں۔

طلب اور اشہاد کا وقفہ..... طلب اور اشہاد صرف دیوار کے مائل ہونے کے بعد ہی درست ہے اور گرانے سے پہلے اس لیے کہ مائل ہونے سے پہلے تعدی نہیں پائی گئی اور گرانے کے بعد کوئی فائدہ نہیں طلب کا جیسا کہ مسئولیت ضمان تحقق نہیں ہوتی اتنی مدت گذرنے کے اندر کے اس میں وہ اسے درست ہی نہ کر سکتا ہو اس لیے کہ ضمان واجب نقص چھوڑنے پر اور امکان و استطاعت کے بغیر کوئی وجوب نہیں اگر وہ مزدور کے لیے چلا گیا تاکہ مزدور کے ذریعہ اس کو گرائے اور دیوار خود گر گئی اور اس سے کوئی تلف ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں اس لیے کہ وہ متعدی نہیں۔

اشہاد کے بعد تاجیل یا ابراء طلب کرنا اگر کسی شخص کے گھر کی طرف دیوار مائل (جھکی ہوئی) تھی اور اس نے اس سے گرانے کی طلب کی یا گرانے کی طلب پر گواہ بنادئے پھر صاحب دیوار نے مہلت مانگی یا جنایت سے برأت مانگی اور اس نے مہلت دے دی تو درست ہے اس لیے کہ یہ خاص حق ہے مالک اس کے چھوڑنے کا مالک ہے اور اگر وہ راستے کی طرف مائل ہو اور طلب کرنے والا اسے مہلت دے دے یا بری کر دے اور اس پر دیوار والا گواہ بنالے تو یہ ابراء درست نہیں اس لیے کہ اس میں عام لوگوں کا حق ہے اور عام حق میں کسی کوتاہی کی اجازت نہیں اور قاضی کا تصرف عام حق میں وہ نافذ ہے جس میں عوام کا نفع ہو نہ کہ نقصان۔

گواہ بنانے کے بعد عمارت میں تصرف..... اگر گواہ بنانے کے بعد مالک دیوار یا گھر اسے فروخت کر دے یا حبہ کا تصرف کر دے اور وہ دیوار مشتری کے قبضہ میں جانے کے بعد گر جائے یا ایجاب و قبول کے بعد قبضہ سے پہلے اتنی مدت میں کہ اسے درست کرنا ممکن تھا تو

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۶ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
اصل مالک پر کوئی ضمان نہیں، اس لیے کہ اس کی ولایت زائل ہوگئی ہے فروخت وغیرہ کرنے سے لہذا وہ درست کرنے کا مالک نہیں۔ لہذا اشہاد
کا حکم ساقط ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر متبع کسی بھی وجہ سے بائع کو واپس کر دی گئی تو بھی وہ ضامن نہیں ہاں اگر واپس ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ ہو تو
ضامن ہوگا لیکن اگر خیار بائع کو حاصل تھا اور اس نے متبع واپس رکھ لی اور پھر وہ گر گئی تو ضامن ہوگا اس لیے کہ بائع کا خیار اصلاح کو لغو نہیں کرتا۔
اگر دیوار مالک کی تفریط سے متبع سے پہلے گر گئی تو اس پر ضمان لازم ہے اور بناء میں تصرف کے لیے جنون اور ارتد کا اعتبار ہوگا اگر مالک
دیوار جنون ہو گیا یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا پھر اپنے جنون سے افاقہ ہوا یا مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آ گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا ہاں اگر
نئی گواہی ہو تو مستقبل میں ضامن ہوگا۔ ❶

پانچویں فصل..... جنایت ثابت کرنے کے طریقے

اس فصل میں دو بحثیں ہیں۔
پہلی بحث: عام طریقہ اجمالی طور پر اثبات کے۔
دوسری بحث: قتل کے اثبات کا خاص طریقہ قسامت۔

پہلی بحث..... عام جنایات کے ثبوت کے اجمالی طریقے

حدود سے متعلق کلام میں ہم اس بات کو ملاحظہ رکھا تھا کہ فقہاء مختصر طور پر حد کے ثبوت کے لیے شہادت اقرار وغیرہ سے بحث کرتے
ہیں اس لیے کہ حد کی ایک خاص اہمیت ہے اس کا حکم لگانے کے لیے قطعی اور مؤکد طریقے سے جرم کا ثبوت مطلوب ہے اور یہ مستقل
مباحث کے طور پر فقہی کتابوں میں موجود ہے یہی حالت ہے جنایات کی لہذا ان کے لیے بھی اثبات کے طریقوں کی طرف اشارہ ضروری
ہے تاکہ قاضی کے لیے فیصلہ کرنے اور احکام صادر کرنے میں آسانی ہو اور اس کی نظر تائید کی ضرورت کے لیے سزا کی وجہ جنایت کی
طرف جائے جیسے قصاص تعزیری یا مالی سزا دیت اور ارش وغیرہ اسی وجہ سے میں یہاں اجمالی طور پر اقرار شہادت قرینہ قسم سے انکار اثبات
جرم کے لیے صلاحیت وغیرہ کو بیان کروں گا چاہے وہ جمہور فقہاء کے لیے ہو یا بعض کے ہاں اور میں اس کی مکمل تفصیل کے ساتھ مستقل
طور پر اس کتاب میں زیر بحث لاؤں گا اور یہ بات یاد رہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ قصاص اور زخموں میں اقرار اور دو آدمیوں کی شہادت جرم
ثابت کرنا جائز ہے۔

پہلی بات: اقرار..... اقرار غیر کے حق کا اپنے ذمہ میں ہونے کی خبر دینے کا ثبوت ہے اور یہ صرف اقرار کرنے والے کے لیے ہی
مخصوص ہے غیر کی طرف اس کا اثر متعدی نہیں ہوتا اس لیے کہ غیر پر اقرار کی ولایت نہیں لہذا اقرار کا اثر اقرار کرنے والے پر ہی مقتصر رہے گا
اور اس سے اقرار کے مطابق مؤاخذہ ہوگا اس لیے کہ اپنے نفس کے بارے میں انسان متہم نہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اقرار پر اعتماد کیا
جائے عبادات معاملات شخصی احوال جرائم جنایات اور حدود وغیرہ میں امت کا اجماع ہے اقرار کی صحت پر مطلقاً اور یہ کہ اگر صحیح اقرار ہو تو مختلف
زمانوں میں یہ حجت ہے۔

اور علماء کا اقرار بالغ عاقل مختار کے درست ہونے پر اتفاق ہے کہ وہ اپنے اقرار میں متہم نہیں۔ اور ایسے جرم اور جنایت میں جس سے
قصاص حد یا تعزیر واجب ہوتی ہے میں واضح اور مفصل اقرار کا ہونا شرط ہے کہ ارتکاب جرم میں اعتراف قطعی ہو کہ عمداً ہو یا خطاً یا شبہ عمدہ لہذا شبہ
پر مشتمل مجمل اور پوشیدہ اقرار درست نہیں ہوگا کہ سزا متعین کی جاسکے اس لیے کہ اپنے مال اور جان کے دفاع میں قاتل پر کوئی سزا نہیں یا کسی

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۷ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔
حق یا قصاص کے استعمال میں اور جو شخص اقرار میں متم ہوا اپنے دوست کی وجہ وغیرہ سے تو اس کا اقرار درست نہیں اس لیے کہ تہمت جانب
صدق میں مغل ہے۔ اسی طرح بے عقل کا اقرار بھی درست نہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا اقرار البتہ حنفیہ کے ہاں سمجھدار بچے کا اقرار دین اور
عین میں درست ہے کیونکہ یہ تجارت کی ضرورت میں سے ہے برخلاف باقی آئمہ کے۔

زبردستی کیے ہوئے آدمی کا اقرار بھی درست نہیں جسے مارا جائے تاکہ وہ مال اور جنایات واجب حد یا قصاص کا اقرار کرے اور اس کا اقرار
لغو ہوگا اور اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا البتہ مالکیہ کے ہاں مستکرہ کا اقرار لازم نہیں ہوتا یعنی اسے اختیار ہے اگر اہم ختم ہونے کے بعد کہ اسے لغو
قرار دے یا اسے جائز قرار دے اور جس کی عقل بے ہوشی نیند یا کسی دوا وغیرہ کے ذریعہ زائل ہوگئی ہو اس کا اقرار بھی درست نہیں رہ گیا نشئی جو
جان بوجھ کر نشہ کرتا ہے تو شوافع کے ہاں اس اقرار تمام تصرفات اور جنایات میں درست ہے، اور حنفیہ کے ہاں اس کا اقرار احوال شخصی احوال قتل
اور جنین پر جنایت میں درست ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کے شخصی حق ہیں البتہ جو خالص اللہ تعالیٰ کی حدود میں مثلاً حد زنا حد زنا چوری وغیرہ میں اس
کا اقرار درست نہیں کیونکہ نشہ موجود ہے اور اس سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں البتہ نشہ میں مست شخص چوری کی ہوئی چیز کا ضامن ہوگا اگرچہ اسے
حد نہ بھی لگائی جائے مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں نشئی کا اقرار کسی حق اور جنایت میں درست نہیں کیونکہ وہ عاقل نہیں۔

فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اقرار کرنے والا اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے جیسے ارتداد، زنا، شراب خوری
چوری، ڈاکہ وغیرہ حد ساقط کرنے کے لیے البتہ مال اس سے ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ حد شہادت سے ساقط ہو جاتی ہے رہ گئے انسانوں کے،
حقوق جیسے قتل زخم، اطراف کاٹنے اور جنین گرانے کا اقرار ہے تو اس میں مقرر کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کا تعلق لوگوں کے شخص
حقوق کے ساتھ ہے اور جب قصاص شہادت سے ساقط ہوتی ہے۔ اور اقرار میں تعدد کی شرط نہیں اور صرف ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے البتہ
حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں زنا کے اقرار میں تعدد شرط ہے کہ اس سے چار مرتبہ طلب ہوگی حد قائم کرنے کے لیے بینہ اور ماعز رضی اللہ عنہ کے اقرار
کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔

دوسری بات: گواہی..... زیادہ تر خصومات اور حقوق مالی اور جرائم شہادت سے ثابت ہوتے ہیں اور شہادت سچی خبر کا اثبات حق کے
لیے لفظ شہادت کے ساتھ ہونا مجلس قضاء میں اور فقہاء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اثبات حق کے لیے شہادت پر اعتقاد کیا جائے اس
لیے کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی میں ان کی مشروعیت اور فیصلہ کی دلالت ہے گواہوں کی تعداد دو ہے سوائے زنا کے اس میں چار گواہوں کا
ہونا ضروری ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْكُمْ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ..... انور ۲۴/۱۳

کیونکہ اس پر انہوں نے چار گواہ پیش کیے اور حنفیہ کے ہاں اموال اور شخصی احوال نکاح طلاق وغیرہ میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ
قبول کی جائے گی اور مالکیہ شوافع کے ہاں حنابلہ کے ہاں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ قابل قبول نہیں سوائے مال وغیرہ کے۔

حدود، جنایات اور قصاص وغیرہ میں آئمہ اربعہ کے ہاں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں اور اس میں دو عادل مردوں کی
گواہی ضروری ہے اس کے اہم ہونے اور ضرورت کی وجہ سے اور ان کے طرق اثبات میں تنگی پیدا کرنے کی غرض اور حیلہ بہانے ختم کرنے
کے لیے نیز عورت کی شہادت میں شبہ بدلیہ ہے کیونکہ وہ قائم مقام ہے مردوں کی شہادت کے لہذا جو شہادت کو دور کریں ان کو قبول نہیں کیا جائے
گا۔ زہری نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد دو خلفاء کی سنت جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں اور علی رضی اللہ
عنہ کا ارشاد ہے عورتوں کی گواہی حدود اور خون میں جائز نہیں۔

شہادت کی اقسام میں فقہی اختلافات ہیں ان کی توضیح کرتا ہوں۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۲۸ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

۱۔ قصاص کے جرائم..... اطراف اور نقص میں قصاص کا جرم آئمہ اربعہ کے ہاں صرف دو عادل مردوں کی گواہی سے ثابت ہوگا اور اس میں مرد کے ساتھ عورت کی گواہی قبول نہیں نہ ایک گواہی کی گواہی اور مدعی کی قسم اور نہ ہی یہ شہادت علی الشہادت سے ثابت ہوتے ہیں اور نہ ایک قاضی کے دوسرے قاضی کو خط سے اس لیے کہ قصاص سخت سزا ہے لہذا اس میں عادل گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں زخموں میں عمدہ ہوں یا خطا ایک شخص کی گواہی اور مدعی کی قسم استحساناً جائز ہے جیسا کہ ان کے ہاں عمدہ زخم میں ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی گواہی جائز ہے یا ایک کی گواہی قسم کے ساتھ۔

۲۔ تعزیری بدنی جرائم..... جیسے مارنا، قید وغیرہ کرنا، حنفیہ کے ہاں تعزیر میں آدمی کا حق غالب ہے لہذا تعزیر والا جرم ان کے ہاں انہیں چیزوں سے ثابت ہوگا جن سے حقوق العباد ثابت ہوتے ہیں مثلاً اقرار گواہی قسم سے انکار قاضی کا علم عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ شہادت پر شہادت، قاضی کا قاضی کی طرف خط سے۔ مالکیہ جس طرح قصاص کے جرائم میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے اثبات کی اجازت دیتے ہیں اسی طرح بدنی تعزیر کے جرم میں بھی اس کی اجازت دیتے ہیں اور بعض مالکیہ بعض جرائم کی تعزیر بغیر قسم کے ایک گواہ سے بھی ثابت کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام مالک بعض زخموں میں بچوں کی گواہی کو بھی قبول کرتے ہیں مصلحت یا اہل مدینہ کے اجماع کی وجہ سے۔ شوافع اور حنابلہ تعزیر کے جرم کے اثبات میں اسی پر اکتفاء کرتے ہیں جس سے قصاص ثابت ہوتی ہے اور وہ دو عادل مردوں کی شہادت ہے اس لیے کہ بدنی سزا بڑی چیز ہے لہذا اس میں بقدر امکان احتیاط کی جائے لہذا اسے دو عورتوں اور ایک مرد یا ایک مرد کی شہادت اور مدعی کی قسم سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔

تعزیری مالی جرائم..... جیسے دیت اور تاوان۔ مذاہب اربعہ کے ہاں بالاتفاق یہ جرم بھی ان تمام طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جن سے باقی مالی حقوق ثابت ہوتے ہیں (یعنی) دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت اس لیے کہ اس سے مقصود مال ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی لوگوں کے ہاں اس کا اثبات ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے بھی ہو سکتا ہے اور مالکیہ نے ان کے ساتھ دو عورتوں اور مدعی کی قسم سے بھی ثبوت کی اجازت دی ہے اور حنفیہ کے ہاں مطلقاً ایک گواہ اور قسم اور ایک قسم اور دو عورتوں کی گواہی کی اجازت نہیں نص قرآنی پر عمل کرتے ہوئے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ..... البقرة ۲/۲۸۲

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنائی جائیں) پس جو اس پر اضافہ کرے تو وہ نص پر اضافہ کرنے والا ہے اور نص پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ صرف اس کے مشابہ نص ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

تیسری بات: قرینے..... قرینہ ہر وہ علامت اور نشانی ہے جو کسی خفیہ شے کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور اس پر دلالت کرے اور اسی سے سمجھا آتا ہے کہ قرینہ میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایہ کہ کوئی ظاہری چیز پائی جائے جس پر اعتقاد کر کے اسے اساس بنایا جائے کوئی ایسا صلہ پایا جائے جو ظاہر اور خفی میں رابطہ کا کام دے۔

جمہور فقہاء کے ہاں حدود میں قرائن کے ذریعہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ شہادت سے یہ ساقط ہو جاتی ہیں اور نہ قصاص میں البتہ قسا مت میں احتیاط کی بناء پر قرائن سے فیصلہ دیا جاسکتا ہے کیونکہ نفوس کے ضائع کرنے اور خون کے معاملہ اس بات پر اعتقاد کرتے ہوئے کہ مقتول متہم لوگوں کے محلہ میں پایا گیا ہے ان لوگوں کے ہاں بھی جن کے ہاں ظاہری عداوت شرط نہیں یا جن کے ہاں صرف ظاہری عداوت شرط ہے ان قرائن کے ذریعہ مالی معاملات اور اگر گواہ نہ ہوں شخص حقوق ثابت کرنے کے لیے تو شخصی حقوق کے اثبات کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا لیکن عکس کا اثبات دوسری دلیلوں سے ہوگا اور بعض فقہاء جیسے ابن فرحون مالکی اور ابن قیم حنبلی نے بعض اوقات تحفظ اور بچنے کی خاطر

حدود میں بھی قرآن کو لیا ہے اور یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب بن گیا ہے جیسے حمل کی وجہ سے زنا کا ثبوت اور شراب کی بدلو کی وجہ سے شراب پینے کا ثبوت اور شنی مسروق کے چور کے پاس ہونے سے چوری کا ثبوت اور لوٹائی جائیں کی چوری شدہ چیزیں ودیعت اور لفظ وغیرہ جو ان معاملات میں واضح ہیں اور اس طرح کی کئی چیزیں ہیں حق ملکیت اہلیت اور ولادت کے اثبات میں۔ حنفیہ نے قطعی قرینہ کو آخری گواہ شمار کیا ہے اور اس کے ذریعہ فیصلہ کرنے کو کافی قرار دیا ہے جیسے کوئی مدہوش شخص خون میں لت پت پایا گیا اور اس کے پاس خون آلود چھری بھی پڑی ہوئی ہے اور اس کے قریب لاش ہے خون آلود ایک جگہ تو مطلب یہ ہوگا کہ یہی قاتل ہے۔ (م ۴۱/۱ سنن البیہ) رہ گیا غیر قطعی قرینہ لیکن بطنی غالباً اور ان قرآن میں سے عرفی قرینہ بھی ہے یاد عموماً سے مستبط اور خصوصیات کے تصرفات سے ثابت شدہ یہ اولی دلیل ہے متخاصمین میں سے ایک کی قسم کے ساتھ جبکہ قاضی انہیں کافی سمجھتا ہو لیکن اس کا خلاف ثابت نہیں۔

چوتھی بات: قسم سے انکار..... یہ کہ قاضی کی طرف سے لازم قسم جو مدعی علیہ سے ہوتی ہے اس سے رک جانا اور صرف اسے ہی قرینہ مدعی کی صدق پر تہمت میں نہیں بنایا جائے گا حنفیہ، حنابلہ کے ہاں اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کو مدعی علیہ پر مقصور کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ حنفیہ کے ہاں عمد کی حالت میں اطراف کے قصاص اور خطا کی حالت میں دیت کا فیصلہ انکار کی صورت میں کیا جائے گا البتہ نفس کے قصاص اور دیت کا فیصلہ انکار کی صورت میں نہیں کیا جائے گا البتہ جرم کرنے والے کو قید کیا جائے گا اقرار حلف اٹھانے تک حنابلہ اور صاحبین کے ہاں نفس اور اطراف دونوں میں انکار سے فیصلہ نہیں دیا جائے گا جیسا حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں بالاتفاق خالص حدود اللہ میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا جیسے حد زنا، حد سرقہ، حد شراب وغیرہ کیونکہ اس میں شبہ ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں البتہ حنفیہ کے ہاں تعزیر میں انکار سے فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ البتہ حنابلہ کے ہاں انکار سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد سے دو روایتوں میں ترجیح سے ظاہر ہے اس لیے کہ یہ قسم کو اموال اور تجارتی سامان پر مقصور کرتے ہیں۔ شوافع اور حنابلہ انکار کو نہیں لیتے البتہ ان کے ہاں اس قسم کو لیتے ہیں جو مدعی کی جانب سے ہو البتہ مالکیہ کے ہاں اس قسم سے اموال اور جو چیزیں مال کی طرف لوثی ہیں صرف جیسے خیار اور اجل و مدت میں جو قصاص حدود اور تعزیر کے علاوہ ہیں اور شوافع کے ہاں بیعتن مردود سے تمام حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا البتہ خون اور حدود والی جنایات کے علاوہ۔

دوسری بحث..... قتل کا اثبات خاص طریقہ سے

قسامت..... اس بحث میں چہ مقصد ہیں۔

قسامت کا معنی: قسامت کی مشروعیت، اس کی مشروعیت کے متعلق فقہاء کی آراء، محل قسامت، قسامت کب ہوگی؟ قسامت کی شرائط، کیفیت، کس پر قسامت واجب ہے اور ان کا حکم یا اس پر کیا واجب ہوتا ہے۔

پہلا مقصد: قسامت کا معنی..... لغوی اعتبار سے قسامت مصدر ہے اور قسم کے معنی میں ہے اور شرعاً وہ قسمیں ہیں جو دعویٰ قتل میں مقرر ہیں اور یہ پچاس قسمیں ہیں پچاس آدمیوں سے۔ حنفیہ کے ہاں اہل یہ قسمیں اٹھائیں گے جن کے محلے میں مقتول پایا گیا ہے اور قسم دینے کے لیے ولی مقتول انہیں منتخب کرے گا مہتمم سے قتل کی تہمت کی نفی کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کہے گا اللہ کی قسم بخدا میں نے نہ ہی اسے قتل کیا اور نہ ہی میں اس کے قاتلوں کو جانتا ہوں جب سب قسمیں اٹھالیں تو دیت ادا کریں گے جمہور کے ہاں مقتول کے اولیاء قسم اٹھائیں گے جانی پر قتل کی تہمت کے متعلق کہ ان میں سے ہر ایک یہ کہے: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ فلاں نے اسے مارا ہے اور یہ مر گیا ہے یا فلاں نے اسے قتل کیا ہے اگر مقتول کے بعض ورثاء انکار کر دیں قسم سے تو باقی ساری قسمیں اٹھائیں گے اور اس کے حصہ کی دیت

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت لے لیں گے اگر سب کے سب نے قسم سے انکار کر دیا وہاں پر کوئی ظاہری قرینہ اور ظاہری دشمنی نہ ہو تو پھر مدعی علیہ بھی قسم اٹھائے گا تاکہ اس کے اولیاء پچاس قسمیں کھالیں اگر اس کے اولیاء نہ ہوں تو پھر مہتم جانی کا پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائے گا۔

جب معقول کے اولیاء نے قسم اٹھائی تو عمدہ کی صورت میں بالکلیہ کے ہاں قصاص واجب ہے اور خطا میں دیت اور شوافع کے ہاں تمام حالتوں میں صرف دیت واجب ہے جو میں عنقریب بیان کروں گا اور حنابلہ عمد اقل کے دعویٰ میں قصاص واجب قرار دیتے ہیں شبہ عمد اور خطا میں دیت۔

کیا اس صورت میں قسامت نفی یا اثبات کی دلیل ہے..... حنفیہ کے ہاں قسامت مدعی علیہم سے تہمت کی نفی کی دلیل ہے اور جمہور کے ہاں قاتل پر قتل کی تہمت کے اثبات کی دلیل ہے مدعیان کے لیے جب دوسرے وسائل نہ ہو۔

دوسرا مقصد: مشروعیت قسامت اس کی قانون سازی کی حکمت اور قسامت کے وجوب کا سبب..... جاہلیت میں بھی قسامت مشہور تھی اور سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے اس کے ذریعہ فیصلہ کیا اور قسامت کی مشروعیت سنت میں کئی احادیث سے ثابت ہے ان میں سے وہ روایت جسے ایک انصار صحابی نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت میں جو قسامت تھی اسے برقرار رکھا اور ایک جماعت نے سہل بن ابی حمزہ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سہل اور حبیصہ بن مسعود خیبر کی طرف گئے اور یہ زمانہ صلح کا تھا دونوں جدا ہو گئے حضرت حبیصہ عبداللہ بن سہل کی طرف آئے اور وہ خون میں لت پت مقتول حالت میں پڑے ہوئے تھے آپ نے انہیں دفن کیا پھر مدینہ تشریف لائے تو عبدالرحمن بن سہل حبیصہ اور حویصہ حضرت مسعود کے بیٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے حضرت عبدالرحمن بات کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا بات کرے، بڑا بات کرے اور وہ ان میں سے چھوٹے تھے خاموش ہو گئے تو حویصہ اور حبیصہ نے بات شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قسمیں اٹھا کر اپنے قاتل کے مستحق بن سکتے ہو تو انہوں نے عرض کی ہم کیسے قسمیں اٹھائیں حالانکہ ہم میں سے نہ کوئی وہاں حاضر تھا اور نہ کسی نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی پچاس قسمیں کھا کر بری ہو سکتے ہیں تو انہوں نے عرض کیا ہم کیسے کافروں کی قسموں پر اعتبار کریں؟ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انہیں دیت ادا کی۔ اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں کیا تم پچاس قسمیں اٹھا کر اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن سکتے ہو؟ یعنی تمہاری طرف سے تمہارے قاتل سے قصاص لی جائے۔

قسامت شروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ خونوں کی حفاظت کی خاطر اور انہیں رائیگاں ہونے سے بچانے کے لیے کہ اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہ جائے اور مجرم سزا سے بچ نہ سکے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے بارے میں جو جمعہ کے دن یا طواف کی بھیڑ میں مر جاتے تھے کہا: اے امیر المؤمنین! کسی مسلمان کا خون رائیگاں نہیں جانا چاہیے اگر آپ اس کے قاتل کو جانتے ہیں ورنہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کریں۔ اور حنفیہ کے ہاں قسامت میں اور دیت میں مہتم بالقتل کے عاقلہ یا عصبہ پر اس کے لازم ہونے کی وجہ ان کی حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے کہ جس جگہ مقتول پایا گیا قتل سے پہلے اس کی زندگی کی حفاظت ان پر ضروری تھی اور ان کی نصرت اور حمایت جانی کے خلاف نہ پائے جانے کی وجہ سے جیسے قتل خطا میں گویا وہ پولیس والے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ محلہ کی حفاظت اور محلہ میں تصرف کی ولایت ان کی طرف عائد ہوتی ہے لہذا یہ مسئول ہیں اور فائدہ اٹھانے میں ضمان بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے مطابق۔ اور یاد رہے کہ قسامت کے بعد دیت واجب کرنا یہ قسامت کا ہدف اصلی نہیں بلکہ اس کی اصل غرض وہ قتل کے جرم کا اظہار ہے اور قسم کے ذریعہ ان پر قصاص لازم کرنا ہے تاکہ وہ جھوٹی قسم سے بچ جائیں اور قتل کا اقرار کر لیں لیکن جب انہوں نے قسم اٹھائی تو قصاص سے بری ہوں گے اور دیت ثابت ہوگئی تاکہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے اور اسی بناء پر قسامت دیت واجب کرنے کے لیے نہیں الایہ کہ وہ قسم سے

جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت۔ انکار کر لیں۔ بلکہ یہ قتل کی تہمت ختم کرنے کے لیے ہے اور دیت اس وجہ سے ہے کہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا اور اسی بات کی طرف عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے جب ان سے کہا گیا، کیا ہم اپنے مال بھی خرچ کریں اور قسمیں بھی اٹھائیں تو آپ نے فرمایا: تمہاری قسمیں تمہارے خون کی حفاظت کے لیے ہیں اور تمہارے مال مقتول کے تمہارے درمیان ہونے کی وجہ سے ہیں اور قاتل کے عصبہ میں سے جس نے انکار کر دیا قسم سے تو اسے گرفتار کیا جائے گا تا آنکہ وہ قسم اٹھالے اس لیے کہ اس میں قسم ذاتی طور پر ضروری ہے خون کے معاملہ کی عظمت کی وجہ سے لہذا قسم اور دیت کو جمع کیا جائے گا اور مالوں میں قسم کے یہ برعکس ہے اس لیے کہ قسم اموال میں صاحب مال کے اصلی حق کا بدلہ ہے یہی وجہ ہے کہ مدعی بہ کے خرچ سے قسم ساقط ہو جاتی ہے جبکہ قسامت کی قسمیں دیت دینے سے ساقط نہیں ہوتیں اس لیے کہ یہ قسمیں اصلی واجب میں اظہار قصاص کے لیے اور حق کا بدلہ نہیں۔

تیسرا مقصد: مشروعیت قسامت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء..... فقہاء آئمہ اربعہ اور ظاہریہ وغیرہ نے قسامت کے سنت نبوی سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس کو برقرار رکھا ہے لیکن قاضی عیاض نے سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے ان میں سے ابو قلابہ، سالم بن عبد اللہ، حکم بن عتیبہ، قتادہ، سلیمان بن یسار، ابراہیم بن علیہ، مسلم بن خالد اور ایک روایت میں عمر بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ قسامت ثابت نہیں چونکہ یہ اصول شریعت کے مخالف ہے چند وجوہوں سے ان میں سے ایک یہ کہ قسم تب ہی جائز ہے جب کسی چیز کا قطعی طور پر علم ہو یا مشاہدہ میں۔ دوسرے یہ کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم مدعی علیہ پر۔ تیسرے یہ کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ والی حدیث جو اس سلسلہ میں ہے اس میں قسامت کا حکم نہیں بلکہ قسامت تو زمانہ جاہلیت کے احکام میں سے اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بطلان کی کیفیت کو واضح فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قسامت ایک خاص حدیث سے ثابت ہے لہذا عام دلیل کی وجہ سے اسے چھوڑا نہیں جائے گا لہذا یہ عام کو خاص کرنے والی ہے اس لیے کہ اس میں خونوں کی حفاظت ہے اور ظلم کرنے والوں کے لیے زجر اور قتل کے مرتکب پر گواہ قائم کرنا معتذر ہے چونکہ خفیہ ایسا کیا جاتا ہے اور رہ گیا یہ دعویٰ کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بطلان کے لیے بطور تلطف ایسا کیا تو یہ دعویٰ مردود ہے اس لیے کہ اس کے ثبوت دوسرے واقعات اور احادیث سے ہے ان میں سے ابوسلمی کی حدیث سابقہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی قسامت کو برقرار رکھا ہے۔

چوتھا مقصد محل قسامت..... قسامت صرف قتل کے جرائم میں ہے فقط جو بھی قتل کی قسم ہو عمد خطا یا شبہ عمد بخلاف دوسرے جرائم کے جو نفس پر ہوتے ہیں مثلاً قطع کرنا زخمی کرنا یا کسی عضو کی منفعت معطل کرنا اس لیے کہ انص صرف قتل کے متعلق ہے لہذا قسامت اپنے محل ورود پر مقصور ہوگی اس بناء پر زخمیں صرف اعتراف اور شہادت سے ثابت ہوں گی اور زخموں میں قسامت نہیں۔

جیسا کہ حنفیہ کے ہاں قاتل مجبوم ہو تو قسامت ہے لیکن اگر قاتل معلوم ہو تو کوئی قسامت نہیں اور اس صورت میں قصاص یا دیت واجب ہوتی ہے اور جمہور کے ہاں قسامت جب ہی صحیح ہے جب وہاں کوئی شبہ اور قرینہ ہو مثلاً خون وغیرہ اور قاتل کی تعین کے لیے گواہ نہ ہوں اور نہ اقرار ہو اور قرینہ (لوٹ) جیسا کہ مالکیہ نے وضاحت کی ایسا معاملہ جس سے دعویٰ پر غلبہ ظن حاصل ہو یا ایسا امر جس سے قتل کا غلبہ ظن ہو اور انہوں نے اس کی پانچ مثالیں ذکر کی ہیں ان سے قاتل کی تعین ہوتی ہے لیکن یہ ایسی دلیل ہے جو اثبات قتل کے لیے کافی نہیں۔

۱..... مسلمان بالغ آزاد خون نہیں لیت پت زخمی کہے میرا خون فلاں کے ذمہ ہے اور زخم و ضرب کا اثر بھی ہو یا کہے مجھے فلاں نے قتل کیا ہے چاہے خون آلود آدمی عادل ہو یا فاسق اور قتل عمد میں خون مالکیہ کے ہاں بالاتفاق قرینہ ہے اور خطا کے بارے میں دو قول ہیں راجح یہ ہے کہ علامات اور قرینہ ہے۔

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۳۲ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت

۲..... دوعال آدمیوں کی گواہی مارنے یا زخمی کرنے پر یا خون آلود کے اقرار پر۔

۳..... ایک آدمی کی گواہی زخم و ضرب پر۔

۴..... قتل کے معاینے پر ایک کی گواہی۔

۵..... مقتول پایا جائے اور اس کے قریب ایک شخص ہو جس پر قتل کا اثر ہو۔

شوافع نے (لوٹ) کی تعریف یوں کی کہ حالی یا مقالی قرینہ مدعی کے صدق پر یا ایسا معنی پایا جائے جس میں غلبہ ظن ہو مدعی کے صدق پر مثلاً مقتول پایا جائے یا اس کا سر وغیرہ کسی محلہ میں یا چھوٹے گاؤں میں اس کے درمیان اور مقتول کے قبیلہ کے درمیان دشمنی ہو دینی یا دنیاوی اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو اور گواہ بھی نہ ہوں یا ایک مجمع کے جدا ہونے میں مقتول پایا جائے جیسے کسی کنوئیں یا کعبہ کے دروازے پر بھیڑ میں پایا جائے اور وہ لوگ اس سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ غلبہ ظن یہی ہے کہ انہوں نے ہی قتل کیا ہے اور یہاں دشمن ہونا شرط نہیں لیکن یہ شرط ہے کہ وہ سارے محصور ہوں اس طور پر کہ مقتول پر ان سب کا اجتماع متصور ہو ورنہ دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی اور نہ ہی قسامت ہوگی دو صفوں کے درمیان قتل و قتال ہونا یا ایک کا اسلحہ دوسرے تک پہنچا تو ایک کا حلف دوسرے کے حق میں ہونا لوٹ ہے ایک عادل کی گواہی یا عورتوں کی اور فاسقوں کا قول بچوں اور کفار کی گواہی اصح قول میں قرینہ ہے حنا بلہ نے لوٹ کی یوں تعریف کی ہے: مقتول اور مدعی علیہ کے درمیان ظاہری عداوت و دشمنی جیسے انصار اور خیبر کے یہود کے درمیان تھی یا وہ جو قبائل اور اہل دیہات کے درمیان ہوتی ہے اور ان میں خونریزی بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ جو باغیوں اور اہل عدل کے درمیان ہوتی ہے اور پولیس اور چوروں کے درمیان اور ہر وہ لوگ جن کے اور مقتول کے درمیان کینہ ہو اور غالب گمان ہو کہ انہوں نے ہی اسے قتل کیا ہوگا لیکن اگر مقتول اور مدعی علیہ اور مہتمم کے درمیان ظاہری عداوت نہ ہو لیکن غلبہ ظن ہو مدعی کے سچے ہونے میں جیسے مقتول کے پاس سے ایک جماعت کا مشترکہ ہونا یا ریش میں ہونا یا عورتیں بچے اور فاسق یا ایک عادل گواہی دے تو یہ لوٹ نہیں اگر کوئی شخص قتل کا دعویٰ کرے بغیر دشمنی کے تو پھر مدعی علیہ کا تعین ضروری ہے اور اگر دعویٰ غیر متعین لوگوں کے خلاف کیا گیا تو اس کی سماعت نہ ہوگی کما قال الشافعیۃ اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ کے ہاں مقتول کا کسی محلہ میں پایا جانا قرینہ اور لوٹ نہیں اگر چنان لوگوں کے ساتھ دشمنی ہی کیوں نہ ہو مقتول کی وفات سے پہلے مہتمم پر دعویٰ جو ہے اس کا اعتبار ہوگا اور قتل عمد میں یہ خون آلود ہونا ہے اور یہ مقتول کا قول ہے کہ فلاں نے مجھے قتل کیا ہے یا میرا خون فلاں کے ذمہ ہے جبکہ شوافع اور سارے علماء اسے قرینہ نہیں کہے خاص اور عام لوگوں کی زبان پر یہ بات کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے یہ شوافع کے ہاں قرینہ ہے مالکیہ کے ہاں قرینہ نہیں خلاصہ یہ کہ لوٹ صرف علامت ہے قتل کی قطعی دلیل نہیں لیکن قرینہ کے حالات جمہور کے ہاں مختلف ہیں۔

پانچواں مقصد: قسامت کی شرائط..... حنفیہ نے قسامت میں درج ذیل سات شرطیں رکھی ہیں:

۱..... مقتول پر زخم مارا گیا گھونٹنے وغیرہ کا اثر ہو اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو اس میں نہ قسامت ہے نہ دیت اس لیے کہ جب اس پر ظاہری طور پر قتل کا اثر نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی موت آپ مر رہا ہے لہذا اس سے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور اگر وہ پایا گیا اور اس کے منہ سے یا ناک سے یا دبر اور ذکر سے خون بہہ رہا ہو تو اس میں کوئی چیز نہیں اس لیے کہ ان جگہوں سے عام طور پر بغیر مارنے کے بھی خون نکلتا ہے ورنہ اس کا سبب الٹی یا نکسیر وغیرہ ہوتی ہے لہذا مقتول ہونا معلوم نہیں ہوا اور اگر خون آنکھوں کانوں وغیرہ سے بہہ رہا ہو تو اس میں قسامت اور دیت ہے اس لیے کہ ان جگہوں سے عادیہ خون نہیں نکلتا لہذا خون نکلتا قتل کی وجہ سے ہے اور اس پر حنفیہ لوٹ اور قرینہ کی شرط نہیں لگاتے صرف جسم کا ایسے محلہ میں پایا جانا کافی ہے کہ اس پر قتل کا اثر ہو۔ جمہور فقہاء کے ہاں قسامت کے لیے لوٹ کا ہونا شرط ہے اور لوٹ کے لیے قرینہ کا ہونا شرط نہیں کہ مقتول پر کوئی اور ہو صرف موت کا ہونا کسی سبب سے شرط ہے نہ کہ صرف قضاء و قدر سے ہونا اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول خیبر کے بارے میں انصار سے نہیں پوچھا کہ آیا مقتول پر کوئی اثر تھا یا نہیں نیز کبھی قتل ایسے اسباب سے بھی ہوتا ہے کہ قتل کا اثر نہیں ہوتا جیسے گلا گھونٹنا

الفقہ الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۳۳ ----- جرائم اور سزا، قصاص اور دیت

نصتین دبا نا وغیرہ اور جس پر یا اثر ہو کہ وہ اپنی موت آپ مرا ہے کرنے کی وجہ سے یا پچھاڑنے کی وجہ وغیرہ سے۔

۲..... قاتل مجہول ہوا مگر معلوم ہو تو قسامت نہیں قتل عمد میں شرائط کے ساتھ قصاص ہے اور شبہ عمد اور خطا میں دیت واجب ہے۔

۳..... مقتول انسان ہو جانوروں میں قسامت نہیں اور نہ تاوان۔

۴..... اولیاء مقتول دعویٰ دائر کریں قاضی کے پاس اس لیے کہ قسامت قسم ہے اور قسم دعویٰ کے بغیر واجب نہیں ہوتی جیسا کہ تمام دعویوں میں مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں تمام اولیاء کا دعویٰ میں متفق ہونا شرط ہے اگر ان کا اختلاف ہو تو قسامت ثابت نہیں اور شوافع نے اس کے تعبیر یوں کی کہ مدعی کے دعویٰ میں تناقض نہ ہو اگر کسی نے منفرد طور پر قتل کا دعویٰ کیا اور پھر دوسرے پر دعویٰ کیا کہ وہ شریک ہے یا وہ منفرد قاتل ہے تو دوسرا دعویٰ مسوع نہ ہوگا کیونکہ پہلے دعویٰ کے یہ منقض ہے۔

۵۔ مدعی علیہ کا انکار..... اس لیے کہ قسم منکر کا وظیفہ ہے اگر اس نے اعتراف کر لیا تو کوئی قسامت نہیں۔

۶..... قسامت کا مطالبہ اس لیے کہ یہ قسمیں ہیں اور قسم مدعی کا حق ہے اور انسان کا حق طلب پر پورا کر دیا جاتا ہے جیسے ساری قسموں میں ہے یہی وجہ ہے کہ مقتول کے اولیاء جیسے متہم کر کے منتخب کریں اگر جن پر قسامت ہے ان کا مطالبہ کیا گیا ہو وہ قسم سے انکار کریں تو اسے قید کیا جائے گا کہ وہ اقرار کر لے یا حلف اٹھالے اس لیے کہ قسم ذاتی طور پر مقصود حق ہے نہ کہ مقصود کا وسیلہ جو کہ دیت ہے اس وجہ سے کہ دیت اور اس کو جمع کیا جاتا ہے حارث بن ازمع نے ہمارے آقا رضی اللہ عنہ سے کہا ہم اپنے مال اور قسمیں خرچ کریں تو آپ نے فرمایا ہاں اور یہ ساری حقوق کے برخلاف ہے اس لیے کہ باقی قسمیں ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ وہ مقصود کا وسیلہ ہیں اور وہ مال ہے لہذا ان دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا اگر مکرر قسم کرے تو بری ہو جاتا ہے۔

۷..... جس جگہ مقتول پایا جائے وہ کسی کی ملکیت میں ہو یا کسی کے قبضہ میں ہو اور نہ قسامت ہے نہ دیت اس لیے کہ یہ دونوں حفاظت چھوڑنے کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں اگر محل کسی کی ملکیت میں نہ ہو یا کسی کے قبضہ میں نہ ہو کسی پر اس کی حفاظت لازم نہیں لہذا قسامت اور دیت واجب نہیں بلکہ بیت المال میں دیت واجب ہے اس لیے کہ عام جگہوں کی حفاظت عام لوگوں پر ہے یا جماعت پر اور بیت المال کا مال ان کا مال ہے اور اس کی تطبیق درج ذیل مثالوں سے ہے۔ جب مقتول کسی صحراء یا جنگل میں پایا جائے جو کسی کی ملکیت نہیں اب اگر یہ ایسی جگہ پر ہے کہ وہاں سے آواز بستی گاؤں یا شہر میں پہنچ سکتی ہے تو ان پر قسامت ہے اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں آواز سنائی نہیں دیتی تو پھر کسی پر بھی قسامت نہیں اور نہ دیت اس کی دیت بیت المال سے لی جائے گی۔ اگر مقتول کسی بڑی نہر کے درمیان میں پایا جائے جیسے دجلہ، فرات اور نیل اور وہ پانی کی سطح پر بہہ رہا ہے تو کسی پر بھی قسامت اور دیت نہیں اس لیے کہ بڑی نہر کسی کی ملکیت نہیں نہ کسی کے قبضہ میں ہے دیت بیت المال سے واجب ہے۔ اور اگر وہ پانی پر نہیں بہہ رہا بلکہ پانی کے کنارے ہے یا کسی جزیرہ میں ہے تو اس جگہ سے قریب ترین بستی والوں پر قسامت ہوگی اگر آواز سنتے ہوں اس لیے کہ اس جگہ کی نصرت کے متعلق وہ مسئول ہیں اور یہ ان کے تصرف میں ہے لہذا ان کے قبضہ میں ہے اور اگر چھوٹی نہر میں پایا گیا تو قسامت اور دیت نہر والوں پر ہوگی اس لیے کہ نہر ان کی ملکیت میں ہے۔ جامع مسجد شارع عام پلوں عام بازاروں یا قید خانہ میں اگر مقتول پایا جائے تو قسامت نہیں اس لیے کہ یہ جگہیں کسی کی ملکیت نہیں اور نہ کسی کے قبضہ میں اور دیت بیت المال میں سے ہوگی اور اگر محلہ کی مسجد میں پایا گیا تو قسامت اہل محلہ پر ہے۔ اگر مقتول کشتی میں ہو تو قسامت اس میں موجود سواروں اور ملاحوں پر ہے کیونکہ یہ ان کے قبضہ میں ہے گاڑیاں بھی کشتی کے حکم میں ہیں۔ اگر مقتول جانور پر پایا جائے اور اس کے ساتھ قائد یا شائق یا سوار ہو تو قسامت اسی پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر نہ کہ اہل محلہ پر اس لیے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے اور اسی کے مثل ہے اگر مقتول کسی کے گھر میں ہو تو قسامت اسی پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر نہ کہ اہل ایسا جانور جس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہو اس پر مقتول ہو تو قسامت اور دیت کسی پر نہیں بلکہ دیت بیت المال میں ہے۔ اگر مقتول دو بستیوں کے درمیان پایا جائے اور بائیں طور پر کہ دونوں بستیوں میں آواز پہنچتی ہو اور وہ مدد پر قادر بھی ہوں تو قسامت اور

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ۳۳۴ جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت
دیت ان میں سے قریب ترین پر ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ہر وہ جگہ جو عام مسلمانوں کے تصرف میں ہو کسی جماعت وغیرہ کی ملکیت نہ ہو تو کسی پر بھی
قسامت اور دیت نہیں بلکہ بیت المال میں ہے۔

چھٹا مقصد: کیفیت قسامت..... فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا پہلے قسمیں کون اٹھائے مدعیان یا مدعی علیہم۔
۱..... مدعی علیہم سے حلف کی ابتداء ہوگی جیسا کہ قسم میں اصل یہی ہے اور انہیں ولی مقتول منتخب کرے گا۔ اس لیے کہ قسم اس کا حق ہے لہذا
مہتمم قتل کو وہ منتخب کرے گا ان میں سے ہر ایک یہ قسم اٹھائے گا اللہ کی قسم میں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی میں اس کا قاتل جانتا ہوں۔“ ان کا
استدلال بخاری کی روایت سے ہے کہ انصاری صحابی سہل بن حمہ کو خیبر میں قتل کیا گیا ان کے اولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے
آپ نے فرمایا گواہ لاؤ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس گواہ نہیں آپ نے فرمایا وہ تمہارے لیے قسم کریں انہوں نے عرض کیا ہم یہودی قسموں
پر راضی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے رائیگاں ہونے کو ناپسند کیا اور اپنے ان کی دیت صدقہ کے اونٹوں سے ادا کی۔ ان کا
استدلال ایک اور بخاری کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کہا اور ان سے قسم کی ابتداء کی کہ تم میں سے پچاس آدمی
قسم اٹھائیں تو انہوں نے انکار کیا تو انصار سے کہا تم قسم اٹھاؤ تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم غیب پر قسم اٹھائیں تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے دیت یہود کے ذمہ لگائی کیونکہ ان ہی کے پاس وہ پائے گئے۔

علامہ کاسانی نے استدلال کیا ہے زیاد بن ابومریم کی روایت سے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے عرض کی
اے اللہ کے رسول میں نے اپنے بھائی کو مقتول حالت میں بنو فہاں کے ہاں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے پچاس آدمی جمع
کر دو اللہ کی قسم کریں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور اس کا قاتل نہیں جانتے انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول میرا صرف یہی بھائی ہے؟ تو
آپ نے فرمایا آپ کے لیے سواوٹ ہیں پس یہ حدیث مدعی علیہم پر قسامت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

اور وہ اہل محلہ ہیں اور ان پر دیت واجب ہے قسامت کے ساتھ۔ اگر انہوں نے قسمیں کھالیں تو قتل محمد میں دیت اہل محلہ پر واجب ہو
گی اور قتل خطا میں ان کی عاقبت پر اگر مدعی علیہم یا ان میں سے بعض قسم کھانے سے رک جائیں تو انہیں قید کیا جائے گا قسم اٹھانے تک اس لیے کہ
قسم اس میں ذاتی طور پر ضروری ہے خون کے معاملہ کے عظیم ہونے کی وجہ سے۔

۲..... مالکیہ، شوافع: حنابلہ اور داؤد ظاہری کے ہاں پہلے اولیاء مقتول سے پچاس قسمیں لی جائیں گی۔ سہل بن ابی حمہ کی حدیث پر عمل
کرتے ہوئے اور اس میں ہے کیا تم پچاس قسمیں اٹھاؤ گے اور اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بنو لہذا ہر ولی ان میں سے حاکم اور مدعی کے
سامنے قسم اٹھائیں گے اور بڑی مسجد میں نماز کے بعد لوگوں کے اجتماع میں ان الفاظ سے **بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَقَدْ ضَرَبَهُ فَلَانَ**
فَمَاتَ اَوْ لَقَدْ قَتَلَهُ فَلَانَ اور یہ بھی شرط ہے کہ قسم قطعی ہو مہتمم کے جرم کے ارتکاب کے لیے۔

مالکیہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ قسمیں پے در پے ہوں کئی دنوں اور اوقات پر تقسیم نہیں کی جائیں گی اس لیے کہ پے در پے اٹھانے میں
زجر و ردع میں اثر ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں مولات شرط نہیں اس لیے کہ قسمیں دلائل میں سے ہیں اور دلائل میں تفریق جائز ہے جیسے گواہ
متفرق طور پر گواہی دیں جب مدعیان قسمیں نہ اٹھائیں تو مدعی علیہ پچاس قسمیں اٹھائیں گے اور بری ہو جائیں گے ان الفاظ سے ”واللّٰہ
ما قتلته ولا شارب کتہ فی قتله ولا نسببت فی موتہ“ کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا یہود تمہیں پچاس قسمیں اٹھا کر بری کر دیں
گے اگر مدعیان قسم نہ اٹھائیں اور مدعی علیہ کی قسموں پر راضی نہ ہوں تو مہتمم بری ہو جائیں گے اور دیت حنابلہ کے ہاں بیت المال میں ہوگی
برخلاف مالکیہ اور شوافع کے ہاں۔ اگر مدعی علیہ قسم سے رک جائے تو قسم شوافع کے ہاں مدعیان پر ہوگی اگر وہ قسم اٹھائیں تو مدعی علیہ کو سزا ملے گی
اگر وہ حلف نہ اٹھائیں تو ان پر کوئی چیز نہیں اور مالکیہ کے ہاں مدعی علیہ میں سے جو بھی انکار کرے تو اسے قید کر دیا جائے گا قسم اٹھانے تک یا
کرنے تک اور ایک قول ہے کہ سو کوڑے لگائے جائیں یا ایک سال قید کیا جائے۔ اور حنابلہ کے ہاں قید نہیں لیا جائے گا تمام قسموں کی طرح۔

ساتواں مقصد: کس پر قسامت ہے..... قسامت بعض فقہاء کے ہاں تمام ورثاء پر واجب ہے اور بعض کے ہاں بعض ورثاء پر۔

۱..... حنفیہ کے ہاں حلف اٹھانے والا وہ مدعی علیہ ہے اور قسامت کی قسمیں بعض ورثاء یعنی بالغ مردوں پر بچے مجنون اور عورتوں پر قسامت نہیں اس لیے کہ ان کے واجب ہونے کا سبب وہ مد میں کوتاہی ہے اور موضع قتل کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے اور یہ اس کی اہل نہیں مقتول جہاں بھی پایا جائے بچہ اور مجنون قسامت میں داخل نہیں چاہے مملوکہ جگہ پایا جائے یا غیر مملوکہ البتہ عاقلہ کے ساتھ دیت میں شریک ہوگا اگر مقتول مملوکہ جگہ پایا گیا اس لیے کہ مملوکہ جگہ اس کا پایا جانا ایسے ہے جیسے اسے مباشرہ قتل کیا گیا ہے بچہ اور مجنون مالی مواخذت میں مسئول ہیں اور اگر مقتول غیر مملوکہ جگہ پایا جائے تو عورت قسامت میں داخل نہیں لیکن اگر عورت کے گھر یا عورت کے گاؤں میں مقتول پایا گیا کہ وہاں اور کوئی اس کے علاوہ نہیں تو اس پر قسامت ہے اس لیے کہ وہ قسم کی اہل ہے اور طرفین کے ہاں اسی سے حلف لیا جائے گا اور بار بار یہی قسمیں اٹھائے گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس پر قسامت نہیں بلکہ اس کی عاقلہ پر دیت ہے کیونکہ وہ اہل نصرت و مدد میں سے نہیں۔ اور اس مسئلہ میں عورت بھی دیت میں عاقلہ کے ساتھ داخل ہوگی اور مقتول کا ولی اہل محلہ کے ساتھ حلف نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی اسے قسم دینے کا فیصلہ ہوگا اس لیے کہ قسم دفاع کے لیے ہے نہ کہ اتحاق کے لیے قسامت اور دیت جہاں مقتول پایا گیا ان کے قریب ترین عاقلہ پر واجب ہیں پہلے گھر اور قوم پھر اہل محلہ پھر اہل شہر کسی شخص کی قوم اور قبیلہ الاقرب فالاقرب کے تحت داخل ہوں گے امام ابو حنفیہ اور امام محمد کے ہاں اجارہ پر رہنے والے با عاریت کے طور پر رہنے والے مالکوں کے ساتھ قسامت میں داخل نہیں اس لیے کہ اس سر زمین کی مدد کے لیے مالک ہی مختص ہیں نہ کہ رہائشی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان سب پر قسامت ہے اس لیے کہ نظام سنبھالنے کی ولایت رہائشی اور مالکوں دونوں پر ہے طرفین کے ہاں قسامت زمین خریدنے والوں پر نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں حاکم نے زمین الاٹ کی ہے اگرچہ اہل خطر میں سے ایک ہی بچا ہوا ہو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب اس میں مشترک ہیں کسی چیز کا ضمان اس کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے ان لوگوں پر جنہیں حفاظت کی ولایت حاصل ہے اور ولایت ملکیت سے متعلق ہوتی ہے اور یہ سارے یہاں مالک ہیں اور ظاہر ہے کہ عصر حاضر میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی راہ اتباع کے لیے موزوں ہے اور جب اہل محلہ حلف اٹھالیں تو اگر دعویٰ قتل عمد کا ہے ان کے مالوں میں دیت واجب ہو جائے گی اور اگر دعویٰ قتل خطا کا ہے تو ان کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اگر مقتول کے ملنے کی جگہ کسی کی ملکیت ہے تو قسامت مالکوں پر ہوگی اور دیت عاقلہ پر جبکہ اہل محلہ میں پچاس آدمی مکمل نہ ہوں تب ان پر دوبارہ قسم کی جائے گی تا آنکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں اس لیے کہ یہ سنت سے واجب ہیں لہذا جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں مکمل کیا جائے گا اور اس طور پر تکرار کے فائدہ سے بحث نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ سنت سے اسی طرح ثابت ہیں۔

۲۔ مالکیہ قتل عمد اور خطا کے درمیان فرق کرتے ہیں..... کہ قتل خطا کی صورت میں قسامت کی قسمیں مقتول کے ورثاء اٹھائیں گے۔ اگر وارث صرف ایک ہو یا عورت ہو یا بھائی ہو یا خفی بہن ہو اور جب ورثاء زیادہ ہوئے تو قسمیں میراث کی بقدر تقسیم کی جائیں گی اور کسر کو اکثر والے پر پورا کیا جائے گا اور غائب کی حاضری کا انتظار کیا جائے گا قسم اٹھانے تک اور بچے کا بالغ ہونے تک وہ صرف اپنے حصہ کی قسمیں اٹھا کر دیت لے لے گا اگر قتل خطا میں مقتول کے ورثاء اگر قسم سے انکار کر دیں تو قاتل کی عاقلہ قسم اٹھائیں گے ان میں سے ہر ایک ایک قسم اور اگر جانی کی عاقلہ نہ ہو تو پھر جانی پچاس قسمیں اٹھائے گا اور بری ہو جائے گا اگر اس نے انکار کر دیا تو اپنے حصہ کی دیت دے گا اگر بعض ورثاء نے حلف سے انکار کر دیا اور باقیوں نے تمام قسمیں اٹھالیں اور وہ صرف دیت میں سے اپنا حصہ لے گا اور عاقلہ میں سے جس نے انکار کر دیا قسم سے تو وہ صرف اپنے حصے کی دیت کا تاوان دے گا مقتول کے ورثہ کے لیے۔ اور قتل عمد میں عصبہ نبی حلف اٹھائیں گے چاہے وہ وارث ہوں یا نہ اور ان میں سے دو سے کم حلف نہیں اٹھائیں گے اور عمد میں عورتیں حلف نہیں اٹھائیں گی اس لیے کہ اس میں ان کی گواہی قبول نہیں۔ اگر عورتوں کے بغیر کوئی مرد نہ ہو تو مقتول لا وارث قرار دیا جائے گا اور قسمیں مدعی علیہ اٹھائیں گے اور وہ پچاس قسمیں اٹھائے کہ انہوں

الفقه الاسلامی وادلتہ..... جلد ہفتم ----- ۳۳۶ ----- جرائم اور سزائیں، قصاص اور دیت نے قتل نہیں کیا۔

۳..... شوافع کے ہاں قسامت کی قسموں میں مرد عورتیں سب داخل ہیں اور قسمیں ان پر وراثت کے حصص کی بقدر تقسیم ہوں گی۔
۴..... حنابلہ کے ہاں قسمیں مذکور ثناء کے ساتھ خاص ہیں اور وہ بھی ذوالفروض اور عصبات ہیں بقدر حصص اگر کئی ہوں لیکن اگر وارث صرف ایک ہو تو وہی پچاس قسمیں اٹھائے اور قسامت میں عورتیں بچے اور مجنون داخل نہیں ہوں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے پچاس مرد قسمیں اٹھائیں اور اپنے ساتھ کے خون کے مستحق بن جائیں نیز قسامت حجت ہے اس سے قتل عمد ثابت ہوتا ہے لہذا شہادت کی طرح عورتوں کی سماعت نہ ہوگی اور بچے اور مجنون کا قول حجت نہیں اگر ان میں سے کوئی اپنے لیے اقرار کرے تو اس کا اقرار قبول نہ ہوگا پس غیر کے حق میں اس کا قول قبول نہ ہونا اولیٰ ہے۔

آٹھواں مقصد: قسامت کا اثر..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل خطا اور شبہ عمد میں قسامت سے دیت واجب ہوتی ہے مخففہ اور مغفلہ اور رہ گیا قتل عمد تو مخففہ اور شوافع کے جدید مذہب کے مطابق یہ کہ قصاص واجب نہیں بلکہ فوری طور پر جانی کے مال سے دیت واجب ہے بخاری کی حدیث کی وجہ سے کہ یا تو تم دیت ادا کرو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کو مطلق ذکر فرمایا عمد اور خطا کا فرق بیان نہیں فرمایا اگر قسامت سے قصاص واجب ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تذکرہ ضرور فرماتے۔ نیز شبہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قسامت ضعیف حجت ہے لہذا قصاص واجب نہیں کرے گی خون کے معاملہ کی احتیاط کی وجہ سے اور عمر و علی رضی اللہ عنہما نے دو بستیوں میں موجود قاتل کی دیت کا فیصلہ قریب ترین بستی والوں پر کیا مالکیہ و حنابلہ کے ہاں قتل عمد میں قصاص قسامت کی وجہ سے واجب ہے لیکن مالکیہ کے ہاں اگر متہم زیادہ ہوں تو صرف ایک ہی قتل کیا جائے گا اور حنابلہ کے ہاں مانع نہ ہو تو اور استدلال کرتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے کیا تم قسمیں اٹھا کر اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن سکتے ہو یعنی قاتل کے خون کے اور ایک روایت میں ہے وہ تمہارے حوالہ کر دیا جائے نیز قسامت حجت ہے اس سے عمد ثابت ہوگا لہذا اس میں قصاص بھی ثابت ہوگی اور اثر م نے اپنی سند سے عامرا حول سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں قسامت سے قصاص لی۔

انتہی الجزء السابع ویتبعه الجزء الثامن تتمة الفقه العام الجہاد وتوابعه القناء



